الشرح الثمیری
علی المختصر للقدوری
٣٦٢ھ - ٤٢٨ھ
احادیث کا عظیم ذخیرہ
شارح
حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
الجزء الرابع
از کتاب الصید تا باب حساب الفرائض
ناشر:
KHATME NUBUWWAT ACADEMY
387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.

على المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

الجزء الرابع

(اس جلد میں ہیں)

کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیة، الایمان، الدعوی، الشهادة، الرجوع عن الشهادة، أداب القاضی، القسمة والاکراه، السیر، باب البغاة، کتاب الخظر والاباحة، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض باب اقرب العصبات، باب الحجب، باب الرد، باب ذوی الارحام باب حساب الفرائض .

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

توجہ فرمائیں !

نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الرّابع)

نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

باہتمام : (مولانا) سہیل عبد الرحمٰن باوا (لندن)

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

مطبوعہ : مبشر پرنٹر۔ بشیر مارکیٹ ناظم آباد نمبر 2، کراچی۔ موبائل: 0334-3218149

شارح کا پتہ:

MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI

70 Stamford Street, Old Trafford
Manchester M16 9LL, United Kingdom.

ناشر:

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

ملنے کے پتے

KHATME NUBUWWAT ACADEMY
387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT
United Kingdom.
Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404
E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

............☆............

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 74800

فون: (021) 4927159

............☆............

عرضِ ناشر

تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ و مقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن وحدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگان علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں ''مختصر القدوری'' کا نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایان شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن ''دیر آید درست آید'' کے قاعدے موافق دارالعلوم دیوبند کے ایک سپوت ''مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم'' (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام ''الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری'' ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالبعلم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمد للہ ''ختم نبوت اکیڈمی'' (لندن) کو اس منفرد وشاہکار تالیف کی طباعت واشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبد الرحمٰن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: ''ختم نبوت اکیڈمی'' لندن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ خصوصیات شرح ثمیری ﴾

(۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھ کر اس پر نمبر ڈال دیا ہے تا کہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔

(۲) ہر مسئلہ کا بامحاورہ ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی بھی پیش کر دی ہے۔

(۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا ہے تا کہ ہر ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔

(۵) کون سا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کر دیا ہے۔

(۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کر دی ہے۔

(۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔

(۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا ہے۔

(۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا ہے تا کہ طلباء تنگ نہ آ جائیں۔

(۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی ہے۔

(۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے ہیں۔

(۱۲) وراثت کے مسئلہ کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح: حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
(سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچسٹر انگلینڈ)

بسم الله الرحمن الرحيم
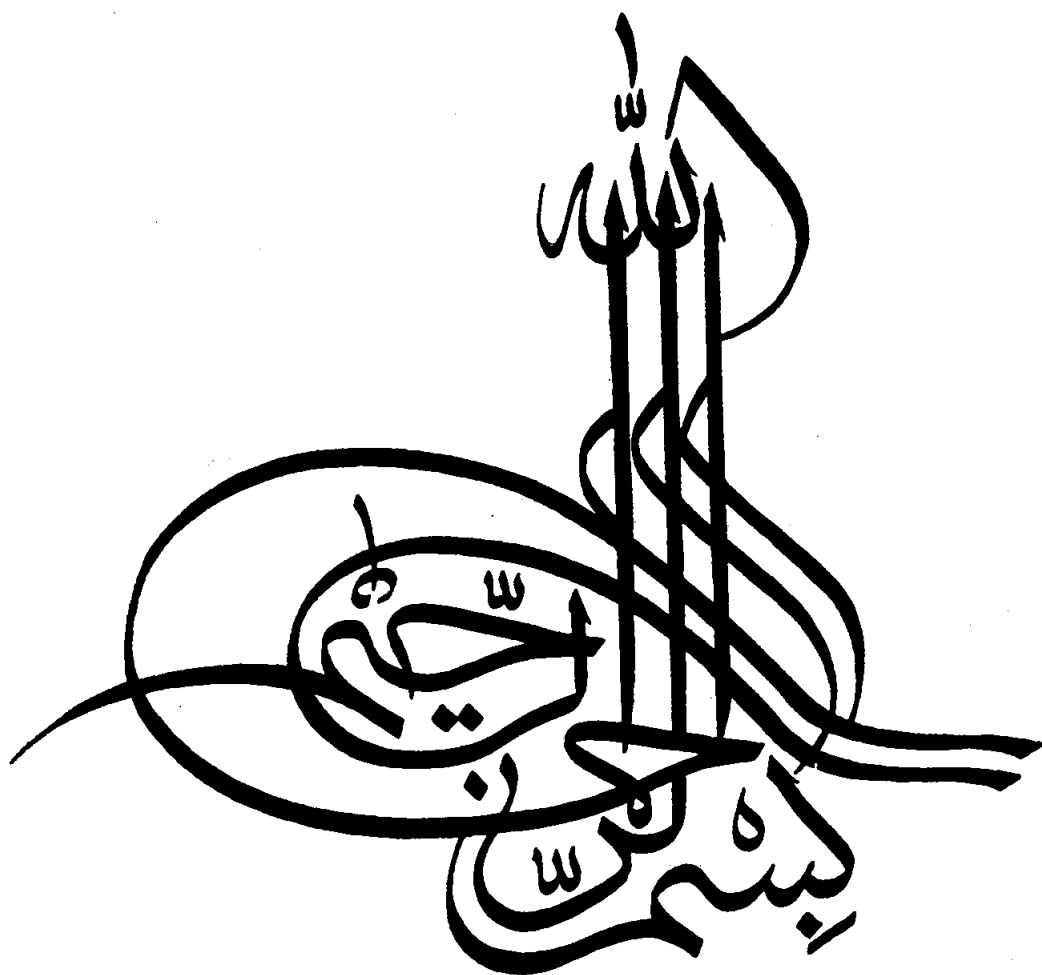
﴿ فہرست مضامین الشرح الثمیری ﴾

﴿ کتاب الصید و الذبائح ﴾

[۲۵۸۰](۱)یجوز الاصطیاد بالکلب المعلَّم والفهد والبازی وسائر الجوارح المعلَّمة .

﴿ کتاب الصید والذبائح ﴾

ضروری نوٹ : صید کا معنی شکار کرنا ہے۔اگر کتا یا باز سکھایا ہوا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ دے اور شکار ذبح کرنے پر قدرت سے پہلے مر جائے تب بھی حلال ہے۔یا بسم اللہ کر کے تیر پھینکے اور مر جائے تب بھی حلال ہے۔دلیل اس آیت میں ہے۔**یسئلونک ماذا احل لهم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله فکلوا مما امسکن علیکم و اذکروا اسم الله علیه** (الف) (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں بتلایا کہ کتے کو سکھاؤ پھر سکھایا ہوا کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دو تو وہ جو کچھ تمہارے لئے روکے یعنی مار لائے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے تو وہ شکار تمہارے لئے حلال ہے (۲) اور حدیث میں ہے۔**سمعت عدی بن حاتمؓ قال سألت رسول الله ﷺ عن المعراض فقال اذا اصبت بحده فکل فاذا اصاب بعرضه فقتل فانه وقیذ فلا تأکل،فقلت ارسل کلبی ؟ قال اذا ارسلت کلبک وسمیت فکل قلت فان اکل ؟قال فلا تأکل فانه لم یمسک علیک انما امسک علی نفسه.قلت ارسل کلبی فاجد معه کلبا آخر؟ قال لاتأکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر** (ب) (بخاری شریف،باب صید المعراض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶،کتاب الذبائح والصید رمسلم شریف،باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر۴۹۷۴) اس حدیث سے شکار کے تمام بنیادی مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

[۲۵۸۰](۱) جائز ہے شکار کرنا سکھائے ہوئے کتے،چیتے،باز اور تمام سکھائے ہوئے پھاڑ کھانے والے جانور سے۔

تشریح کتا ہو،چیتا ہو،باز ہو یا دوسرے زخمی کرنے والے جانور ہوں ان کو ان کے طریقے پر شکار کرنا سکھایا ہوا اور آپ کا فرماں بردار ہو ان سے شکار کرنا جائز ہے۔

وجہ اوپر آیت میں **وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن** (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے جانور کو شکار کرنا سکھایا ہو تو اس سے شکار کرنا جائز ہے۔اس میں کتا،چیتا،باز جن جانور کے گوشت نہ کھائے جاتے ہوں وہ سب آ گئے

حاشیہ : (الف) لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے آپ کے لئے حلال ہے پاک چیزیں اور جو تم نے سکھلایا پھاڑنے والے جانور کو،اس کو سکھلاؤ جو اللہ نے تم کو سکھلایا۔پس کھاؤ جو تمہارے لئے روکا اور جانور پر اللہ کا نام پڑھو۔یعنی جانوروں کو شکار کرنا سکھاؤ،پس وہ شکار کر کے تمہارے لئے چھوڑ دیں اور شکاری جانور کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑے ہو تو اس شکار کو کھاؤ (ب) میں نے حضورؐ سے تیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اگر دھار کی جانب سے لگا ہو تو شکار کھاؤ اور اگر بے دھار کی جانب سے لگا ہو اور مر گیا ہو تو وہ وقیذ یعنی چور کر کے مارا ہوا ہے۔اس لئے مت کھاؤ۔میں نے پوچھا اپنا کتا شکار پر بھیجتا ہوں! فرمایا اگر اپنے کتے کو بھیجا اور بسم اللہ پڑھا تو کھاؤ۔میں نے پوچھا اگر کتا کھالے تو؟ فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ تمہارے لئے شکار نہیں کیا ہے اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے۔میں نے پوچھا اپنا کتا چھوڑتا ہوں تو دوسرے کتے بھی شامل ہو جاتے ہیں تو کیا کروں؟ فرمایا مت کھاؤ کیونکہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسرے کے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھے ہو۔

[۲۵۸۱](۲)وتعلیم الکلب ان یترک الاکل ثلث مرات وتعلیم البازیّ ان یرجع اذا

ان سبھوں سے شکار کرنا جائز ہے۔
شکار کی تفصیل یہ ہے کہ تین طریقوں سے شکار کرتے ہیں (ا) پھاڑ کھانے والے جانوروں کے ذریعہ جیسے کتا، چیتا۔ ان سے شکار کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی کتا سکھایا ہوا ہو، کتے کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ تین بار شکار پکڑے اور اس کی کھال، گوشت اور ہڈی وغیرہ کتا نہ کھائے بلکہ مالک کے لئے چھوڑ دے تو شریعت کی نگاہ میں کتا سکھایا ہوا سمجھا جائے گا۔ تمام پھاڑ کھانے والے جانور کے سکھانے کا طریقہ یہی ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر جانور کو چھوڑا ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ پھاڑ کھانے والا جانور شکار کرنے کے بعد اس میں سے کھائے نہیں۔ ایسی صورت میں جانور نے شکار کیا اور شکار ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ شکار حلال ہے۔ اور شکار زندہ تھا اس حال میں شکار کو مالک نے پکڑا ذبح کرنے کا موقع تھا اور ذبح نہیں کیا تو اب حلال نہیں ہوگا۔ اور ذبح کرنے کا موقع نہیں تھا اور شکار مر گیا تو حلال ہوگا۔ پس اگر شکار کرنے والے جانور نے شکار کرنے کے بعد شکار کو کھا لیا تو مالک کے لئے یہ شکار حلال نہیں رہا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ شکار کے بدن میں کہیں زخمی بھی کیا ہو جو ذبح اضطراری کے درجے میں ہو گیا اور گلا گھونٹنے کے درجے میں نہ رہا۔
شکار کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پرندہ مثلا باز، شکرہ وغیرہ سے شکار کرے۔ اس میں تین شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پرندہ سکھایا ہوا ہو۔ اس کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو چھوڑنے تو شکار کے لئے جائے اور روکے تو رک جائے۔ تین بار ایسے کرنے سے شریعت کی نگاہ میں یہ پرندہ سکھایا ہوا ہے۔ کتے کی طرح کھانے اور نہ کھانے کے اعتبار سے اس کے سکھانے کا مدار نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پرندہ متوحش جانور ہے اس لئے وہ بلانے سے بار بار آجائے اور اپنی فطری عادت توحش کو چھوڑ دے یہی اس کے سکھانے کی علامت ہے۔ اور کتا پالتو جانور ہے وہ آدمی کے پاس گھوم گھوم کر آتا ہے۔ البتہ وہ شکار کو پکڑنے کے بعد کھانے کی کوشش کرتا ہے اس لئے وہ فطری عادت چھوڑ دے اور مالک کے لئے تین بار نہ کھائے تو یہ اس کے معلم ہونے یعنی سیکھے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑے۔ اب اگر وہ شکار میں سے کھا بھی لے تب بھی مالک کے لئے حلال ہے۔ البتہ شکار ہاتھ میں آنے کے بعد اتنا موقع ہو کہ ذبح کر سکے اور نہیں کیا تو مالک کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور اگر اتنا موقع نہیں تھا کہ ذبح کرے اور مر گیا تب بھی شکار حلال ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق تیسری شرط یہ ہے کہ کہیں زخمی بھی کیا ہو کیونکہ آیت میں **وما علمتم من الجوارح** ہے۔ اور جوارح کا ترجمہ ہے کہ زخمی کرنے والا ہو۔
اور شکار کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تیر یا بندوق کے ذریعہ شکار کرے۔ اس سے شکار کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ تیر کا وہ حصہ شکار کو لگا ہو جو دھار دار ہو۔ اگر وہ حصہ لگا جو دھار دار نہیں ہے اور مر گیا تو شکار حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ موقوذہ ہو گیا جو آیت میں حرام ہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ شکار کا کوئی حصہ زخمی بھی ہوا ہو۔ ان سب کے دلائل بعد میں آئیں گے۔

لغت معلم : سکھایا ہوا ہو، الجوارح : جارحۃ سے مشتق ہے زخمی کرنے والا۔ الفھد : چیتا، بازی : ایک قسم کا شکار کرنے والا پرندہ۔

[۲۵۸۱] (۲) اور کتے کا سکھانا یہ ہے کہ تین مرتبہ کھانا چھوڑ دے اور بازی کی تعلیم یہ ہے کہ واپس لوٹ جائے اگر اس کو بلائے۔

دعوتہ[۲۵۸۲] (۳)فاذا ارسل کلبہ المعلّم او بازیّہ او صقرہ علی صید وذکر اسم اللہ

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ کتے کا سکھلانا یہ ہے کہ تین مرتبہ کتا شکار کرے اور تینوں مرتبہ شکار کو نہ کھائے۔

وجہ کتا شکار کرنے کے بعد کھانا چاہتا ہے اور اپنی فطرت کے خلاف نہ کھائے تو گویا کہ معلم ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس قال اذا اکل الکلب من الصید فلیس بمعلم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴ قالوا فی الکلب یاکل من صیدہ؟ ج رابع ص ۲۳۸ نمبر ۱۹۵۶۵/ مصنف عبد الرزاق، باب الجارح یأکل ج رابع ص ۴۷۳ نمبر ۸۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو کتا شکار سے کھا جائے وہ سکھایا ہوا نہیں ہے۔ اور تین مرتبہ کی قید اس لئے ہے کہ تجربہ ہو جائے کیونکہ ایک دو مرتبہ تو اتفاقی طور پر نہ کھایا ہو۔ پرندہ اور باز کا معلم نہ ہونا یہ ہے کہ جب اس کو بلاؤ تو فورا واپس آجائے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ باز اور پرندہ متوحش ہے۔ پس بلانے سے جب واپس آجاتا ہے تو گویا کہ اپنی فطرت چھوڑ کر وہ سیکھا ہوا اور معلم بن گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن حماد قال اذا انتف الطیر او اکل فکل فانما تعلیمہ ان یرجع الیک** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳ البازی یأکل من صیدہ ج رابع ص ۲۴۵ نمبر ۱۹۶۴۶) دوسری روایت میں ہے۔ **عن عامر والحکم قالا اذا ارسلت صقرک او بازک ثم دعوتہ فاتاک فذاک علمہ فان ارسلت علی صید فاکل فکل** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب بالا نمبر ۱۹۶۴۷) اس اثر سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ باز اور پرندے کا معلم ہونا یہ ہے کہ جب اس کو بلاؤ تو تمہارے پاس واپس آجائے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شکار کا کھانا اور نہ کھانا پرندے کی تعلیم کا معیار نہیں ہے۔ چنانچہ پرندہ شکار کو کھالے تب بھی کھانا حلال ہے۔ اس لئے کھانا اور نہ کھانا سیکھنے کا معیار نہیں ہے۔

[۲۵۸۲] (۳) پس اپنے تعلیم یافتہ کتا یا باز یا صقرہ کو شکار پر چھوڑا اور چھوڑتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھا، پس اس نے شکار پکڑا اور اس کو زخمی کر دیا پس شکار مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

تشریح تعلیم یافتہ کتا یا باز، صقرہ کو شکار پر چھوڑا۔ چھوڑتے وقت مالک نے اس پر بسم اللہ پڑھا۔ اب کتے نے یا باز نے شکار پکڑا اور اس کو پھاڑ دیا البتہ اس میں سے کتے نے کھایا نہیں اور شکار مر گیا تو چاہے اس کو ذبح نہ کیا ہو پھر بھی اس کا کھانا حلال ہے۔

وجہ آیت کے مطابق جانور معلم ہے۔ اس پر بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے اس لئے اس کا پھاڑنا ہی ذبح اضطراری ہو گیا۔ اس لئے اتنا ہی ذبح حلال ہونے کے لئے کافی ہے (۲) اس مسئلے میں تین باتیں ہیں۔ معلم جانور کو چھوڑے۔ بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے اور شکار کو پھاڑ دے جس کی وجہ سے مر جائے۔ ان تینوں باتوں کی دلیل آیت میں موجود ہے۔ **یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ** (د) (آیت ۴ سورۃ

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر کتے نے شکار سے کھایا تو سیکھا ہوا نہیں ہے (ب) حضرت حمادؒ نے فرمایا اگر پرندے نے پر اکھیڑ لیا یا شکار کھالیا پھر بھی کھاؤ۔ اس لئے کہ اس کا سیکھنا یہ ہے کہ آپ کی طرف لوٹ آئے (ج) حضرت عامر اور حکم نے فرمایا اگر اپنے شکرے کو چھوڑا یا باز کو چھوڑا پھر اس کو بلایا اور آپ کے پاس آگیا تو یہ اس کا سیکھنا ہے۔ اس کے بعد اگر آپ نے شکار پر چھوڑا اور شکار کو کھالیا تو کھاؤ (د) لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے (باقی اگلے صفحہ پر)

تعالی علیه عند ارساله فاخذ الصید وجرحه فمات حلَّ اکله[۲۵۸۳] (۴)فان اکل منه

المائدة۵)اس آیت میں تعلمونهن سے معلم ہونے کا پتا چلااور جوارح سے پھاڑنے اور شکار کو زخمی کرنے کا پتا چلااور اذکروا اسم الله علیه سے اس پر بسم اللہ پڑھنے کا پتا چلا(۳) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن ابی ثعلبة الخشنی ... وماصدت بقوسک فذکرت اسم الله فکل وما صدت بکلبک المعلم فذکرت اسم الله فکل وما صدت بکلبک غیر معلم فادرکت ذکاته فکل (الف)(بخاری شریف، باب صید القوس ص۸۲۳ نمبر۵۴۷۸؍مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور یا پرندہ معلم ہو اور اس پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھا ہو۔اور پھاڑنے کی دلیل یہ حدیث ہو سکتی ہے۔عن عدی بن حاتم قال سألت رسول الله عن المعراض فقال اذا اصبت بحده فکل فاذا اصاب بعرضه فقتل فانه وقیذ فلا تأکل (ب)(بخاری شریف، باب صید المعراض ص۸۲۳ نمبر۵۴۷۶)اس حدیث میں ہے تیر کی دھار لگے تو حلال ہے اور اس کی لکڑی کا حصہ لگے تو حلال نہیں ہے۔اس پر قیاس کرتے ہوئے باز اور کتا بھی زخمی کرے تب حلال ہے اور اگر زخمی نہ کرے تو گلا گھونٹ کر مارنے کی طرح ہے اس لئے حلال نہیں ہے۔

[۲۵۸۳](۴) پس اگر اس شکار سے کتا یا چیتا کھالے تو نہیں کھایا جائے گا۔اور اگر اس سے باز کھالے تو کھایا جائے گا۔

تشریح (۱)اوپر آیت میں مما امسکن علیکم ہے جس سے معلوم ہوا کہ کتا اور پھاڑ کھانے والے جانور تمہارے لئے روکے اور نہ کھائے تو تمہارے لئے حلال ہے۔اور اگر کھالے تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول الله ! انی ارسل کلبی واسمی فقال النبی ﷺ اذا ارسلت کلبک وسمیت فاخذ فقتل فاکل فلا تأکل فانما امسک علی نفسه (ج)(بخاری شریف، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر ص۸۲۴ نمبر۵۴۸۶؍مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹؍۴۹۷۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتا اور پھاڑ کھانے والا جانور خود شکار میں سے کھالے تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

نوٹ کتا سے مراد تمام شکاری جانور ہیں۔

اور باز کھالے تو حلال ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن جابر وعن الشعبی قالا کل من صید البازی وان اکل (د)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۳ البازی یأکل من صیده ج رابع ص۲۴۵ نمبر۱۹۶۴۳؍مصنف عبد الرزاق، باب الجارح یأکل ج رابع ص۴۷۳ نمبر۸۵۱۴)اس اثر سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کیا حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے لئے پاک چیزیں حلال ہیں اور جو سکھاؤ پھاڑ کھانے والے جانور کو اس کو سکھاؤ جو کچھ اللہ نے تم کو سکھایا ہے۔اور کھاؤ جو تمہارے لئے روکا اور اس پر اللہ کا نام یاد کرو(الف)ابی ثعلبہ خشنی فرماتے ہیں...اگر اپنے تیر سے شکار کرو اور بسم اللہ پڑھ کر شکار کرو تو کھاؤ۔اور اگر اپنے معلم کتے سے شکار کرو اور بسم اللہ پڑھو تو کھاؤ۔اور اگر غیر معلم کتے سے شکار کرو اور ذبح کر سکو تو کھاؤ اور ذبح نہ کر سکو تو مت کھاؤ(ب) میں نے حضورؐ سے تیر کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا اگر دھار سے لگے تو کھاؤ اور اگر چوڑائی کی جانب سے لگے اور قتل کردے تو وہ وقیذ ہے مت کھاؤ(ج) حضرت عدی فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں اور اس پر بسم اللہ پڑھتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا اگر اپنے کتے کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو اور اس نے شکار پکڑ لیا اور قتل کر دیا اور کھالیا تو مت کھاؤ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے(د) حضرت شعبیؒ نے فرمایا باز کے کئے ہوئے شکار سے کھاؤ اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو۔

الکلب او الفهد لم یوکل وان اکل منه البازی اُکل[۲۵۸۴] (۵)وان ادرک المرسل الصید حیّا وجب علیه ان یذکّیه ان ترک تذکیته حتی مات لم یوکل [۲۵۸۵](۶)وان

معلوم ہوا کہ باز اور پرندہ شکار میں سے کھالے تب بھی شکار حلال ہے۔

نوٹ باز سے مراد تمام شکاری پرندے ہیں۔

[۲۵۸۴] (۵) اگر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ذبح کرے۔ اگر اس کے ذبح کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح کتا یا باز یا تیر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو فوراً ذبح کرنا چاہئے تب شکار حلال ہوگا۔ لیکن سستی کی اور ذبح نہیں کیا اور شکار مر گیا تو اب حلال نہیں ہوگا۔

وجہ کتے کا پھاڑنا یا باز کا پھاڑنا یا تیر لگنے سے زخمی ہو جانے سے مر جائے تو اس کو ذبح اضطراری قرار دے کر حلال کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حلت اس وقت تک ہے جبکہ اصل ذبح پر قادر نہ ہو۔ لیکن یہاں تو شکار کو زندہ پایا اور اصل ذبح پر قدرت ہے پھر بھی اصل شرعی ذبح نہیں کیا اور مر گیا تو حلال نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے۔ **وما اکل السبع الا ما ذکیتم** (الف) (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ پھاڑ کھانے والا جانور پھاڑ دے تو ذبح کرنے کے بعد حلال ہے (۳) حدیث میں بھی اشارہ ہے۔ **عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ وان ادرکتہ قد قتل ولم یأکل منہ فکلہ** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) (۴) **عن قتادۃ قال ان اخذ کلبک صیدا فانتزعتہ منہ وھو حی فمات فی یدک قبل ان تذکیہ فلا تاکلہ** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب صید الجارح وھل ترسل کلاب الصید علی الجیف، ج رابع، ص ۴۷۲، نمبر ۸۵۰۵/ مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸ الرجل یأخذ الصید وبہ رمق ما قالوا فی ذلک وما جاء فیہ؟ ج رابع، ص ۲۴۴ نمبر ۱۹۶۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جانور میں رمق باقی ہو اور ذبح نہیں کیا تو حلال نہیں ہے۔

[۲۵۸۵] (۶) اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا اور زخمی نہیں کیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح کتے نے شکار کو پکڑا اور اتنا دبوچا کہ شکار مر گیا لیکن کسی جگہ زخمی نہیں کیا اور نہ خون نکلا تو یہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ ذبح اضطراری کے لئے ضروری ہے کہ جسم کے کسی حصے سے خون نکلے، یہاں تو کہیں سے خون نہیں نکلا اس لئے آیت کے مطابق یہ **منخنقہ** اور **موقوذہ** ہے۔ یعنی گلا گھونٹا ہوا یا دبوچ کر چورا کیا ہوا ہوگیا جو حرام ہے۔ آیت یہ ہے **حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم**

حاشیہ : (الف) جو کچھ پھاڑ کھانے والے جانور نے کھایا اس کو مت کھاؤ مگر جو تم نے ذبح کیا (ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضورؐ نے کہا اگر اپنے کتے کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر آپ کے لئے روکا اور زندہ پایا تو اس کو ذبح کرو اور اگر آپ نے ایسا پایا کہ قتل کر چکا ہے اور شکاری جانور نے اس سے کھایا نہیں تو اس کو کھاؤ (ج) حضرت قتادہؓ نے فرمایا اگر آپ کے کتے نے شکار پکڑا اور آپ نے اس سے چھین لیا اور شکار زندہ ہے اور ذبح کرنے سے پہلے آپ کے ہاتھ میں مر گیا تو اس کو مت کھاؤ۔

خنقه الکلب ولم یجرحه لم یوکل[۲۵۸۶] (۷)وان شارکه کلب غیر معلَّم او کلب مجوسیٍ او کلب لم یُذکر اسم الله تعالی علیه لم یوکل [۲۵۸۷](۸)واذا رمی الرجل سهما الی صید فسمی الله تعالی عند الرمی اُکل ما اصابه اذا جرحه السهم فمات وان

الخنزیر وما اهل لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردیه والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب (الف) (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں گلا گھونٹا ہوا اور دبوچ کر چور کئے ہوئے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور کتے نے دبوچ کر چور کیا ہے اس لئے حرام ہو گیا (۲) **وما علمتم من الجوارح** (آیت ۴ سورۃ المائدۃ) سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پھاڑے تب حلال ہوگا ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس میں لفظ جوارح ہے جس کا معنی پھاڑنا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ زخمی نہ کرے تب بھی شکار حلال ہے۔

[۲۵۸۶](۷) اگر اس کے کتے کے ساتھ غیر معلم کتا یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو شریک ہو گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ غیر معلم یا ایسا کتا جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو شریک ہو جائے تو اس شکار کو مت کھاؤ۔ کیونکہ کیا معلوم کہ کس کتے نے قتل کیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ **سمعت عدی بن حاتم ... قلت ارسل کلبی فاجد معه کلبا آخر ؟ قال لا تأکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر** (ب) (بخاری شریف، باب صید المعروض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ ر ۴۹۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرا کتا شریک ہو جائے تو نہ کھائے۔ مجوسی اور نصرانی کا کتا چونکہ بغیر بسم اللہ کے ہیں۔ اس پر نصرانی بسم اللہ پڑھے تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہے اس لئے اس کے شریک ہونے سے بھی نہ کھائے۔

[۲۵۸۷](۸) اگر آدمی نے شکار پر تیر پھینکا اور تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھا تو جس کو لگا وہ کھایا جائے گا اگر تیر اس کو زخمی کر دے اور مر جائے۔ اور اگر شکار زندہ پایا تو اس کو ذبح کرے۔ پس اگر ذبح کرنا چھوڑ دے تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح اوپر تیر سے شکار کرنے کی تین شرطیں بیان کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ اگر بغیر بسم اللہ کے تیر پھینکا تو شکار حلال نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شکار زخمی ہوا ہو تاکہ ذبح اضطراری ہو جائے۔ بھینچ کر کے چورا ہوا ہو تو حلال نہیں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ ہاتھ میں آنے سے پہلے مر چکا ہو۔ اگر ہاتھ میں آتے وقت زندہ تھا تو ذبح کرنا ہوگا۔ اگر ذبح نہیں کیا اور مر گیا تو اب حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عدی بن حاتم ؛؛؛ قلت انا نرمی بالمعراض ؟ قال کل ما خرق وما اصاب بعرضه فلا تأکل** (ج) (بخاری شریف، باب ما اصاب المعراض بعرضہ ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۷ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر

حاشیہ : (الف) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ گلا گھونٹ کر مارا ہوا، لاٹھی سے چور کر کے مارا ہوا، اوپر سے دھکے دیکر مارا ہوا، سینگ سے مارا ہوا اور جو پھاڑ کھانے والے جانور نے کھا لیا ہو مگر جس کو تم ذبح کر سکو اور جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو وہ سب حرام ہیں (ب) میں نے پوچھا کہ اپنا کتا شکار پر چھوڑتا ہوں اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی مل جاتا ہے کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسرے کے کتے پر نہیں (ج) حضرت عدیؓ سے منقول ہے... میں نے کہا تیر پھینکتا ہوں؟ فرمایا زخمی کر دے تو کھاؤ اور اگر چوڑائی سے لگے تو مت کھاؤ۔

ادركه حيّا ذكّاه وان ترك تذكيته لم يوكل [۲۵۸۸] (۹) واذا وقع السهم بالصيد فتحامل حتى غاب عنه ولم يزل فى طلبه حتى اصابه ميتا اُكل فان قعد عن طلبه ثم اصابه

۱۹۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر زخمی کرے تو کھا سکتا ہے اور زخمی نہ کرے تو چونکہ ذبح اضطراری بھی نہیں ہوا اس لئے نہ کھائے۔ اور تیر بسم اللہ پڑھ کر پھینکے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی ثعلبة الخشنی ... وما صدت بقوسک فذکرت اسم الله فکل** (الف) (بخاری شریف، باب صید القوس ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۸ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھے (۲) آیت بھی گزر چکی ہے۔ **فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم الله علیه** (آیت ۴ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھے۔ اور زندہ ہاتھ آئے تو ذبح کرے تب حلال ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول الله اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم الله فان امسک علیک فادرکته حیا فاذبحه** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب صید الجارح الخ ج رابع ص ۴۷۲ نمبر ۸۵۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ پائے تو اس کو ذبح کرے تب حلال ہوگا۔

[۲۵۸۸] (۹) اگر شکار کو تیر لگا وہ برداشت کر کے شکاری سے غائب ہو گیا اور یہ اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کو مردہ پایا تو کھایا جائے گا۔ اور اگر تلاش سے بیٹھ گیا پھر اس کو مردہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو تیر مارا، شکار اس کو برداشت کرتے ہوئے بھاگا اور شکاری کی آنکھوں سے غائب ہو گیا اب وہ مسلسل تلاش کرتا رہا اور شکار کو مردہ پایا تو کھا سکتا ہے۔ اور اگر تلاش کرنے سے بیٹھ گیا پھر مردہ پایا تو نہ کھائے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عدی بن حاتم عن النبی ص قال ... وان رمیت الصید فوجدته بعد یوم او یومین لیس به الا اثر سهمک فکل وان وقع فی الماء فلا تأکل** (ج) (بخاری شریف، باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۴ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمہارے تیر ہی سے مرا۔ اس کا یقین ہے پانی سے نہیں مرا ہے تو دو دن کے بعد بھی مردہ ملا تو کھا سکتے ہو بشرطیکہ بدبودار نہ ہوا ہو۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابی ثعلبة عن النبی ﷺ قال اذا رمیت بسهمک فغاب عنک فادرکته فکله مالم ینتن** (د) (مسلم شریف، باب اذا غاب عنہ الصید ثم وجدہ ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۳۱) اور تلاش کرتا رہے اور مردہ پائے تو کھائے اور بیٹھ جائے پھر مردہ پائے تو نہ کھائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عدی انه قال للنبی ﷺ یرمی الصید فیقتفر اثره الیومین والثلاثة ثم یجده میتا وفیه سهمه قال یأکل ان**

حاشیہ : (الف) حضرت ابی ثعلبہ فرماتے ہیں... بسم اللہ پڑھ کر اپنے تیر سے شکار کرو تو کھاؤ (ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اپنے کتے کو چھوڑو۔ پس اگر وہ تمہارے لئے روک لیا اور آپ نے اس کو زندہ پایا تو ذبح کرو پھر کھاؤ (ج) آپؐ نے فرمایا... اگر تیر مارو اور شکار ایک دن یا دو دن بعد ملے اور آپ کے تیر کے علاوہ کسی اور چیز کا اثر نہیں ہے تو اس کو کھاؤ۔ اور اگر شکار پانی میں گر گیا تو مت کھاؤ (د) آپؐ نے فرمایا اگر آپ نے تیر مارا اور وہ آپ سے غائب ہو گیا پھر آپ نے اس کو پایا تو اگر بدبودار نہیں ہوا ہے تو کھاؤ۔

میتا لم یوکل[۲۵۸۹] (۱۰)وان رمی صیدا فوقع فی الماء لم یوکل[۲۵۹۰] (۱۱)وکذلک ان وقع علی سطح او جبل ثم تردّی منه الی الارض لم یوکل.

شاء (الف) (بخاری شریف، باب الصید اذا اغاب عنہ یومین اوثلاثۃ ص۹۸۲ نمبر ۵۴۸۵ر ابوداؤد شریف، باب فی الصید ص۴۷ نمبر ۲۸۵۳ر سنن للبیہقی، باب الارسال علی الصید یتواری عنہ ثم تجدہ مقتولا ج تاسع ص۴۰۵ نمبر ۱۸۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلاش کرتا رہے تو حلال ہے اور بیٹھ جائے تو حلال نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے تیر سے نہ مرا ہو بلکہ کسی اور وجہ سے شکار مرا ہو اس لئے جائز نہیں ہے۔

لغت فتحامل : حمل سے مشتق ہے برداشت کرنا۔

[۲۵۸۹] (۱۰) اگر شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ پانی سے شکار مرا ہو اس لئے حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں کئی مرتبہ گزرا۔ **عن عدی بن حاتمؓ قال سألت رسول اللہ ﷺ عن الصید قال اذا رمیت بسھمک فاذکر اسم اللہ فان وجدتہ قدقتل فکل الا ان تجدہ قد وقع فی ماء فانک لا تدری الماء قتلہ او سھمک** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر ۴۹۸۲ر بخاری شریف، باب الصید اذا اغاب عنہ یومین اوثلاثۃ ص۸۲۴ نمبر ۵۴۸۴ر ابوداؤد شریف، باب فی الصید ص۴۷ نمبر ۲۸۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار پانی میں گر گیا ہو اور وہاں سے مردہ نکالا تو نہ کھائے کیونکہ کیا معلوم کہ پانی سے ہی مرا ہو تیر سے نہیں۔

[۲۵۹۰] (۱۱) ایسے ہی اگر چھت پر یا پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے زمین تک لڑھکا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو مارا جس کی وجہ سے شکار چھت پر یا پہاڑ پر گرا اور وہاں سے لڑھکتے ہوئے زمین پر گرا تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ یہ معلوم نہیں ہے کہ تیر سے مرا ہے یا پہاڑ یا چھت سے لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہے۔ اگر لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہو تو حلال نہیں ہے۔ آیت میں ہے۔ **والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ** (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اور چونکہ یہاں تیر اور لڑھکنے میں شبہ پیدا ہو گیا اس لئے حلال نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ **قال عبد اللہ اذا رمی احدکم صیدا فتردی من جبل فمات فلا تأکلوا فانی اخاف ان یکون التردی قتلہ** (ج) (سنن للبیہقی، باب الصید یرمی فیقع علی جبل ثم یتردی منہ او یقع فی الماء ج تاسع ص۴۱۶ نمبر ۱۸۹۴۲ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷ اذا رمی صیدا فوقع فی الماء ج رابع ص۲۴۸ نمبر ۱۹۶۸۴ر مصنف عبد الرزاق نمبر ۸۴۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہاڑ سے لڑھکا ہو تو حلال نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عدیؓ نے حضورؐ سے پوچھا شکار کو تیر مارتا ہوں پھر دو تین دن بعد تک اس کے پیچھے کھوجتا رہتا ہوں پھر اس کو مردہ پاتا ہوں اور اس میں تیر کا اثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا چاہے تو کھائے (ب) حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے شکار کے بارے میں پوچھا اگر اپنا تیر پھینکو اور بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر اس کو قتل شدہ پاؤ تو کھاؤ مگر یہ کہ پانی میں گر گیا ہو اس لئے کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ پانی نے اس کو مارا ہے یا آپ کے تیر نے (ج) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی دیکھے کہ وہ پہاڑ سے لڑھکا ہے پھر مر گیا تو مت کھاؤ اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لڑھکنے سے مرا ہے۔

[۲۵۹۱] (۱۲) وان وقع علی الارض ابتداء اُکل [۲۵۹۲](۱۳)وما اصاب المعراض بعرضه لم یوکل وان جرحه اُکل[۲۵۹۳] (۱۴)ولایوکل ما اصابه البندقة اذا مات

[۲۵۹۱](۱۲)اور اگر ابتدا میں زمین پر گرا تو کھایا جائے گا۔

تشریح شکار تیر کھا کر زمین پر گرا اور مر گیا پھر کسی طرح ہوا وغیرہ کے ذریعہ پہاڑ پر یا چھت پر پہنچ گیا تو کھایا جائے گا۔اس میں بھی اگر چہ شک ہے کہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ زمین پر گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔لیکن چونکہ شکار آخر زمین پر ہی گرے گا اس لئے یہاں اس شک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور شکار حلال رہے گا۔

[۲۵۹۲](۱۳)کسی شکار کو لگے۔، بھال کا تیر چوڑائی کی جانب سے تو نہ کھایا جائے گا۔

تشریح تیر کا دھار دار حصہ شکار کو نہیں لگا بلکہ لکڑی کا حصہ لگا اور شکار گویا کہ لکڑی کے دباؤ سے مر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ شکار زخمی نہیں ہوا اس لئے ذبح اضطراری نہیں ہوا۔وہ آیت کے مطابق موقوذہ ہو گیا یعنی دبوچ کر مارا گیا ہوا اس لئے یہ حلال نہیں ہے۔ آیت یہ ہے۔**حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ به والمنخنقة والموقوذة والمتردیه والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب** (الف) (آیت ۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں موقوذہ یعنی دباؤ سے مرے ہوئے کو حرام قرار دیا گیا ہے(۲) حدیث میں کئی مرتبہ صراحت گزری۔**عن عدی بن حاتم ... وسألته عن صید المعراض فقال اذااصبت بحده فکل واذا اصبت بعرضه فقتل فانه وقیذ فلا تأکل** (ب)(بخاری شریف، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر ص ۸۲۴ نمبر ۵۴۸۶ رمسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹ر۴۹۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیر کی چوڑائی کا حصہ لگا تو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ وقیذ ہو گیا یعنی دباؤ سے مرا ہوا ہو گیا۔اور دھار دار حصہ لگے تو کھایا جائے گا کیونکہ وہ ذبح اضطراری ہو گیا۔اور اوپر حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**اذا اصبت بحده فکل**۔

[۲۵۹۳](۱۴)نہیں کھایا جائے گا جس کو غلیل کی گولی لگے اگر وہ اس سے مر جائے۔

تشریح پچھلے زمانے میں گول گول مٹی کی گولی بناتے تھے اور غلیل پر رکھ کر شکار کرتے تھے وہ چونکہ مٹی کا ہوتا تھا اور گول ہوتا تھا اس لئے وہ شکار کو زخمی نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے لگنے سے موقوذ کی شکل بنتی یعنی گوشت ہڈی چور کر دیتا اور شکار مر جاتا۔چونکہ اس صورت میں ذبح اضطراری کی شکل نہیں بنی اس لئے شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن ابن عمرؓ انه کان یقول فی المقتولة بالبندقیة تلک الموقوذة** ((ج)(بخاری شریف، باب صید

حاشیہ : (الف)تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور گلا گھونٹ کر مارا ہوا اور چور کر کے مارا ہوا اور دھکے دیکر مارا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا۔اور جو کچھ پھاڑ کھانے والے جانور نے کھایا مگر جو تم ذبح کر لو۔اور جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو یہ سب حرام ہیں(ب) حضرت عدیؓ فرماتے ہیں...کہ میں نے تیر کے بارے میں پوچھا۔فرمایا اگر اس کی دھار سے لگے تو کھاؤ اور اس کی چوڑائی سے لگے اور موت ہو جائے تو وہ وقیذ ہے اس کو مت کھاؤ(ج) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غلیل کا مقتول چور کر کے مارا ہوا ہے۔

منھا[۲۵۹۴] (۱۵)واذا رمی صیدا فقطع عضوا منه اُکل الصید ولم یوکل العضو [۲۵۹۵](۱۶)واذا قطعه اثلاثا والاکثر مما یلی العجز اُکل الجمیع وان کان الاکثر مما

امعراض ص۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶ رسنن للبیہقی، باب الصید یرمی بحجر او بندقیۃ ج تاسع ص ۴۱۷ نمبر ۱۸۹۴۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۱ فی البندقیۃ والحجر یرمی بہ فیقتل ما قالوا فی ذلک ج رابع ص۲۵۲ نمبر ۱۹۷۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی سے شکار شدہ موقوذہ ہے اس لئے حرام ہے۔ بخاری شریف میں اس کا ثبوت ہے اس لئے کہ وہاں خذف کا لفظ استعال کیا ہے جو غلیل کے معنی میں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن مغفل انه رأی رجلا یخذف فقال له لا تخذف فان رسول اللہ ﷺ نھی عن الخذف او کان یکرہ الخذف وقال انه لایصاد به صید ولا ینکاء به عدو ولکنھا قد تکسر السن وتفقاء العین (الف) (بخاری شریف، باب الخذف والبندقیۃ ص۸۲۳ نمبر ۵۴۷۹) اس حدیث کے اشارہ سے معلوم ہوا کہ گولی سے شکار نہیں کیا جاسکتا یعنی اس کا شکار حلال نہیں ہے۔

نوٹ اگر آج کل کے زمانے میں بندوق کی گولی نوکدار ہو جس سے زخمی اور گھائل ہو جاتا ہو جسطرح تیر زخمی اور گھائل کرتا ہے تو اس سے شکار کرنے سے حلال ہوگا۔ کیونکہ وہ موقوذہ نہیں ہے ذبح اضطراری کے درجے میں ہے۔

اصول ہر وہ گولی، پتھر، لکڑی، لوہا جو دھار دار ہو اور زخمی اور گھائل کرتا ہو ان سے مار کر گھائل کر دیا تو حلال ہے اور زخمی اور گھائل نہ کرتا ہو بلکہ گوشت چور کرتا ہو تو حلال نہیں ہے۔

[۲۵۹۴] (۱۵) اگر شکار پر تیر مارا اور اس سے کوئی عضو کاٹ دیا تو شکار کھایا جائے گا اور عضو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح شکار پر اس طرح تیر مارا کہ مثلا اس کا پاؤں کٹ کر جدا ہو گیا اور پورا جانور الگ ہو گیا تو جانور حلال ہے اور عضو مثلا پاؤں اب حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی واقد اللیثی قال قدم النبی ﷺ المدینة وھم یجبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم فقال ما قطع من البھیمة وھی حیة فھو میتة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء ما قطع من الحی فھو میت ص۲۷۳ نمبر ۱۴۸۰ رابوداؤد شریف، باب اذا قطع من الصید قطعۃ ج ثانی ص۳۸ نمبر ۲۸۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لے تو وہ عضو حلال نہیں ہے۔ یہی حال ہے کہ اگر ایسا تیر مارا کہ پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا اور شکار مر گیا تو پاؤں حلال نہیں البتہ باقی شکار حلال ہے۔

[۲۵۹۵] (۱۶) اگر شکار کو اثلاث کاٹا اور اکثر سرین سے متصل ہے تو سب کو کھایا جائے گا اور اکثر سر سے متصل ہے تو اکثر کھایا جائے گا۔

تشریح شکار کو تیر سے دو ٹکڑے کر دیا اس طرح کہ ایک حصہ کم ہے اور دوسرا حصہ زیادہ ہے۔ مثلا ایک طرف تہائی ہے اور دوسری طرف دو تہائی

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ٹھیکری پھینک رہا ہے تو اس سے کہا کہ ٹھیکری مت پھینکو اس لئے کہ حضورؐ نے ٹھیکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے، یا یوں فرمایا کہ ٹھیکری پھینکنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اس سے شکار بھی نہیں ہوتا اور نہ دشمن مغلوب ہوتا ہے لیکن دانت توڑتی ہے اور آنکھیں پھوڑتی ہے (ب) حضورؐ مدینہ آئے تو لوگ اونٹ کا کوہان کاٹتے تھے اور دنبہ کا الیہ کاٹتے تھے تو آپؐ نے فرمایا زندہ جانور کا جو عضو کاٹا جائے وہ مردہ کے درجے میں ہے یعنی کھانا حرام ہے۔

یلی الرأس أُکل الاکثر.

ہے حصہ ہے۔یعنی شکار کا ہاتھ پاؤں نہیں کٹا بلکہ جسم کے دوٹکڑے ہوگئے۔اب یہاں اصول یہ ہے کہ جسم سے لگا ہوا سر ہے اور سر کٹنے سے ذبح ہو جاتا ہے۔اور جسم سے سر جدا ہو جائے تب بھی جسم بھی حلال ہے اور سر بھی حلال ہے۔اس لئے اگر سرین کی طرف دو تہائی جسم ہو اور سر کی طرف ایک تہائی جسم ہو تو سرین والا حصہ بھی حلال ہے اور سر والا حصہ بھی حلال ہے۔

وجہ گویا کہ سر کو ذبح کیا اور اس طرح ذبح کیا کہ سر کے ساتھ جسم کا بھی کچھ حصہ کٹ گیا اور جسم سے سر جدا ہوتا ہے تو جسم اور سر دونوں حلال ہوتے ہیں اسی طرح یہاں سرین اور سر دونوں حلال ہوں گے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**اخبرنا الثوری قال ان قطع الفخذین فابانهما لم یأکل الفخذین واکل مافیه الرأس فان کان مع الفخذین مایکون اقل من نصف الوحش لم یأکله واکل ما یلی الرأس فان استوی النصفان اکلهما جمیعا وکل مازاد من قبل الرأس وهو قول ابی حنیفة** (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الصید یقطع بعضہ ج رابع ص ۴۶۳ نمبر ۸۴۷۱)اس حدیث میں پوری تفصیل ہے کہ سرین کی طرف زیادہ ہو تو سر اور سرین دونوں کھائیں جائیں۔اور سر کی طرف زیادہ اور سرین کی طرف کم ہو تو سر والا حصہ حلال ہے اور سرین والا حصہ حلال نہیں ہے(۲) دوسرے اثر میں ہے۔**عن علی قال یدع ما ابان ویأکل ما بقی فان جزله جزلا فلیأکل** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۸ فی الرجل یضرب الصید فیبین منہ العضو ج رابع ص ۲۴۹ نمبر ۱۹۶۹۵ مصنف عبد الرزاق، باب الصید یقطع بعضہ ج رابع ص ۴۶۳ نمبر ۸۴۷۰)اس اثر میں جزلہ جزلا کا مطلب یہ ہے کہ شکار کے آدھے آدھے دو حصے ہو جائیں تو دونوں حلال ہیں۔اس لئے اگر سرین کی طرف آدھے سے زیادہ ہو جائے تو بدرجہ اولی وہ حصہ کھایا جائے گا۔اور سر کا حصہ ذبح کے طور پر ہونے کی وجہ سے کھایا جائے گا۔

اور اگر سر کی طرف آدھا سے زیادہ کٹ کر چلا جائے اور سرین کی طرف آدھے سے کم رہ جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ زندہ جانور سے ایک عضو کٹ کر الگ ہو گیا۔اور اوپر کی حدیث میں تھا کہ زندہ سے کوئی عضو کاٹا جائے تو حلال نہیں اسی طرح یہ سرین کا حصہ حلال نہیں ہے۔

وجہ اوپر کے اثر میں حضرت ثوریؒ کا یہ قول گزرا۔**فان کان مع الفخذین مایکون اقل من نصف الوحش لم یأکله واکل ما یلی الرأس** (ج)(مصنف عبد الرزاق نمبر ۸۴۷۱)اس اثر میں ہے کہ سرین کی طرف کم ہو اور سر کی طرف زیادہ ہو تو سرین کی طرف کا حلال نہیں ہے اور سر کی طرف کا حلال ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شکار کا عضو اس طرح کٹ کر الگ ہوا کہ شکار زندہ تھا اور اس کا ہاتھ پاؤں یا سرین کٹ کر الگ ہو گیا تو اس کو اوپر کی حدیث کی بنا پر نہیں کھایا جائے گا۔لیکن شکار کا ہاتھ پاؤں کٹتے ہی شکار بھی مر کر زمین پر گرا تو شکار بھی حلال اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ پاؤں

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر دونوں ران جانور سے کاٹ لئے گئے اور الگ کر دیئے گئے تو ران نہیں کھائیں جائیں گے۔اور جس حصے میں سر ہے وہ کھایا جائے گا۔پس اگر ران کے ساتھ وحشی کے آدھے سے کم ہو تو ران کو نہ کھائے اور سر سے متصل کھایا جائے گا۔پس اگر دونوں آدھے آدھے برابر ہوں تو دونوں کھائے جائیں اور سر کی جانب زیادہ ہو تو کھاؤ، یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے(ب) حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جو کچھ جانور سے جدا کیا اس کو چھوڑ دے اور باقی کو کھائے۔پس اگر برابر برابر دو ٹکڑے کیا تو کھائے(ج) پس اگر ران کے ساتھ وحشی جانور کے آدھے سے کم ہو تو اس کو نہ کھائے اور سر سے متصل کو کھائے۔

[۲۵۹۶] (۱۷) ولایوکل صید المجوسی والمرتد والوثنی[۲۵۹۷] (۱۸) ومن رمی

بھی حلال ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ زندہ شکار سے عضو کاٹا ہو تو عضو حرام ہے۔ما قطع من البھیمة وھی حیة فھی میتة (الف) (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۸۵۸) اور یہ تو زندہ سے الگ نہیں ہوا ہے بلکہ گویا کہ مردہ شکار سے ہاتھ پاؤں یا سرین الگ ہوئے ہیں۔اس لئے ہاتھ، پاؤں یا سرین بھی کھائے جائیں گے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن فی رجل ضرب صیدا فابان منه یدا او رجلا وھو حی ثم مات قال یأکلهٗ ولا یأکل ما ابان منه الا ان یضربه فیقطعه فیموت من ساعته فاذا کان ذلک فلیأکل کله (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸ فی الرجل یضرب الصید فیبین منه العضو ص ۲۵۰ نمبر ۱۹۶۹۸) اس اثر میں ہے کہ بیک وقت شکار مرا ہو تو دونوں حصے حلال ہیں۔اور جزله جزلا کا بھی یہی مطلب ہے۔

لغت العجز : سرین۔ یلی : ملا ہوا ہو، ساتھ ہو۔

[۲۵۹۶] (۱۷) اور نہیں کھایا جائے گا مجوسی کا شکار اور مرتد کا اور بت پرست کا۔

تشریح مجوسی نے یا مرتد نے یا بت پرست نے اپنے کتے یا تیر سے شکار کیا ہو اور مسلمان کے ذبح کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو وہ شکار حلال نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں اور اہل کتاب بھی نہیں ہیں اس لئے ان لوگوں کا جس طرح ذبیحہ حلال نہیں ہے شکار بھی حلال نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ شکار کرتے وقت اور آیت میں ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تب حلال ہوگا۔اور یہ لوگ بسم اللہ پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے اس لئے یہ پڑھے بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہے اس لئے شکار حلال نہیں ہوگا۔آیت میں ہے۔ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه وانه لفسق (ج) (آیت ۱۲۱ سورۃ الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو اس کو مت کھاؤ۔اور شکار کی حدیث تو پہلے کئی بار گزر چکی ہے اس لئے ان لوگوں کا شکار حلال نہیں (۳) اثر میں ہے۔عن جابرؓ قال نھی عن ذبیحة المجوسی وصید کلبه وطائره (د) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی صید المجوسی ج تاسع ص ۲۱۱ نمبر ۱۸۹۲۶ مصنف ابن ابی شیبة ۷ فی صید کلب المشرک والمجوسی والیھودی والنصرانی ج رابع ص ۲۴۲ نمبر ۱۹۶۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجوسی اور اسی کے تحت میں مرتد اور بت پرست کا شکار حلال نہیں ہے۔

[۲۵۹۷] (۱۸) کسی نے شکار کو تیر مارا پس اس کو لگا لیکن اس کو نڈھال نہیں کیا نہ اس کو اپنے بچاؤ سے نکالا پھر دوسرے نے اس کو مارا اور اس کو

حاشیہ : (الف) زندہ جانور سے جو کچھ کاٹا گیا وہ مردار کے حکم میں ہے (ب) حضرت حسنؓ نے فرمایا کسی نے شکار کو تیر مارا پس اس سے ہاتھ یا پاؤں جدا ہو گیا اس حال میں کہ شکار زندہ ہے پھر شکار مر گیا فرمایا اس کو کھائے اور جو عضو جدا ہوا اس کو نہ کھائے مگر یہ کہ شکار کو تیر مارے اور عضو کٹ جائے اور اسی وقت شکار بھی مر جائے ،پس اگر ایسا ہو تو سب کھائے۔یعنی عضو کٹتے ہی جانور بھی مر جائے تو عضو اور جانور دونوں کو کھائے (ج) جس پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو اس جانور کو مت کھاؤ اس لئے کہ یہ فسق ہے (د) حضرت جابرؓ نے فرمایا روکا ہے مجوسی کے ذبیحہ سے اور اس کے کتے کے شکار سے اور اس کے پرندے کے شکار کئے ہوئے جانور سے۔

صیدا فاصابه ولم یُثخنه ولم یخرجه من حیّز الامتناع فرماه آخر فقتله فهو للثانی ویوکل[۲۵۹۸] (۱۹)وان کان الاول اثخنه فرماه الثانی فقتله فهو للاول ولم یو کل

قتل کر دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا اور کھایا جائے گا۔

تشریح ایک آدمی نے شکار کو تیر مارا وہ لگا تو ضرور لیکن پھر بھی شکار بھاگتا رہا اور نڈھال نہیں ہوا جیسے صحتمند شکار بھاگتا ہے اس لئے یہ یہ عام شکار کی طرح ہی ہے اور پہلے کا شکار نہیں ہوا۔ اب دوسرے آدمی نے تیر مار کر مار دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا۔ اور چونکہ دوسرے نے بسم اللہ پڑھ کر قتل کیا ہے اس لئے کھایا جائے گا وہ حلال ہے۔

وجہ پہلے کی مار سے شکار صحتمند شکار ہی رہا وہ پالتو کی طرح مجبور نہیں ہو گیا اس لئے وہ پہلے والے کا شکار نہیں ہوگا۔ کیونکہ شکار اس کی ملکیت ہے جس نے مار کر نڈھال کر دیا کہ اب آسانی سے اس کو پکڑ سکتا ہے۔ اور دوسرے آدمی نے گویا کہ صحتمند شکار کو تیر سے قتل کیا اس لئے یہ شکار دوسرے آدمی کا ہے۔ اور شکار کی حالت میں مر گیا اس لئے حلال ہے (۲) دوسرے آدمی کے شکار ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابیھا اسمر ابن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعته فقال من سبق الی ما لم یسبقه الیه مسلم فهو له** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۷۸ نمبر ۳۰۷۱) یہ حدیث اگرچہ مردہ اور بنجر زمین کے بارے میں ہے لیکن عام جملہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے مباح چیز جو لے لے اسی کی ہوگی۔ اس لئے شکار کو جو مار کر نڈھال کرے گا اسی کا ہوگا۔

[۲۵۹۸] (۱۹) اور اگر پہلے نے اس کو نڈھال کر دیا پھر دوسرے آدمی نے مارا اور قتل کر دیا تو شکار پہلے کا ہوگا لیکن کھایا نہیں جائے گا۔

تشریح پہلے آدمی نے شکار کو اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہو گیا اور بھاگنے کے قابل نہیں رہا اس لئے یہ شکار حقیقت میں اسی کا ہو گیا۔ بعد میں دوسرے آدمی نے تیر مار کر ہلاک کیا تو اس کا نہیں ہوگا کیونکہ پہلے نے نڈھال کیا ہے اور شکار اسی کا ہو گیا ہے۔

وجہ حدیث اوپر گزر گئی۔

اور کھایا اس لئے نہیں جائے گا کہ وہ زندہ ہاتھ آ گیا تھا اس لئے اس کو ذبح کر کے کھانا چاہئے تھا لیکن ذبح حقیقی کرنے کی بجائے تیر سے ہلاک کر دیا اس لئے حلال نہیں ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول الله ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم الله فان امسک علیک فادرکته حیا فاذبحه** (ب) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) (۲) اور اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال اذا اخذت الصید وبه رمق فمات فی یدک فلا تأکله** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۸ الرجل یاخذ الصید وبہ رمق ج رابع ص ۲۴۳ نمبر ۱۹۶۲۵) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ اس شکار میں رمق تھی اس لئے اس کو ذبح کرنا چاہئے تھا لیکن

حاشیہ : (الف) میں حضورؐ کے پاس آیا اور آپؐ سے بیعت کی، آپؐ نے فرمایا جس چیز کی طرف کوئی مسلمان نہ بڑھا ہو کوئی اس کو بڑھ کر لے لے تو وہ اس کی ہے (ب) آپؐ نے مجھ سے فرمایا اگر اپنے کتے شکار پر چھوڑو اور بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر وہ آپؐ کے لئے روکا اور اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرے۔ (ج) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر شکار پکڑو اس حال میں کہ اس کی زندگی کی رمق ہو اور تمہارے ہاتھ میں مر جائے تو اس کو مت کھاؤ۔

[۲۵۹۹](۲۰)والثانی ضامن لقیمته للاول غیر ما نقصته جراحته[۲۶۰۰] (۲۱)ویجوز اصطیاد مایوکل لحمه من الحیوان وما لایوکل.

قتل کر دیا اس لئے وہ حلال نہیں رہا۔

[۲۵۹۹] (۲۰) اور دوسرا آدمی پہلے کے لئے قیمت کا ضامن ہوگا اس کے علاوہ جو نقصان کیا اس کے زخمی کرنے نے۔

تشریح شکار مکمل طور پر پہلے آدمی کا ہو چکا ہے اس لئے دوسرے آدمی نے اس شکار کو ہلاک کیا تو اس پر پہلے آدمی کے لئے شکار کا تاوان لازم ہوگا۔ البتہ شکار کو پہلے آدمی نے زخمی کیا تو دیکھا جائے گا کہ زخمی کرنے کے بعد شکار کی قیمت کیا رہ گئی وہ قیمت لازم ہوگی۔ مثلا وہ جانور صحیح سالم ہوتا تو اس کی قیمت دس درہم تھی اور زخمی ہونے کے بعد اس کی قیمت چار درہم رہ گئی تو دوسرے آدمی پر چار درہم ہی لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلے آدمی نے خود زخمی کر کے شکار کی قیمت کم کر دی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شکار پہلے آدمی کا ہو چکا ہے۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ دوسرے نے جتنا ضائع کیا ہے اتنا ہی تاوان لازم ہوگا زیادہ نہیں۔

[۲۶۰۰] (۲۱) اور جائز ہے شکار کرنا گوشت کھائے جانے والے جانور کا اور جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو۔

تشریح جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کو بھی شکار کر سکتا ہے اور جن جانوروں کے گوشت نہیں کھائے جاتے ان کو بھی شکار کر سکتے ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔ واذا حللتم فاصطادوا (الف) (آیت ۲ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں شکار کرنیکا حکم عام ہے چاہے وہ جانور ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور وہ جانور بھی شامل ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اس لئے دونوں کا شکار حلال ہے (۲) صرف گوشت کھانے کے لئے ہی شکار نہیں کرتے بلکہ کھال، بال اور ہڈی کے لئے بھی شکار کرتے ہیں اس لئے غیر ماکول اللحم کا شکار بھی حلال ہے کوئی ممانعت نہیں۔

لغت اصطاد : صید سے مشتق ہے یہاں افتعال سے آیا ہے شکار کرنا۔

حاشیہ : (الف) جب تم حلال ہو جاؤ تو تم شکار کر سکتے ہو۔

[۲۶۰۱] (۲۲) وذبیحة المسلم والکتابی حلال [۲۶۰۲] (۲۳) ولا تو کل ذبیحة المرتد

﴿ باب الذبیحہ ﴾

[۲۶۰۱] (۲۲) مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

تشریح مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے اسی طرح اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتو الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم** (الف) (آیت ۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاری ان کا کھانا جس سے مراد ذبیحہ ہے تمہارے لئے حلال ہے (۲) **عن ابن عباسؓ قال طعامھم ذبائحھم** (ب) (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومھا من اہل العرب وغیرھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۸ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طعام اہل الکتاب ج تاسع ص ۴۷۴ نمبر ۱۹۱۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آیت میں اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ ہے۔

نوٹ یورپ کے عیسائی عموما دہریے ہوتے ہیں وہ نام کے عیسائی ہوتے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح نہیں کرتے جو مسلمان کے لئے بھی ضروری ہے اس لئے ان کے ذبیحے سے احتیاط ضروری ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **وقال الزھری لا بأس بذبیحة نصاری العرب وان سمعته یسمی لغیر اللہ فلا تأکل** (ج) (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومھا من اہل الحرب وغیرھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کا نام لے تو نہ کھائے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ پڑھے تو حلال نہیں ہے، اور یورپ کے عیسائی بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے (۳) اثر میں ہے۔ **ان عمر بن الخطابؓ قال ما نصاری العرب باھل الکتاب وما تحل لنا ذبائحھم وما انا بتارکھم حتی یسلموا او اضرب اعناقھم** (د) (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۶۹) جب عرب کے نصاری صحابہ کے زمانہ میں اہل کتاب نہیں تھے تو اس زمانے میں یورپ کے عیسائی کیسے مسلمان ہو گئے۔

[۲۶۰۲] (۲۳) مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں اور نہ اہل کتاب ہیں بلکہ کافر ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وجہ یہ لوگ نہ بسم اللہ پر اعتماد رکھتے ہیں اور نہ ان کے بسم اللہ کا اعتبار ہے اور بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے حلال نہیں ہوگا (۲) حدیث

حاشیہ : (الف) آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے (ب) اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت میں طعام سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے (ج) حضرت زہریؒ نے فرمایا نصاری عرب کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر تم سنو کہ اللہ کے علاوہ کا نام ذبح کے وقت لیتا ہے تو مت کھاؤ (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا نصاری عرب اہل کتاب نہیں ہیں اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا کہ یا اسلام لائیں یا ان کی گردنیں ماردوں۔

والمجوسی والوثنی والمحرم.

مرسل میں ہے۔عن االحسن بن محمد بن الحنفیة قال کتب رسول اللہ الی مجوس ھجر یعرض علیھم الاسلام فمن اسلم قبل منہ ومن ابی ضربت علھم الجزیة علی ان لا تو کل ذبیحة ولا تنکح لھم امرأة (الف) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی ذبیحۃ المجوسی ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۷۱ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۹۷ نمبر ۴۷۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے مرتد اور بت پرست کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اور محرم کے لئے شکار کا پکڑنا جائز نہیں ہے اس لئے اس کا ذبح کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) اور دوسری آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم (ب) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کو شکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شکار کرنا اس پر حرام ہے۔اور نہ شکار کرنے والوں کی مدد کرنی چاہئے۔

وجہ حضرت ابوقتادۃ کی لمبی حدیث گزر چکی ہے کہ محرموں نے ان کی مدد نہیں کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ ... واستعنت بھم فابوا ان یعینونی (ج) (بخاری شریف، باب اذا اصاد الحلال فاھدی للمحرم الصید اکلہ ص ۲۴۵ نمبر ۱۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کرنے والے کی محرم مدد بھی نہ کرے۔اور محرم کا شکار کیا ہوا حلال نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔سألت الثوری عن المحرم یذبح صیدا ھل یحل اکلہ لغیرہ؟ فقال اخبرنی لیث عن عطاء انہ قال لا یحل اکلہ لاحد (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبیحہ والتربص بہ ج رابع ص ۴۳۹ نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محرم کے لئے شکار کرنا اگرچہ حلال نہیں ہے لیکن اگر شکار کو ذبح کر دیا تو دوسروں کے لئے حلال ہے وہ کھا سکتے ہیں۔

وجہ محرم مسلمان ہے اس لئے اس کا ذبح کرنا جائز ہے (۲) اثر میں ہے۔واخبرنی اشعث عن الحکم بن عتیبة انہ قال لا بأس باکلہ (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبیحہ والتربص بہ ج رابع ص ۴۳۹ نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم کا ذبیحہ کھا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہجر کے مجوس کے بارے میں لکھوایا کہ ان پر اسلام پیش کیا جائے گا، جو ان میں سے اسلام لے آئے ان سے قبول کیا جائے گا اور جو انکار کرے ان پر جزیہ متعین کیا جائے گا اس شرط پر کہ ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا (ب) تم لوگوں پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم ہو۔دوسری آیت میں ہے، اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو جب تم محرم ہو (ج) حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں... میں نے شکار کرنے کے لئے صحابہ سے مدد مانگی تو انہوں نے مدد کرنے سے انکار کیا۔(د) حضرت ثوریؒ سے محرم کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ذبح کر سکتا ہے اور کیا دوسروں کے لئے اس کا ذبیحہ حلال ہے؟ فرمایا مجھ کو حضرت لیثؒ نے حضرت عطاءؒ سے خبر دی کہ اس کا کھانا کسی کے لئے حلال نہیں ہے (ہ) حضرت حکم بن عتیبہ نے فرمایا کہ محرم شکار ذبح کر دے تو دوسروں کے لئے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲۶۰۳](۲۴)وان ترک الذابح التسمية عمدا فالذبيحة ميتة لاتوكل وان تركها ناسيا

[۲۶۰۳](۲۴)اگر ذبح کرنے والے نے جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردہ ہے نہیں کھایا جائے گا اور اگر اس کو بھول کر چھوڑ دیا تو کھایا جائیگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو مت کھاؤ۔ ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق (الف) (آیت ۱۲۱ سورۃ الانعام ۶) (۲) شکار کے سلسلے میں یہ حدیث گزری۔ سمعت عدی بن حاتم ... قال لا تاكل فانك انما سميت على كلبك ولم تسم على الآخر (ب) (بخاری شریف، باب صید امعراض ص ۸۲۳ نمبر ۵۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا ہو تو کھائے اور نہ پڑھا ہو تو نہ کھائے۔

اور بھول کر بسم اللہ چھوٹ گیا ہو تو کھائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال المسلم يكفيه اسمه فان نسي ان يسمي حين يذبح فليسم وليذكر اسم الله ثم لياكل (ج) (دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۹۸ نمبر ۴۷۶۲) اس قسم کا مفہوم بخاری میں عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔ وقال ابن عباس من نسي فلا بأس (د) (بخاری شریف، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ ومن ترک متعمدا ص ۸۲۶ نمبر ۵۴۹۸ رسنن للبیہقی، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ ج تاسع ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو حلال ہے کھا سکتا ہے (۲) حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ عن عائشةؓ قال ان قوما قالوا للنبی ﷺ ان قوما ياتوننا بلحم لا ندري اذكر اسم الله عليه ام لا؟ فقال سموا عليه انتم وكلوه (ہ) (بخاری شریف، باب ذبیحۃ الاعراب ونحوھم ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۰۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا یا نہیں پڑھا معلوم نہیں ہے تب بھی حلال ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر چھوڑ دے یا جان کر چھوڑ دے بشرطیکہ مسلمان یا اہل کتاب ہو دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال اذا ذبح المسلم فلم يذكر اسم الله فليأكل فان المسلم فيه اسما من اسماء الله (و) (دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا ج رابع ص ۱۹۸ نمبر ۴۷۶۰ رسنن للبیہقی، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ ج تاسع ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان جان کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھول کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں آیت لا تاكلوا مما يذكر اسم الله عليه عام ہے کہ کسی حال میں بغیر بسم اللہ کے نہ کھایا جائے چاہے بھول کر چھوٹ جائے چاہے جان کر چھوڑ دے۔

حاشیہ : (الف) جب تک جانور پر بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو مت کھاؤ اس لئے کہ وہ فسق ہے (ب) حضرت عدی بن حاتم سے کہتے ہوئے سنا...آپؐ نے فرمایا مت کھاؤ اس لئے کہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسروں کے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھے ہو (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان کو اللہ کا نام کافی ہے پس اگر ذبح کرتے وقت بھول گیا تو بسم اللہ پڑھ کر کھالے جائز ہے (د) حضرت ابن عباس نے فرمایا جو ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ہ) حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ کچھ قوم میرے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ اس پر بسم اللہ پڑھا ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو۔ (و) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر مسلمان نے ذبح کیا اور بسم اللہ نہیں پڑھا تو کھائے اس لئے کہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

اُکل[۲۶۰۴](۲۵)والذبح بین الحلق واللّبة[۲۶۰۵] (۲۶)والعروق التی تقطع فی الذکاۃ اربعة الحلقوم والمریٔ والودجان فان قطعها حل الاکل [۲۶۰۶](۲۷)وان قطع

[۲۶۰۴](۲۵)ذبح حلق اور سینہ کی ہڈی کی درمیان ہوتا ہے۔

تشریح ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کی ہڈی جو ہوتی ہے اس کے درمیان میں چھری سے ذبح کرتے ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال الذکاۃ فی الحلق واللبة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب ما یقطع من الذبیحۃ ج رابع ص ۴۹۵ نمبر ۸۶۱۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ من قال اذا انہر الدم فکل ماسنا او عظما ج رابع ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۸۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرے۔

لغت لبۃ : سینہ کے اوپر کی ہڈی۔

[۲۶۰۵](۲۶) وہ رگیں جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم، مری اور دو شہ رگیں۔ پس اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہے۔

تشریح اصل تو یہ ہے کہ جسم سے پورا خون نکل جائے۔ اور پورا خون ان رگوں کے کاٹنے سے نکلتا ہے۔ اس لئے حلقوم، مری اور دو شہ رگیں کاٹنے سے ذبح ہوگا وجہ پورا خون نکلنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قال النبی ﷺ کل یعنی ما انہر الدم الا السن والظفر (ب) (بخاری شریف، باب لا یذکی بالسن والعظم والظفر ص ۸۲۷ نمبر ۵۵۰۶ر ابوداؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ طریقہ جس سے خون خوب نکل جائے اس سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔

رگیں کٹنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال ابن جریج عن عطاء ... والذبح قطع الاوداج۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عباس الذکاۃ فی الحلق واللبة (ج) (بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۲۲۸ نمبر ۵۵۱۰ر سنن للبیہقی، باب الذکاۃ بما انہر الدم وفری الاوداج، ج تاسع، ص ۴۷۳ نمبر ۱۹۱۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کرنے کے لئے اوداج کاٹے اور حلق پر چھری چلائے تو اس سے معلوم ہوا کہ حلقوم کاٹے اور جب حلقوم کاٹے گا تو مری بھی کٹے گا تب حلال ہوگا۔

لغت حلقوم : کھانے کی نالی۔ المری : سانس کی نالی۔ ودجان : شہ رگ، جس سے دل کا خون دماغ تک جاتا ہے اسی کو کاٹنے سے پورا خون نکلتا ہے۔

[۲۶۰۶](۲۷) اور اگر اکثر کاٹ دیا تو ایسے ہی جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ضروری ہے حلقوم، مری اور شہ رگ میں سے ایک کو کاٹنا۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ چار میں اکثر یعنی کوئی تین رگیں کاٹ دے تو ذبیحہ حلال ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہوتا ہے (ب) آپ نے فرمایا جو چیز خون بہادے اس سے ذبح کیا ہوا کھاؤ سوائے دانت اور ناخن کے اس سے ذبح کیا ہوا مت کھاؤ (ج) حضرت عطا سے منقول ہے... ذبح اوداج رگوں کو کاٹنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہوتا ہے۔

اکثرھا فکذلک عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا لا بد من قطع الحلقوم والمرئ واحد الودجین[۲۶۰۷] (۲۸)ویجوز الذبح باللیطة والمروة وبکل شیء انھر الدم الا السنّ

ترجمہ اکثر کل کے حکم میں ہے اس لئے تین چار میں سے اکثر ہے اس لئے اتنا کافی ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حلقوم بھی کاٹنا ہوگا اور مری بھی اور دو شہ رگوں میں سے ایک کو کاٹنا ہوگا تا کہ شہ رگ سے پورا خون نکل جائے۔ اور ہر ایک رگ کا ایک ایک ضرور ہو جائے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ودجان کاٹے اس لئے ودجان یعنی شہ رگ میں سے ایک کاٹنا ضروری ہے۔**عن رافع بن خدیج قال سالت رسول الله ﷺ عن الذبیحة باللیط فقال کل ما افری الاوداج الا سن او ظفر** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲ من قال اذا انھر الدم فکل ما خلا سنا او عظما ج رابع ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۸۰۳) حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے۔**ان ابن عمرؓ نھی عن النخع یقول یقطع مادون العظم ثم یدع حتی یموت** (ب) (بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰) اس حدیث واثر سے معلوم ہوا کہ ہڈی تک کاٹ دے اور چھوڑ دے۔اور ہڈی تک کاٹے گا تو مری، حلقوم اور شہ رگ کٹ جائیں گے۔اور اوداج کا کاٹنا اس لئے ضروری ہے کہ حدیث میں اوداج کاٹنے کی تاکید ہر موقع پر ہے۔

[۲۶۰۷] (۲۸) اور جائز ہے ذبح کرنا بانس کی بتی سے اور تیز پتھر سے اور ہر اس چیز سے جو خون بہا دے سوائے دانت اور ناخن سے جو لگے ہوئے ہوں۔

تشریح بانس کا ٹکڑا جو پتلا اور دھار دار ہو یا تیز پتھر ہو یا ہر وہ چیز جو دھار دار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے۔البتہ تالو میں لگے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ بانس کے ٹکڑے اور دھار دار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے۔**عن رافع بن خدیج قال اتیت رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله ! انا نلقی العدو غدا ولیس معنا مدی افنذبح بالمروة وشقة العصا ؟ فقال رسول الله ﷺ ارن اواعجل ما انھر الدم وذکر اسم الله علیه فکلوا مالم یکن سن وظفر وساحدثکم عن ذلک اما السن فعظم واما الظفر فمدی الحبشة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب الذبیحة بالمروة ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱ / بخاری شریف، باب ما انھر الدم من القصب والمروة والحدید ص ۸۲۷ نمبر ۵۵۰۳ / نسائی شریف، اباحة الذبح بالعود ص ۶۱۱ نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی دھار دار چیز جو

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے بانس کے چھلکے سے ذبح کرنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ہر وہ چیز جو اوداج رگوں کو کاٹ دے اس سے جائز ہے سوائے دانت اور ناخن کے (ب) حضرت ابن عمرؓ نے نخع سے روکا یعنی حرام مغز تک چھری پہنچانے سے روکا، فرماتے ہیں کہ ہڈی سے پہلے پہلے تک کاٹے پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے (ج) میں حضورؐ کے پاس آیا اور پوچھا یا رسول اللہ! ہم کل دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس کوئی لمبی چھری نہیں ہے تو کیا ہم پتھر کے ٹکڑے اور لاٹھی کے چھلکے سے ذبح کریں؟ آپؐ نے فرمایا سختی کے ساتھ کاٹو اور جلدی کرو۔ہر وہ چیز جو خون بہا دے اور بسم اللہ اس پر پڑھے تو کھاؤ بشرطیکہ دانت اور ناخن نہ ہو۔اور تم سے بیان کرتا ہوں بہر حال دانت تو ہڈی ہے اور ناخن تو حبشہ والوں کی چھری ہے۔

القائم و الظفر القائم[۲۶۰۸] (۲۹)ویستحب ان یحدَّ الذابح شفرته[۲۶۰۹] (۳۰)ومن

خون جاری کردے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔کیونکہ **کل ما انھر الدم** سے کوئی بھی چیز جو خون جاری کردے مراد ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بانس کی بتی اور دھاردار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لگا ہوا دانت اور لگا ہوا ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے منخنقہ یعنی گلا دبا کر مارنے کی شکل ہو جائے گی۔کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانت سے دبائے گا اور ناخن سے بھی دبائے گا جس کی وجہ سے موت واقع ہوگی۔اس لئے جائز نہیں ہے۔لیکن اگر ناخن اور دانت جسم سے الگ ہو چکے ہوں اور دھاردار ہوں تو ان سے حلال ہو جائے گا۔اس صورت میں حدیث میں السن اور ظفر سے مراد السن القائم اور الظفر القائم ہوگا اور حدیث کا انداز بھی یہی بتا رہا ہے۔

فائدہ امام محمدؒ کی ایک روایت ہے کہ اوپر کی حدیث میں مطلقا دانت اور ناخن سے ذبح کرنے کو منع فرمایا ہے اس لئے الگ شدہ ناخن اور دانت سے بھی ذبح نہ کرے۔

لغت لیطۃ : بانس کی بتی،بانس کا دھاردار چھلکا۔ المروۃ : دھاردار پتھر۔ انھر : خون بہادے۔ السن القائم : لگا ہوا دانت۔ الظفر : ناخن۔

[۲۶۰۸] (۲۹) اور مستحب ہے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری تیز کرلے۔

وجہ تا کہ جانور کو بلا وجہ تکلیف نہ ہو (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔**عن شداد بن اوس قال ثنتان حفظتھما عن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ** (الف) (مسلم شریف،باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۵/ابوداؤد شریف،باب فی النھی ان تصبر البھائم والرفق بالذبیحۃ ص ۳۳ نمبر ۲۸۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری اچھی طرح تیز کرنا مستحب ہے۔

لغت یحد: تیز کرنا۔ شفرۃ : لمبی چھری۔

[۲۶۰۹] (۳۰) کسی نے چھری حرام مغز تک پہنچادی یا سر کاٹ دیا تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

تشریح گلے میں جو ہڈی ہوتی ہے اس کے درمیان میں موٹی رگیں ہوتی ہیں جن کو حرام مغز کہتے ہیں۔ذبح میں ہڈی تک چھری پہنچانا چاہئے اسی سے ذبح مکمل ہو جاتا ہے اس سے زیادہ تکلیف نہیں دینی چاہئے لیکن کسی نے ہڈی کے اندر تک یعنی حرام مغز تک چھری چھبودی یا پوری گردن کاٹ دی تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔البتہ ایسا کرنے سے حلقوم،مری اور ودجان سب کٹ گئے اس لئے ذبیحہ حلال ہوگیا۔

وجہ **اخبرنی نافع ان ابن عمر نھی عن النخع یقول یقطع مادون العظم ثم یدع حتی یموت** (ب) (بخاری شریف،باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ اللہ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے۔پس جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری تیز کرلو اور ذبیحہ کو ٹھنڈا ہونے دو (ب) حضرت ابن عمرؓ روکتے تھے نخع یعنی حرام مغز تک چھری لے جانے سے،فرماتے تھے ہڈی سے پہلے پہلے تک کاٹ دے پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ مرجائے۔

بلغ بالسكين النخاع اوقطع الرأس كره له ذلک وتوكل ذبيحته [۲۶۱۰] (۳۱)وان ذبح الشاة من قفاها فان بقيت حيَّة حتى قطع العروق جاز ويكره وان ماتت قبل قطع العروق لم توكل[۲۶۱۱] (۳۲)وما استانس من الصيد فذكاته الذبح وما توحَّش من

النحر والذبح ص ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰)عن ابن عباس نهى رسول الله ﷺ عن الذبيحة ان تفرس قبل ان تموت (الف) (سنن للبیہقی ، باب کراہیۃ النخع والفرس ج تاسع ص ۴۷۰ نمبر ۱۹۱۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام مغز کو توڑنا یا وہاں تک چھری لے جانا مکروہ ہے۔لیکن ایسا کرلیا تو ذبیحہ حلال ہے۔

وجہ وقال ابن عمر وابن عباس وانس اذا قطع الرأس فلا بأس (ب) (بخاری شریف، باب النحر والذبح ۸۲۸ نمبر ۵۵۱۰/مصنف عبدالرزاق، باب سنة الذبح ج رابع ص ۴۹۰ نمبر ۸۵۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سر کٹ جائے یا نخاع تک چھری چلی جائے تو ذبیحہ حلال ہے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت النخاع : حرام مغز جو گردن کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے۔ سکین : چھری۔

[۲۶۱۰] (۳۱) اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کی پس اگر زندہ ہی تھی کہ رگوں کا کاٹ دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔اور اگر رگوں کو کاٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھائی جائے گی۔

تشریح بکری کو گلے کی جانب سے چھری پھیر کر ذبح کرنا چاہئے تھا لیکن گدی کی جانب سے چھری پھیری اور گلے کی ہڈی کٹی اور حرام مغز کٹا ،پس اگر بکری کے مرنے سے پہلے باقی چار رگیں حلقوم، مری اور ودجان بھی کٹ گئیں تو بکری حلال ہے۔اور اگر رگوں کے کٹنے سے پہلے بکری مرگئی تو چونکہ ذبح اختیاری نہیں ہوا اس لئے جانور حرام ہوگا۔

وجہ عن الشعبي انه سئل عن ديک ذبح من قبل قفاة فقال ان شئت فكل (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب سنة الذبح ج رابع ص ۴۹۰ نمبر ۸۵۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گدی کی جانب سے ذبح کرے اور تمام رگیں کٹ جائیں تو کھایا جائے گا۔اور باقی رگیں کٹنے سے پہلے مرگیا تو حلال نہیں اس کے لئے اس اثر سے اشارہ ہے۔عن ابی نجیح قال من ذبح بعیرا من فلفه متعمدا لم يوكل وان ذبح شاة من فصها متعمدا يعنى الفص متعمدا لم توكل (د) (مصنف عبدالرزاق، باب سنة الذبح ج رابع ص ۴۹۱ نمبر ۸۵۹۸) اس اثر کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب باقی رگیں کٹنے سے پہلے جانور مرگیا ہو۔

[۲۶۱۱] (۳۲) شکار جو مانوس ہو جائے اس کی ذکاۃ ذبح ہے اور جو پالتو جانور وحشی ہو جائے اس کی ذکوۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ ایسے ذبیحہ سے روکا کہ مرنے سے پہلے پہلے پھاڑنے لگے (ب) ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر سر کاٹ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ مرغے کو گردن کی جانب سے ذبح کرے تو کیا ہوگا؟ فرمایا چاہو تو کھاؤ (د) ابی نجیح نے فرمایا کسی نے اونٹ کو گردن کی جانب سے ذبح کیا جان کر تو نہ کھایا جائے اور اگر بکری کو جان کر اس کے پیچھے کی جانب یعنی فص کی جانب سے ذبح کیا تو نہ کھایا جائے۔

النعم فذکاته العقر والجرح[۲۶۱۲] (۳۳)والمستحب فی الابل النحر وان ذبحها جاز

تشریح فطری طور پر جانور شکار تھا مثلا ہرن وغیرہ لیکن وہ گھر میں پالتو جانور کی طرح رہنے لگا ہے تو اب اس میں ذبح اضطراری یعنی تیر پھینک کر مارے اور کہیں بھی لگے تو حلال ہو جائے یہ صورت صحیح نہیں ہے بلکہ پالتو جانور کی طرح حلقوم پر چھری پھیر کر چاروں رگوں کو کاٹے اور ذبح کرے تب حلال ہوگا۔ اس کے برخلاف پالتو جانور بدک گیا اور پکڑنے نہیں دے رہا ہے اور پکڑ کر ذبح اختیاری کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے یا جانور کنویں میں گر گیا ہے اب وہ زندہ باہر نہیں آسکے گا تو اس پر نیزہ مار کر زخمی کرے یا تیر مار کر زخمی کرے۔ اور جسم کے کسی بھی حصے میں لگے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اب شکار کی طرح ہو گیا اور ذبح اضطراری کافی ہے۔

وجہ شکار ہاتھ میں آجائے تب بھی ذبح اختیاری کرنا ضروری ہے اس لئے پالتو کی طرح بن گیا تو بدرجہ اولی ذبح اختیاری کرنا ہوگا (۲) حدیث میں گزر چکا ہے۔ عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکته حیا فاذبحه (الف) (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی ص ۱۴۵ نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار زندہ ہاتھ میں آیا تو اس کو ذبح اختیاری کرنا ہوگا۔

اور پالتو جانور بدک جائے تو تیر سے زخمی کر دے تب بھی حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جنگ میں اونٹ بدک گیا تو ایک صحابی نے نیزے سے مار کر ہلاک کر دیا تو آپؐ نے فرمایا جب بھی بدک جائے تو ایسے ہی کرو جس سے حلال ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن رافع بن خدیجؓ قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فند بعیر من الابل قال فرماہ رجل بسهم فحبسه قال ثم قال ان لها اوابد کاوابد الوحش فما غلبکم منها فاصنعوا به هکذا (ب) (بخاری شریف، باب اذا ند بعیر لقوم فرماہ بعضهم بسهم فقتله فاراد صلاحهم فهو جائز، ص ۸۳۱ نمبر ۵۵۴۴/ابوداؤد شریف، باب الذبیحة بالمروة ص ۳۳ نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پالتو جانور بدک جائے تو بسم اللہ کر کے تیر مارے اور جسم کے کسی حصے سے خون نکال دے تو حلال ہو جائیگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری کے موقع پر ذبح اضطراری کافی ہے۔

لغت العقر : زخمی کرنا۔

[۲۶۱۲] (۳۳) اونٹ میں مستحب نحر کرنا ہے، اور اگر اس کو ذبح کر دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ فصل لربک وانحر (ج) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں نحر کرنے کی طرف اشارہ ہے (۲) حجۃ الوداع میں آپؐ نے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بیدہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب اپنے کتے کو بھیجو تو بسم اللہ پڑھو۔ پس اگر تمہارے لئے روکے اور اس کو زندہ پاؤ تو اس کو ذبح کرو (ب) ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک بدک گیا فرمایا ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور مار دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا وحشی جانوروں کی طرح اونٹ بھی بدکتا ہے تو ان میں سے جو تمہیں مغلوب کر دے یعنی پکڑنے نہ دے تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کرو یعنی تیر سے مار کر ذبح کر دو تو حلال ہو جائے گا (ج) اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور ذبح کیجئے۔

ویکره [۲۶۱۳] (۳۴) والمستحب فی البقر والغنم الذبح فان نحرھما جاز ویکرہ.

(الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵/بخاری شریف، باب من نحر ھدیہ بیدہ ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کرنا افضل ہے۔نحر کی شکل یہ ہے کہ سینے کی ہڈی سے اوپر نیزہ مار کر گلا پھاڑ دے اس کو نحر کہتے ہیں۔لیکن اگر ذبح کر دیا تب بھی حلال رہے گا۔

وجہ عن الزہری وقتادۃ قالا الابل والبقر ان شئت ذبحت وان شئت نحرت (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الذبح افضل ام النحر ج رابع ص ۴۸۸ نمبر ۵۸۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے کو چاہے نحر کرے چاہے ذبح کرے دونوں سے حلال ہو جائیں گے۔

لغت النحر : سینے کی ہڈی کے اوپر چھری مار کر رگوں کو کاٹنا۔

[۲۶۱۳] (۳۴) گائے اور بکری میں مستحب ذبح کرنا ہے۔پس اگر ان دونوں کو نحر کیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فذبحوھا وما کادوا یفعلون (ج) (آیت ۷۱ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں گائے کے بارے میں ہے کہ اس کو ذبح کیا جس سے معلوم ہوا کہ گائے وغیرہ میں ذبح کرنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر بن عبد اللہؓ قال کنا نتمتع فی عھد رسول اللہ ﷺ نذبح البقرۃ عن سبعۃ نشترک فیھا (د) (ابوداؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم یجزی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے ذبح کرے۔اور بکری ذبح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر بن عبد اللہ قال شھدت مع رسول اللہ الاضحی فی المصلی فلما قضی خطبتہ نزل من منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللہ بیدہ (ہ) (ابوداؤد شریف، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ ص ۳۲ نمبر ۲۸۱۰/نسائی شریف، ذبح الرجل اضحیتہ بیدہ ص ۶۱۳ نمبر ۴۴۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرے۔اور نحر کر لیا تو جائز ہوگا اس کی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ان شئت ذبحت وان شئت نحرت (و) (مصنف عبد الرزاق نمبر ۵۸۸۲) (۳) ایک حدیث میں ہے۔سمعت عائشۃؓ تقول ... قالت فدخل علینا یوم النحر بلحم بقر فقلت ماھذا؟ قال نحر رسول اللہ ﷺ عن ازواجہ (ز) (بخاری شریف، باب ذبح الرجل البقر عن نساء من غیر امرھن ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۰۹) اس حدیث میں گائے کو نحر کرنے کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ گائے کو نحر کر دے تو بھی حلال ہوگی۔

حاشیہ : (الف) پھر آپ نحر کرنے کی جگہ کی طرف گئے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے (ب) حضرت زہریؒ اور قتادہ نے فرمایا اونٹ اور گائے چاہے تو ذبح کرو، چاہے تو نحر کرو (ج) پس گائے کو ذبح کیا حالانکہ وہ کرنے والے نہیں تھے (د) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کے زمانے میں تمتع کیا کرتے تھے، پس گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرتے، ہم سب اس میں شریک ہوتے (ہ) حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ بقرہ عید کے موقع پر عیدگاہ حاضر ہوا۔پس جب خطبہ پورا کیا تو اپنے منبر سے نیچے اترے اور مینڈھے کے پاس آئے اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اس کو ذبح کیا (و) اگر آپ چاہیں تو ذبح کریں اور چاہیں تو نحر کریں (ز) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ...بقرہ عید میں میرے پاس گائے کا گوشت لیکر آئے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی جانب سے گائے نحر کی ہے۔

[۲۶۱۴] (۳۵) ومن نحر ناقة او ذبح بقرة او شاة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعر اولم یشعر [۲۶۱۵] (۳۶) ولا یجوز اکل کل ذی ناب من السباع ولا کل ذی

[۲۶۱۴] (۳۵) کسی نے اونٹنی نحر کی یا گائے یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

تشریح اونٹنی نحر کی اور اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا یا گائے ذبح کی یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو چاہے بچہ اتنا بڑا ہو گیا ہو کہ اس کے جسم پر بال اگ آئے ہوں تب بھی اس بچے کو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ اس لئے کہ بچہ اگر چہ ماں کے ساتھ متصل ہے لیکن اس کا جسم بالکل الگ ہے ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح نہیں ہوگا، وہ زندہ باہر نکلتا تو الگ سے ذبح کر کے حلال کرتے اور مردہ باہر نکلا تو سانس گھٹنے کی وجہ سے مرا ہے ماں کو ذبح کرنے کی وجہ سے نہیں مرا ہے اس لئے اس کو نہیں کھایا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراهیم قال لاتکون زکوة نفس زکوة نفسین یعنی ان الجنین اذا ذبحت امه لم یوکل حتی یدرک زکاته (الف) (کتاب الآثار لامام محمد، باب زکوۃ الجنین والعقیقۃ ص ۱۷۸ نمبر ۸۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ ذبح نہیں ہوگا چاہے بال اگ آئے ہوں یا نہ اگے ہوں۔

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح ہو جائے گا اس لئے بچے کو بھی کھایا جا سکتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بچے کو بال آگئے ہوں اور مکمل بچہ ہو چکا ہو تو کھایا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ قال ذکوة الجنین ذکوة امه (ب) (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی ذکوۃ الجنین ص ۳۴ نمبر ۲۸۲۸ ترمذی شریف، باب ماجاء فی ذکوۃ الجنین ص ۲۷۲ نمبر ۱۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے گا اور حلال ہو جائے گا۔ اور بال اگے تب حلال ہوگا اس کی دلیل۔ عن الزهری قال فی الجنین اذا اشعر او وبر فذکوته ذکوة امه (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الجنین ج رابع ص ۵۰۰ نمبر ۸۶۴۰ موطا امام مالک، باب زکوۃ ما فی بطن الذبیحۃ ص ۴۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بال اگے ہوں تو کھایا جائے گا ورنہ نہیں۔

لغت جنین : ماں کے پیٹ کا بچہ۔ وبر : اونٹ کا بال۔

[۲۶۱۵] (۳۶) اور نہیں جائز ہے کچلیوں والے درندوں کو کھانا اور نہ پنجوں والے پرندوں کو کھانا۔

تشریح پھاڑ کھانے والے جانوروں کے منہ میں دو دھار والے لمبے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ جانور کو پھاڑتا ہے اس کو ذی ناب جانور کہتے ہیں اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔ اور جو پرندہ تیز ناخن اور تیز چونچ سے پکڑتا ہے اور پرندوں کو پھاڑتا ہے اس کو ذی مخلب پرندہ کہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ پھاڑ کھانے والے جانور اور پھاڑ کھانے والے پرندوں کو کھانا حلال نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا ایک جان کے ذبح کرنے سے دو جانوں کا ذبح نہیں ہوگا یعنی جب بچے کی ماں ذبح کی جائے تو پیٹ کا بچہ نہیں کھایا جائے گا جب تک کہ خود اس کو ذبح نہ کرے (ب) آپؐ نے فرمایا ماں کے ذبح کرنے سے خود پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جائے گا (ج) پیٹ کے بچے کے بارے میں حضرت زہری نے فرمایا اگر بال آجائے تو ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح ہو جائے گا۔

مخلب من الطیر[۲۶۱۶] (۳۷) ولا بأس باکل غراب الزرع .

وجہ یہ جانور پھاڑ کھاتا ہے اس لئے اگر اس کو انسان کھانے لگ جائے تو اس میں بھی پھاڑنے کی عادت آسکتی ہے اس لئے اس کو کھانا حرام قرار دیا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال نہی رسول اللہ ﷺ عن کل ذی ناب من السباع و عن کل ذی مخلب من الطیر** (الف) (مسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۹۳۴؍ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی اکل السباع ص ۷۷۱ نمبر ۳۸۰۳؍بخاری شریف، باب اکل ذی ناب من السباع ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے کچلی دار جانور اور پنجے سے پکڑ کر پھاڑنے والے پرندے کو کھانا جائز نہیں ہے۔

لغت ناب : کچلی کے دانت۔ السباع : پھاڑ کھانے والے جانور۔ مخلب : پنجہ، پنجے سے پکڑ کر کھانے والے جانور۔

[۲۶۱۶] (۳۷) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کھیتی کے کوے کھانے میں۔

تشریح تین قسم کے کوے ہوتے ہیں اور اردو میں تینوں کو کوا کہتے ہیں (۱) ایک وہ کوا جس کی چونچ تیز ہوتی ہے اور مڑی ہوئی ہوتی ہے اس کے کالے میں تھوڑی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ یہ بہت ہوشیار پرندہ ہوتا ہے۔ یہ ہمارے یہاں گھروں پر آکر مرغی کا چھوٹا بچہ لے بھاگتا ہے اور پھاڑ کھاتا ہے۔ یہ کوا اوپر کی حدیث **عن ابن عباس قال نہی رسول اللہ ﷺ عن اکل کل ذی ناب من السبع و عن کل ذی مخلب من الطیر** (ب) (مسلم شریف، نمبر ۱۹۳۴؍ابو داؤد شریف، نمبر ۳۸۰۳) کی وجہ سے حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ پھاڑ کھانے والا پرندہ ہے۔ دوسرا کوا بالکل کالا ہوتا ہے۔ یہ پہلے کوے کی طرح ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شکار کر سکتا ہے۔ اس کو ہم لوگ بہار میں ڈرکوا کہتے ہیں۔ یہ ہر وقت گوبر یا لید بکھیر بکھیر کر اس سے دانہ نکال کر کھاتا رہتا ہے۔ یہ مردہ گوشت بھی کھالیتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

وجہ **عن ابراہیم انہ کرہ من الطیر کل شیء یأکل المیتۃ** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداۃ ج رابع ص ۵۱۹ نمبر ۸۷۰۳؍مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ ما نہی عن اکلہ من الطیور والسباع، ج رابع، ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۸۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو مردہ کھاتا ہو وہ مکروہ ہے (۲) اگر اونٹ گندگی کھائے تو اس کا گوشت کھانا بھی درست نہیں اسلئے کوا گندگی کھائے تو بدرجہ اولی اس کا کھانا درست نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن اکل الجلالۃ والبانہا** (د) (ابو داؤد شریف، باب النہی عن اکل الجلالۃ والبانہا ج ثانی ص ۱۷۵ نمبر ۳۷۸۵) ڈرکوا گندگی کھاتا ہے اور مردہ جانور کا گوشت بھی کھاتا ہے اس لئے وہ بھی حلال نہیں ہے۔

تیسرے قسم کا کوا انگلینڈ میں دیکھا وہ بالکل کالا ہوتا ہے اور عام چڑیوں کی طرح بھدا ہوتا ہے اور کھیتوں میں دانہ چگتا رہتا ہے اور کوڑے مکوڑے کھاتا رہتا ہے اس کا نام ہر ملک میں الگ الگ ہے۔ لیکن یہی غراب الزرع کھیتی کا کوا ہے۔ چونکہ یہ نہ مردار کھاتا ہے اور نہ گندگی میں منہ ڈالتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے کھانے سے روکا ہے ہر پھاڑ کھانے والا جو نوکیلے دانت والا ہو اس جانور سے اور چنگل سے پکڑنے والے پرندے کے کھانے سے (ب) حضورؐ نے روکا ہر پھاڑ کھانے والے نوکیلے دانت والے جانور کو کھانے سے اور ہر چنگل سے پکڑنے والے پرندے کے کھانے سے (ج) حضرت ابراہیم سے منقول ہے ہر وہ پرندہ جو مردار کھاتا ہو اس کو کھانا مکروہ سمجھتے تھے (د) آپؐ نے روکا پاخانہ کھانے والے اونٹ کے گوشت کھانے سے اور اس کے دودھ پینے سے۔

[۲۶۱۷](۳۸)ولا یوکل الابقع الذی یاکل الجیف [۲۶۱۸](۳۹)ویکرہ اکل الضبع

وجہ یہ کوا ذی مخلب نہیں ہے(۲)اثر میں ہے۔عن ابن طاؤس عن ابیہ قال کرہ من الطیر ما یاکل الجیف (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداۃ ج رابع ص ۵۱۹ نمبر ۸۷۰۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مردہ یا گندگی کھاتا ہو تو وہ مکروہ ہے۔اور یہ کوا مردہ یا گندگی نہیں کھاتا بلکہ کھیتوں سے دانے چگتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔یہی مصنف کی مراد ہے۔ہندوستان میں جس کو عام طور پر کوا کہتے ہیں جو بہت ہوشیار ہوتا ہے اور شکار کر کے مرغی کے بچوں کو بھی گھروں سے اٹھا کر لے جاتا ہے اور برتن پر بیٹھے گا تو پاخانہ کر کے بھاگے گا،اور روٹی وغیرہ اٹھا کر لے بھاگتا ہے وہ کسی حال میں حلال نہیں ہوسکتا وہ ذی مخلب پرندہ ہے۔اور اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ فاسق ہے وہ حرم میں بھی ہے تو مار ڈالو۔حدیث یہ ہے۔عن عائشۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب والحداۃ والکلب والعقور والعقرب والفارۃ (ب)(مسلم شریف، باب ماندب للمحرم قتلہ من الدواب فی الاحل والحرم، ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۸/۲۸۶۷)اس حدیث میں کوے کو فاسق کہا اور حرم میں بھی قتل کرنا جائز قرار دیا اس لئے وہ حرام ہے۔

[۲۶۱۷](۳۸)اور نہیں کھایا جائے گا ابقع کوا جو مردار کھاتا ہے۔

تشریح ابقع کوا وہی کوا ہے جو پہلے نمبر میں بیان کیا۔یہ کالا ہوتا ہے لیکن سفیدی مائل ہوتا ہے اور گلے کے پاس تھوڑی سفیدی واضح ہوتی ہے۔اور مردار کھاتا ہے بلکہ مرغی کے بچے کو اٹھا کر لے بھاگتا ہے۔

وجہ دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۳۷ میں گزر گئے۔اس میں ڈرکوا بھی شامل ہے۔اس کو ڈرکوا اس لئے کہتے ہیں کہ ہوشیار کوے کی بنسبت تھوڑا ڈرتا ہے۔

لغت ابقع: چتکبرا۔ الجیف : مردار، بدبودار۔

[۲۶۱۸](۳۹)اور مکروہ ہے بجو، گوہ اور تمام حشرات الارض کو کھانا۔

تشریح بجو اور گوہ حشرات الارض میں سے ہیں اور گوشت خور جانور ہیں۔ان کو کچلی دانت بھی ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک انکا کھانا تحریمی ہے۔چونکہ احادیث میں دونوں قسم کی باتیں ہیں اس لئے بالکل حرام نہیں فرمایا بلکہ مکروہ فرمایا۔

وجہ بجو کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن اخیہ خزیمۃ بن جزء قال سالت رسول اللہ ﷺ عن اکل الضبع؟قال ویاکل الضبع احد؟ (ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی اکل الضبع ج ثانی ص ۱ نمبر ۱۷۹۲/ ابن ماجہ شریف، باب الضبع ص ۴۷۰ نمبر ۳۲۳۷)آپؐ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا کوئی بجو کھا سکتا ہے!اس لئے وہ حرام ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک بجو حلال ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر بن عبد اللہ قال سالت رسول اللہ ﷺ عن الضبع فقال ھو صید ویجعل فیہ

حاشیہ : (الف) حضرت طاؤسؒ ناپسند فرماتے تھے ہر اس پرندے کو جو مردار کھاتا ہو(ب) آپؐ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں بھی قتل کر دیئے جائیں۔چوہا، بچھو، چیل، کوا اور باؤلا کتا(ج) میں نے حضورؐ کو بجو کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے پوچھا کوئی بجو کھا سکتا ہے؟

والضب والحشرات کلها.

کبش اذا صادہ المحرم (الف) ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضبع ص ۱۷۷ نمبر ۳۸۰۱) ترمذی شریف میں اس طرح ہے۔ **قلت لجابر الضبع صید ھی؟ قال نعم قال قلت أکلھا؟ قال نعم قال قلت اقالہ رسول اللہ ﷺ؟ قال نعم** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی اکل الضبع ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۱۷۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بجو کو کھانا حلال ہے۔

اور گوہ بھی حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت ابن عمرؓ یقول قال النبی ﷺ الضب لست اکلہ ولا احرمہ** (د) اور اسی باب کی دوسری روایت میں ہے۔ **فقالوا ھو ضب یا رسول اللہ ! فرفع یدہ فقلت احرام ھو یاسول اللہ؟ فقال لا ولکن لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ قال خالد فاجتررتہ فاکلتہ ورسول اللہ ینظر** (ج) (بخاری شریف، باب الضب ص ۸۳۱ نمبر ۵۵۳۶/۵۵۳۷/ مسلم شریف، باب اباحۃ الضب، ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۳/۱۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے گوہ کے گوشت کو نہیں کھایا اس لئے کہ وہ ناپسندیدہ تھا اس لئے مکروہ ہے (۲) ایک حدیث میں ہے۔ **عن عبد الرحمن بن شبل ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل لحم الضب** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضب ص ۱۷۶ نمبر ۳۷۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں حضرت خالد نے گوہ کے گوشت کو کھایا اور حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ حلال ہے (۲) دوسری حدیث میں یوں ہے۔ **فنادت امرأۃ من نساء النبی ﷺ انہ لحم ضب فقال رسول اللہ کلوا فانہ حلال ولکنہ لیس من طعامی** (ہ) (مسلم شریف، باب اباحۃ الضب ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال ہے۔

حشرات الارض مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث** (آیت ۱۵۷ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں ہے کہ خبیث چیز حرام کی گئی ہے اور حشرات الارض خبیث ہے اس لئے اس کا کھانا حرام ہے (۲) **قال کنت عند ابن عمر فسئل عن اکل القنفذ فتلا قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما** (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) **قال قال شیخ عندہ سمعت ابا ھریرۃ یقول ذکر عند رسول اللہ ﷺ فقال خبیثۃ من الخبائث** (و) (ابوداؤد شریف، باب فی اکل حشرات الارض ص ۱۷۶ نمبر ۳۷۹۹/ سنن للبیہقی، باب

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے بجو کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا وہ شکار ہے اور اس کے بدلے میں مینڈھا لازم ہوگا اگر محرم اس کو شکار کرے (ب) میں نے حضرت جابرؓ سے بجو کے بارے میں پوچھا کیا وہ شکار ہے؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا کیا اس کو کھا سکتا ہے؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا کیا حضورؐ نے یہ فرمایا ہے؟ کہا ہاں! (ج) آپؐ نے فرمایا گوہ نہ کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں (ہ) لوگوں نے کہا یہ گوہ ہے یا رسول اللہ! تو آپؐ نے کھانے سے ہاتھ اٹھالیا۔ میں نے پوچھا کیا یہ حرام ہے یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا نہیں۔ لیکن میری قوم کی زمین میں پایا نہیں جاتا اس لئے مجھے کراہیت ہوتی ہے یعنی مکہ میں نہیں پایا جاتا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی طرف کھینچ کر کھانے لگا اور حضورؐ دیکھ رہے تھے (د) آپؐ نے گوہ کے گوشت کھانے سے منع فرمایا (ہ) حضورؐ کی بیویوں میں سے ایک نے آواز دی کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ کھاؤ یہ حلال ہے لیکن یہ میرے کھانے میں سے نہیں ہے (و) میں عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس تھا تو چوہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۱۹](۴۰)ولایجوز اکل لحم الحمر الاھلیة والبغال [۲۶۲۰](۴۱)ویکرہ اکل

ماروی فی القنفذ وحشرات الارض ج تاسع ص ۵۴۷ نمبر ۱۹۴۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قنفذ یعنی جنگلی چوہا کھانا ٹھیک نہیں ہے اور وہ حشرات الارض میں سے ہے اس لئے حشرات الارض کا کھانا بھی حلال نہیں ہے (۳) گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے وہ اوپر کی حدیث میں مکروہ بلکہ حرام کہا ہے اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے باقی حشرات الارض بھی حرام ہیں۔

لغت الضبع : بجو۔ الضب : گوہ۔ حشرات الارض : زمین پر رینگنے والے جانور جیسے چوہا، کچھوا، سانپ، بچھو وغیرہ۔

[۲۶۱۹](۴۰) اور جائز نہیں ہے گھریلو گدھوں کا کھانا اور خچر کو کھانا۔

تشریح ایک جنگلی گدھا ہوتا ہے جس کو کھانا حلال ہے اور ایک پالتو گدھا ہوتا ہے جس کا کھانا حرام ہے۔ اور گدھا اور گھوڑی دونوں کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو خچر کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔

وجہ **عن ابن عمرؓ نھی النبی علیہ السلام عن لحوم الحمر الاھلیة یوم خیبر** (الف) (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیة ص ۹۸۲ نمبر ۵۵۲۱ رمسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة، ص ۱۴۹، نمبر ۱۹۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ پہلے جائز تھا، جنگ خیبر میں حرام ہو گیا۔ اور خچر کا گوشت حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن خالد بن الولید ان رسول اللہ علیہ السلام نھی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر وکل ذی ناب من السباع** (ب) (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۷ رابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا خچر کا گوشت حلال نہیں ہے (۲) خچر گدھے کی پیداوار ہے جب گدھا حلال نہیں ہے تو خچر حلال کیسے ہوگا؟

[۲۶۲۰](۴۱) مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح گھوڑے کا گوشت حلال ہے تاہم مکروہ ہے۔

وجہ یہ جہاد میں کام آتا ہے اس کو کھانا عام کر دیا جائے تو جہاد کا نقصان ہوگا اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (۲) اوپر حدیث میں گزرا **عن خالد بن ولید انہ سمع رسول اللہ علیہ السلام یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر** (ج) (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶ رابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑا کھانا حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ قال نھی النبی علیہ السلام یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی لحوم الخیل**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی قل لا اجد الخ۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا حضورؐ کے سامنے چوہے کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے (الف) آپؐ نے اہلی گدھے کے گوشت سے خیبر کے دن منع فرمایا (ب) آپؐ نے روکا گھوڑے، خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے اور پھاڑ کھانے والے نوکیلے دانت والے جانور کے کھانے سے (ج) حضورؐ فرماتے ہیں کہ نہیں حلال ہے گھوڑا، گدھا اور خچر کا گوشت۔

لحم الفرس عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ[۲۶۲۱](۴۲)ولا بأس باکل الارنب [۲۶۲۲] (۴۳)واذا ذبح مالا یوکل لحمه طهر جلده ولحمه الا الآدمی والخنزیر فان

(الف)(بخاری شریف، باب لحوم الخیل ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۰ رمسلم شریف، باب اباحۃ اکل لحوم الخیل ص ۱۵۰ نمبر ۱۹۴۱) اسی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے۔ سمع جابر بن عبد الله یقول اکلنا زمن خیبر الخیل وحمر الوحش (ب)(مسلم شریف، نمبر ۱۹۴۱/۵۰۲۳ر بخاری شریف، نمبر ۵۵۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

[۲۶۲۱](۴۲) کوئی حرج نہیں ہے خرگوش کھانے میں۔

وجہ خرگوش نہ گوشت خور جانور ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے۔ وہ گھاس کھانے والا جانور ہے اس لئے وہ حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن انس قال انفجنا ارنبا ونحن بمر الظهر ان فسعی القوم فلغبوا فاخذ تها فجئت بها الی ابی طلحة فذبحها فبعث بورکیها او قال بفخذیها الی النبی ﷺ فقبلها** (ج)(بخاری شریف، باب الارنب ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۵ رمسلم شریف، باب اباحۃ الارنب ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔

[۲۶۲۲](۴۳) اگر ذبح کیا جائے ایسا جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے تو پاک ہوگی اس کی کھال اور گوشت سوائے آدمی اور سور کے، ذکوۃ ان میں کوئی اثر نہیں کرتی۔

تشریح مثلا بلی، گیدڑ وغیرہ جس جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس کو شرعی طریقے سے ذبح کردیا تو اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا اور نہ کھانے کے قابل ہوگا البتہ گوشت اور کھال پاک ہو جائیں گے۔ کھال پر اسی حال میں نماز پڑھ سکتا ہے اور گوشت کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

وجہ اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے، ذبح کرنے کی وجہ سے بہتا ہوا خون نکل گیا اس لئے کھال اور گوشت پاک ہو گئے چاہے حلال نہیں ہوا (۲) مردار کی کھال دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغت سے خون اور ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کی وجہ سے خون نکل گیا تو کھال اور گوشت پاک ہو گئے۔ حدیث میں ہے۔ **ان عبد الله بن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ مر بشاة میتة فقال هلا استمتعتم باهابها ؟ قالوا انها میتة قال انما حرم اکلها** (د)(بخاری شریف، باب جلود المیتۃ ص ۸۳۰ نمبر ۵۵۳۱) اور ترمذی شریف میں ہے۔ **سمعت ابن عباس یقول ماتت شاة فقال رسول الله ﷺ لاهلها الا نزعتم جلدها ثم دبغتموه فاستمتعتم به** (ہ)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت ص ۳۰۳ نمبر ۱۷۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار

حاشیہ : (الف) خیبر کے دن حضورؐ نے روکا گدھے کے گوشت کھانے سے اور رخصت دیا گھوڑے کے گوشت کھانے میں (ب) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے دن گھوڑے اور وحشی گدھے کا گوشت کھایا (ج) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دوڑایا خرگوش کو مرالظہر ان میں اور لوگ بھی دوڑے اور اس کو تھکا دیا۔ میں نے اس کو پکڑا اور اس کو ابوطلحہ کے پاس لے آیا اور اس کو ذبح کیا۔ پھر اس کی ران کو حضورؐ کے پاس بھیجا تو حضورؐ نے اس کو قبول فرمایا (د) آپ گزرے مردہ بکری کے سامنے سے تو آپؐ نے کہا کیا تم اس کے کچے چمڑے سے فائدہ نہیں اٹھاتے ؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو مردہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے یعنی چمڑا حرام نہیں (ہ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ایک بکری مری تو آپؐ نے فرمایا اس کے چمڑے کو کیوں ادھیڑتے نہیں ہو؟ پھر اس کو دباغت دو پھر تم اس سے فائدہ اٹھاؤ

الذکاۃ لاتعمل فیھما[۲۶۲۳] (۴۴)ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک.

کی کھال کو دباغت دی جائے تو پاک ہو جائے گی اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر ماکول اللحم کو ذبح کیا جائے تو اس کا چمڑا پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ خون اور ناپاک رطوبت ذبح کرنے کی وجہ سے نکل گئی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر ماکول اللحم کو ذبح کریں تو کھال پاک نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو دباغت نہ دی جائے۔ جس طرح اوپر کی حدیث میں مردار کی کھال کو دباغت دی تو پاک ہوگئی۔

البتہ سور کو ذبح کرے یا اس کی کھال کو دباغت دے وہ کسی حال میں پاک نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ **الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا** (الف) (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) چونکہ یہ نجس العین ہے اس لئے یہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوگا۔

اور انسان مکرم اور محترم ہے اس لئے ذبح کرنے سے بھی وہ پاک نہیں ہوگا تا کہ لوگ اس کو استعمال نہ کرے۔ **ولقد کرمنا بنی آدم** (آیت ۷۰ سورۃ الاسراء ۱۷) انسان پاک ہے لیکن ذبح کے ذریعہ اس لئے پاک قرار نہیں دیا جا رہا ہے تا کہ لوگ اس کی کھال استعمال کر کے توہین نہ کرے۔

[۲۶۲۳] (۴۴) اور پانی کے جانوروں میں سے نہیں کھایا جائے گا مگر مچھلی۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سمندر کے جانور میں سے صرف مچھلی حلال ہے باقی سب حرام ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ / دار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف مچھلی حلال ہے (۲) حدیث میں ہے۔ مینڈک کو دوائی میں ڈالنا منع فرمایا ہے جبکہ وہ سمندری جانور ہے جس سے معلوم ہوا کہ مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانور حرام ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن عثمان ان طبیبا سأل النبی ﷺ عن ضفدع یجعلھا فی دواء فنھاہ النبی ﷺ عن قتلھا** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الادویۃ المکروھۃ ص ۱۸۴ نمبر ۳۸۷۱) اس حدیث میں مینڈک کو قتل کرنا منع فرمایا ہے اور دوائی میں ڈالنا منع فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ حلال نہیں ہے اسی طرح سمندر کے باقی جانور حلال نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سمندر کے تمام جانور حلال ہیں۔

وجہ آیت میں ہے۔ **احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ** (د) (آیت ۹۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں سمندر کے تمام شکار کو حلال قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ سمندر کے سارے جانور حلال ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **سمع ابی ھریرۃ یقول ...**

حاشیہ : (الف) مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو ناپاک ہے یا فسق ہے (ب) آپؐ نے فرمایا میرے لئے حلال کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی (ج) ایک طبیب نے حضورؐ سے مینڈک کے بارے میں پوچھا کہ اس کو دوا میں ڈالے؟ تو حضورؐ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا (د) تمہارے لئے سمندر کا شکار حلال کیا گیا ہے اور اس کا کھانا تمہارے لئے فائدے کی چیز ہے اور مسافروں کے لئے۔

[۲۶۲۴](۴۵)ویکرہ اکل الطافی منه[۲۶۲۵] (۴۶)ولا بأس باکل الجریث والمار ماھی[۲۶۲۶] (۴۷)ویجوز اکل الجراد ولا ذکاۃ له.

فقال رسول الله ﷺ هو الطهور ماؤه الحل میتته (الف)(ابوداؤدشریف، باب الوضوء بماء البحر ص۱۳ نمبر ۸۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحرانه طهور ص۲۱ نمبر ۶۹) اس حدیث سے سمندر کے تمام مردوں کو حلال قرار دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ سمندری جانور مرجائیں اور ذبح نہ بھی کئے جائیں تو تمام کے تمام حلال ہیں۔بعض روایت میں سمندری کتے اور سور حرام ہیں کیونکہ یہ خشکی میں نجس ہیں اس لئے سمندر کے بھی حلال نہیں ہوں گے۔دارقطنی میں یوں ہے۔**عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ما من دابة فی البحر الا قد ذکاها الله لبنی آدم** (ب)(دارقطنی، کتاب الاشربة ج رابع ص۱۸۰ نمبر ۴۶۶۶)

[۲۶۲۴](۴۵)اور مکروہ ہے اس مچھلی کا کھانا جو اوپر تیر جائے۔

تشریح پانی میں قدرتی اسباب سے مچھلی مر کر پانی پر تیرنے لگتی ہے اس کو طافی مچھلی کہتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے۔

وجہ عموما وہ مچھلی تیرنے لگتی ہے جو پھول جاتی ہے اور سڑنے لگتی ہے اس لئے ایسی مچھلی کا کھانا مکروہ قرار دیا (۲) **عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ قال کلوا ما حسر عنه البحر وما القاہ وما وجدتموہ میتا او طافیا فوق الماء فلا تاکلوہ** (ج)(دارقطنی، کتاب الاشربة ج رابع ص۱۸۰ نمبر ۴۶۶۸ رسنن للبیہقی، باب من کرہ اکل الطافی ج تاسع ص۴۲۸ نمبر ۱۸۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مر کر پانی پر تیرنے والی مچھلی نہ کھائے۔

نوٹ جو مچھلی ابھی ابھی مری ہو یا کسی حادثہ کے شکار سے مری ہو اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ وہ ابھی سڑی نہیں ہے۔**کلوا ما حسر عنه البحر وما القاہ** سے اس کا اشارہ ہے۔

لغت الطافی : وہ مچھلی جو پانی میں مر کر پانی پر تیرنے لگی ہو۔

[۲۶۲۵](۴۶)اور سچکی اور بام مچھلی کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح سچکی ایک قسم کی مچھلی ہے جو عام مچھلیوں سے الگ ہوتی ہے یہ بام مچھلی سے تھوڑی الگ شکل کی ہوتی ہے اور سانپ جیسی لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح بام مچھلی بھی سانپ کی طرح لمبی ہوتی ہے لیکن وہ مچھلی ہی ہے اس لئے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لغت الجریث : سچکی مچھلی۔ المارماہی : فارسی لفظ ہے سانپ کی طرح کی مچھلی جس کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں۔

[۲۶۲۶](۴۷) جائز ہے ٹڈی کو کھانا اور اس میں ذبح کی ضرورت نہیں۔

وجہ ٹڈی حلال ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**سمعت ابن ابی اوفی قال غزونا مع النبی ﷺ سبع غزوات اوستا کنا**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ یعنی مچھلی حلال ہے (ب) آپؐ نے فرمایا سمندر میں کوئی جانور نہیں ہے مگر اللہ نے اس کو بنی آدم کے لئے گویا کہ ذبح کر دیا ہے یعنی حلال ہے (ج) آپؐ نے فرمایا سمندر جس مچھلی کو چھوڑ دے یا اس کو باہر ڈال دے اس کو کھاؤ۔اور جس کو تم مردہ پاؤ یا پانی پر تیر رہی ہو اس کو مت کھاؤ۔

ناکل معہ الجراد (الف)(بخاری شریف، باب اکل الجراد ص ۸۲۶ نمبر ۵۴۹۵ رمسلم شریف، باب اباحة الجراد ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۵۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹڈی حلال ہے۔اور اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔**عن عبد الله بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد** (ب)(ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷)اس حدیث میں ہے کہ مردہ حلال ہے یعنی ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں مرا ہوا بھی مچھلی کی طرح حلال ہے۔

لغت الجراد : ٹڈی۔ لا ذکوۃ لہ : اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
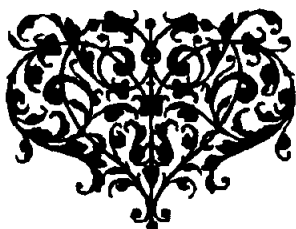
حاشیہ : (الف)ابن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سات یا چھ غزوے کئے، ہم آپؐ کے ساتھ ٹڈی کھایا کرتے تھے (ب) آپؐ نے فرمایا ہمارے لئے دو مردے حلال کئے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ یعنی بغیر ذبح بھی حلال ہے۔

﴿ کتاب الاضحیة ﴾

[۲۶۲۷](۱)الاضحیة واجبة علی کل حر مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی.

﴿ کتاب الاضحیة ﴾

ضروری نوٹ جس جانور کو قربانی کی نیت سے دس، گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے اس کو اضحیہ کہتے ہیں۔قربانی کی دلیل آیت میں ہے۔**فصل لربک وانحر** (الف)(آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸)اس آیت میں نحر کرنے کا حکم دیا ہے جو قربانی کی طرف اشارہ ہے۔اور حدیث میں یہ ہے۔ **عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا** (ب)(ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ص ۴۵۵نمبر ۳۱۲۳ردار قطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۵نمبر ۴۶۹۸)اس حدیث میں ہے کہ کوئی قربانی کی گنجائش رکھتا ہو وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ پر نہ آئے اس سے واجب ہونے کا ثبوت ہوا۔

[۲۶۲۷](۱)قربانی واجب ہے ہر آزاد،مسلمان،مقیم اور قربانی کے دن مالدار ہو اس پر۔

تشریح کوئی آدمی آزاد ہو،مسلمان ہو اور مقیم ہو مسافر نہ ہو اور قربانی کے دنوں میں مالدار بھی ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وجہ ہر ایک کی وجہ۔آزاد اور مسلمان ہونے کی دلیل بار بار گزر چکی ہے کہ مسلمان ہو تب ہی اس پر عبادت ہے۔قربانی ایک عبادت ہے اس لئے کافر پر نہیں ہوگی۔اور غلام کے پاس مال ہی نہیں ہے اس لئے وہ قربانی کیسے کرے گا۔اور مقیم اس لئے کہ مسافر کو قربانی کرنے میں آسانی نہیں ہوگی۔لیکن اگر کر لیا تو قربانی کی ادائیگی ہو جائے گی۔حضورؐ نے سفر میں قربانی کی ہے۔**عن ثوبان قال ضحی رسول اللہ ﷺ ثم قال یا ثوبان اصلح لنا لحم ھذہ الشاة قال فمازلت اطعمه منها حتی قدمنا المدینه** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی المسافر یضحی ص ۳۳ نمبر ۲۸۱۶ربخاری شریف، باب من ذبح اضحیۃ غیرہ، ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر قربانی کر سکتا ہے البتہ اس پر واجب نہیں ہے۔اور مالدار ہو تب واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر غریب ہو تو کہاں سے قربانی کرے گا وہ تو خود ہی محتاج ہے۔مالدار سے مراد یہ ہے کہ وہ قربانی کے دنوں میں زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو(۲)اوپر حدیث گزری **عن ابی ھریرة قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا** (ابن ماجہ شریف، نمبر ۳۱۲۳)اس حدیث میں ہے کہ گنجائش ہو تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔اور قربانی واجب ہے سنت نہیں اس کی دلیل بھی اوپر کی حدیث ہے۔کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے تو میری عیدگاہ پر نہ آئے،اس قسم کی وعید واجب چھوڑنے پر ہوتی ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**سالت ابن عمر عن الضحایا اواجبة ھی؟ قال ضحی رسول اللہ ﷺ والمسلمون من بعده**

حاشیہ : (الف) اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور نحر کیجئے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کے پاس گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ تک نہ آئے (ج) حضرت ثوبان نے فرمایا حضورؐ نے قربانی کی پھر فرمایا اے ثوبان تم ہمارے لئے اس بکری کو ٹھیک کرو۔فرماتے ہیں کہ مدینہ آنے تک میں حضورؐ کو گوشت کھلاتے رہا۔

[۲۶۲۸] (۲)یذبح عن نفسه وعن ولده الصغیر[۲۶۲۹] (۳)ویذبح عن کل واحد منهم

جرت به السنة (الف)(ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

[۲۶۲۸](۲) قربانی کرے اپنی جانب سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے۔

تشریح چھوٹی اولاد کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ صاحب نصاب ہے تو وہ خود قربانی نہیں کر سکتی کیونکہ مرفوع القلم ہیں اس لئے ان کے مال سے باپ قربانی کرے گا۔

وجہ حضورؐ نے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی ہے کیونکہ آپؐ ذمہ دار تھے۔اسی طرح باپ چھوٹی اولاد کا ذمہ دار ہے اس لئے باپ اس کی جانب سے قربانی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔عن عائشة ان النبی ﷺ دخل علیها ... فلما کنا بمنی اتیت بلحم بقر فقلت ما هذا؟ قالوا ضحی رسول الله ﷺ عن ازواجه بالبقر (ب)(بخاری شریف، باب الاضحیۃ للمسافر والنساء ص ۸۳۲ نمبر ۵۵۴۸ / ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۲)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی اسی پر قیاس کرتے ہوئے اپنی اولاد کی جانب سے بھی قربانی کر سکتا ہے۔

فائدہ دوسری روایت یہ ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے اس لئے چاہے مالدار ہو لیکن اس کی جانب سے باپ پر قربانی واجب نہیں ہے اور نہ بچے پر قربانی واجب ہے۔

[۲۶۲۹](۳) ذبح کرے ان میں سے ہر ایک ایک بکری یا ذبح کرے اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے۔

تشریح ایک بکری ایک آدمی کی جانب سے کافی ہے دو آدمیوں کی جانب سے نہیں۔اور اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہوتی ہے اس سے زیادہ آدمی شریک نہیں ہو سکتے۔البتہ سات سے کم پانچ یا چار وغیرہ شریک ہو سکتے ہیں۔

وجہ بکری کے سلسلے میں شرکت کی کوئی حدیث نہیں ہے۔اگر بکری میں دو آدمیوں کی شرکت جائز ہوتی تو حدیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے نفلی طور پر بکری قربانی کرے اور اس کا ثواب بہت سے کو پہنچا دے۔عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأیته واضعا قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده (ج)(بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۸ / مسلم شریف، باب استحباب استحسان الضحیۃ الخ ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۶)اس حدیث میں آپؐ نے اپنی جانب سے دو بکرے ذبح فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ بکرا صرف ایک آدمی کی جانب سے ادا ہو سکتا ہے۔چنانچہ ترمذی میں ہے۔وقال

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابن عمرؓ کو پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ فرمایا حضورؐ اور اس کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی اور یہ سنت جاری ہے (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے...پس جب منی میں تھے گائے کا گوشت مجھے دیا۔میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی جانب سے گائے ذبح کی ہے (ج) حضورؐ نے قربانی کی دو چتکبرے مینڈھے کی۔میں نے دیکھا اپنے قدم کو رکھا اس کے گال پر۔بسم اللہ پڑھا، تکبیر کہی اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

شاة او يذبح بدنة او بقرة عن سبعة[۲۶۳۰] (۴)وليس على الفقير والمسافر اضحية.

بعض اهل العلم لا تجزی الشاة الا ان نفس واحدة وهو قول عبد الله بن المبارک وغیرهم من اهل العلم (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اہل البیت ص۲۷۶ نمبر۱۵۰۵) اور ایک بکرا ذبح کر کے ثواب میں سب کو شریک کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة ان رسول الله ﷺ امر بكبش اقرن ... وقال بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد ثم ضحى به (ب)** (ابوداؤد شریف، باب مایستحب من الضحایا ص۳۰ نمبر۲۷۹۲) اس حدیث میں ایک بکرے کو ذبح کیا اور اس کا ثواب محمدؐ، آل محمدؐ اور امت محمد کو پہنچایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک جانور اپنی جانب سے ذبح کرے اور اس کا ثواب بہت لوگوں کو پہنچائے یہ جائز ہے۔ اور ان شاء اللہ سب کو پورا پورا ثواب مل جائیگا۔

اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عن جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة (ج) (ابوداؤد شریف، باب البقرة والجزور عن کم تجزی؟ ص۳۲ نمبر۲۸۰۸ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاشتراک فی الاضحیة ص۲۷۶ نمبر۱۵۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ میں اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں اگر بارہ آدمی ہوں تب بھی سب کی جانب سے ایک جانور کافی ہے۔ البتہ ایک جانور دو گھروں کی جانب سے کافی نہیں۔ ان کے یہاں ایک گھر پر ایک جانور ضروری ہے چاہے کتنے ہی افراد کیوں نہ ہوں۔

قال انبأنا مخنف بن سليم قال ونحن وقوف مع رسول الله ﷺ بعرفات قال قال يا ايها الناس ان على كل اهل بيت فی كل عام اضحية وعتيرة (د) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی ص۳۰ نمبر۲۷۸۸ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اہل البیت ص۲۷۶ نمبر۱۵۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جانور پورے گھر کی جانب سے کافی ہے چاہے گھر میں کتنے ہی افراد ہوں۔

[۲۶۳۰] (۴) فقیر اور مسافر پر قربانی نہیں ہے۔

اوپر حدیث گزری کہ جو گنجائش رکھتا ہو یعنی صاحب نصاب ہو اس پر قربانی ہے اس لئے فقیر پر قربانی نہیں ہے۔ فقیر کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ کیسے قربانی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا (ه)** (ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبة ھی ام لا؟ ص۴۵۵ نمبر۳۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گنجائش ہو پھر اس پر

حاشیہ : (الف) بعض اہل علم نے کہا بکری نہیں کافی ہوگی مگر ایک آدمی کی طرف سے، یہ قول عبد اللہ بن مبارکؒ اور دوسرے اہل علم کا ہے (ب) آپؐ نے حکم دیا سینگ والے مینڈھے کا... اور کہا بسم اللہ تقبل من محمد وآل محمد وم امت محمد، پھر آپؐ نے قربانی کی (ج) آپؐ نے فرمایا گائے سات آدمیوں کی جانب سے اور اونٹ سات آدمیوں کی جانب سے (د) مخنف بن سلیم نے فرمایا ہم حضورؐ کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو ہر گھر والے پر ہر سال اضحیہ کا جانور ہے اور عتیرہ ہے (ہ) آپؐ نے فرمایا جس کو گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

[۲۶۳۱](۵)ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر الا انه لايجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام صلوة العيد فاما اهل السواد فيذبحون بعد طلوع الفجر

[۲۶۳۲](۶)وهى جائزة ثلثة ايام يوم النحر ويومان بعده .

قربانی واجب ہے۔

نوٹ فقیر پر واجب نہیں ہے لیکن کرلے تو قربانی ادا ہو جائے گی۔

اور مسافر پر قربانی اس لئے واجب نہیں ہے کہ اس کے پاس عموما رقم نہیں ہوتی۔ اور قربانی کے جانور تلاش کرنے میں اور اس کو قربانی کرنے میں تکلیف ہوگی (۳) جب رمضان کا فرض روزہ ساقط ہو گیا، جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ساقط ہو گئے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے قربانی بھی ساقط ہوگی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال رخص للحاج والمسافر فى ان لا يضحى (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا ج رابع ص ۳۸۲ نمبر ۸۱۴۲)

[۲۶۳۱](۵) قربانی کرنے کا وقت داخل ہو جاتا ہے دسویں تاریخ فجر کے طلوع ہونے سے مگر یہ کہ شہر والوں کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں جب تک کہ امام عید کی نماز نہ پڑھا لے، بہر حال دیہات والے تو فجر کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔

تشریح قربانی کرنے کا وقت دسویں ذی الحجہ کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ چونکہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے امام کی نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی کر لی تو وہ عام گوشت ہوگا، قربانی دوبارہ کرنی ہوگی۔ اور دیہات میں عید کی نماز واجب نہیں ہے اس لئے وہاں صبح صادق کے بعد ہی سے قربانی کر سکتے ہیں۔

وجہ عن انس عن النبى ﷺ قال من ذبح قبل الصلوة فليعد (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح قبل الصلوۃ اعاد ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۶۱ رمسلم شریف، باب وقتھا ص ۱۵۳ نمبر ۱۹۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے قربانی نماز کے بعد کرے۔ اور دیہات میں نماز عید نہیں ہے اس لئے صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتا ہے۔ اس لئے صبح صادق کے بعد دن شروع ہو جاتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ وقد رخص قوم من اهل العلم لاهل القرى فى الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن مبارك (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذبح بعد الصلوۃ، ص ۲۷۷ نمبر ۱۵۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد گاؤں والے قربانی کر سکتے ہیں۔

لغت اہل السواد : سواد کا معنی کالا ہے، زراعت اور کھیتی کی وجہ سے دیہات کالا نظر آتا ہے اس لئے اس کو اھل السواد کہتے ہیں۔

[۲۶۳۲](۶) اور قربانی جائز ہے تین دن، دسویں تاریخ کو اور دو دن اس کے بعد۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا رخصت دیا حاجیوں اور مسافروں کو کہ وہ قربانی نہ کریں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو دوبارہ قربانی کرے (ج) اہل علم کے کچھ قوم نے رخصت دی گاؤں والوں کے لئے کہ وہ ذبح کریں جوں ہی فجر طلوع ہو، یہی قول عبد اللہ ابن مبارکؒ کا ہے۔

[۲۶۳۳](۷) ولا یضحّی بالعمیاء والعوراء والعرجاء التی لاتمشی الی المنسک ولا

تشریح قربانی دسویں، گیارہویں اور بارہویں کو جائز ہے اور اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ان عبد اللہ بن عمر کان یقول الاضحی یومان بعد یوم الاضحی (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین بعدہ ج تاسع ص ۵۵۰ نمبر ۱۹۲۵۴ / موطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ ص ۴۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دنوں تک قربانی کر سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ تک ایام تشریق ہے اس لئے تیرہویں تاریخ تک قربانی کر سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن جبیر بن مطعم عن النبی ﷺ قال کل عرفات موقف وارفعوا عن عرفات وکل ومزدلفة موقف وارفعوا عن محسر وکل فجاج منی منحر وکل ایام التشریق ذبح (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر وایام منی کلھا لانھا ایام نسک ج تاسع ص ۴۹۷ نمبر ۱۹۲۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے ایام تشریق میں ذبح کر سکتا ہے۔ اور ایام تشریق تیرہویں تاریخ تک ہے اس لئے تیرہویں تاریخ تک قربانی کر سکتا ہے۔اگرچہ افضل پہلے دن ہے (۲) عن ابن عباس قال الاضحی ثلاثة ایام بعد یوم النحر (ج) سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر وایام منی کلھا لانھا ایام نسک ج تاسع ص ۴۹۹ نمبر ۱۹۲۴۷) اس اثر میں تیرہویں تاریخ تک قربانی کرنے کی گنجائش ہے۔

[۲۶۳۳](۷) قربانی نہ کی جائے اندھے کی، کانے کی اور ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جا سکے نہ دبلے کی۔

تشریح جانور اندھا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔اسی طرح کانا ہو یا اتنا لنگڑا ہو کہ مذبح تک بھی نہ جا سکتا ہو یا بہت دبلا ہو تو ان جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

وجہ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں ہدیہ دینا ہے تو ایسا ناقص نہ ہو کہ لوگ بھی پسند نہ کرتے ہوں۔اس لئے اچھا جانور خدا کے حضور میں پیش کرے۔دوسرا اصول یہ ہے کہ آدھا سے زیادہ ٹھیک ہو یعنی دو تہائی ٹھیک ہے تو وہ جانور ٹھیک شمار کیا جائے گا۔اور دو تہائی سے کم ٹھیک ہے اور ایک تہائی سے زیادہ خراب ہے تو وہ جانور ٹھیک نہیں ہے اور نہ قربانی کے قابل ہے۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال قتادة وسالت سعید بن مسیب عن العضب فقال النصف فمافوقه (د) (ابوداؤد شریف، باب یکرہ من الضحایا ص ۴۱ نمبر ۲۸۰۶ / سنن للبیہقی، باب ماورد النھی عن التضحیة بہ ج تاسع ص ۴۶۲ نمبر ۱۹۱۰۴) اس اثر میں آدھے سے زیادہ کٹے ہوئے کو نقص کہا ہے۔اس لئے احتیاط کے طور پر دو تہائی کے اچھے کو اچھا کہا تا کہ للاکثر حکم الکل پر عمل ہو جائے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی کے لئے ہیں یعنی گیارہوں اور بارہویں تاریخ (ب) آپؐ نے فرمایا عرفات کا کل حصہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن ایک حصہ بطن عرنہ سے الگ رہو، مزدلفہ کل کے کل ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن محسر سے الگ رہو، اور منی کی ساری وادیاں نحر کی جگہ ہے، ایام تشریق کل کے کل ذبح کرنے کا وقت ہے (ج) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے تین دن ہے دسویں تاریخ کے بعد (د) سعید بن میسبؒ سے ٹوٹے ہوئے سینگ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا آدھا یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہو تو نقص ہے۔

العجفاء [۲۶۳۴] (۸) ولا تجزئ مقطوعة الاذن والذنب ولا التی ذهب اکثر اذنها او

فائدہ اوپر کے اثر کی وجہ سے صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ آدھا سے زیادہ ٹھیک ہو تو کافی ہے۔

اور اوپر کے نقص والے جانور جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سالت بر البراء بن عاذب مالا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینا رسول الله ﷺ فقال اربع لا تجوز فی الاضاحی العوراء بین عورها والمریضة بین مرضها والعرجاء بین ظلعها والکسیر التی لاتنقی (الف)** (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۲ رترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی ص ۲۷۵ نمبر ۱۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانا جائز نہیں تو اندھا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح لنگڑا جائز نہیں اور بہت دبلا اور بہت بیمار بھی جائز نہیں ہے۔

لغت العمیاء : اندھا۔ العوراء : کانا۔ العرجاء : لنگڑا۔ العجفاء : دبلا پتلا۔

[۲۶۳۴] (۸) اور نہیں جائز ہے کان کٹا ہوا اور دم کٹی ہوئی اور نہ وہ جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہو، اور اگر اکثر کان اور دم باقی ہوں تو جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اوپر والے اصول پر متفرع ہے۔ پورا کان کٹا ہوا یا پوری دم کٹی ہو تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر آدھے سے زیادہ کان کٹا ہوا یا آدھی سے زیادہ دم کٹی ہو تو جائز نہیں۔ اور اگر آدھے سے کم کان کٹا ہو یا آدھی سے کم دم کٹی ہو تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **قال اتیت عتبة بن عبد السلمی فقلت ... انما نهی رسول الله ﷺ عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشیعة والکسراء، فالمصفرة التی تستاصل اذنها حتی یبدو سماخها، والمستاصلة التی استؤصل قرنها من اصله، والبخقاء التی تبخق عینها، والمشیعة التی لا تتبع الغنم عجفاء وضعفاء والکسراء الکسیرة (ب)** (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا ہو کہ دماغ نظر آئے یا سینگ بالکل جڑ سے اکھڑ گیا ہو تو جائز نہیں ہے یا کانا ہو تو جائز نہیں ہے۔

اور آدھا کان یا آدھی دم سے زیادہ کٹی ہو تو جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال امرنا رسول الله ﷺ ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زهیر فقلت لابی اسحاق اذکر عضباء؟ قال لا، قلت فما المقابلة؟ قال یقطع طرف الاذن، فقلت ما المدابرة؟ قال یقطع من مؤخر الاذن، فقلت فما الشرقاء ؟ قال تشق الاذن، قلت فما الخرقاء ؟ قال تخرق اذنها للسمة (ج)** (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) فرمایا میرے درمیان حضور کھڑے ہوئے، پس فرمایا چار نقص قربانی میں جائز نہیں ہیں، صاف کانا ہو، واضح مریض ہو، واضح لنگڑا ہو اور اتنا دبلا کہ گودا بھی نہ نکل سکتا ہو (ب) حضورؐ نے روکا مکمل کان کٹے ہوئے سے، مکمل جڑ سے سینگ نکلی ہوئی ہو، جس کی آنکھ پھوٹی ہوئے ہو، کمزوری کی وجہ سے جانور کے پیچھے نہ چل سکتا ہو، اور انتہائی دبلا پتلا ہو۔ ہر لفظ کی تفصیل یہ ہے۔ مصفرہ: جس کا کان مکمل کٹ گیا ہو یہاں تک کہ دماغ نظر آتا ہو، المستاصلہ: جس کی سینگ جڑ سے اکھڑ گئی ہو، البخقاء: جس کی آنکھ پھوٹی ہو، المشیعۃ: کمزوری کی وجہ سے بکری کے پیچھے نہیں جا سکتا ہو، الکسراء: جو اتنا دبلا پتلا ہو کہ ہڈی میں گودا نہ ہو گویا کہ ٹوٹ چکا ہو حاشیہ : (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم جھانک کر دیکھیں آنکھ، کان کو اور نہ ذبح کریں کانا کو اور کان کٹے ہوئے کو اور (باقی اگلے صفحہ پر)

ذنبها وان بقی الاکثر من الاذن والذنب جاز[۲۶۳۵] (۹) ویجوز ان یُضحّی بالجماء والخصی والجرباء والثولاء[۲۶۳۶] (۱۰) والاضحیة من الابل والبقر والغنم.

ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۳ ۲۸۰۴ رترمذی شریف، باب ما یکرہ من الضاحی ص ۲۷۵ نمبر ۱۴۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں ہے۔ اور کٹنے کے بارے میں حضرت سعید سے مروی ہے کہ آدھا سے زیادہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔ اثر یہ ہے۔ قلت یعنی لسعید بن المسیب ما الاعضب؟ قال النصف فما فوقه (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۳۱ نمبر ۲۸۰۶ رسنن للبیہقی، نمبر ۱۹۱۰۴)

[۲۶۳۵] (۹) اور جائز ہے کہ قربانی کی جائے بے سینگ والے کی اور خصی کی اور کھجلی والے کی اور دیوانے کی۔

تشریح جانور گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو لیکن پیدائشی طور پر سینگ ہو ہی نہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ سینگ تھا لیکن آدھے سے زیادہ ٹوٹ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ کیونکہ یہ عیب نہیں ہے، بہت سے جانور کو پیدائشی طور پر سینگ ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور جائز ہے خصی کی قربانی یا کھجلی والا جانور ہے لیکن موٹا تازہ ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ تھوڑا بہت کھجلی ہونا کوئی بڑا عیب نہیں ہے۔ اسی طرح جانور دیوانہ ہو لیکن گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو تو جائز ہے۔

وجہ یہ اس قسم کے عیب نہیں ہیں کہ قربانی جائز نہ ہو۔ خصی جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین مجئین (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، ص ۳۰ نمبر ۲۷۹۵ رابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی کیا ہوا جانور قربانی میں جائز ہے بلکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے اس لئے اور بھی بہتر ہے۔

نوٹ اگر بہت دیوانہ ہو کہ کھا پی بھی نہیں سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اتنی کھجلی ہوئی کہ جانور کے گوشت کے اندر گھس گئی ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

لغت الجماء : جس کے پیدائشی سینگ نہ ہو۔ الجرباء : جس کو کھجلی ہو۔ الثولاء : تھوڑا پاگل سا ہو۔

[۲۶۳۶] (۱۰) قربانی اونٹ کی ہوتی ہے اور گائے کی اور بکری کی۔

تشریح احادیث میں انہیں جانوروں کی قربانی کا تذکرہ گزرا ہے، بھینس کی قربانی بھی ہوتی ہے اور وہ اسی پر قیاس کی جائے گی۔ البتہ جو جانور پالتو نہ ہو مثلا ہرن پال لیا ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نہ جو پیچھے سے کان کٹا ہوا ہو، یا کان پھٹا ہوا ہو، حضرت زہیر نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا سینگ کٹے ہوئے کا تذکرہ کیا؟ کہا نہیں! میں نے پوچھا مقابلہ کیا ہے؟ فرمایا کنارے سے کان کٹا ہوا ہو، میں نے پوچھا مدابرہ کیا ہے؟ فرمایا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، میں نے پوچھا شرقاء کیا ہے؟ فرمایا کان چیرا ہوا ہو، میں نے پوچھا خرقاء کیا ہے؟ فرمایا علامت کے لئے کان پھاڑا ہو (الف) میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا اعضب کیا ہے؟ فرمایا آدھا یا اس سے زیادہ سینگ ٹوٹ جائے (ب) حضورؐ نے ذبح کے دن قربانی کی دو سینگ والے چتکبرے خصی۔

[۲۶۳۷] (۱۱) ويجزئ من ذلك كله الثنيُّ فصاعدا الا الضان فان الجذع منه يجزئ

[۲۶۳۸] (۱۲) وياكل من لحم الاضحية ويطعم الاغنياء والفقراء ويدّخر

[۲۶۳۷] (۱۱) ان سب جانوروں میں ثنی کافی ہے یا اس سے زیادہ سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔

تشریح گائے، بھینس کو دو سال میں دودھ کا دانت ٹوٹ کر نیا دانت آجاتا ہے۔ اور بکری کو ایک سال میں اور اونٹ کو پانچ سال میں نیا دانت آجاتا ہے۔ جب نیا دانت آجائے تو اس جانور کو مسنہ کہتے ہیں۔ جھارکھنڈ میں اس کو دانتا ہوا کہتے ہیں اور دانتنے کے قریب ہو اور دانتا نہ ہو تو اس جانور کو جذع کہتے ہیں۔ سب جانوروں میں مسنہ ہونا ضروری ہے البتہ بھیڑ میں جذع کی قربانی جائز ہے بشرطیکہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ مسنہ کے درمیان چھوڑ دے تو مسنہ ہی کی طرح معلوم ہو۔

وجہ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لاتذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان (الف) (ابو داؤد شریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن ص ۳۰ نمبر ۲۷۹۷ رمسلم شریف، باب سن الاضحیۃ ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۳) اس حدیث میں ہے کہ مسنہ کے علاوہ قربانی نہ کرو، مگر نہ ہو سکے تو بھیڑ کا جذعہ کافی ہے (۲) دوسرے جانور میں جذعہ جائز نہیں اس کی دلیل اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ عن البراء قال خطبنا رسول الله ﷺ ... فقال ان عندی عناقا جذعة وهی خير من شاتی لحم فهل تجزئ عنی قال نعم ولن تجزئ عن احد بعدك (ب) (ابو داؤد شریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن ص ۳۰ نمبر ۲۸۰۰ رمسلم شریف، باب وقتها ص ۱۵۳ نمبر ۱۹۶۱ ر ۵۰۷۳) اس حدیث میں صحابی کو فرمایا کہ صرف تمہارے لئے بکری کا جذعہ کافی ہے اور اس کے بعد کسی کے لئے بکری یا کسی اور جانور کا جذعہ جائز نہیں ہے سوائے بھیڑ کے۔

لغت الثنی : دو دانت والا، ثنی کا ترجمہ ہے دو۔ فصاعدا : یا اس سے اوپر کا۔ الضان : بھیڑ۔

[۲۶۳۸] (۱۲) کھائے گا قربانی کا گوشت اور کھلائے گا مالداروں اور فقیروں کو اور رکھ بھی چھوڑے۔

تشریح قربانی کرنے کے بعد جو گوشت ہے وہ خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور فقیروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ اور تین دن سے زیادہ جمع کر کے بھی رکھ سکتا ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ قربانی کا گوشت اور نفلی ہدی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور فقیر کو بھی کھلاؤ، آیت یہ ہے۔ ويذكروا اسم الله فی ايام معلومات علی ما رزقهم من بهيمة الانعام فكلوا منها واطعموا البائس الفقير (ج) (آیت ۲۸ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی کھلاؤ اس لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور جب خود مالدار ہو کر کھا سکتا ہے تو دوسرے مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے اور فقیروں کو کھلانے کا حکم تو ہے ہی (۲) حدیث میں ہے کہ پہلے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے سے منع کیا

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مت ذبح کرو مسنہ مگر یہ کہ تم پر تنگدستی ہو تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو (ب) حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضورؐ نے خطبہ دیا... صحابی نے فرمایا میرے پاس جذعہ بکرا ہے جو بکری کے گوشت سے بہتر ہے تو کیا کافی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن تیرے بعد کسی کو کافی نہیں ہوگا (ج) اللہ کا نام یاد کرو معلوم دنوں میں اس بات پر کہ ان کو جانوروں کی روزی دی۔ اس لئے اس سے کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ۔

[۲۶۳۹](۱۳)ویستحب لہ ان لاینقص الصدقة من الثلث[۲۶۴۰] (۱۴)ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ آلة تستعمل فی البیت.

گیا تھا اب تنگی دور ہوگئی ہے اس لئے زیادہ دنوں تک گوشت رکھا کرو۔ چنانچہ حضرت ثوبان مدینہ تک قربانی کا گوشت کھاتے رہے اور حضورؐ کو کھلاتے رہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن سلمة بن الاکوع قال قال النبی ﷺ ... کلوا واطعموا وادخروا فان ذلک العام کان بالناس جھد فاردت ان تعینوا فیھا (الف) (بخاری شریف، باب مایوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا ص ۸۳۵ نمبر ۵۵۶۹ مسلم شریف، باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث فی اول الاسلام وبیان نسخہ واباحتہ الی متی شاء ص ۱۵۷ نمبر ۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت خود جمع کر کے رکھ سکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے اور مالدار اور فقیر کو کھلا بھی سکتا ہے۔

لغت یدخرو : جمع کر کے رکھے، ذخیرہ کرے۔

[۲۶۳۹] (۱۳) اور مستحب یہ ہے کہ صدقہ تہائی سے کم نہ کرو۔

تشریح اوپر حدیث میں تین مصرف بتایا۔ خود کھائے دوسرا جمع کرے اور تیسرا یہ ہے کہ فقیروں کو کھلائے۔ اس سے اشارہ ہوا کہ فقیروں پر تہائی حصہ صدقہ کرے یہ بہتر ہے۔ اور آیت میں بھی اسی قسم کی تقسیم ہے۔ فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر (ب) (آیت ۳۶ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ایک مصرف ہے خود کھاؤ، دوسرا، صرف ہے قانع کو یعنی سوال کرنے والوں کو دو اور تیسرا مصرف ہے معتر یعنی زیارت کرنے والے اور رشتہ داروں کو دو۔ اس سے اشارہ ہوا کہ ایک حصہ خود کھائے، دوسرا حصہ زیارت کرنے والے اور رشتہ داروں کو دے اور تیسرا حصہ سوال کرنے والے کو دے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہائی حصہ سے کم صدقہ نہ کرے۔

[۲۶۴۰] (۱۴) اور قربانی کی کھال کو صدقہ کرے یا کھال سے کوئی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے۔

تشریح حدیث میں ہے کہ قصائی کو بھی قربانی کا گوشت اجرت کے طور پر نہ دے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت یا کھال یا ہڈی بیچ نہیں سکتے۔ اور اگر بیچا تو اس قیمت کو صدقہ کرنا ہوگا۔ البتہ خود کھا سکتا ہے۔ اور جب گوشت کھا سکتا ہے تو کھال بھی خود استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ بھی گوشت کا حصہ ہے۔

وجہ کھال صدقہ کرے اور اجرت کے طور پر نہ دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان علیا اخبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بُدنہ وان یقسم بُدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا (ج) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلود الھدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷ مسلم شریف، باب الصدقة بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا وان لا یعطی الجزار منھا شیئا ص ۴۲۳ نمبر ۱۳۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھال صدقہ کرے۔ اور جب گوشت کھا سکتا ہے تو کھال بھی گھر میں استعمال کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو اس لئے کہ پچھلے سال لوگوں کو فقر وفاقہ تھا تو میں نے چاہا کہ ان کی مدد کروں (ب) پس جب وہ پہلو کے بل گر گیا یعنی ذبح ہوگیا تو اس سے کھاؤ اور خادم اور غریب کو کھلاؤ (ج) آپؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ نگرانی کرے آپ کے اونٹوں کی اور پورے اونٹ کو تقسیم کرے۔ اس کا گوشت، اس کی کھال۔ اس کا جل اور گوشت کٹائی کے بدلے ان میں سے کوئی چیز نہ دے۔

[۲۶۴۱](۱۵)والافضل ان یذبح اضحیته بیده ان کان یحسن الذبح [۲۶۴۲](۱۶) ویکره ان یذبحها الکتابی.

[۲۶۴۱](۱۵)افضل یہ ہے کہ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو۔

تشریح اگر خود اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو تو اپنی قربانی خود ذبح کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی قربانی خود ذبح کی۔ **عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأیته واضعا قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده** (الف) (بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۸ر مسلم شریف، باب استحباب استحسان الضحیۃ وذبحھا مباشرۃ بلا توکیل والتسمیۃ والتکبیر ص ۱۵۵ نمبر ۱۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے (۲) حضرت موسیؓ اپنی لڑکیوں کو خود ذبح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ **عن ابی موسی الاشعریؓ انه کان یامر بناته ان یذبحن مسائکهن بایدیهن** ۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ **عن عمران بن حسین قال قال رسول الله یا فاطمة قومی فاشهدی اضحیتک فانه یغفر لک باول قطرة تقطر من دمها کل ذنب عملتیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب مایستحب للمرء من ان یتولی ذبح نسکہ او یشھد ج تاسع ص ۴۷۶ نمبر ۱۹۱۶۲ر مصنف عبد الرزاق، باب افضل الضحایا والھدی وھل یذبح المحرم ج رابع ص ۳۸۸ نمبر ۸۱۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود ذبح کرے یا ذبح کرتے وقت حاضر رہے تا کہ گناہ معاف ہو۔

[۲۶۴۲](۱۶) مکروہ ہے کتابی اس کو ذبح کرے۔

تشریح یہود اور نصاری کے لئے قربانی کا جانور ذبح کرنا مکروہ ہے تاہم ذبح کردیا تو حلال ہو جائے گا۔

وجہ جب اہل کتاب پر قربانی نہیں ہے تو اس کا قربانی کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ قربانی تو عبادت ہے (۲) اثر میں ہے کہ عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں۔ جب صحابہ کے زمانے میں عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے تو اس زمانے کے یورپ کے دہریہ اہل کتاب کیسے ہو گئے اور ان کا ذبیحہ کیسے حلال ہو گیا (۲) اثر یہ ہے۔ **ان عمر بن الخطابؓ قال ما نصاری العرب باهل کتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما انا بتارکهم حتی یسلموا او اضرب اعناقهم** (ج) (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۶۹) اور دوسری روایت میں ہے۔ **عن علی انه قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم یستمسکوا من دینهم الا بشرب الخمر** (د) (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۷۰) اس اثر میں بھی ہے کہ عرب کے

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے قربانی کی دو چتکبرے مینڈھے، میں نے دیکھا کہ اپنے قدم کو اس کے رخسار پر رکھے ہوئے تھے، پھر بسم اللہ پڑھا اور تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو ذبح کیا (ب) حضرت ابو موسیٰ حکم دیتے تھے اپنی بیٹیوں کو کہ ان کی عورتیں اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کو دیکھو اس لئے کہ خون کے پہلے قطرے میں تیرے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جو تم نے کیا ہے (ج) حضرت عمرؓ نے فرمایا عرب کے نصاری اہل کتاب نہیں ہیں۔ ان کے ذبیحے حلال نہیں ہیں۔ اور میں ان کو چھوڑنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ اسلام لائیں یا ان کی گردنیں ماردوں (د) حضرت علی نے فرمایا بنی تغلب کے نصاری کا ذبیحہ مت کھاؤ۔ اس لئے کہ دین کو شراب پینے کے علاوہ کچھ نہیں پکڑا۔

[۲۶۴۳] (۱۷) واذا غلط رجلان فذبح کل واحد منهما اضحیة الآخر اجزأ عنهما ولا ضمان علیهما.

عیسائیوں کا دین صرف شراب پینا ہے۔اس لئے ان کا ذبیحہ مکروہ ہے بلکہ ناجائز ہے (۴) اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ انه کره ان یذبح نسیکة المسلم الیهودی والنصرانی (الف) (سنن للبیہقی، باب النسیکۃ یذبحہا غیر مالکہا ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی کی ہوئی قربانی مکروہ ہے۔

[۲۶۴۳] (۱۷) اگر غلطی کی دو آدمیوں نے اور ذبح کر دیا ہر ایک نے دوسرے کی قربانی تو دونوں کو کافی ہو جائے گا اور دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح دو آدمیوں کے جانور تھے دونوں نے غلطی سے اپنے جانور کے بجائے دوسرے کا جانور ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی ادا ہو جائے گی اور کسی پر کسی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ دونوں نے جانور قربانی ہی کے لئے خریدا ہے اس لئے دونوں کی نیت قربانی کی ہے اور بارہویں تاریخ گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہو سکے گی اس لئے دونوں کی دلی تمنا یہ ہے کہ کوئی وقت کے اندر میری قربانی کر دے اس لئے اشارۃ دونوں کی جانب سے قربانی کرنے کی اجازت ہے اس لئے دونوں کی قربانی ہو جائے گی۔اور چونکہ جانور کو مصرف میں خرچ کیا ہے اس لئے کسی پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ازدواج مطہرات کی اجازت کے بغیر ان کی جانب سے قربانی کی اور ادا بھی ہوگئی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عائشة قالت ... وضحی رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح ضحیۃ غیرہ ص ۸۳۴ نمبر ۵۵۵۹ رمسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی وجزاء البدنۃ والبقرۃ کل واحد منھما عن سبعۃ ص ۴۲۴ نمبر ۱۳۱۹ رابوداؤد شریف، باب فی ھدی البقر ص نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارے کے طور پر قربانی کی اجازت ہو اور دوسرے نے بغیر صراحت کی اجازت کے قربانی کر دی تو کافی ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اشارہ اور کنایہ کے طور پر اجازت ہو تو بعض موقع پر یہ اجازت بھی کافی ہے۔

لغت اجزاء : کافی ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ ناپسند کرتے تھے کہ مسلمان کا جانور یہودی یا نصرانی ذبح کرے (ب) حضورؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی جانب سے قربانی کی۔

﴿کتاب الایمان﴾

[۲۶۴۴](۱)الایمان علی ثلثة اضرب یمین غموس ویمین منعقدة ویمین لغو .

﴿کتاب الایمان﴾

ضروری نوٹ ایمان یمین کی جمع ہے قسم کھانا،قسم کی تین قسمیں ہیں (۱) یمین غموس (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین لغو۔تینوں کی تفصیل آرہی ہے۔ثبوت اس آیت میں ہے۔**لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم** (الف) (آیت ۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے یمین لغو اور یمین منعقدہ کا پتا چلا اور یہ بھی پتا چلا کہ یمین منعقدہ کا کفارہ تین طرح کے ہیں۔اور یمین غموس کی آیت یہ ہے۔**ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا** (ب) (آیت ۹۴ سورۃ النحل ۱۶) دوسری آیت میں ہے۔**ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الآخرة** (ج) (آیت ۷۷ سورۃ آل عمران ۳) اس آیت میں بھی یمین غموس کا تذکرہ ہے۔

نوٹ اس باب میں بہت سے مسئلے عادت،محاورات اور اصول پر متفرع ہیں۔اس لئے وہاں احادیث اور آثار نہیں مل سکے۔اس لئے عادت،محاورات اور اصول بیان کرنے پر اکتفاء کیا۔

[۲۶۴۴](۱) قسم تین قسم کی ہیں۔یمین غموس اور یمین منعقدہ اور یمین لغو۔

تشریح غموس کے معنی ہیں ڈوب جانا۔چونکہ جھوٹ قسم کھانے والا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ تھا اور اس حدیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔**عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس** (د) (بخاری شریف،باب الیمین الغموس ص ۹۸۷ نمبر ۶۶۷۵) ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے۔**عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال من حلف علی یمین صبر یقتطع بھا مال امرأ مسلم لقی اللہ وھو علیہ غضبان فانزل اللہ تصدیقہ ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا** (ہ) (آیت ۷۷ سورہ آل عمران ۳ / بخاری شریف،نمبر ۶۶۷۶) اس آیت اور حدیث میں یمین غموس کا تذکرہ ہے۔اور یمین منعقدہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے

حاشیہ : اللہ تم کو گرفت نہیں کرے گا لغو قسم میں لیکن تم کو پکڑے گا جس قسم کی گرہ باندھی۔اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے اوسط کھانا جو اپنے اہل کو تم کھلاتے ہو یا اس کا کپڑا یا غلام آزاد کرنا ہے۔جو یہ نہ پائیں تو تین دن روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (ب) اپنی قسموں کو ڈھال مت بناؤ کہ قسم کو مضبوط کرنے کے بعد تمہارا قدم پھسل جائے (ج) جو لوگ اللہ کے عہد اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا گناہ کبیرہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے،والدین کی نافرمانی ہے،جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم ہے (ہ) آپؐ نے فرمایا کسی نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس سے مسلمان آدمی یا اپنے بھائی کا مال لے لے تو اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غصے ہوں گے۔اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت اتری،جو لوگ اللہ کے عہد اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں الخ۔

[۲۶۴۵](۲)فیمین الغموس هی الحلف علی امر ماضٍ یتعمّد الکذب فیه.

بارے میں قسم کھائے کہ میں ایسا کروں گا تو اس سے قسم کھا کر ایک بات کو منعقد کیا۔ اگر وہ کام نہ کر سکے تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ یا غلام آزاد کرے یا دس مسکین کو کھانا کھلائے یا دس مسکین کو اوسط درجے کا کپڑا پہنائے یا پھر تین روزے رکھے۔

وجہ اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ ہے(۲) اس حدیث میں ہے۔ **عن ابی بردة عن ابیه قال اتیت النبی ﷺ فی رهط من الاشعریین ... وانی والله ان شاء الله لا احلف علی یمین فاری غیرها خیرا منها الا کفرت عن یمینی واتیت الذی هو خیر او اتیت الذی هو خیر وکفرت عن یمینی** (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالیٰ لا یوٗخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ر مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرھا خیرا منھا ج ثانی ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمین منعقدہ ہو تو اس کو توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور یمین لغو یہ ہے کہ کسی گذشتہ کام پر قسم کھائے کہ ایسا ہو چکا ہے اور اس کا یقین ہو کہ ایسا ہی ہوا ہے لیکن ایسا ہوا نہیں تھا تو اس کو یمین لغو کہتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ **لا یواخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان** (ب) (آیت ۸۹ سورة المائدة ۵) اثر میں ہے۔ **سمعت الشعبی یقول البر والاثم ما حلف علی علمه وهو یری انه کذلک لیس فیه اثم ولیس علیه کفارة** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب اللغو وما ہو؟ ج ثامن ص ۴۷۵ نمبر ۱۵۹۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یمین لغو میں کفارہ نہیں ہے۔

[۲۶۴۵] (۲) پس یمین غموس یہ ہے، وہ قسم کھانا ہے گذشتہ بات پر جان کر جھوٹ بولتے ہوئے۔

تشریح جانتا ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے پھر بھی جان کر جھوٹ بولے اور کہے کہ ایسا ہے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔ **قال ثم الیمین الغموس قال فقلت لعامر ما الیمین الغموس؟ قال الذی یقتطع مال امرئ مسلم بیمینه وهو فیها کاذب** (د) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۲ نمبر ۱۹۸۶۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بول کر کسی کے مال کو لے لینا اس کو یمین غموس کہتے ہیں (۲) اور دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال الایمان اربع یمینان یکفران ویمینان لا یکفران، قول الرجل والله ما فعلت والله لقد فعلت لیس فی شیء منه کفارة ان کان تعمد شیئا فهو کذب وان کان یری انه کما قال فهو لغو** (ہ) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی یمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر ۱۹۸۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس آیا... آپؐ نے فرمایا میں خدا کی قسم کوئی بھی قسم کھاتا ہوں اور اس کے خلاف خیر دیکھتا ہوں تو یقیناً اپنے قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں (ب) اللہ تم کو تمہاری لغو قسم میں نہیں پکڑے گا لیکن تم کو پکڑے گا جو قسم کی گرہ باندھا (ج) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ نیکی اور گناہ کا مدار اس پر ہے کہ اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائے وہ سمجھتا ہو کہ ایسا ہی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے اور اس میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ یعنی اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائی تو گناہ بھی نہیں اور کفارہ بھی نہیں (د) پھر یمین غموس، میں نے حضرت عامر سے پوچھا یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا کسی آدمی کا مال جھوٹی قسم سے حاصل کرے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا قسم کی چار صورتیں ہیں۔ دو میں کفارہ لازم (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۴۷] (۳) فهذه الیمین یاثم بها صاحبها ولا کفارة فیها الا التوبة والاستغفار

[۲۶۴۸] (۴) والیمین المنعقدة هی ان یحلف علی الامر المستقبل ان یفعله او لا یفعله.

جانتے ہوئے کہ ایسا نہیں ہوا یا نہیں کیا اس پر قسم کھانا یمین غموس ہے۔

[۲۶۴۶] (۳) پس اس قسم سے گنہگار ہوگا اس کا کرنے والا اور اس میں کفارہ نہیں ہے سوائے توبہ اور استغفار کے۔

تشریح یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے صرف توبہ اور استغفار ہے۔

وجہ اوپر اثر میں گزرا کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔ **عن ابراهیم ... والله لقد فعلت لیس فی شیء منه کفارة ان کان تعمد شیئا فهو کذب** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۹۸۸۲) (۲) اثر میں ہے۔ **قال ابن مسعود کنا نعد من الذنب الذی لا کفارة له الیمین الغموس فقیل ما الیمین الغموس ؟ قال اقتطاع الرجل مال اخیه بالیمین الکاذبة** (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر ۱۹۸۸۳ رمستدرک حاکم، کتاب الایمان والنذ ور ج رابع ص ۳۲۹ نمبر ۷۸۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمین غموس میں بھی کفارہ ہے۔

وجہ ان کی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے۔ **عن ابی بردة عن ابیه ... وانی والله ان شاء الله لا احلف علی یمین فاری غیرها خیرا منها الا کفرت عن یمینی واتیت الذی هو خیر** (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لایواخذکم اللہ باللغو ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرها خیرا منها ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں ہے کہ کسی چیز پر قسم کھاؤں اور دیکھوں کہ وہ چیز اچھی نہیں ہے تو کفارہ دے کر اس کے خلاف کر دوں اور جھوٹ اچھی نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف کر کے کفارہ لازم ہوگا۔

لغت یاثم : گنہگار ہوگا۔

[۲۶۴۷] (۴) اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ قسم کھائے آئندہ کے معاملے پر کہ اس کو کرے گا یا نہیں کرے گا۔

تشریح مثلا قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں ضرور دعوت کروں گا یا خدا کی قسم میں دعوت ہرگز نہیں کروں گا۔ اس طرح آئندہ کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

وجہ سواری کے لئے اونٹ دینے کے بارے میں آپؐ نے قسم کھائی۔ **عن ابی بردة قال اتیت النبی ﷺ فی رهط من الاشعریین استحمله فقال والله لا احملکم وما عندی ما احملکم علیه** (ج) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لایواخذکم اللہ باللغو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہوتا ہے اور دو قسموں میں کفارہ نہیں ہے، آدمی یوں کہے خدا کی قسم ایسا نہیں کیا یا خدا کی قسم ایسا کر لیا تو ان صورتوں میں کفارہ نہیں ہے اگر جان کر کہا تو جھوٹ ہے اور اگر ایسا ہی سمجھتا تھا جیسا کہا تو قسم لغو ہے (الف) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم گناہ سمجھتے تھے جس میں کفارہ نہیں ہے یمین غموس کو۔ پوچھا گیا یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا جھوٹی قسم کے ذریعہ بھائی کا مال کھسوٹ لے (ب) ابی بردہؓ سے روایت ہے ...آپؐ نے فرمایا میں ان شاء اللہ کوئی ایسی قسم کھاؤں جس کے خلاف خیر دیکھوں تو اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جس میں خیر ہو (ج) حضرت ابی بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۴۹](۵)فاذا حنث فی ذلک لزمته الكفارة ؤ [۲۶۵۰](۶)ويمين اللغو هو ان يحلف

۹۸۰ نمبر۶۶۲۳ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرها خیرا منھا ص ۴۶ نمبر۱۶۴۹) اس حدیث میں حضورؐ نے اونٹ پر سوار نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ چونکہ آئندہ کے بارے میں ایک کام نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس لئے اس کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

[۲۶۴۸](۵) پس جب اس میں حانث ہو جائے تو اس کو کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ اوپر آیت گزری جس میں ہے کہ حانث ہو جائے یعنی وہ کام نہ کر سکے تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ آیت یہ ہے۔ **لا يواخذكم الله باللغو في ايمانكم ولكن يواخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام ذلک كفارة ايمانكم اذا حلفتم** (الف) (آیت۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ یمین منعقدہ میں حانث ہو جائے تو کفارہ لازم ہوگا پھر کفارے کی تفصیل آیت میں بیان کی گئی ہے (۲) حدیث بھی گزری۔ **لا احلف على يمين فارى غيرها خيرا منها الا كفرت عن يميني واتيت الذى هو خير** (ب) (بخاری شریف، نمبر۶۶۲۳ رمسلم شریف، نمبر۱۶۴۹) اس حدیث میں ہے کہ حانث ہو جاؤں تو کفارہ دیتا ہوں۔

[۲۶۴۹](۶) اور یمین لغو یہ ہے کہ گزری ہوئی باتوں پر قسم کھائے وہ گمان کرتے ہوئے کہ ایسی ہی ہے جیسا کہا حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہو۔ یہ قسم ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ قسم والے سے مواخذہ نہیں کریں گے۔

تشریح گزری ہوئی بات کے سلسلے میں قسم کھانے والے کا گمان تھا کہ بات ایسی ہی ہے اسی پر قسم کھالی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف تھا تو یہ یمین لغو ہے۔ اس پر امید ہے کہ اللہ تعالی مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

وجہ آیت میں ہے کہ مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ **لا يواخذكم الله باللغو في ايمانكم** (ج) (آیت۸۹ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ اللہ یمین لغو میں مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

یمین لغو کی تفصیل کے لئے یہ اثر ہے۔ **سمعت الشعبي يقول البر والاثم ماحلف على علمه وهو يرى انه كذلک ليس فيه اثم وليس عليه كفارة** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب اللغو وماھو؟ ج ثامن ص ۴۷۵ نمبر۱۵۹۵۷ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی الیمین الغموس ج عاشر ص ۶۷ نمبر۱۹۸۸۲) اس اثر میں ہے کہ جیسا معلوم ہوا ایسا ہی گمان کرتے ہوئے قسم کھانا یمین لغو ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایسے ہی لاابالی پن میں جو اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں اس کو یمین لغو کہتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **قالت عائشة ان رسول الله ﷺ**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پاس اشعریین کی جماعت میں آیا سواری کے لئے اونٹ مانگنے کے لئے تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم میں تم کو اونٹ نہیں دے سکتا۔ میرے پاس اونٹ دینے کے لئے نہیں ہے (الف) اللہ تم کو نہیں پکڑے گا لغو قسم میں لیکن تم کو پکڑے گا جس میں قسم کی گرہ باندھی۔ پس اس کا کفارہ دس مسکین کا کھانا کھلانا ہے اوسط جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنانا ہے یا غلام آزاد کرنا ہے، پس جو یہ نہ پائے تو تین دن روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (ب) کسی بات پر قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو خیر سمجھتا ہوں تو اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہو (ج) اللہ تمہاری لغو قسم پر گرفت نہیں کرتے ہیں (د) نیکی اور گناہ کا مدار جو اپنی معلومات کے مطابق قسم کھائے وہ قسم کھائے اور سمجھے کہ ایسے ہی ہے تو اس میں گناہ نہیں ہے اور نہ اس پر کفارہ ہے۔

علی امر ماض وهو یظن انه کما قال والامر بخلافه فهذه الیمین نرجو ان لایواخذ الله تعالی بها صاحبها (۷) والقاصد فی الیمین والمکره والناسی سواء.

قال هو کلام الرجل فی بیته کلا والله وبلی والله (الف) (ابوداؤد شریف، باب لغو الیمین ص ۱۱۴ نمبر ۳۲۵۴ ربخاری شریف، باب لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لا واللہ، بلی واللہ بغیر کسی ارادے کے کہنا یمین لغو ہے۔

[۲۶۵۰] (۷) قسم جان کر کھائے، زبردستی کرنے سے کھائے اور بھول کر کھائے برابر ہے۔

تشریح اپنے اختیار سے جان کر قسم کھائی اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہوگا۔ اور کسی نے زبردستی قسم کھلوائی تو اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہے۔ اور بھول کر قسم کھالی تب بھی اس کے توڑنے پر کفارہ لازم ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عمر قال اربع جائزة فی کل حال العتق والطلاق والنکاح والنذر** ۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ **عن الضحاک قال سمعته یقول ثلاث لا یلعب بهن الطلاق والنکاح والنذر** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۲ من قال لیس فی الطلاق والعتاق لعب وقال ھو له لازم ج رابع ص ۱۱۹ نمبر ۱۸۳۹۷/۱۸۳۹۸) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نذر یعنی قسم وغیرہ میں مذاق بھی حقیقت ہے اس لئے بھول کر اور زبردستی بھی قسم کھالی تو قسم لازم ہوجائے گی (۲) طلاق، نکاح اور رجعت کے بارے میں تو باضابطہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق علی الھزل ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق ص ۲۲۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح، طلاق اور رجعت میں مذاق کرے تب بھی حقیقت ہے اسی طرح قسم بھی مذاق سے یا بھول سے کھائے تب بھی قسم واقع ہوجائے گی۔

اور زبردستی قسم کھلائی ہو تو واقع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابراهیم قال هو جائز انما هو شیء افتدی به نفسه** (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۸ من کان طلاق المکرہ جائزا ج رابع ص ۸۵ نمبر ۱۸۰۳۵ رمصنف عبد الرزاق، باب طلاق المکرہ ج سادس ص ۴۱۰ نمبر ۱۱۴۱۹/۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زبردستی قسم کھلوالے تو واقع ہوجائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک زبردستی قسم کھلوالے تو واقع نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول الله ﷺ ان الله تجاوزلی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه** ۔ دوسری روایت میں ہے۔ **حدثنی عائشة ان رسول الله ﷺ قال لا طلاق ولاعتاق فی اغلاق** (ہ) (ابن

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا کہ لغو قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں لا واللہ اور بلی واللہ کہے (ب) حضرت ضحاک سے منقول ہے، ان کو کہتے ہوئے سنا تین باتوں میں مذاق نہیں وہ حقیقت ہی ہے، طلاق، نکاح اور نذر یعنی قسم (ج) تین باتیں حقیقت بھی حقیقت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہیں یعنی واقع ہوجائیں گے نکاح، طلاق اور رجعت (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا زبردستی میں بھی جائز ہوجائے گی گویا کہ اس نے جان کے بدلے میں فدیہ دیا (ہ) آپؐ نے فرمایا زبردستی میں نہ طلاق واقع ہوگی نہ آزادگی ہوگی۔

[۲۶۵۱] (۸) ومن فعل المحلوف علیه مکرَها او ناسیا فهو سواء ؤ [۲۶۵۲] (۹) والیمین باللہ تعالی او باسم من اسمائه کالرحمن والرحیم او بصفة من صفات ذاته کعزة اللہ

ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی ص ۲۹۳ نمبر ۲۰۴۳/۲۰۴۶ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طلاق المکرہ ج سابع ص ۵۸۵ نمبر ۱۵۰۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبردستی قسم کھلوائی ہو یا طلاق دلوائی ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور نہ واقع ہوگی۔ پہلی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بھول میں طلاق دی ہو تو واقع نہیں ہوگی اسی پر قیاس کرتے ہوئے بھول کر قسم کھالی تو اس کا اعتبار نہیں ہے (۳) آیت بھی ہے۔ ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم به (الف) (آیت ۵ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ بھول میں قسم کھالے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ البتہ کون سی قسم بھول کر کھائی اور کون سی قسم جان کر کھائی اس کا تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔

[۲۶۵۱] (۸) کسی نے محلوف علیہ زبردستی میں کرلیا یا بھول کرلیا تو برابر ہیں۔

تشریح جس بات کے نہ کرنے کی قسم کھائی اس کام کے کرنے پر زبردستی کی جس سے مجبور ہو کر کرلیا تو بھی قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح بھول کر وہ کام کرلیا جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گیا کہ بھول کر یا زبردستی قسم کھائی ہے تو اس کا اعتبار ہے اسی پر قیاس کرکے بھول کر یا زبردستی محلوف علیہ کام کو کرلیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

فائدہ یہاں بھی امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ بھول میں یا زبردستی کرا کر کام کروالیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر والی حدیث اور اثر ان کی دلیل ہے۔

لغت محلوف علیہ : جس بات پر قسم کھائی ہو اس کو محلوف علیہ کہتے ہیں۔

﴿قسم کھانے کے طریقے﴾

[۲۶۵۲] (۹) قسم لفظ اللہ سے یا اس کے ناموں میں سے کسی نام سے ہوتی ہے جیسے رحمٰن، رحیم۔ یا اس کی کسی ذاتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے اللہ کی عزت، اس کے جلال یا کبریا کی قسم۔

تشریح قسم کھائی ہو تو لفظ اللہ سے کھائے یا اس کے ننانوے نام ہیں ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ کھائے۔ یا اللہ کی ذاتی صفت کے ذریعہ سے کھائے مثلا کہے اللہ کی عزت کی قسم، اس کے جلال کی قسم یا اس کے کبریا کی قسم تو اس طرح قسم منعقد ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عائشة عن النبی ﷺ انه قال یا امة محمد واللہ لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا ولضحکتم قلیلا (ب) (بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۳۱ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرها خیرا منها ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں بھی واللہ لو تعلمون ما اعلم عبارت ہے جس میں اللہ کی ذات

حاشیہ : (الف) جو کام غلطی سے کردے اس میں تم پر کوئی حرج نہیں (ب) حضورؐ نے فرمایا اے امت محمدؐ! خدا کی قسم اگر تم بھی جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤگے اور کم ہنسوگے۔

وجلاله و کبریائه[۲۶۵۳] (۱۰)الا قوله وعلم الله فانه لایکون یمینا[۲۶۵۴](۱۱)وان

کے ساتھ قسم کھائی۔

اللہ کی صفت کے ساتھ قسم کھانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عمرؓ قال کانت یمین النبی ﷺ لا ومقلب القلوب** (الف) (بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۸/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی یمین النبی ﷺ ج ثانی ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۳)اس حدیث میں اللہ کی صفت مقلب القلوب ہے اس کے ذریعہ سے قسم کھائی ہے (۳) حضرت ایوبؑ نے اللہ کی قسم اس کی عزت کے ساتھ کھائی ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ ... فناداہ ربہ یا ایوب الم اکن اغنیتک عما تری ؟قال بلی وعزتک ولکن لا غنی بی عن برکتک** (ب)(بخاری شریف، باب من اغتسل عریانا وحدہ فی خلوۃ ص ۴۲ نمبر ۲۷۹، کتاب الغسل)اس حدیث میں وعزتک میں اللہ کی عزت کے ذریعہ قسم کھائی ہے۔اللہ کے دوسرے نام سے قسم کھائی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ذر قال انتھیت الیہ یقول فی ظل الکعبۃ ھم الآخرون ورب الکعبۃ**(ج)(بخاری شریف، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۳۸)اس حدیث میں ورب الکعبۃ اللہ کا صفاتی نام ہے جس کے ذریعہ قسم کھائی۔جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے صفاتی نام سے بھی قسم کھا سکتا ہے۔

[۲۶۵۳](۱۰) مگر کسی کا قول علم اللہ سے قسم نہیں ہوگی۔

تشریح کوئی اللہ کے علم سے قسم کھائے تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ یہاں علم بول کر معلوم مراد لیتے ہیں اور معلوم شئی اللہ کی صفت ذاتی نہیں ہے اس لئے علم اللہ سے قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ قسم کھائے یا صفت ذاتی کے ساتھ قسم کھائے تو قسم منعقد ہوگی۔حدیث میں ہے۔**عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ ادرک عمر بن الخطابؓ وھو یسیر فی رکب یحلف بابیہ فقال الا ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت** (د)(بخاری شریف، باب لاتحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶/مسلم شریف، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالی ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۶/۴۲۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔کیونکہ دوسری چیز کے ساتھ قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔

[۲۶۵۴](۱۱) اگر قسم کھائی کسی فعلی صفت کے ساتھ جیسے غضب اللہ یا سخط اللہ تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

وجہ وہ صفات جو اللہ کی ذاتی نہیں ہیں بلکہ فعلی اور وقتی ہیں ان کے واسطے سے قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔جیسے اللہ کا غضب یا سخط اللہ مثلا

حاشیہ : (الف) حضورؐ کی قسم اس طرح ہوا کرتی تھی لا ومقلب القلوب (ب) حضورؐ سے منقول ہے...حضرت ایوب کے رب نے آواز دی اے ایوب! جس چیز کو میں نے دیا ہے اس سے نے تم کو بے نیاز نہیں کیا؟ فرمایا آپ کی عزت کی قسم کیوں نہیں؟ لیکن آپ کی برکتوں سے بے نیاز نہیں ہوں (ج) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا میں آپ کے پاس پہنچا، آپ کعبہ کے سائے میں فرمار ہے تھے کعبہ کے رب کی قسم وہ گھاٹے میں ہے (د) آپؐ نے حضرت عمرؓ کو پایا کہ وہ قافلہ میں چل رہے ہیں اور باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا سن لو! اللہ تم کو روکتا ہے اس سے کہ باپ کی قسم کھاؤ۔جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

حلف بصفة من صفات الفعل کغضب الله وسخط الله لم یکن حالفا[۲۶۵۵] (۱۲)ومن حلف بغیر الله عزوجل لم یکن حالفا کالنبی علیه السلام والقرآن والکعبة [۲۶۵۶] (۱۳) والحلف بحروف القسم وحروف القسم ثلثة الواو کقوله والله والباء کقوله بالله

کوئی کہے بغضب اللہ، بسخط اللہ افعل کذا تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) اوپر حدیث گزر گئی۔

[۲۶۵۵] (۱۲) کسی نے قسم کھائی اللہ کے علاوہ کے ساتھ تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔ جیسے نبی علیہ السلام اور قرآن اور کعبہ کی قسم۔

تشریح اللہ کے بجائے کوئی کہے نبی ﷺ کی قسم، قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت (الف) (بخاری شریف، نمبر ۶۶۴۶ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۴۶) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) کعبہ کی قسم نہ کھائے اس کے بارے میں باضابطہ حدیث ہے۔ سمع ابن عمر رجلا یحلف لا والکعبة فقال له ابن عمر انی سمعت رسول الله ﷺ یقول من حلف بغیر الله فقد اشرک (ب) (ابوداؤد شریف، باب کراہیۃ الحلف بالآباء ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۵۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۳۵) اس حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کعبہ کی قسم کھا رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم مت کھاؤ۔ اگر اللہ کے علاوہ کی قسم کھائی تو اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ اسی پر قیاس کر کے نبی اور قرآن کی قسم بھی کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔ اخبرنا معمر عن قتادة قال یکره ان یحلف انسان بعتق او طلاق وان یحلف الا بالله وکره ان یحلف بالمصحف (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الایمان ولا یحلف الا باللہ ج ثامن ص ۴۶۹ نمبر ۱۵۹۳۲) اس اثر میں قرآن کریم کی قسم کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

[۲۶۵۶] (۱۳) قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم تین ہیں واو جیسے واللہ اور با سے جیسے باللہ اور تا سے جیسے تاللہ۔

تشریح عربی میں اللہ کے پہلے واو یا با یا تا لے آئے تب بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ قال ابو بکرؓ عند النبی ﷺ لا ها الله اذا یقال والله، وبالله، وتالله (د) (بخاری شریف، کیف کان یمین النبی ﷺ ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۸) اس اثر میں واللہ، باللہ اور تاللہ تینوں حرفوں کا ثبوت ہے (۲) عن عائشة ... یا امة محمد والله لو تعلمون (ہ) (بخاری شریف، نمبر ۶۶۳۱) میں واو کا ثبوت ہے۔ اور تا کے ساتھ قسم کھانے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ وتالله لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین (آیت ۵۷ سورۃ الانبیاء ۲۱) اس آیت میں تا کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

حاشیہ : (الف) جو قسم کھانا چاہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (ب) حضرت ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو اس طرح قسم کھاتے ہوئے سنا لا والکعبۃ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے کہتے ہوئے سنا ہے جس نے اللہ کے علاوہ کے ساتھ قسم کھائی تو گویا کہ شرک کیا (ج) حضرت قتادہ ناپسند کرتے تھے کہ انسان عتق کی یا طلاق کی قسم کھائے۔ اور صرف اللہ ہی کی قسم کھائے۔ اور ناپسند کیا کہ قرآن کی قسم کھائے (د) حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کے پاس کہا لا، ھا اللہ اذا کہا جاتا ہے واللہ، باللہ اور تاللہ (ہ) اے امت محمدؐ! خدا کی قسم تم جان لو۔

والتاء کقوله تالله [۲۶۵۷](۱۴)وقد تضمر الحروف فیکون حالفا کقوله الله لا افعل کذا[۲۶۵۸] (۱۵)وقال ابو حنیفة رحمه الله اذا قال وحق الله فلیس بحالف[۲۶۵۹] (۱۶)واذا قال اُقسم او اُقسم بالله او اَحلف او احلف بالله او اَشهد او اشهد بالله فهو

[۲۶۵۷](۱۴) کبھی حروف قسم پوشیدہ ہوتے ہیں تو بھی قسم کھانے والا ہوگا جیسے **الله لا افعل کذا** خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔

تشریح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حروف قسم کلام میں ظاہر نہیں کرتے ہیں بلکہ پوشیدہ ہوتا ہے لیکن وہ ظاہر کا معنی دیتا ہے اور قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسے **الله لا افعل کذا** میں اللہ سے پہلے واو محذوف ہے اور اصل میں **والله لا افعل کذا** عبارت ہے۔ اور اس سے قسم منعقد ہو جائے گی۔

[۲۶۵۸](۱۵) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا وحق اللہ کہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حق سے اطاعت مراد ہے اور اطاعت اللہ کی صفت نہیں ہے اس لئے اس کے ذریعہ سے قسم کھائے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حق اللہ کی صفت ہے اور اوپر گزرا کہ اللہ کی صفت ذاتی کے ذریعہ قسم کھا سکتے ہیں اس لئے اس سے قسم منعقد ہوگی۔

[۲۶۵۹](۱۶) اگر کہا میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو وہ قسم کھانے والا ہے۔

تشریح یہاں قسم کھانے کے تین الفاظ ہیں۔ اقسم، احلف اور اشہد۔ ان تینوں الفاظ کے ساتھ اللہ نہ لگائیں صرف اقسم یا احلف یا اشہد کہیں پھر بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔ اور ان الفاظ کے ساتھ اللہ کو بھی لگا لیں مثلا اقسم باللہ یا احلف باللہ یا اشہد باللہ تب تو بدرجہ اولی قسم منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ صراحت کے ساتھ قسم ہوگی۔

وجہ صرف اقسم سے قسم منعقد ہوگی اس کی دلیل حدیث میں ہے۔ **کان ابو هریرة یحدث ان رجلا اتی رسول الله ﷺ فقال انی اری اللیلة فذکر رؤیا فعبرها ابو بکر فقال النبی ﷺ اصبت بعضا واخطأت بعضا فقال اقسمت علیک یارسول الله ابابی انت لتحدثنی ما الذی اخطأت فقال له النبی ﷺ لا تقسم (الف)** (ابو داؤد شریف، باب فی القسم ہل یکون یمینا ص ۱۰۹ نمبر ۳۲۶۸ / ابن ماجہ شریف، باب تعبیر الرؤیا ص ۵۶۱ نمبر ۳۹۱۸) اس حدیث میں اقسمت علیک بغیر اللہ کو ملائے ہوئے کہا ہے جس

حاشیہ : (ج) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات میں خواب دیکھا ہے۔ پھر خواب ذکر کیا، پس حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تعبیر دی تو حضورؐ نے فرمایا کچھ صحیح تعبیر دی کچھ غلطی کی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں آپ کو قسم دیتا ہوں یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بتائیں میں نے کیا غلطی کی؟ آپؐ نے فرمایا قسم مت کھاؤ۔

حالف[۲۶۶۰] (۱۷) وکذلک قوله وعهد الله و میثاقه فهویمین علیٰ نذراو نذر الله.

سے قسم ثابت ہوئی اور آپ ؐ نے فرمایا قسم مت کھاؤ۔اور حلف قسم کے معنی میں ہے یہ تو عام ہے۔حدیث میں بھی ہے۔**عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ ادرک عمر بن الخطابؓ وهو یسیر فی رکب یحلف بابیه فقال الا ان الله ینهاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت** (الف)(بخاری شریف، باب لاتحلفوا آبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶)اس حدیث میں بار بار لفظ حلف قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس لئے کوئی بغیر لفظ اللہ ملائے ہوئے احلف کہے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔اور اشہد یمین کے معنی میں ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **اذا جاء ک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون اتخذوا ایمانهم جنة فصدوا عن سبیل الله** (ب)(آیت ا سورۃ المنافقون ۶۳) اس آیت میں دو باتیں ہیں۔ایک تو نشہد کے ذریعہ قسم کھائی اور اس کے ساتھ اللہ نہیں ملایا۔جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ملائے بغیر نشہد سے قسم منعقد ہوگی۔اور نشہد سے شہادت مراد نہیں ہے بلکہ قسم مراد ہے اس کا پتا آگے والی آیت **اتخذوا ایمانهم جنة** سے پتا چلا کہ نشہد سے قسم مراد ہے۔تب ہی تو اللہ نے اس کے جملے کو ایمانھم فرمایا(۲) اثر میں ہے۔ **قال ابراهیم وکان اصحابنا ینهونا ونحن غلمان ان نحلف بالشهادة والعهد** (ج)(بخاری شریف، باب اذا قال اشہد باللہ او شہدت باللہ ص ۹۸۵ نمبر ۶۶۵۸)اس اثر میں ہے کہ شہادت اور عہد قسم کے الفاظ ہیں اس لئے اس کے ذریعہ سے قسم کھانے سے روکا کرتے تھے۔

[۲۶۶۰] (۱۷) ایسے ہی یہ کہنا عہد اللہ، میثاق اللہ، مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر تو اس سے قسم ہوگی۔

تشریح یوں کہے کہ اللہ کا عہد کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے قسم منعقد ہو جائے گی۔یا اللہ کی میثاق کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔

وجہ عہد قسم کے معنی میں ہے اس کا اشارہ اس آیت میں ہے۔**واوفوا بعهد الله اذا عهدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها** (د)(آیت ۹۱ سورۃ النحل ۱۶)اس آیت میں ہے کہ اللہ کے عہد کو پورا کرو جس طرح قسم کو پورا کرتے ہیں اس لئے عہد سے قسم منعقد ہوگی۔اسی آیت میں اللہ کے عہد کو **لا تنقضوا الایمان** کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عہد قسم کے معنی میں ہے تب ہی تو عہد کو ایمان یعنی قسم کہا ہے۔اور دوسری آیت میں عہد کو میثاق کے معنی میں کہا ہے اور میثاق کے لئے بھی وہی تاکید کی ہے جو عہد کے پورا کرنے کے لئے کی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ عہد اور میثاق ایک ہی چیز ہے اس لئے اگر کہا کہ اللہ کی میثاق کے ساتھ کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے بھی قسم منعقد ہو

حاشیہ : (الف) آپ ؐ حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ قافلے میں چل رہے ہیں اور باپ کی قسم کھا رہے ہیں آپ ؐ نے فرمایا سن لو! اللہ تم کو باپ کے ذریعہ قسم کھانے سے روکتے ہیں، جو قسم کھائے تو اللہ کے ذریعہ قسم کھائے یا چپ رہے (ب) جب آپ ؐ کے پاس منافقین آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ آپ ؐ اللہ کے رسول ہیں۔اور اللہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔لیکن اللہ گواہی دیتے ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں۔انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے اس لئے اللہ کے راستے سے روک دیئے گئے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا جب ہم بچے تھے تو ہمارے بڑے ہم کو روکتے تھے کہ ہم لفظ شہادت یا لفظ عہد کے ذریعہ قسم کھائیں (د) اللہ کے عہد کو پورا کرو جب عہد کرو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد مت توڑو۔

[۲۶۶۱] (۱۸) وان قال ان فعلت کذا فانا یهودی او نصرانی او مجوسی او مشرک او

جائے گی۔ آیت یہ ہے۔ والذین یوفون بعهد الله ولا ینقضون المیثاق (الف) (آیت ۲۰ سورۃ الرعد ۱۳) اس آیت میں عہد اور میثاق کو ایک معنی میں استعمال کیا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن طاؤس عن ابیه فی الرجل یقول علی عهد الله ومیثاقه او علی عهد الله قال یمین یکفرها (ب) مصنف عبد الرزاق، باب من حلف علی ملة غیر الاسلام ج ثامن ص ۴۸۱ نمبر ۱۵۹۷۹) اس اثر میں عہد اور میثاق یمین کے معنی میں ہیں۔

اگر یوں کہا کہ اس کام کے کرنے کی مجھ پر نذر ہے یا اس کام کے کرنے کی اللہ کی نذر ہے تو یہ بھی قسم ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ نذر مانی اور پوری نہ کر سکا تو اس کا کفارہ بھی کفارہ یمین ہی دینا ہوگا۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال من نذر نذرا لم یسمه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا فی معصیة فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا لا یطیقه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرا اطاقه فلیف به (ج) (ابوداؤد شریف، باب من نذر نذرا لا یطیقه ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۲ / ابن ماجه شریف، باب من نذر نذرا لم یسمه ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نذر پوری نہ کر سکے تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے اس لئے نذر بھی قسم کے معنی میں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ کفارة النذر کفارة الیمین (د) (ابوداؤد شریف، باب من نذر نذرا لم یسمه ص ۱۱۴ نمبر ۳۳۲۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کفارة النذر اذا لم یسم ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۲۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس لئے علی نذر سے بھی قسم واقع ہوگی (۳) ایک اثر ہے جس میں ان تمام اقوال کا حل ہے۔ عن ابراهیم قال اقسم، واقسم بالله، واشهد، واشهد بالله، واحلف، واحلف بالله، وعلی عهد الله، وعلی ذمة الله، وعلی نذر، وعلی نذر الله، وهو یهودی، وهو نصرانی، وهو مجوسی، وهو بری من الاسلام، کل هذا یمین یکفرها اذا حنث قال محمد وبهذا کله ناخذ (ه) (کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۵۷ نمبر ۷۰۹ / مصنف عبد الرزاق، باب من حلف علی ملة غیر الاسلام ج ثامن ص ۴۸۰ نمبر ۱۵۹۷۳)

[۲۶۶۱] (۱۸) اگر کہا کہ میں نے ایسا کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا کافر ہوں تو ان سے قسم ہوگی۔

تشریح اگر یوں کہا کہ میں نے ایسا کیا تو میں یہودی ہوں تو اس قسم کے جملے سے قسم واقع ہو جائے گی۔ اگر ایسا کر لیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور مضبوط کرنے کے بعد توڑتے نہیں ہیں (ب) حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی علی عہد اللہ ومیثاقہ یا علی عہد اللہ کہے تو اس سے قسم منعقد ہوگی اس کا کفارہ دینا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا کوئی ایسی نذر مانے جس کو متعین نہ کیا ہو تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔ کسی نے گناہ کی نذر مانی تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے، کسی نے ایسی نذر مانی کہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔ اور کسی نے نذر مانی ایسی نذر کہ اس کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو پورا کرے (د) آپؐ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (ہ) حضرت ابراہیم نے فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں، میں اللہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں، میں حلف اٹھاتا ہوں، میں اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں، مجھ پر اللہ کا عہد ہے، مجھ پر اللہ کا ذمہ ہے، مجھ پر نذر ہے، مجھ پر اللہ کی نذر ہے، اگر میں ایسا کروں تو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا ایسا کروں تو اسلام سے بری ہوں ان تمام صورتوں میں قسم منعقد ہوگی۔ اور ان کا کفارہ ادا کرے اگر حانث ہو جائے۔ امام محمد نے فرمایا ان تمام پر ہمارا عمل ہے۔

کافر کان یمینا[۲۶۶۲] (۱۹) وان قال فعلیَّ غضب الله او سخطه فلیس بحالف [۲۶۶۳] (۲۰) وکذلک ان قال ان فعلت کذا فانا زان او شارب خمر او آکل ربوا

وجہ اوپر کے اثر میں گزر چکا ہے۔ وھو یھودی وھو نصرانی کہا تو کفارہ لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ثابت بن الضحاک قال قال النبی علیہ السلام من حلف بملة غیر ملة الاسلام کاذبا فھو کما قال (الف)** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الحلف بالبرائة وبملة غیر الاسلام ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کی قسم کھائی تو اگر ایسا کر لیا تو ویسے ہی ہو جائے گا جیسا کہا ہے اس لئے یہ قسم کے معنی میں ہے (۳) اثر میں ہے۔ **عن خارجة بن زید بن ثابت عن ابیه قال سئل رسول الله علیہ السلام عن الرجل یقول ھو یھودی او نصرانی او بری من الاسلام فی الیمین یحلف علیه فیحنث قال کفارة یمین (ب)** (سنن للبیہقی، باب من حلف بغیر اللہ ثم حنث اوحلف بالبراءة من الاسلام الخ ج عاشر ص ۵۴ نمبر ۱۹۸۳۸) اس اثر میں ہے کہ یہودی ہونے کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہو جائے گی۔ اسی پر مشرک اور کافر کو قیاس کر لیں کہ اگر یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو میں مشرک ہوں یا کافر ہوں تو قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ کام نہ کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، لیکن وہ واقعی یہودی یا نصرانی یا مشرک یا کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو اسلام سے انکار کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

[۲۶۶۲] (۱۹) اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کا غصہ ہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، یا اللہ کا غصہ ہو تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

وجہ اللہ کا غضب صفت فعلی ہے صفت ذاتی نہیں ہے اس لئے اس کے ذریعہ قسم منعقد نہیں ہوگی (۲) یہ جملہ اپنے اوپر ایک قسم کی بددعا ہے۔ اللہ کی ذات یا صفت ذاتی کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) اوپر حدیث گزری کہ اللہ کے ساتھ قسم کھائے یا چپ رہے۔ **من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت (ج)** (بخاری شریف، نمبر ۲۶۴۶ رمسلم شریف، نمبر ۱۶۴۶) اس حدیث میں ہے کہ یا تو اللہ کی قسم کھاؤ یا چپ رہو۔ اور اوپر کا جملہ چونکہ بددعا ہے اللہ کی ذات یا اس کی ذاتی صفت کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) اثر میں ہے۔ **عطاء وطاؤس ومجاھد فی الرجل یقول علی غضب الله قالوا لیس علیه کفارة ھو اشد من ذلک (د)** (مصنف ابن ابی شیبة ۹۵ من قال علی غضب اللہ ج ثالث ص ۱۱۴ نمبر ۱۲۶۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ علی غضب اللہ سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

[۲۶۶۳] (۲۰) ایسے ہی اگر کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں زناکار ہوں یا شراب پینے والا ہوں یا سور کھانے والا ہوں تو قسم کھانے والا نہیں

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اگر ملت اسلام کے علاوہ قسم کھائی تو وہ ایسے ہی ہوگا جیسا کہا یعنی ملت اسلام سے خارج ہو جائے گا (ب) حضور کو ایک آدمی کے بارے میں پوچھا وہ کہتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا وہ اسلام سے بری ہے تو ان سبھوں میں قسم ہوگی اور حانث ہونے پر کفارۂ قسم لازم ہوگا (ج) جو قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (د) حضرت طاؤسؒ اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کوئی آدمی کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔ ان حضرات نے فرمایا کہ ان پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ یہ قسم سے بھی اوپر کی بات ہے۔

فلیس بحالف [۲۶۶۴] (۲۱) و کفارة الیمین عتق رقبة یجزئ فیها ما یجزئ فی الظهار [۲۶۶۵] (۲۲) وان شاء کسا عشرة مساکین کل واحد ثوبا فمازاد و ادناه ما یجوز فیه

ہوگا۔

وجہ یہ سب جملے بھی اللہ کی ذات کے ساتھ یا اس کی ذاتی صفات کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر بد دعا کرنا ہے اس لئے ان سے بھی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

اصول اصول یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ قسم ہو یا اس کی ذاتی صفت کے ساتھ قسم ہو یا ایسا جملہ پر معلق ہو جس سے کفر کا صدور ہو جیسے یہودی، نصرانی ہونا تو ان سے قسم منعقد ہوگی۔ اور یہ نہ ہوں تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

﴿ کفارہ کا بیان ﴾

[۲۶۶۴] (۲۱) قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں وہی غلام کافی ہے جو ظہار میں چاہئے۔

تشریح کفارہ ظہار میں مسلمان غلام، کافر، مذکر، مؤنث، چھوٹا بڑا ان سب غلاموں سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ کفارہ قتل کی طرح مومن ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح کفارہ قسم میں بھی مسلمان، کافر، مذکر، مؤنث، چھوٹا بڑا غلام کافی ہیں۔ البتہ اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے کافی نہیں ہے۔ یعنی ایسا نقصان جس سے منفعت انسانیت ختم ہوگئی ہو ایسا غلام کافی نہیں ہے۔ ان سب کے دلائل کتاب الظہار میں گزر گئے۔ کفارہ قسم کی دلیل یہ آیت ہے۔ **لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم** (الف) (آیت ۸۹ سورة المائدة ۵) اس آیت میں غلام آزاد کرنے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا اور وہ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھنے کا تذکرہ ہے۔

[۲۶۶۵] (۲۲) اور چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے، ہر ایک کو ایک کپڑا یا اس سے زیادہ، اور ادنی کپڑا یہ ہے جس سے نماز جائز ہو

تشریح اگر غلام آزاد نہیں کرنا چاہتا ہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے۔ ہر ایک کو ایک ایک کپڑا دے دے اور اس سے زیادہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ ایک کپڑا کم سے کم اتنا بڑا ہو کہ مرد کی نماز اس کپڑے میں ادا ہو جائے یعنی کمر سے گھٹنے تک چوڑا ہو۔ کیونکہ نماز میں مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا ضروری ہے۔ اور اتنا کپڑا نماز کے لئے کافی ہے تو اتنا ہی کپڑا کفارے میں دے دینا کافی ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی موسی الاشعری انه حلف فاعطی عشرة مساکین عشرة اثواب لکل مسکین ثوبا من مقعد هجر** (ب) (سنن للبیہقی، باب ما تجزی من الکسوة فی الکفارة ج عاشر ص ۹۷ نمبر ۱۹۹۸۱ مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین اوکسوتھم ج ثامن

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو نہیں پکڑے گا لغو قسم میں لیکن پکڑے گا جس میں قسم کی گرہ باندھا۔ پس اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے اوسط کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کرنا، پس اگر یہ نہ پائے تو تین روزے رکھنا ہے یہ کفارہ ہے تمہاری قسم کا جب قسم کھاؤ (ب) حضرت ابو موسیٰؓ نے قسم کھائی، پس دس مسکینوں کو دس کپڑے دئے ہر ایک مسکین کو ایک کپڑا پاؤں تک باندھ سکے۔

الصلوة[۲۶۶۶] (۲۳)وان شاء اطعم عشرة مساكين كالاطعام فی كفارة الظهار .

ص۵۱۰نمبر۱۶۰۸۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑا دینا بھی کافی ہے۔

[۲۶۶۶](۲۳)اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلائے کفارہ ظہار کے کھانا کھلانے کی طرح۔

تشریح جس طرح کفارہ ظہار میں کھانا کھلانا کافی ہوتا ہے اسی طرح کفارہ قسم میں بھی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی ہوگا۔

وجہ آیت اوپر گزر چکی ہے۔اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم (الف)(آیت ۸۹سورۃ المائدۃ۵)
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ایک صورت ہے کہ ہر ایک مسکین کو کھانے کے لئے آدھا صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور دے یا ایک صاع جو دے۔

وجہ حدیث میں ہے۔قال ابن العلاء البياضی ... قال فاطعم وسقا من تمر بين ستين مسكينا (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۳ رسنن للبیہقی ، باب لا یجزی ان یطعم اقل من ستین مسکینا کل مسکین مدا من طعام جلدۃ ، ج سابع ،ص ۶۴۱، نمبر ۱۵۲۸۱)اس حدیث میں ہے کہ ساٹھ مسکین کو ایک وسق کھجور دو اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسکین کو ایک صاع کھجور دو۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک صاع کھجور اس زمانے میں آدھے صاع گیہوں کے برابر ہوتا تھا اس لئے کفارہ قسم میں بھی ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ادا کرے (۲) اثر میں ہے۔ عن علی قال صاع من شعير او نصف صاع من قمح (ج)(مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم ج ثامن ص ۵۰۸ نمبر ۱۶۰۷۷)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک مسکین کا کفارہ آدھا صاع گیہوں ہے (۳) حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال كفر رسول الله ﷺ بصاع من تمر و امر الناس بذلك فمن لم يجد فنصف صاع من بر (د)(ابن ماجہ شریف، باب کم یطعم فی کفارۃ یمین ص ۳۰۳ نمبر ۲۱۱۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدھا صاع گیہوں کفارہ میں ادا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسکین کا کفارہ ایک مد گیہوں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن اوس اخی عبادة بن الصامت ان النبی ﷺ اعطاه خمسة عشر صاعا من شعير اطعام ستين مسكينا (د)(ابوداؤد شریف، باب فی الظہار ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۱۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کفارۃ الظہار ص ۲۲۷ نمبر ۱۲۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ صاع ساٹھ مسکین کو دے۔اور صاع چار مد کا ہوتا ہے۔اس لئے ایک مسکین کو ایک مد دے (۲) اثر میں ہے۔عن عطاء عن ابن عباس قال لكل مسكين مد مد (ہ)(سنن للبیہقی ، باب الاطعم فی کفارۃ الیمین ج عاشر ص ۹۵ نمبر ۱۹۹۷۴ رمصنف عبد

حاشیہ : (الف) دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اوسط جو اپنے اہل کو کھلاتے ہو (ب) ابن علاء بیاضی فرماتے ہیں...آپ نے فرمایا ایک وسق کھجور کو ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضورؐ نے کفارہ دیا ایک صاع کھجور اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا اور جو نہ پائے تو آدھا صاع گیہوں (د) حضرت اوسؓ کو حضورؐ نے پندرہ صاع جو دیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لئے (ہ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر مسکین کے لئے ایک ایک مد دیں۔

[٢٦٦٧] (٢٤) فان لم یقدر علی احد هذه الاشياء الثلثة صام ثلثة ایام متتابعات.

الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین اوکسوتھم ج ثامن، ص ٥٠٦، نمبر ١٦٠٧١) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفارہ ہر مسکین کو ایک ایک مد دے۔ یاد رہے چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے اس لئے یہ اثر اوپر والی حدیث کی تائید ہے۔

یا صبح اور شام کھانا کھلا دے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **اخبرنی ابن طاؤس عن ابیه انه کان یقول اطعام یوم لیس اکلة ولکن یوما من اوسط ما یطعم اهله لکل مسکین** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب اطعام عشرة مساکین اوکسوتھم ج ثامن ص ٥٠٩ نمبر ١٦٠٨٣) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پورا دن کھلائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صبح اور شام دونوں وقت دس مسکینوں کو کھلائے۔ کیونکہ اس اثر میں ہے ولکن یوما من اوسط یعنی پورا دن اوسط کھانا کھلائے اور پورا دن صبح اور شام دونوں وقت کھانا کھلانے کو کہتے ہیں (٢) اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال اذا اردت ان تطعم فی کفارة الیمین فغداء وعشاء** (ب) (کتاب الآثار لامام محمد، باب الایمان والکفارات فیھا ص ١٥٧ نمبر ٧١١)

[٢٦٦٧] (٢٤) پس اگر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو تین دن پے در پے روزے رکھے۔

تشریح کسی کو غلام آزاد کرنے یا کھانا کھلانے یا کپڑ پہنانے پر قدرت نہ ہو تب تین دن روزہ رکھے اس کی دلیل تو خود آیت میں ہے۔ **فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام** (آیت ٨٩ سورة المائدة ٥) کہ جو پہلے تین چیزوں کو نہ پائے تو وہ تین روز روزہ رکھے۔ اور پے در پے روزہ رکھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں **فصیام ثلاثة ایام متتابعات** ہے۔ یعنی پید رپے روزہ رکھے۔ **ان ابن مسعود کان یقرأ فصیام ثلاثة ایام متتابعات** (ج) (سنن للبیہقی، باب التتابع فی صوم الکفارة ج عاشر ص ١٠٤ نمبر ٢٠٠١٢ رمصنف عبد الرزاق، باب صیام ثلاثة ایام وتقدیم التکفیر ج ثامن ص ٥١٣ نمبر ١٦١٠٢) (٢) دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابن عباس فی آیة کفارة الیمین قالا هو بالخیار فی هؤلاء الثلاث الاول فان لم یجد شیئا من ذلک فصیام ثلاثة ایام متتابعات** (د) (سنن للبیہقی، باب التخییر بین الاطعام والکسوة والعتق فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ج عاشر ص ١٠٢ نمبر ٢٠٠٠٦) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ پے در پے روزہ رکھے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پے در پے رکھے یا متفرق طور پر رکھے دونوں کا اختیار ہے۔

وجہ آیت قرآنی میں پے در پے کی قید نہیں ہے (٢) اثر میں ہے۔ **عن الحسن انه کان لایری بأسا ان یفرق بین الثلاثة الایام فی کفارة الیمین** (ہ) (سنن للبیہقی، باب التخییر بین الاطعام والکسوة والعتق فمن لم یجد دصیام ثلاثة ایام ج عاشر ص ١٠٣، نمبر ٢٠٠٠٧) اس اثر

حاشیہ: (الف) حضرت طاؤس فرماتے تھے کہ ایک دن کا کھانا ایک لقمہ کھلانا نہیں ہے لیکن پورا ایک دن کھانا کھلانا ہے ہر مسکین کو اوسط جو اپنے اہل کو کھلاتا ہو (ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا اگر آپ کفارہ یمین میں کھلانا چاہیں تو صبح اور شام کھانا کھلانا ہے (ج) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پڑھا کرتے تھے پید رپے تین روزے (د) حضرت ابن عباسؓ کفارہ یمین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تین پہلے میں کفارہ دینے کا اختیار ہے اور اگر ان تینوں میں سے نہ پائے تب پید رپے تین روزے رکھنا ہے (ہ) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ کفارہ یمین میں تینوں دن الگ الگ کر کے روزہ رکھے۔

[۲۶۶۸] (۲۵) فان قدم الكفارة على الحنث لم يُجزه [۲۶۶۹] (۲۶) ومن حلف على

سے معلوم ہوا کہ تفریق کے ساتھ بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

[۲۶۶۸] (۲۵) پس اگر کفارہ کو حانث ہونے پر مقدم کیا تو جائز نہیں ہے۔

تشریح پہلے قسم کے خلاف کر کے حانث ہو پھر کفارہ ادا کرے تو کفارہ ادا ہوگا۔ اور اگر پہلے کفارہ ادا کیا پھر وہ کام کیا اور حانث ہوا تو وہ کفارہ کافی نہیں ہے کفارہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے۔ قسم کھانا کفارہ کا سبب نہیں ہے اس لئے جب تک حانث نہ ہو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو وہ صدقہ ہو گیا کفارہ ہوا ہی نہیں۔ اس لئے حانث ہونے کے بعد دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ حانث پہلے ہوا ہو اور کفارہ بعد میں ادا کرے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من حلف على يمين فرای غيرها خيرا منها فليأت الذی هو خير وليكفر عن يمينه** (الف) (مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ان یاتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ ص ۴۶ نمبر ۱۶۵۰ / ۴۲۷۳ ر بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۱ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۲۹) اس حدیث میں حانث پہلے ہوا ہے اور کفارہ بعد میں ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے حانث پہلے ہو اور کفارہ بعد میں ادا کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے کے بعد کفارہ ادا کر دیا پھر حانث ہوا تب بھی یہ کفارہ اس قسم کے لئے کافی ہو جائے گا۔ دوبارہ کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کفارہ کا اصل سبب قسم ہے۔ حانث ہونا تو شرط پائے جانے کے لئے ہے اس لئے قسم کھانے کے بعد کفارہ ادا کر دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے۔ **عن ابی موسى الاشعری قال اتيت النبی ﷺ فی رهط من الشعريين نستحمله ... والله ان شاء الله لا احلف على يمين ثم اری خيرا منها الا كفرت عن يمينی واتيت الذی هو خير** (ب) (مسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکفارۃ قبل الحنث ص ۲۷۹ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کفارہ پہلے ادا کیا اور قسم کھایا ہوا کام بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دے دیا تو ادا ہو جائے گا۔

[۲۶۶۹] (۲۶) کسی نے گناہ پر قسم کھائی مثلا یہ کہ نماز نہیں پڑھے گا یا والد سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کو ضرور قتل کرے گا تو چاہئے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے قسم کھائی اور اس کے خلاف کو اچھا دیکھا تو وہ کرے جو خیر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے (ب) حضرت ابوموسیؓ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس سواری کے لئے اونٹ مانگنے آیا... آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم ان شاء اللہ نہیں قسم کھاتا ہوں کسی پر پھر اس کے خلاف خیر دیکھتا ہوں مگر اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور وہ کرتا ہوں جو خیر ہے۔

معصية مثل ان لا يصلي او لا يكلم اباه او ليقتلنّ فلانا فينبغي ان يحنث نفسه ويكفر عن يمينه [۲۶۷۰](۲۷)واذا حلف الكافر ثم حنث في حال الكفر او بعد اسلامه فلا حنث عليه [۲۶۷۱](۲۸)ومن حرم على نفسه شيئا مما يملكه لم يصر محرما وعليه ان

تشریح: کسی نے گناہ کی بات پر قسم کھائی تو بہتر یہ ہے کہ وہ نہ کرے اور حانث ہوکر کفارہ ادا کردے۔

وجہ: حدیث میں اسی کی تعلیم ہے۔عن ابی بردة عن ابيه قال اتيت النبی ﷺ فی رهط ... وانی والله ان شاء الله لا احلف على يمين فارى غيرها خيرا منها الا كفرت عن يمينی واتيت الذی هو خير او اتيت الذی هو خير وكفرت عن يمينی (الف)(بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ص ۹۸۰ نمبر ۶۶۲۳ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ان یأتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر قسم کھائی ہوئی بات کے خلاف کو خیر اور اچھی سمجھتا ہوں تو میں اس کو کرتا ہوں اور قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں (۲) یوں بھی گناہ کا کام نہیں کرنا چاہئے ،اس کو چھوڑ کر کفارہ ادا کرنا بہتر ہے۔

[۲۶۷۰](۲۷) اگر کافر نے قسم کھائی پھر کفر کی حالت میں حانث ہوگیا یا اسلام کے بعد حانث ہوا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

وجہ: کافر کی قسم کا ہی اعتبار نہیں ہے کیونکہ قسم منعقد ہوتی ہے اللہ کے نام سے یا اس کی صفات ذاتی سے اور کافر نہ اللہ کو مانتا ہے اور نہ اس کی صفات ذاتی کو مانتا ہے۔اور نہ اس کی تعظیم کرتا ہے اس لئے اللہ کا نام لے بھی تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔اور جب قسم منعقد نہیں ہوگی تو چاہے کفر کی حالت میں حانث ہو یا اسلام کی حالت میں حانث ہو کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ ... من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت (ب)(بخاری شریف، باب لا تحلفوا آبا ئکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶ ر مسلم شریف، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالی، ص ۴۶ ،نمبر ۱۶۴۶ ر ۴۲۵۷) اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے ساتھ قسم کھائے یا چپ رہے اور کافر اللہ پر یقین نہیں رکھتا اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی (۳) کفارہ تو عبادت ہے اس لئے کافر پر عبادت کیسے لازم کریں اس لئے کافر پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۱](۲۸) کسی نے اپنے اوپر اپنی مملوکہ چیز حرام کرلی تو وہ حقیقتا حرام نہیں ہوگی۔اور اگر اپنے اوپر مباح قرار دیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

تشریح: جو چیزیں انسان کے لئے حلال ہیں اور خود اس کی ملکیت میں ہیں ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیزیں حقیقت میں تو حرام نہیں ہوں گی البتہ اگر ان کو استعمال کیا تو کفارہ قسم لازم ہوگا۔

وجہ: حضورؐ نے اپنی بیوی کے طعنہ پر شہد حرام فرمایا تھا تو اللہ نے تنبیہ فرمائی اور اس کو قسم قرار دیا اور اس پر کفارہ بھی لازم ہوا۔آیت یہ ہے۔يا ايها النبی لم تحرم ما احل الله لک تبتغی مرضات ازواجک والله غفور رحيم ٥ قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم

حاشیہ : (الف) حضرت ابی بردہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی جماعت میں حضورؐ کے پاس آیا...میں خدا کی قسم ان شاء اللہ نہیں قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو اچھا دیکھتا ہوں مگر میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں جو خیر ہے، یا یوں فرمایا کہ وہ کرتا ہوں جو خیر ہے پھر اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا جو قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا پھر چپ رہے۔

استباحہ کفارۃ یمین [۲۶۷۲](۲۹)فان قال کل حلال علیّ حرام فھو علی الطعام

واللہ مولیٰ کم وھو العلیم الحکیم (الف)(آیت ۱/۲ سورۃ التحریم ۶۶)اس آیت میں حلال چیز کو حرام کیا تو اس کو اللہ تعالی نے قسم قرار دی۔اس سے معلوم ہوا کہ حلال چیز کو حرام قرار دینا قسم ہے۔اور اس کو استعمال کرنے پر کفارہ لازم ہوگا (۲) حدیث میں اس کا تذکرہ ہے۔ان ابن عباس قال فی الحرام یکفر وقال ابن عباس لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (ب) بخاری شریف، باب یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ص ۷۲۹ نمبر ۴۹۱۱، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم رمسلم شریف، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ ولم ینو الطلاق ص ۴۷۸ نمبر ۱۴۷۳)اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حلال چیز کو حرام کرے تو وہ قسم ہے اس کا کفارہ لازم ہوگا۔

اور وہ چیز حقیقت میں حرام نہیں ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان ابا بکر وعمر وابن مسعود قالوا من قال لامرأتہ ھی علی حرام فلیست علیہ بحرام وعلیہ کفارۃ یمین (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۹ من قال الحرام یمین ولیست بطلاق ج رابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۸۱۹۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ چیز حقیقت میں حرام نہیں ہوگی البتہ استعمال کرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔

[۲۶۷۲](۲۹)اگر کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے اور پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا مگر یہ کہ اس کے علاوہ کی نیت کرے۔

تشریح اس جملے سے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ بیوی وغیرہ بھی حرام ہو جائیں لیکن متبادر اور عام محاورے میں کھانے پینے کی چیزیں مراد لیتے ہیں اس لئے بیوی حرام نہیں ہوگی بلکہ کھانے پینے کی چیز استعمال کرنے سے کفارہ لازم ہوگا حرام تو وہ بھی نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں ہے۔سألت الشعبی عن رجل قال کل حل علی حرام قال لا یوجب طلاقا ولا یحرم حلالا یکفر یمینہ (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۰ ما قالوا فیہ اذا قال کل حل ھل علی حرام ج رابع ص ۱۰۰ نمبر ۱۸۱۹۹رمصنف عبد الرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴۰۲ نمبر ۱۱۳۷۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کل حل علی حرام سے بیوی مراد نہیں ہوگی بلکہ کھانے پینے کی چیز استعمال کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیوی بھی کل حلال میں داخل ہوگی۔اس لئے بیوی پر بھی ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن علی فی الرجل یقول لامرأتہ کل حل علی فھو حرام قال تحرم علیہ امرأتہ ولا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ ویکفر یمینہ من مالہ (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۰ ما قالوا فیہ اذا قال کل حل علی حرام ج رابع ص ۱۰۱ نمبر

حاشیہ : (الف) اے نبی! کیوں حرام کرتے ہیں وہ جس کو اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا بیویوں کی مرضی تلاش کرنے کے لئے؟ اللہ معاف کرنے والے ہیں۔اللہ نے فرض کیا آپؐ کے لئے قسم کو کھولنا، اللہ آپ کا مولی ہے وہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حرام کرنے میں کفارہ دے گا۔اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے (ج) حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو وہ اس پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا (د) حضرت شعبیؒ سے میں نے پوچھا کوئی کہے ہر حلال مجھ پر حرام ہے؟ فرمایا بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ حلال چیزیں حرام ہوگی البتہ قسم کا کفارہ ادا کرے (د) حضرت علیؓ سے منقول ہے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے ہر وہ چیز جو مجھ پر حلال ہے وہ حرام۔فرمایا اس سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسری شادی کرے یعنی حلالہ کرے اور اپنے مال سے قسم کا کفارہ دے۔

والشراب الا ان ینوی غیر ذلک [۲٦٧٣] (۳٠)ومن نذر نذرا مطلقا فعلیه الوفاء به وان

۱۸۲٠۳ار مصنف عبدالرزاق، باب الحرام ج سادس ص ۴٠۳ نمبر ۱۱۳٧٩)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی کو بھی طلاق واقع ہوگی۔

[۲٦٧۳] (۳٠) کسی نے مطلق نذر مانی تو اس پر پورا کرنا ہے، اور اگر اپنی نذر کو شرط پر معلق کیا پس شرط پائی گئی تو اس پر پوری کرنا نفس نذر کی وجہ سے۔

تشریح نذر ماننے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مطلق نذر مثلا میں حج کرنے کی نذر مانتا ہوں تو اس نذر کو پوری کرنا چاہئے۔ اور نذر پوری نہیں کی تو کفارہ یمین لازم ہوگا۔

وجہ آیت میں ہے کہ نذر پوری کیا کرو۔ **ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم** (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ نذر پوری کرو (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشۃ عن النبی ﷺ قال من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ** (ب) (بخاری شریف، باب النذر فی الطاعۃ ص ۹۹٠ نمبر ٦٦۹٦) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ **وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان اللہ یعلمہ** (د) (آیت ۲٧٠ سورۃ البقرۃ ۲) اس حدیث اور آیت میں بھی ہے کہ نذر پوری کیا کرو۔

اور اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا مثلا اگر امتحان میں کامیاب ہوگیا تو حج کروں گا اور وہ شرط پائی گئی مثلا وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا تو اس کو حج کرنا چاہئے۔

وجہ شرط پائی جانے کے بعد ایسا ہوا کہ مطلقا نذر مانی اور مطلقا نذر ماننے پر آیت اور حدیث کی وجہ سے نذر پوری کرنی پڑتی ہے تو اگر شرط پر معلق کرے اور شرط پائی جائے تو مطلق نذر کی طرح پوری کرے۔ اور اگر نذر پوری کر لی مثلا حج کر لیا تو کافی ہے اور حج نہیں کیا تو اب قسم کا کفارہ ادا کرے (۲) حدیث میں ہے کہ شرط پر معلق کر کے نذر مانی تو پورا کرنے کا حکم ہے۔ **یا اباعبد الرحمن (عبد اللہ بن عمر) ان ابنی کان بارض فارس فیمن کان عند عمر بن عبید اللہ وانہ وقع بالبصرۃ طاعون شدید فلما بلغ ذلک نذرت ان اللہ جاء بابنی ان امشی الی الکعبۃ فجاء مریضا فمات فماتری؟ فقال ابن عمر اولم تنھوا عن النذر ان رسول اللہ ﷺ قال النذر لا یقدم شیئا ولا یؤخرہ فانما یستخرج من البخیل اوف بنذرک** (ج) (مستدرک حاکم، باب کتاب النذر ج رابع ص ۳۳۸ نمبر ٧۸۳٧) اس اثر میں اس شرط پر نذر مانی کہ لڑکا گھر آئے گا تو بیت اللہ جاؤں گا۔ اس صورت میں لڑکا گھر آیا تو نذر پوری کرنے کے لئے کہا۔

حاشیہ : (الف) پھر پراگندگی کو ختم کرے اور اپنی نذر پوری کرے (ب) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اس کو اطاعت کرنی چاہئے، اور جو نافرمانی کرنے کی نذر مانے اس کو نافرمانی نہیں کرنی چاہئے (ج) تم نے جو کچھ خرچ کیا یا نذر مانی تو اللہ اس کو جانتا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ میرا لڑکا فارس میں تھا ان لوگوں کے ساتھ جو عمر بن عبید اللہ کے ساتھ تھے۔ پس بصرہ میں بہت سخت طاعون پھیلا۔ جب یہ خبر پہنچی تو میں نے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا گھر آ جائے تو میں بیت اللہ تک پیدل جاؤں گا۔ پس لڑکا بیمار ہو کر آیا اور مر گیا تو آپ کیا فتوی دیتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا نذر سے منع نہیں فرمایا؟ حضورؐ نے فرمایا تھا نذر کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ مؤخر کرتی ہے۔ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔ جاؤ نذر پوری کرو۔

علق نذره بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر[٢٦٧٤] (٣١)ورُوی ان ابا حنيفة رحمه الله رجع عن ذلک وقال اذا قال ان فعلت كذا فعلیَّ حجة او صوم سنة او صدقة ما املكه اجزأه من ذلک كفارة يمين وهو قول محمد رحمه الله[٢٦٧٥] (٣٢)ومن حلف لايدخل بيتا فدخل الكعبة او المسجد او البيعة او الكنيسة لم يحنث[٢٦٧٦] (٣٣)ومن حلف ان لا يتكلم فقرأ القرآن فی الصلوة لم يحنث.

[٢٦٧٤](٣١) روایت کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس قول سے رجوع کیا اور فرمایا اگر کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر حج ہے یا ایک سال کا روزہ ہے یا جس چیز کا میں مالک ہوں اس کا صدقہ کرنا ہے تو ان ساری باتوں کے بدلے اس کو کفارہ یمین کافی ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کا ابتدائی قول یہ تھا کہ شرط پر معلق کیا پھر بھی خود نذر ماننے کی وجہ سے نذر پوری کرے۔ بعد میں یہ فرمایا کہ اگر شرط پر معلق کیا مثلا یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں تو مجھ پر حج ہے۔ یا ایک سال کا روزہ ہے یا میرے پاس جتنا مال ہے سب کو صدقہ کروں گا اور وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا اور شرط پائی گئی تو دونوں اختیار ہیں یا تو حج کرے اور نذر پوری کرے یا پھر کفارہ یمین ادا کرے۔

وجہ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نذر پوری نہ کرو تو کفارہ یمین دو۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال ... ومن نذر نذرا لا يطيقه فكفارته كفارة يمين ومن نذر نذرا اطاقه فليف به (الف) (ابوداؤد شریف، باب من نذر نذرا لایطیقہ ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۲ رابن ماجہ شریف، باب من نذر نذرا ولم یسمہ ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۲۸) اس حدیث میں ہے کہ نذر پوری نہ کر سکو تو کفارہ یمین ادا کر دو۔ اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کفارہ یمین بھی ادا کر سکتا ہے۔

[٢٦٧٥](٣٢) کسی نے قسم کھائی کہ کمرے میں داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا کعبہ میں یا مسجد میں یا کلیسا میں یا گرجا میں تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بیت کہتے ہیں اس کمرے کو جس میں رات گزاری جائے۔ اور مسجد، کعبہ، عیسائیوں کی عبادت گاہ کلیسا اور یہودیوں کی عبادت گاہ گرجا رات گزارنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ عبادت کرنے کے لئے ہیں اس لئے جس چیز کی قسم کھائی وہ نہیں پائی گئی اس لئے حانث نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کمرے میں اعتکاف کرے گا تو نہیں ہوگا اور مسجد میں ہو جائے گا کیونکہ کمرہ اور مسجد الگ الگ چیزیں ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی وہ نہیں پائی گئی تو حانث نہیں ہوگا۔

لغت البیعۃ : عیسائیوں کی عبادت گاہ، کلیسا۔ الکنیسۃ : یہودیوں کی عبادت گاہ، گرجا۔

[٢٦٧٦](٣٣) کسی نے قسم کھائی کہ بات نہیں کروں گا، پس نماز میں قرآن پڑھا تو حانث نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... کسی نے ایسی نذر مانی جس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے اور کسی نے ایسی نذر مانی جس کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو پوری کرے۔

[٢٦٧٧] (٣٤)ومن حلف لايلبس هذا الثوب وهو لابسه فنزعه فی الحال لم يحنث

وجہ نماز میں قرآن پڑھنا کلام نہیں ہے بلکہ قرأت ہے۔اس لئے نماز میں قرآن پڑھنے سے حانث نہیں ہوگا (۲) چنانچہ حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہوگی اور قرآن پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی۔حدیث میں ہے۔عن معاوية بن الحكم السلمی ... قال ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شیء من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقرأة القرآن (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص۲۰۳ نمبر۵۳۷/ابوداؤد شریف، باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ ص۱۴۱ نمبر۹۳۰) اس حدیث میں کلام الناس سے منع فرمایا اور قرأۃ قرآن کی اجازت دی جس سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے حانث نہیں ہوگا (۲) آیت میں بھی یہ فرق ہے۔قال رب اجعل لی آية قال آيتک انا لاتكلم الناس ثلاثة ايام الا رمزا واذكر ربک كثيرا وسبح بالعشی والابكار (ب) (آیت ۴۱ سورۃ آل عمران ۳) اس آیت میں لوگوں سے بات کرنے سے منع فرمایا لیکن تسبیح اور ذکر کی اجازت دی جس سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے بات کرنا اور چیز ہے اور قرأت قرآن اور تسبیح وذکر اور چیز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک تسبیح ، ذکر اور قرأت قرآن سے بھی حانث ہو جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں تسبیح ، ذکر، قرأت قرآن کو بھی کلام فرمایا گیا ہے۔وقال النبی ﷺ افضل الكلام اربع سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر،وقال ابو سفيان كتب النبی ﷺ الی هرقل فقالوا كلمة سواء بيننا وبينكم (ج) (آیت ۶۴ سورۃ آل عمران ۳/بخاری شریف، ۶۶۸۱) ان احادیث میں تسبیح اور لا الہ الا اللہ کو کلمہ کہا گیا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ بات نہیں کروں گا اور قرأت کر لی یا تسبیح پڑھ لی تو حانث ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كلمتان خفيفتان علی اللسان ثقيلتان فی الميزان حبيبتان الی الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم (د) (بخاری شریف، باب اذا قال واللہ لا اتکلم الیوم فصلی اوقرأ اوسبح او کبر اوحمد اوھلل فھو علی نیتہ ص۹۸۸ نمبر۶۶۸۱/۶۶۸۲/مسلم شریف، باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء ج ثانی ص۳۴۴ نمبر۲۶۹۴) اس حدیث میں بھی سبحان اللہ کو کلمہ کہا ہے۔ان احادیث کی بنیاد پر حنفیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز کے باہر ذکر، تسبیح وغیرہ کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔

[٢٦٧٧] (٣٤) کسی نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ وہ پہنے ہوئے تھا۔پس اس کو اسی وقت کھول دیا تو حانث نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوگا حالانکہ وہ اسی پر سوار تھا پس وہ اتر گیا تو حانث نہیں ہوگا۔اور اگر کچھ دیر تک ٹھہر گیا تو حانث ہو جائے گا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یہ نماز لوگوں کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی اس میں تو تسبیح، تکبیر اور قرأۃ قرآن ہیں (ب) فرمایا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور تیرے رب کا کثرت سے ذکر کر اور صبح اور شام تسبیح پڑھ (ج) آپؐ نے فرمایا افضل کلام چار ہیں، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر۔حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہرقل کو لکھا آؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے (د) آپؐ نے فرمایا دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں اور رحمن کو محبوب ہیں ایک ہے سبحان اللہ وبحمدہ اور دوسرا ہے سبحان اللہ العظیم۔

وکذلک اذا حلف لا یرکب هذه الدابة وهو راکبها فنزل فی الحال لم یحنث وان لبس ساعة حنث [۲۶۷۸](۳۵)ومن حلف لا یدخل هذه الدار وهو فیها لم یحنث بالقعود حتی یخرج ثم یدخل[۲۶۷۹] (۳۶)ومن حلف لا یدخل دارا فدخل دارا خرابا لم یحنث.

تشریح قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا لیکن وہ اس وقت وہی کپڑا اپنے ہوئے تھا۔ پس اگر اسی وقت کپڑا اتار دیا تو حانث نہیں ہوگا، اور اگر تھوڑی دیر تک اپنے جسم پر رکھا پھر اتارا تو حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوگا حالانکہ اس وقت اسی سواری پر سوار تھا تو اگر اسی وقت اتر گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر کچھ دیر سوار رہا پھر اترا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قسم برقرار رکھنے کے لئے اتنی دیر تک مہلت دی جائے گی جس میں وہ قسم کے مطابق کام کر سکے اور حانث ہونے سے بچ جائے۔ یوں بھی محاورے میں یہ ہے کہ غصے میں قسم کھالیتا ہے اور فوراہی اس کے مطابق عمل شروع کر دیتا ہے تو اس کو قسم کے خلاف کرنا نہیں کہتے۔ ہاں! کچھ دیر ٹھہر جائے تو سمجھتے ہیں کہ اس نے قسم کے مطابق عمل نہیں کیا جس سے حانث ہو جائے گا (۲) حدیث میں حکم ہے کہ قسم کھانے والے کو بری ہونے کا موقع دیا جائے۔ **عن البراء قال امرنا النبی ﷺ بابراء المقسم** (الف) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی واقسموا باللہ جہد ایمانھم ص ۹۸۴ نمبر ۶۶۵۴ مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ علی الرجال والنساء الخ ص ۱۸۷ انمبر ۲۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ قسم کھانے والے کو حتی الامکان بری ہونے کا موقع دو اس لئے فورا اترنے اور کپڑے اتارنے کی مہلت دی جائے گی اور اتنے میں حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۸] (۳۵) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور وہ اسی میں تھا تو بیٹھنے سے حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ نکلے پھر داخل ہو

وجہ اس قسم میں لفظ داخل ہونا استعمال کیا ہے اور داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے اندر داخل ہو۔ یہاں باہر سے اندر داخل نہیں ہوا بلکہ اندر ہی بیٹھا رہا اس لئے قسم کے خلاف نہیں کیا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۷۹] (۳۶) کسی نے قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا ویران میں تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح دار کہتے ہیں جس میں چہار دیواری ہو اور چھت ہو اور کم از کم رہنے کے قابل ہو لیکن چہار دیواری گر گئی اور ویران ہو گیا اب وہ چھت نہ ہونے کی وجہ سے رہنے کے قابل نہیں رہا تو اب وہ دار نہیں ہے اس لئے اب اس میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

اصول یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جس لفظ پر قسم کھائی اس لفظ کے علاوہ کیا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ پچھلی حدیث ابراء المقسم کی وجہ سے حتی الامکان قسم کھانے والے کو حانث نہ ہونے دیا جائے۔

لغت خرابا : ویران جگہ۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے یمین قسم کھانے والے کو پوری کروانے کا حکم دیا۔

[٢٦٨٠](٣٧)ومن حلف لا يدخل هذه الدار فدخلها بعد ما انهدمت وصارت صحراء حنث[٢٦٨١] (٣٨)ومن حلف لا يدخل هذا البيت فدخل بعد ما انهدم لم يحنث[٢٦٨٢] (٣٩)ومن حلف ان لا يكلم زوجة فلان فطلقها فلان ثم كلمها حنث[٢٦٨٣] (٤٠)ومن حلف ان لايكلم عبد فلان او لايدخل دار فلان فباع فلان عبده او داره ثم كلم العبد ودخل الدار لم يحنث [٢٦٨٤] (٤١)وان حلف ان لا يكلم

[٢٦٨٠](٣٧) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ پس اس میں منہدم ہونے اور صحرا بننے کے بعد داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا

وجہ اشارہ کرکے کہا اس گھر مین تو اس سے اب گھر مراد نہیں رہی بلکہ گھر کی زمین مراد ہوگئی۔اور گھر گرنے اور چہار دیواری ختم ہونے کے بعد بھی زمین تو وہی ہے اس لئے اس زمین میں بھی داخل ہوگا تو حانث ہو جائے گا۔

لغت انہدمت : منہدم ہوگیا، ویران ہوگیا۔ صحراء ویران۔

[٢٦٨١](٣٨) اگر قسم کھائی اس بیت میں داخل نہیں ہوگا پھر منہدم ہونے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بیت کہتے ہیں اس کمرے کو جس میں رات گزاری جا سکے اور منہدم ہونے کے بعد اس میں رات نہیں گزاری جا سکے گی اس لئے قسم کے مطابق اب وہ بیت نہیں رہا۔اس لئے اس میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

[٢٦٨٢](٣٩) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی بیوی سے بات نہیں کرے گا۔ پھر اس کو فلاں نے طلاق دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ محاورے میں فلاں کی بیوی نام کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور مقصد اس عورت کی ذات ہوتی ہے۔اس لئے قسم میں اس عورت کی ذات مراد ہے اس لئے طلاق دینے کے بعد جب وہ فلاں کی بیوی نہیں رہے گی تب بھی اس سے بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس عورت کی ذات سے بات کی۔

[٢٦٨٣](٤٠) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا، پس فلاں نے غلام بیچ دیا یا اپنا گھر بیچ دیا پھر غلام سے بات کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں فلاں کے غلام یا فلاں کے گھر سے نام مقصود نہیں ہے اور نہ اس کی ذات مقصود ہے بلکہ فلاں کے غلام ہوتے ہوئے یا فلاں کا گھر ہوتے ہوئے بات نہیں کرے گا، پس جب غلام کو بیچ دیا یا مکان کو بیچ دیا تو اس کا غلام یا اس کا مکان نہیں رہا۔اس لئے اس سے بات کرنے یا اس گھر میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

اصول ذات مراد نہیں ہے بلکہ اس آدمی کی نسبت مراد ہے۔

[٢٦٨٤](٤١) اگر قسم کھائی کہ اس چادر والے۔ سے بات نہیں کروں گا، پس اس نے اس چادر کو بیچ دیا پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے

صاحب هذا الطیلسان فباعه ثم کلمه حنث و کذلک اذا حلف ان لا یتکلم هذا الشاب فکلمه بعد ماصار شیخا حنث[۲۶۸۵] (۴۲)وان حلف ان لایاکل لحم هذا الحمل فصار کبشا فاکله حنث[۲۶۸۶] (۴۳)وان حلف ان لایاکل من هذه النخلة فهو علی ثمرها[۲۶۸۷] (۴۴)ومن حلف ان لایاکل من هذا البُسر فصار رطبا فاکله لم یحنث[۲۶۸۸] (۴۵)وان حلف لایاکل بسرا فاکل رطبا لم یحنث.

گا۔ایسے ہی اگر قسم کھائی کہ اس جوان سے بات نہیں کرے گا، پس اس سے بات کی بوڑھا ہونے کے بعد تو حانث ہوگا۔

وجہ یہاں چادر والے سے مراد اس کی ذات ہے۔اسی طرح جوان سے مراد جوان کی ذات ہے۔اس لئے چادر بیچ دی پھر اس سے بات کی تو اس آدمی کی ذات سے بات کی اس لئے حانث ہو جائے گا۔اسی طرح جوان بوڑھا ہو گیا تو ابھی بھی ذات وہی ہے اس لئے بوڑھے ہونے کے بعد بات کی تو حانث ہو جائے گا۔کیونکہ ذات تو وہی ہے۔

[۲۶۸۵] (۴۲) اگر قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا، پس وہ مینڈھا ہو گیا پھر اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہاں بھی اس حمل سے مراد حمل کی صفت نہیں ہے بلکہ حمل کی ذات ہے اس لئے مینڈھا ہونے کے بعد بھی اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا۔کیونکہ ذات تو وہی ہے۔

اصول یہ دیکھا جائے گا کہ قسم کھانے والے نے کہاں ذات مراد لی ہے اور کہاں صفت مراد لی ہے۔جہاں ذات مراد لی ہے وہاں اس صفت کے زائل ہونے کے بعد بھی ذات سے بات کرے گا تو حانث ہوگا۔اور جہاں صفت مراد لی ہے وہاں اس صفت کے موجود رہنے تک بات کرے گا تو حانث ہوگا۔اور صفت زائل ہونے کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۶] (۴۳) اگر قسم کھائی کہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو قسم اس کے پھل پر ہوگی۔

تشریح یعنی اس درخت کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔البتہ اس درخت کے پھل کھانے سے حانث ہوگا۔

وجہ عموما درخت بول کر اس کا پھل مراد لیتے ہیں۔کیونکہ درخت نہیں کھاتے ہیں اس کا پھل ہی کھاتے ہیں اس لئے درخت بول کر پھل مراد ہوگا۔اس لئے پھل کھانے سے حانث ہوگا۔

[۲۶۸۷] (۴۴) اگر قسم کھائی کہ یہ گدر کھجور نہیں کھائے گا پس وہ پک گئی پھر اس کو کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں کھجور کی ذات پر قسم نہیں ہے بلکہ اس کی گدر پن صفت پر قسم ہے۔کیونکہ بعض آدمی کو گدر کھجور اچھی نہیں لگتی اس لئے ادھ پکی کھجور کھانے سے حانث ہوگا۔پک جانے کے بعد کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

لغت البسر : کچی کھجور، گدر کھجور۔ رطب : پکی کھجور۔

[۲۶۸۸] (۴۵) اگر قسم کھائی کہ گدر کھجور نہیں کھائے گا پس پکی کھجور کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۹](۴۶)وان حلف ان لایاکل رطبا فأکل بُسرا مذنّبا حنث عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۲۶۹۰] (۴۷)ومن حلف ان لایاکل لحما فاکل لحم السمک لم یحنث[۲۶۹۱](۴۸)ولو حلف ان لایشرب من دجلة فشرب منها باناء لم یحنث حتی یکرع منها کرعا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

وجہ یہاں بھی قسم کھانے سے کھجور کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ادھ پکی صفت مراد ہے۔اس لئے صفت بدل کر پکی ہوگئی تو اس کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۸۹](۴۶)اگر قسم کھائی کہ پکی کھجور نہیں کھائے گا۔پس کھائی دم کی جانب سے پکی ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا

تشریح رطب کہتے ہیں پوری پکی ہوئی کھجور کو،اور مذنب،ذنب سے مشتق ہے دم،یہاں مراد ہے وہ کھجور جو دم کی جانب سے پکنی شروع ہوتی ہوتو چونکہ اس میں دم کی جانب سے پکنے کا اثر ہے اس لئے جب کہا کہ پکی کھجور نہیں کھاؤں گا تو مذنب کھانے سے حانث ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ رطب پوری پکی کھجور کو کہتے ہیں۔اور مذنب دم کی جانب سے پکنے والی کھجور کو کہتے ہیں اس لئے دونوں کی صفت میں فرق ہے اس لئے رطب کی قسم کھائی اور مذنب کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

لغت مذنب : ذنب سے مشتق ہے،دم کی جانب سے پکی ہوئی۔

[۲۶۹۰](۴۷) کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا پس مچھلی کا گوشت کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ مچھلی گوشت سے بالکل الگ چیز ہے۔اس لئے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا۔پس مچھلی کھائی تو حانث نہیں ہوگا (۲) یہی وجہ ہے کہ گوشت کو بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال نہیں ہے اور مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مچھلی اور چیز ہے اور گوشت اور چیز ہے۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ حانث ہو جائے کیونکہ قرآن کریم میں مچھلی کو لحم طری کہا ہے۔ومن کل تاکلون لحما طریا (الف) (آیت ۱۲ سورہ فاطر ۳۵) اس آیت میں مچھلی کو لحم طری کہا ہے،لیکن اوپر قسم کا مدار عام محاورے پر ہے۔

[۲۶۹۱](۴۸) اگر قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پیئے گا پھر اس سے پیا برتن کے ذریعہ تو حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس میں منہ ڈال کر پیئے

تشریح کسی نے قسم کھائی کہ دجلہ نہر سے نہیں پیئے گا تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ نہر میں منہ لگا کر پیئے اور یہی حقیقی اور اصلی معنی ہے۔دیہات کے چرواہے نہر میں منہ لگا کر پانی پیتے ہیں،ان کے پاس برتن کہاں ہوتا ہے۔اس لئے منہ لگا کر پینا ہی مراد ہوگا اور اسی سے حانث ہوگا۔اور برتن سے پانی لیا اور اس سے پیا تو حانث نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک دجلہ کا پانی برتن میں لیا اور اس سے پیا تب بھی حانث ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ہر ایک سمندر سے تم لحم طری،طری گوشت کھاتے ہو۔

[۲۶۹۲] (۴۹)ومن حلف ان لایشرب من ماء دجلة فشرب منها باناء حنث[۲۶۹۳] (۵۰)ومن حلف ان لایاکل من هذه الحنطة فاکل من خبزها لم یحنث[۲۶۹۴] (۵۱)ولو حلف ان لایاکل من هذا الدقیق فاکل من خبزه حنث ولو استفّه کما هو لم یحنث [۲۶۹۵] (۵۲)وان حلف ان لایکلم فلانا فکلمه وهو بحیث یسمع الا انه نائم حنث

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ شہری لوگ اور گاؤں کے بڑے لوگ نہر میں منہ لگا کر نہیں پیتے بلکہ برتن سے پیتے ہیں۔اس لئے یہی مراد ہوگی۔اس لئے برتن سے پیا تو حانث ہو جائے گا۔

اصول امام ابوحنیفہؒ نے حقیقی معنی مراد لی ہے اور صاحبینؒ نے محاوری معنی مراد لی ہے۔

لغت کرع : منہ لگا کر پانی پینا۔

[۲۶۹۲] (۴۹) اگر قسم کھائی کہ دجلہ کا پانی نہیں پیئے گا پس اس سے برتن کے ذریعہ پیا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ جب کہا کہ دجلہ کا پانی نہیں پیئے گا تو منہ لگا کر پانی پیئے تب بھی دجلہ کا پانی ہے اور دجلہ سے برتن میں پانی لے تب بھی دجلہ ہی کا پانی ہے اس لئے حانث ہو جائے گا۔

[۲۶۹۳] (۵۰) کسی نے قسم کھائی کہ اس گیہوں سے نہیں کھائے گا پس اس کی روٹی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ عام دیہاتی لوگ گیہوں بھی بھن کر کھاتے ہیں اس لئے حقیقی اور اصلی معنی گیہوں کھانا ہی ہے۔اس لئے گیہوں کھائے گا تو حانث ہوگا۔ اس کو پیس کر روٹی بنائی اور کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ گیہوں کی روٹی بنا کر کھاتے ہیں اس لئے محاورے کے طور پر روٹی مراد ہوگی۔اس لئے روٹی کھانے سے حانث ہوگا، گیہوں کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

[۲۶۹۴] (۵۱) اگر قسم کھائی کہ اس آٹے کو نہیں کھائے گا۔پس اس کی روٹی کھائی تو حانث ہو جائے گا۔اور اگر آٹا ہی پھانک لیا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ عام طور پر لوگ آٹا نہیں پھانکتے بلکہ آٹے کی روٹی بنا کر کھاتے ہیں اس لئے یہاں بالاتفاق آٹے سے اس کی روٹی مراد ہے۔اس لئے روٹی کھائے تو حانث ہوگا۔آٹا کھائے گا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس کو پھانکنا عموما مراد نہیں ہوتا۔

لغت استف : آٹا پھانکنا۔

[۲۶۹۵] (۵۲) اگر قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر اس سے اس طرح بات کی کہ وہ سن لے مگر وہ سویا ہوا تھا تو حانث ہو جائے گا

تشریح یہاں بات کا مطلب ہے مخاطب کرنا چاہے سامنے والا سن لے یا نہ سن سکے، یہاں قسم کھانے والے نے کہا تھا کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا یعنی اس کو مخاطب نہیں کروں گا اور فلاں کو مخاطب کیا اس لئے وہ حانث ہو جائے گا۔یہ الگ بات ہے کہ فلاں آدمی سونے کی وجہ سے

[۲۶۹۶](۵۳)وان حلف ان لایکلمه الا باذنه فاذن له ولم یعلم بالاذن حتی کلمه حنث[۲۶۹۷] (۵۴)واذا استحلف الوالی رجلا لیُعلمه بکل داعر دخل البلد فهو علی حال ولایته خاصة[۲۶۹۸] (۵۵)ومن حلف ان لا یرکب دابة فلان فرکب دابة عبده

بات نہ سمجھ سکا۔

[۲۶۹۶](۵۳)اگرقسم کھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا مگراس کی اجازت سے، پس اس نے اس کواجازت دی مگراس کواجازت کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ اس سے بات کرلی تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح قسم کھائی کہ فلاں سے بغیراس کی اجازت کے بات نہیں کروں گا۔فلاں آدمی نے بات کرنے کی اجازت دے دی مگر قسم کھانے والے کواس اجازت کی اطلاع نہیں تھی اسی دوران اس سے بات کرلی تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ یہاں اجازت کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والے کواجازت کا پکاعلم ہو جائے کہ فلاں نے مجھے اجازت دی ہے۔صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ اس نے اجازت دے دی ہولیکن قسم کھانے والے کواس کی خبر نہ ہو۔چونکہ قسم والے کواجازت کا پکاعلم نہیں ہوااس لئے بات کرنے پر حانث ہو جائے گا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حانث نہیں ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اجازت کا مطلب یہ ہے کہ فلاں اجازت دے چاہے قسم کھانے والے کواس کاعلم ہو یا نہ ہواور چونکہ فلاں نے بات کرنے کی اجازت دے دی ہے اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

اصول اجازت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس کواجازت دی ہے اس کوبھی اجازت کاعلم ہو جائے۔اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اجازت دینے والے کی اجازت دینا کافی ہے چاہے سامنے والے کواس کی خبر نہ ہو۔

[۲۶۹۷](۵۴)اگروالی نے کسی آدمی سے قسم لی کہ مجھے خبر دینا ہراس شریر کی جوشہر میں داخل ہوتو یہ قسم خاص اس حاکم کی ولایت تک ہوگی۔

تشریح کسی شہر کے حاکم نے کسی آدمی سے قسم لی کہ جوبھی شریر شہر میں داخل ہو مجھے اس کی خبر کروگے تو یہ خبر دینا حاکم کی ولایت تک محدود ہوگی۔جب حاکم اپنے عہدے سے برخاست ہو جائے تو یہ حاکم اب عام آدمی ہو گیا۔اب اس کوشریر کی اطلاع دینا ضروری نہیں ہے۔اوراس کواطلاع نہ دینے سے قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں حاکم کا قسم کھلوانا حاکیت کی صفت کے ساتھ خاص ہے۔کیونکہ حاکم ہوتب ہی شریر کوسزا دے سکے گا اور حاکم نہ ہوتو شریر کوسزا نہیں دے سکے گا۔اس لئے یہ قسم حاکیت کی صفت کے ساتھ خاص ہوگی۔

لغت داعر : شریر،فسادی۔

[۲۶۹۸](۵۵)کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی سواری پرسوار نہیں ہوگا،پس سوار ہوااس کے اجازت دیئے ہوئے غلام کی سواری پرتو حانث نہیں

الماذون لم يحنث [۲۶۹۹] (۵۶) ومن حلف ان لا يدخل هذه الدار فوقف على سطحها او دخل دهليزها حنث وان وقف فى طاق الباب بحيث اذا اُغلق الباب كان خارجا لم يحنث [۲۷۰۰] (۵۷) ومن حلف ان لا ياكل الشواء فهو على اللحم دون الباذنجان والجزر [۲۷۰۱] (۵۸) ومن حلف ان لا ياكل الطبيخ فهو على ما يطبخ من اللحم .

ہوگا۔

وجہ جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے اس کی سواری ہے یا نہیں اس پر اس قسم کا مدار ہے۔ اب امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو محاورے میں آقا کی سواری نہیں کہتے بلکہ تجارت کی اجازت دیئے ہوئے غلام کی سواری کہتے ہیں اس لئے اس پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ سواری حقیقت میں آقا کی ہی سواری ہے۔ کیونکہ خود غلام آقا کا ہے اس لئے گویا کہ آقا کی سواری پر سوار ہوا اس لئے حانث ہو جائے گا۔

[۲۶۹۹] (۵۶) کسی نے قسم کھائی اس گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر اس کی چھت پر کھڑا ہوا یا اس کی دہلیز میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا۔ اور اگر دروازے کی محراب میں کھڑا ہوا اس طرح کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو وہ باہر رہے تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ چھت گھر میں سے شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ معتکف چھت پر چڑھ جائے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا کیونکہ چھت مسجد میں داخل ہے۔ اسی طرح کمرے کا جو صحن ہے جس کو جھارکھنڈ میں اسارا کہتے ہیں یہ کمرے میں اور گھر میں داخل ہے اس لئے قسم کھانے والا چھت پر کھڑا ہو گیا یا دہلیز میں داخل ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ گویا کہ گھر میں داخل ہو گیا۔

محراب بنی ہوئی تھی اس کے درمیان دروازہ اس طرح تھا کہ دروازہ بند کر دیا جائے تو محراب کا حصہ گھر سے باہر رہ جائے۔ ایسی محراب میں داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوا بلکہ گھر سے باہر رہا۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے کے بعد محراب گھر سے باہر تھی۔

لغت دہلیز : اسارا، کمرے کا صحن۔ طاق : محراب۔

[۲۷۰۰] (۵۷) کسی نے قسم کھائی کہ بھنا ہوا نہیں کھائے گا تو وہ گوشت کے بھننے پر محمول ہوگی نہ کہ بیگن اور گاجر پر۔

تشریح عرب میں الشواء یعنی بھنا ہوا جب بھی بولتے ہیں تو بھنا ہوا گوشت مراد لیتے ہیں، بھنا ہوا بیگن یا بھنا ہوا گاجر مراد نہیں لیتے۔ اس لئے بھنا ہوا گوشت کھانے سے حانث ہوگا، بھنا ہوا بیگن یا بھنا ہوا گاجر کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ اگر چہ بیگن اور گاجر کا بھنا بھی بھنا ہے لیکن عرب اس کو شواء نہیں کہتے ہیں۔

لغت الشواء : بھنا۔ الجزر : گاجر۔

[۲۷۰۱] (۵۸) اگر قسم کھائی کہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو وہ پکے ہوئے گوشت پر محمول ہوگی۔

[۲۷۰۲](۵۹)ومن حلف ان لایاکل الرؤس فیمینه علی ما یکبس فی التنانیر ویباع فی المصر [۲۷۰۳](۶۰)ومن حلف ان لایاکل الخبز فیمینه علی ما یعتاد اهل البلد اکله خبزا [۲۷۰۴](۶۱)فان اکل خبز القطائف او خبز الارز بالعراق لم یحنث[۲۷۰۵] (۶۲)ومن حلف ان لایبیع او لایشتری او لایؤاجر فوکل من فعل ذلک لم یحنث

تشریح طبیخ ہر چیز کی پکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، لیکن عرب میں طبیخ پکے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں اس لئے پکے ہوئے گوشت کے کھانے سے حانث ہوگا، کسی دوسری چیز کے پکے ہوئے سالن سے حانث نہیں ہوگا۔

لغت الطبیخ : طبخ سے مشتق ہے پکا ہوا گوشت۔

[۲۷۰۲](۵۹) کسی نے قسم کھائی کہ سر نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس پر ہوگی جو تنور میں پکتا ہو اور شہر میں بکتا ہو۔

تشریح کھائے جانے والے تمام ہی جانور کے سر کو سر کہتے ہیں۔ لیکن یہاں قسم ان سروں پر محمول ہوگی جو تنور میں پکتے ہوں اور شہر میں بکتے ہوں۔ مثلا گائے، اور بکری کے سر، مرغی کے اور بطخ کے سر مراد نہیں ہوں گے کیونکہ نہ یہ شہر میں بکتے ہیں اور نہ ان کو تنور میں پکاتے ہیں۔ اس لئے بکری اور گائے کے سر کھانے سے حانث ہوگا۔

اصول ان قسموں کا مدار محاورات پر ہے۔ محاورے میں دیکھیں کہ اس لفظ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اگر چہ اس کے معنی عام ہوں۔

لغت کبس : تنور میں ڈالنا۔

[۲۷۰۳](۶۰) کسی نے قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس کی قسم اس پر ہوگی جس کی روٹی کھانے کی اہل شہر کی عادت ہے۔

تشریح قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو دیکھا جائے گا کہ اس علاقے کے لوگ کس چیز کے آٹے کی روٹی عموما بناتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ گیہوں کی یا چاول کی یا مکئی کی اس کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا۔ اب اگر اس شہر میں گیہوں کی روٹی کھاتے ہوں اور چاول کی روٹی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔

[۲۷۰۴](۶۱) پس اگر کھائی بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی عراق میں تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ بادام کی روٹی تو کھاتے ہی نہیں ہیں اس لئے وہ مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عراق میں لوگ چاول کی روٹی نہیں کھاتے تھے اس لئے وہ بھی مراد نہیں ہوگی بلکہ گیہوں کی روٹی مراد ہوگی اور اسی کے کھانے سے حانث ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ بھی محاورہ اور عادت پر محمول ہے۔

لغت القطائف : بادام کی شکل کی ایک چیز ہوتی ہے جس کی کبھی کبھی روٹی بناتے ہیں۔ الارز : چاول۔

[۲۷۰۵](۶۲) کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیچے گا یا نہ خریدے گا یا نہ اجرت پر دے گا۔ پھر کسی کو وکیل بنایا جو یہ کام کرے تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح بیچنے، خریدنے اور اجرت پر دینے میں پوری ذمہ داری وکیل کی ہوتی ہے، وہی عاقد ہوتا اور لوگ اسی کو بیچنے والا، خریدنے والا اور

[۲۷۰۶](۶۳)ومن حلف ان لایجلس علی الارض فجلس علی بساط او علی حصیر لم یحنث[۲۷۰۷] (۶۴)ومن حلف ان لایجلس علی سریر فجلس علی سریر فوقه بساط حنث[۲۷۰۸] (۶۵)وان جعل فوقه سریرا آخر فجلس علیه لم یحنث[۲۷۰۹] (۶۶) وان حلف ان لاینام علی فراش فنام علیه وفوقه قرام حنث وان جعل فوقه فراشا آخر فنام

اجرت پر دینے والا سمجھتے ہیں۔اس لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیچوں گا نہ خریدوں گا اور نہ اجرت پر دوں گا۔اور یہ کام وکیل کو سپرد کر دیا اور اس نے کر لیا تو قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔کیونکہ اس نے واقعی نہ بیچا نہ خریدا اور نہ اجرت پر دیا۔

نوٹ نکاح کرنے میں حانث ہو جائے گا کیونکہ اس میں وکیل سفیر اور معبر ہوتا ہے۔اس کا کام اور عقد مؤکل کی طرف لوٹتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ نکاح نہیں کروں گا اور وکیل نے نکاح کرا دیا تو حانث ہو جائے گا۔

لغت یواجر : اجرت سے مشتق ہے اجرت پر رکھنا۔

[۲۷۰۶](۶۳) کسی نے قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا پس بستر یا چٹائی پر بیٹھا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ لوگ خالی زمین پر بیٹھنے میں عار محسوس کرتے ہیں اس لئے اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ خالی زمین پر نہیں بیٹھوں گا۔اس لئے جب زمین پر بستر بچھا کر یا چٹائی بچھا کر بیٹھا تو وہ اپنی قسم پر قائم ہے اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

لغت بساط : بستر۔ حصیر : چٹائی۔

[۲۷۰۷](۶۴) کسی نے قسم کھائی کہ تخت پر نہیں بیٹھے گا پس ایسے تخت پر بیٹھا جس پر بچھونا تھا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح تخت پر بچھونا ہو تب بھی تخت پر ہی بیٹھنا سمجھتے ہیں، کیونکہ بچھونا تخت کے تابع ہوتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ تخت پر نہیں بیٹھے گا اور تخت پر بستر بچھا کر اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو اصل کے تابع ہو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت سریر : تخت، چارپائی۔

[۲۷۰۸](۶۵) اگر تخت پر دوسرا رکھا اور اس پر بیٹھا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ دوسرا تخت پہلے تخت کی طرح اصل ہے اور قسم کھائی تھی کہ پہلے تخت پر نہیں بیٹھوں گا اور یہ دوسرے تخت پر بیٹھا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں اصل ہوں تو ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوں گے۔

[۲۷۰۹](۶۶) اگر قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا پس اس بچھونے پر سویا اس حال میں کہ اس پر چادر تھی تو حانث ہو جائے گا۔اور اگر اس پر دوسرا بچھونا ڈالا اور اس پر سویا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا اور اس پر پتلی چادر ڈال دی پھر اس بچھونے پر سویا تو حانث ہو جائے گا۔

علیه لم یحنث[۲۷۱۰] (۶۷)ومن حلف بیمین وقال ان شاء الله متصلا بیمینه فلا حنث علیه [۲۷۱۱](۶۸)وان حلف لیأتینه ان استطاع فهذا علی استطاعة الصحة دون القدرة

ترجمہ بچھونے پر پتلی چادر خوبصورتی کے لئے ڈالتے ہیں جو بچھونے کے تابع ہوتی ہے اور محاورے میں اس بچھونے پر ہی سونا سمجھتے ہیں اس لئے جب اسی بچھونے پر سویا جس کی قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا۔

اور اگر دوسرا بچھونا اس پر ڈال دیا تو یہ بچھونا پہلے کا تابع نہیں ہوگا کیونکہ یہ بھی پہلے کی طرح اصل بچھونا ہے اس لئے اس پر بیٹھنے سے پہلے بچھونے پر بیٹھنا نہیں کہا جائے گا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔ اصول اوپر گزر گیا۔

لغت فراش : بچھونا۔ قرام : پتلی چادر۔

﴿استثناء کا بیان﴾

[۲۷۱۰](۶۷) کسی نے قسم کھائی اور قسم کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح قسم کھانے کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو یہ کام کروں گا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں اس لئے وہ قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔ اور جب قسم منعقد نہیں ہوئی تو اس کام کو کرے یا نہ کرے کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمر یبلغ به النبی ﷺ قال من حلف علی یمین فقال ان شاء الله فقد استثنی** ۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حلف فاستثنی فان شاء رجع وان شاء ترک غیر حنث** (الف) (ابو داؤد شریف، باب الاستثناء فی الیمین ص ۱۰۸ نمبر ۳۲۶۱ / ۳۲۶۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ۲۸۰ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کے ساتھ متصلا ان شاء اللہ کہے تو حانث نہیں ہوگا یعنی وہ کام نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ اگر کچھ دیر کے بعد ان شاء اللہ کہے تو قسم پہلے منعقد ہو جائے گی اور بعد میں ان شاء اللہ کہہ کر گویا کہ منعقد شدہ قسم کو توڑنا چاہتا ہے اس لئے منفصل ان شاء اللہ کا اعتبار نہیں ہے، قسم منعقد ہو جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ **عن عبد الله بن عمر قال کل استثناء موصول فلا حنث علی صاحبه وان کان غیر موصول فهو حانث** (الف) (سنن للبیہقی، باب صلۃ الاستثناء بالیمین ج عاشر ص ۸۱ نمبر ۱۹۹۲۶) اس اثر میں ہے کہ متصل ہو تو حانث نہیں اور منفصل ہو تو قسم منعقد ہو جائے گی۔

[۲۷۱۱](۶۸) اگر قسم کھائی کہ ضرور کرے گا اگر ہو سکا تو یہ تندرستی کی استطاعت پر محمول ہوگی نہ قدرت پر۔

تشریح استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تندرستی کی استطاعت دوسری قدرت کی استطاعت۔ تندرستی کی استطاعت یہ ہے کہ آدمی تندرست

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے قسم کھائی اور ان شاء اللہ کہا تو استثناء کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا کوئی قسم کھائے اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہے تو چاہے تو رجوع کرے اور چاہے تو چھوڑ دے تاہم حانث نہیں ہوگا (ب) ہر استثناء جو ملا ہوا ہو اس کے کرنے والے پر حانث ہونا نہیں ہے۔ اور اگر ملا ہوا نہیں ہے تو حانث ہوگا۔

[۲۷۱۲](۶۹)وان حلف ان لا یکلم فلانا حینا او زمانا او الحین اوالزمان فھو علی ستة اشھر[۲۷۱۳](۷۰)وکذلک الدھر عند ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ

ہواور بادشاہ وغیرہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہ ہواس کو استطاعت صحت کہتے ہیں۔اور قدرت کی استطاعت۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام حالات ٹھیک ہوں، بدن بھی ٹھیک ٹھاک ہواور اس کا انجام دینے سے پہلے جو سارے حالات ہیں وہ مکمل ٹھیک ہو چکے ہوں اور کام کرنا شروع کردے جس کے نتیجے میں اللہ تعالی اپنی قدرت سے اس کام کو وجود بخش دے اس کو استطاعت قدرت کہتے ہیں۔اب قسم میں کوئی کہے اگر استطاعت ہو تو یہ کام کروں گا تو اس استطاعت سے پہلی والی استطاعت یعنی استطاعت صحت وتندرستی مراد ہوگی استطاعت قدرت مراد نہیں ہوگی۔چنانچہ تندرستی ہواور وہ کام نہیں کیا تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔وسیحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکاذبون (الف) (آیت ۴۲ سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں منافق کہتے ہیں اگر استطاعت ہوتی تو ہم ضرور جہاد میں نکلتے۔حالانکہ وہ جسمانی اعتبار سے تندرست تھے اور حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی پھر بھی قسم کھانے کے بعد نہیں نکلے تو اللہ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ تندرستی کی استطاعت ان کے پاس موجود تھی اور قسم میں استطاعت سے یہی مراد ہے۔قدرت والی استطاعت مراد نہیں ہے۔

[۲۷۱۲](۶۹) اگر قسم کھائی کہ فلاں سے ایک حین یا زمانے تک بات نہیں کرے گا یا الحین یا الذمان تک بات نہیں کرے گا تو وہ چھ مہینے پر محمول ہوگی۔

تشریح حین اور زمان نکرہ کے ساتھ یا الحین اور الزمان معرفہ کے ساتھ چاروں کا اطلاق چھ ماہ پر ہوگا۔چنانچہ کسی نے قسم کھائی کہ زید سے ایک حین تک بات نہیں کرے گا تو چھ مہینے کے اندر اندر بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔اور اس کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔سمع علیا قال الحین ستة اشھر (ب) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فیمن حلف لیقضین حقہ الی حین اوالی زمان الخ ج عاشر ص ۱۰۵ نمبر ۲۰۰۱۶ /مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۸ الرجل یحلف ان لا یکلم الرجل حینا کم یکون ذلک ج ثالث ص ۱۰۰ نمبر ۱۲۴۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حین چھ مہینے کو کہتے ہیں چاہے معرفہ ہو یا نکرہ۔اور اسی پر قیاس کر کے زمان کا ترجمہ بھی چھ مہینے ہوں گے۔اس آیت میں بھی چھ مہینے کا اشارہ ہے۔تولی اکلھا کل حین باذن ربھا (آیت ۲۵ سورۃ ابراہیم ۱۴) اس آیت میں کل حین سے مراد پھول لگنے سے پھل پکنے تک کی مدت ہے جو کھجور کے لئے چھ مہینے ہوتے ہیں۔

نوٹ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

[۲۷۱۳](۷۰) ایسے ہی دہر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ ایک دہر تک فلاں سے بات نہیں کروں گا تو اس کا اطلاق چھ مہینے پر ہوگا۔چاہے دہر کا لفظ نکرہ

حاشیہ : (الف) منافقین اللہ کی قسم کھائیں گے اگر ہم کو قدرت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حین چھ مہینے کا ہوتا ہے۔

تعالی[٢٧١٤] (٧١)ولو حلف ان لایکلمه ایاما فهو علی ثلثة ایام [٢٧١٥](٧٢)ولو حلف ان لایکلمه الایام فهو علی عشرة ایام عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی هو علی ایام الاسبوع[٢٧١٦] (٧٣)ولو حلف ان لا یکلمه الشهور فهو علی عشر ة اشهر عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد

بولے یا معرفہ۔

وجہ محاورے میں دہر کو حین اور زمانے کی طرح استعمال کرتے ہیں اور حین کا ترجمہ چھ مہینے ہیں تو دہر کا ترجمہ بھی چھ مہینے کریں۔

فائدہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دہر کا ترجمہ کوئی متعین نہیں ہے۔اس لئے توقف کرتا ہوں نہ چھ مہینے نہ تھوڑا سا وقت۔

[٢٧١٤] (٧١) اگر قسم کھائی کہ اس سے بات نہیں کرے گا کچھ دنوں تو وہ تین دن پر ہوگی۔

تشریح ایام یوم کی جمع ہے۔اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے اس لئے اگر قسم کھائی کہ ایام تک بات نہیں کرے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ تین دن تک بات نہیں کرے گا۔اس کے بعد بات کی تو حانث نہیں ہوگا۔یہ تفصیل ایام نکرہ کی صورت میں ہے۔

[٢٧١٥] (٧٢) اگر قسم کھائی کہ اس سے الایام بات نہیں کرے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ دس دن پر محمول ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہفتے کے دنوں پر۔

تشریح الایام معرفہ کے ساتھ ہے اس لئے کوئی خاص دن مراد ہے۔اب امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گنتی میں ایام کا جملہ دس تک استعمال کرتے ہیں،لوگ کہتے ہیں ثلثۃ ایام،اربعۃ ایام سے عشرۃ ایام تک بولتے ہیں اور گیارہ کے بعد ایام کے بجائے یوم آجاتا ہے۔کہتے ہیں احد عشر یوما۔تو چونکہ دس تک ایام کا استعمال ہوتا ہے اس لئے بغیر عدد الایام بولا تو دس تک مراد لیتے ہیں۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے سات دن مراد ہوں گے کیونکہ سات دن تک جمعہ،سنیچر کی گنتی چلتی ہے اور آٹھویں دن دوبارہ جمعہ آجاتا ہے اور لوگوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے اس لئے ہفتے کے سات دن مراد ہوں گے۔

[٢٧١٦] (٧٣) اگر قسم کھائی کہ اس سے مہینوں بات نہیں کرے گا تو دس مہینے پر محمول ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے وہ بارہ مہینوں پر ہوگی۔

تشریح مثلا کسی نے شہر کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور قسم کھائی کہ زید سے مہینوں بات نہیں کرے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دس مہینے تک بات نہیں کرے گا۔اس سے پہلے بات کرے گا تو حانث ہوجائے گا اور اس کے بعد بات کرے گا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ پچھلے مسئلے کی طرح شہور جمع کا صیغہ ہے جو گنتی میں دس تک استعمال ہوتا ہے اور گیارہ کے بعد احد عشر شہرا کا لفظ آجاتا ہے اس لئے شہور جو جمع کا صیغہ بولا تو دس مہینے مراد ہوں گے۔

رحمهما الله تعالى هو على اثنى عشر شهرا [۲۷۱۷](۷۴)ولو حلف لا يفعل كذا تركه ابدا[۲۷۱۸] (۷۵) وان حلف ليفعلن كذا ففعله مرة واحدة برّ في يمينه [۲۷۱۹](۷۶)ومن حلف لاتخرج امرأته الا باذنه فاذن لها مرة واحدة فخرجت

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے مراد ہوں گے۔

وجہ لوگ اسی کو شہور کہتے ہیں اور سال کے بعد دوبارہ وہی مہینے محرم، صفر آجاتے ہیں اس لئے شہور سے سال کے بارہ مہینے مراد ہوں گے۔

[۲۷۱۷](۷۴)اگر قسم کھائی کہ ایسا نہیں کرے گا تو ہمیشہ چھوڑ دے۔

تشریح جب یہ قسم کھائی کہ یہ کام نہیں کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی نہیں کرے گا اس لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑے گا۔

وجہ کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں کیا تو ہمیشہ ہی ممنوع ہوگی۔ زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی کرے گا تو حانث ہو جائے گا۔

[۲۷۱۸](۷۵)اگر قسم کھائی کہ ایسا ضرور کرے گا پس اس کو ایک مرتبہ کر دیا تو اپنی قسم میں بری ہو جائے گا۔

تشریح قسم کھائی کہ اس کام کو ضرور کرے گا تو زندگی میں ایک مرتبہ کر لیا تو قسم پوری ہوگئی۔

وجہ آیت میں ہے کہ ہر آدمی جہنم میں ضرور جائے گا چاہے دیکھنے کے لئے ہی سہی۔ آیت یہ ہے۔ وان منكم الا واردها كان على ربك حتما مقضيا (الف) (آیت ۷۱ سورہ مریم ۱۹) اس آیت میں ہے کہ ہر آدمی جہنم میں ضرور جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کی تین اولاد مری ہو وہ تحلۃ القسم صرف اس قسم کو پوری کرنے کے لئے تھوڑی دیر جہنم میں جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں ایک مرتبہ وہ کام کر لے تو قسم پوری ہو جائے گی۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لايموت لاحد من المسلمين ثلاثة من الولد تمسه النار الا تحلة القسم (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی واقسموا باللہ جهد ایمانهم ص نمبر ۶۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے آیت والی قسم پوری کرنے کے لئے جہنم میں داخل فرمائیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کر لی تو قسم پوری ہوگئی (۲) ایک لمبی حدیث کا ٹکڑے میں ہے کہ میں جو خبر دیتا ہوں وہ کرتا ہوں اور کم از کم ایک مرتبہ کر کے قسم پوری کر لیتا ہوں۔ كنا عند ابى موسى ... انى والله ان شاء الله لا احلف على يمين فارى غيرها خيرا منها الا اتيت الذى هو خير وتحللتها (ج) (بخاری شریف، باب الکفارۃ قبل الحنث وبعدہ ص ۹۹۴ نمبر ۶۷۲۱ رمسلم شریف، باب ندب من حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ص ۴۶ نمبر ۱۶۴۹/۴۲۶۵) اس حدیث میں ہے تحللتها، جس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ کر کے قسم پوری کر لیتا ہوں۔

[۲۷۱۹](۷۶) کسی نے قسم کھائی کہ اس کی بیوی نہیں نکلے گی مگر اس کی اجازت سے پس اس کو ایک مرتبہ اجازت دی پس وہ نکلی اور واپس آئی، پھر دوسری مرتبہ بغیر اس کی اجازت کے نکلی تو حانث ہو جائے گی۔ اور ضروری ہے اجازت ہر مرتبہ نکلنے میں۔

حاشیہ : (الف) تم میں سے ہر ایک کو جہنم پر آنا ہوگا آپ کے رب کا یقینا فیصلہ شدہ ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے تین بچے کا انتقال نہ ہو مگر آگ اس کو قسم پوری کرنے کے لئے چھوئے گی (ج) میں ان شاء اللہ قسم کھاتا ہوں پھر اس کے علاوہ کو اچھا سمجھتا ہوں تو وہی کرتا ہوں جو خیر ہو اور کفارہ دے کر اس کو حلال کر لیتا ہوں یا ایک مرتبہ کر لیتا ہوں۔

ورجعت ثم خرجت مرة اخری بغیر اذنہ حنث ولا بد من الاذن فی کل خروج [۲۷۲۰](۷۷)وان قال الا ان آذن لک فاذن لها مرة واحدة فخرجت ثم خرجت بعدها بغیر اذنہ لم یحنث[۲۷۲۱] (۷۸)واذا حلف ان لا یتغدّی فالغداء هو الاکل من طلوع الفجر الی الظهر والعَشاء من صلوة الظهر الی نصف اللیل والسحور من نصف اللیل الی طلوع الفجر[۲۷۲۲] (۷۹)وان حلف لیقضینَّ دینه الی قریب فهو علی مادون الشهر وان قال الی بعید فهو اکثر من الشهر .

تشریح قسم کھانے والے نے یہ کہا ہے کہ نہیں نکلے گی مگر اجازت سے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر بار نکلنے کے لئے اجازت چاہئے۔اور یہاں پہلی مرتبہ اجازت لی ہے اس لئے اس مرتبہ تو حانث نہیں ہوئی لیکن دوسری مرتبہ نکلنے کے لئے اجازت نہیں لی اس لئے دوسری مرتبہ حانث ہو جائے گی۔

اصول لا تخرج امرأته الا باذنه میں نفی کے بعد استثناء ہے اس لئے ہر بار نکلنے کے لئے اجازت چاہئے۔

[۲۷۲۰](۷۷)اور اگر کہا مگر یہ کہ میں تمہیں اجازت دوں، پس اجازت دی اس کو ایک مرتبہ پس نکلی پھر نکلی اس کے بعد بغیر اس کی اجازت کے تو حانث نہیں ہوگی۔

وجہ اس صورت میں مگر یہ کہ اجازت دوں کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت دوں تو ہر بار نکل سکتی ہو یعنی صرف پہلی مرتبہ اجازت کی ضرورت ہے اور وہ ہوگئی اس لئے دوسری مرتبہ بغیر اجازت کے نکلی تو حانث نہیں ہوگی اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اصول الا ان آذن لک کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت دوں اتنی ہی کافی ہے۔

[۲۷۲۱](۷۸)اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے طلوع فجر سے ظہر تک،اور عشاء نماز ظہر سے آدھی رات تک،اور سحری آدھی رات سے طلوع فجر تک۔

تشریح اس مسئلے میں لغوی تحقیق ہے کہ کوئی آدمی قسم کھائے کہ ناشتہ نہیں کھاؤں گا تو کس وقت سے کس وقت تک کھانے میں حانث ہوگا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ غدا یعنی ناشتہ طلوع فجر سے ظہر کے وقت تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اور عشاء یعنی رات کا کھانا ظہر سے لیکر آدھی رات تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اور سحری آدھی رات سے لیکر طلوع فجر تک کے کھانے کو کہتے ہیں۔اس درمیان کھائے گا تو حانث ہوگا۔

[۲۷۲۲](۷۹)اور اگر قسم کھائی کہ قرض قریب میں ادا کرے گا تو مہینے سے کم میں ہوگی اور اگر کہا کہ دیر میں تو ایک مہینے سے زائد پر ہوگی۔

تشریح اس مسئلے میں یہ ہے کہ قریب زمانہ اور بعید زمانہ کا اطلاق کتنے دنوں پر ہوگا۔قریب ایک مہینے کے اندر کو کہتے ہیں اور بعید ایک ماہ اور اس سے زائد کو کہتے ہیں۔اس لئے کسی نے قسم کھائی کہ قرض قریب میں ادا کروں گا تو ایک مہینے کے اندر ادا کرنا ہوگا۔اور کہا کہ بعید اور دیر میں ادا کروں گا تو ایک ماہ اور ایک ماہ کے بعد ادا کرے تب بھی حانث نہیں ہوگا۔

[۲۷۲۳](۸۰)ومن حلف لا یسکن ھذہ الدار فخرج منھا بنفسہ وترک فیھا اھلہ ومتاعہ حنث [۲۷۲۴](۸۱)ومن حلف لیصعدنَّ السماء او لیقلبنَّ ھذا الحجر ذھبا انعقدت یمینہ وحنث عقیبھا [۲۷۲۵](۸۲)ومن حلف لیقضینَّ فلانا دینہ الیوم فقضاہ ثم

[۲۷۲۳](۸۰) کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں سکونت اختیار نہیں کرے گا، پس اس سے خود نکل گیا اور اس میں اپنے اہل اور سامان کو چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گھر میں سامان رہنا اور گھر والوں کا رہنا بھی خود کا سکونت اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ آدمی تنہا گھر میں نہیں رہتا بلکہ اس میں سامان اور اہل اور اولاد کو بھی رکھتا ہے۔ بلکہ خود تو عموما بازار اور کھیت میں رہتا ہے۔ اس لئے گھر میں مال اولاد کو باقی رکھنا یا سامان کا باقی رکھنا گویا کہ خود گھر میں رہنا ہے۔ اس لئے جب خود گھر میں رہا تو حانث ہو جائے گا۔

[۲۷۲۴](۸۱) کسی نے قسم کھائی کہ آسمان پر ضرور چڑھے گا یا اس پتھر کو ضرور سونا بنا دے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کے بعد حانث ہو جائے گا۔

تشریح آسمان پر چڑھنا ممکن تو ہے کیونکہ فرشتے روزانہ آسمان پر چڑھتے ہیں۔ اور حضورؐ آسمان کی سیر کر کے تشریف لائے ہیں۔ اسی طرح کسی کیمکل سے پتھر کو سونا بنانا ممکن ہے لیکن عام حالات میں آسمان پر چڑھنا مشکل ہے، اسی طرح پتھر کو سونا بنانا یا مشکل ہے۔ چونکہ ممکن ہے اس لئے قسم منعقد ہو جائے گی۔ لیکن آسمان پر چڑھنا مشکل ہے اور سونا بنانا مشکل ہے اس لئے قسم کے بعد فورا حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر ایسا کرنا بہت مشکل ہو تو فورا حانث ہو جائے گا۔

لغت صعد : چڑھنا۔ لیقلبن : قلب سے مشتق ہے بدلنا، پلٹنا۔ عقب : فورا بعد۔

[۲۷۲۵](۸۲) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کو قرض آج ضرور ادا کروں گا پس اس کو ادا کیا، پس فلاں نے بعض قرض کو کھوٹا پایا، یا نبہرجہ پایا یا مستحق پایا تو قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی اسی فیصد وہی چیز ہے البتہ کچھ خامی ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر اسی فیصد دوسری چیز ہے یعنی مثلا وہ نام کے اعتبار سے درہم ہے ورنہ حقیقت میں وہ درہم نہیں ہے تو اس کو ادا کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہی چیز ادا نہیں کی جس کی قسم کھائی ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ آج فلاں کو ضرور قرض ادا کروں گا، پس قسم کے مطابق آج ہی قرض ادا کر دیا لیکن ان دراہم میں کھوٹ پن تھا جو تھے تو دراہم لیکن بیت المال نہیں لیتا تھا یا تاجر نہیں لیتا تھا جس کو نبہرجہ درہم کہتے ہیں۔ یا اس درہم میں کسی کا حق نکل گیا تو حانث نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ چاہے کھوٹا سکہ ادا کیا ہو لیکن کیا تو ہے درہم ہی اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

وجد فلان بعضه زیوفا او نبهرجة او مستحقة لم یحنث الحالف[۲۷۲۶] (۸۳)وان وجدها رصاصا او ستوقة حنث [۲۷۲۷](۸۴)ومن حلف لایقبض دینه درهما دون درهم فقبض بعضه لم یحنث حتی یقبض جمیعه متفرقا[۲۷۲۸] (۸۵)وان قبض دینه فی

اصول جنس درہم موجود ہوتو حانث نہیں ہوگا۔

لغت زیوف : کھوٹا سکہ جس کو بیت المال نہ لے۔ نبہرجۃ : کھوٹا سکہ جس کو عام تاجر نہ لے بیت المال لے لے۔

[۲۷۲۶](۸۳)اور اگر درہم کو سیسے کا پایا یا ستوقہ پایا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح قرض میں سیسے کا بنا ہوا درہم دے دیا یا ایسا درہم دیا جو اندر سے سیسے کا تھا لیکن دونوں طرف سے چاندی کا رنگ چڑھایا ہوا تھا جس کو تین طاق والا درہم ستوقہ کہتے ہیں تو حانث ہو جائے گا۔

وجہ درہم پورا کا پورا چاندی کا ہوتا ہے یہاں سیسے کا درہم بنا کر دیا تو یہ درہم ہی نہیں ہے۔اور قسم کھائی تھی کہ درہم دوں گا اور درہم دیا نہیں اس لئے حانث ہو جائے گا۔اسی طرح ستوقہ درہم درہم ہی نہیں ہے وہ بھی سیسے کا ہے صرف چاندی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے تو چونکہ درہم نہیں دیا اس لئے حانث ہو جائے گا۔

لغت رصاص : سیسہ۔ ستوقہ : تین طاق والا درہم۔

[۲۷۲۷](۸۴) کسی نے قسم کھائی کہ اپنا قرض ایک ایک درہم کر کے نہیں لے گا پھر قبضہ کیا بعض پر تو نہیں حانث ہوگا یہاں تک کہ قبضہ کرے تمام کو تھوڑا تھوڑا کر کے۔

تشریح قسم کھائی کہ تھوڑا تھوڑا کر کے قرض وصول نہیں کرے گا، پھر تھوڑے سے قرض پر قبضہ کیا تو ابھی حانث ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے جب تک کہ سارے قرضوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے وصول نہ کرے۔جب سارے قرضوں کو تھوڑا تھوڑا ہی کر کے وصول کر لیا تب اس وقت حانث ہونے کا حکم لگائیں گے۔

وجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابھی جو تھوڑا سا لیا ہے وہ مقروض کو واپس کر دے اور پھر تمام قرضوں کو بیک وقت واپس لے۔اس لئے ابھی حانث ہونے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ہاں باقی قرضوں کو تھوڑا تھوڑا ہی لیا تو تمام قرضوں کو تھوڑا تھوڑا لینے کے بعد حانث ہونے کا فیصلہ کریں گے۔

[۲۷۲۸](۸۵)اور اگر قبضہ کیا اپنے قرضے کو دو دفعہ وزن کر کے اور دونوں وزنوں کے درمیان نہیں مشغول ہوا مگر وزن ہی کے کام میں تو حانث نہیں ہوگا۔اور یہ متفرق طور پر لینا نہیں ہے۔

تشریح مثلا پانچ سو کیلو گیہوں تھا اب اس کو ایک دفعہ وزن نہیں کر سکتا، اتنا بڑا باٹ کہاں سے لائے گا اس لئے کئی دفعہ وزن کر کے گیہوں لیا اور وزن کرنے کے دوران کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وزن ہی کے کام میں مشغول رہا تو کئی دفعہ کے وزن کو متفرق طور پر وصول کرنا نہیں کہتے ہیں اور نہ اس سے حانث ہوگا۔

وزنين لم يتشاغل بينهما الا بعمل الوزن لم يحنث وليس ذلک بتفريق[۲۷۲۹]

(۸٦)ومن حلف لياتينَّ البصرة فلم يأتها حتى مات حنث فى آخر جزء من اجزاء حيوته.

وجہ کیونکہ یہ تو مجبوری ہے۔اور محاورے میں اس کو متفرق طور پر وصول کرنا نہیں کہتے ہیں۔محاورے میں اس وقت متفرق طور پر وصول کرنا کہیں گے جب ایک مرتبہ وزن کر کے تھاڑا سا لے لے پھر مجلس بدل جائے پھر دوسری مجلس میں تھوڑا سا وزن کر کے وصول کرے تب متفرق طور پر لینا شمار کریں گے۔

اصول مجبوری میں ایک ہی مجلس میں دو مرتبہ وزن کرنا متفرق طور پر لینا نہیں ہے۔یہ ایک ہی مرتبہ وصول کرنا ہے۔

[۲۷۲۹](۸٦) کسی نے قسم کھائی کہ ضرور بصرہ جائے گا، پس وہ وہاں نہیں گیا یہاں تک کہ انتقال کر گیا تو زندگی کے آخری لمحے میں وہ حانث ہوگا۔

وجہ کیونکہ زندگی بھر امید کی جائے گی کہ وہ کبھی نہ کبھی بصرہ جائے گا۔البتہ موت کے وقت اندازہ ہوا کہ قسم کے مطابق بصرہ نہ جا سکا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے وقت واپس آگئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف کریں گے تو آپ نے فرمایا یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ زندگی میں کبھی بھی طواف کریں گے یہی کافی ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن المسور بن مخرمه ومروان قالا خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية ... قلت او ليس كنت تحدثنا انا سنأتي البيت فنطوف به ؟ قال بلى ! فاخبرتک انا نأتيه العام ؟ قال قلت لا! قال فانک اتيه ومطوف به (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط ص ۳۷۷ نمبر ۲۷۳۱،۲۷۳۲ کتاب الشروط) اس حدیث میں ہے کہ زندگی میں کبھی بھی طواف کر سکو گے۔یہی مطلب ہے میرے اس کہنے کا کہ آپ لوگ بیت اللہ کا طواف کریں گے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری لمحے میں معلوم ہوگا کہ اب یہ قسم پوری نہیں کر سکے گا اس لئے اس وقت اس کو حانث قرار دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ سے نکلے ... حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا آپ نہیں فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ ہم بیت اللہ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن کیا یہ بتایا تھا کہ اس سال ہی جائیں گے؟ میں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تم لوگ بیت اللہ جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے۔

﴿ کتاب الدعوی ﴾

[۲۷۳۰](۱)المدعی من لایجبر علی الخصومة اذا ترکھا والمدعی علیه من یجبر علی

﴿ کتاب الدعوی ﴾

ضروری نوٹ کتاب الدعوی میں چار باتیں ہیں۔دعوی کس طرح کرے اور کس دعوی کا کیا مطلب ہے۔دوسری بات ہے کہ کن لوگوں پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور کس طرح گواہ پیش کرے۔تیسری بات ہے کہ اگر گواہ نہ ہوں تو کن لوگوں پر قسم لازم ہے اور کس طرح قسم کھلائے۔اور چوتھی بات یہ ہے کہ کس طرح فیصلہ کرے۔یوں فیصلے کے معیار تین ہیں۔گواہ، وہ نہ ہوں تو قسم کھلانا۔اور اس سے بھی معاملہ حل نہ ہوتا ہو تو علامات دیکھیں گے اور ان کے ذریعہ پتا چلائیں گے کہ یہ چیز کس کی ہونی چاہئے۔ان سبھوں کے ثبوت کے لئے یہ حدیث ہے۔**ثم ان الاشعث ابن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمن ؟ قال محدثناه قال فقال صدق لفیّ نزلت کانت بینی و بین رجل خصومة فی بئر فاختصمنا الی رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ شاھداک او یمینه قلت انه اذا یحلف ولا یبالی فقال رسول الله ﷺ من حلف علی یمین یستحق بھا مالا وھو فیھا فاجر لقی الله وھو علیه غضبان ثم انزل الله تصدیق ذلک ثم اقتراء ھذه الآیة ان الذین یشترون بعھد الله وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الآخرة ولا یکلمھم الله** (آیت ۷۷ سورة آل عمران ۳)(الف)(بخاری شریف، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن ونحوه فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۵/۲۵۱۶)ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳)اس حدیث میں ہے کہ کس طرح دعوی کرے۔یہ بھی ہے کہ مدعی پر گواہ لازم ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔اور یہ بھی ہے کہ فیصلہ کس طرح کرے۔

نوٹ کتاب الدعوی میں بھی مدعی اور مدعی علیہ کا متعین کرنا بعض مرتبہ قرائن پر ہے یا محاورات پر ہے۔اس لئے ایسے مسئلے کے لئے حدیث یا آثار نہ مل سکے، وہاں اصول اور محاورہ پیش کر دیا گیا ہے۔

[۲۷۳۰](۱) مدعی وہ ہے جو جھگڑے پر مجبور نہ کیا جا سکے اگر وہ اس کو چھوڑ دے، اور مدعی علیہ وہ ہے جو جھگڑے پر مجبور کیا جائے۔

تشریح مدعی اور مدعی علیہ کی بہت سی تعریف کی ہیں ان میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ مدعی اس کو کہتے ہیں جو کسی سے مال لینا چاہتا ہو۔اسی لئے وہ جھگڑا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکے چاہے تو جھگڑا کر کے مال لے اور چاہے تو جھگڑا چھوڑ دے۔اور مدعی علیہ اس کو کہتے ہیں جس کے قبضے میں

حاشیہ : (الف) حضرت اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور فرمایا تم سے ابو عبد الرحمن کیا بیان کرتے ہیں؟ میں نے بات کا تذکرہ کیا تو فرمایا سچ فرماتے ہیں میرے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔میرے اور ایک آدمی کے درمیان کنویں کا جھگڑا تھا ہم حضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا یا تمہارے دو گواہ ہوں یا پھر اس سے قسم لے لو۔میں نے کہا وہ تو قسم کھا لے گا اور پرواہ بھی نہیں کرے گا۔آپؐ نے فرمایا کوئی قسم کھا کر کسی مال کا مستحق بنے اور وہ قسم کھانے میں جھوٹا ہو تو اللہ سے ملاقات کرے گا اس حال میں کہ وہ غصہ ہوں گے۔پھر اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔پھر یہ آیت پڑھی۔وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اور اس کی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے خریدتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ان سے اللہ بات کریں گے۔

الخصومة[۲۷۳۱] (۲)ولا تقبل الدعوی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسه وقدره [۲۷۳۲](۳)فان کان عینا فی ید المدعی علیه کلف احضارها لیشیر الیها بالدعوی وان

مال ہواس لئے جھگڑا اور خصومت پر مجبور کیا جا سکے۔ وہ خصومت نہ بھی کرنا چاہے تو اس کو خصومت کرنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ مال اسی کے قبضے میں ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔ **عن علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن ابیه قال جاء رجل من حضر موت ورجل من کنده الی رسول اللة فقال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی فقال الکندی هی ارضی فی یدی ازرعها لیس له فیها حق فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه .قال یا رسول الله انه فاجر لیس یبالی ما حلف لیس یتورع من شیء فقال لیس لک منه الا ذلک** (الف)(ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں حضرت حضرمی مدعی ہیں وہ جھگڑا کر رہے ہیں اور حضورؐ کے سامنے دعوی پیش کر رہے ہیں اور چاہے تو دعوی چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ اور کندی مدعی علیہ ہیں ان کے قبضے میں زمین ہے وہ خصومت چھوڑنا چاہے تو نہیں چھوڑ سکتے۔

لغت الخصومة : مقدمے میں جو دونوں طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اس کو خصومت کہتے ہیں۔

[۲۷۳۱] (۲) دعوی مقبول نہیں ہوگا یہاں تک کہ ذکر کرے معلوم چیز جنس کے اعتبار سے اور مقدار کے اعتبار سے۔

تشریح مقدمے میں دعوی اس وقت تک مقبول نہیں ہوگا جب تک کہ چیز کی جنس نہ بیان کرے مثلا وہ گائے ہے یا بھینس ہے اور عددی یا کیلی چیز ہے تو اس کی مقدار بیان کرے کہ کتنا کیلو ہے۔ تاکہ دعوی کو واضح کیا جا سکے اور چیز متعین ہو جائے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں **قال الحضرمی یا رسول الله ان هذا غلبنی علی ارض کانت لابی** (ب)(ابوداؤد شریف نمبر ۳۶۲۳ ر ترمذی شریف، نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں ہے کہ میرے باپ کی زمین تھی جس پر کندی نے قبضہ کیا ہے۔ زمین کی چوہدی بیان کی ور زمین کا تعارف کروایا اور جنس بھی بیان کی کہ وہ زمین ہے جس کا مجھے دعوی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ چیز کی جنس اور مقدار بیان کرنا ضروری ہے۔

[۲۷۳۲] (۳) پس اگر وہ چیز بعینہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اس کو حاضر کرنے کا تاکہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے اور اگر حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت بیان کرے۔

تشریح اگر وہ چیز بعینہ موجود ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو مجلس قضا میں حاضر کرے تاکہ دعوی کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکے اور اگر حاضر نہ

حاشیہ : (الف) حضرموت کے آدمی اور کندہ کے ایک آدمی حضورؐ کے پاس آئے۔ پس حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا جو میرے باپ کی تھی۔ پس کندی نے کہا یہ میری زمین میرے قبضے میں ہے۔ میں اس میں بوتا ہوں اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ تو آپؐ نے حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تمہارے لئے بینہ ہے؟ کہا یا رسول اللہ! وہ فاسق آدمی ہے پرواہ نہیں کرے گا وہ قسم سے پرہیز نہیں کرے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے بینہ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے۔ (ب) یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو میرے باپ کی تھی۔

لم تكن حاضرة ذكر قيمتها [۲۷۳۳](۴) وان ادعى عقارا حدّده وذكر انه في يد المدعى عليه وانه يطالبه به[۲۷۳۴] (۵)وان كان حقا في الذمة ذكر انه يطالبه به [۲۷۳۵](۶)فاذا صحت الدعوى سأل القاضي المدعى عليه عنها فان اعترف قضى عليه

کر سکتا ہوتو چیز کی قیمت بیان کرے۔

وجہ دعوی یا گواہی کے وقت اشارہ کرنے سے چیز متعین ہوگی اس لئے اس کو حاضر کرنے کو کہا جائے گا۔اور حاضر نہ کر سکے تو اس کی قیمت بیان کرے۔کیونکہ قیمت سے بھی کچھ نہ کچھ تعین ہو جاتا ہے۔

[۲۷۳۳](۴)اگر زمین کا دعوی کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور یہ بھی ذکر کرے کہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے اور وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح زمین کو مجلس قضا میں حاضر نہیں کر سکتا ہے اس لئے اس کی حدود اربعہ بیان کرے کہ اس زمین کے مشرق، مغرب، جنوب اور شمال میں کون کون لوگ ہیں۔اس دور میں یہ بھی بیان کرے کہ زمین کا کھاتہ نمبر کیا ہے اور خسرہ نمبر کیا ہے تاکہ زمین متعین ہو جائے۔اور منقولی جائداد ہو یا غیر منقولی یہ بھی بیان کرے کہ یہ مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔کیونکہ مدعی علیہ کے قبضے میں نہیں ہے بلکہ خود مدعی کے قبضے میں ہے تو دعوی کرنے کا کیا مطلب ہے۔اور یہ بھی کہے کہ میں اس زمین کو یا منقولی جائداد کو واپس لینا چاہتا ہوں۔کیونکہ اگر واپس لینا نہیں چاہتا ہے تو دعوی کرنے اور مقدمہ کرنے کا کیا حاصل ہوگا۔

وجہ حدیث مذکور میں تھا کہ یہ زمین میرے والد کی ہے جس سے اس کی حدود اربعہ معلوم ہوئی۔اور **فقال الحضرمي يا رسول الله ان هذا غلبني على ارض كانت لابي** (الف) سے مطالبہ کرنا بھی معلوم ہوا۔

[۲۷۳۴](۵)اور اگر اس کے ذمے حق ہو تو ذکر کرے کہ وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح مثلا دعوی یہ تھا کہ زید کے ذمے بیس درہم میرا قرض ہے تو قرض ہونا ذمے میں حق ہوا۔تو اس صورت میں بھی دعوی کے ساتھ یہ ذکر کرے کہ میں اس قرض کا مطالبہ کرتا ہوں تاکہ معلوم ہوا کہ صرف حق کا اقرار نہیں کروانا چاہتا بلکہ اس کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ متعرف اور متعین چیز کا دعوی ہوتا ہے مجہول کا دعوی نہیں ہوتا۔

[۲۷۳۵](۶)پس جب دعوی صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے میں پوچھے۔پس اگر اس نے اعتراف کر لیا تو اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

تشریح مدعی کے دعوی دائر کرنے کے بعد قاضی مدعی علیہ سے پوچھے گا کہ کیا واقعی مدعی کا دعوی صحیح ہے؟ اگر وہ اس کا اعتراف کر لے کہ واقعی مدعی کا میرے ذمے حق ہے تو قاضی اس کا فیصلہ کر دے گا۔اب گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ جب مدعی علیہ نے اعتراف کر لیا تو اب گواہ کی یا مدعی علیہ کی قسم کی کیا ضرورت رہی (۲) اثر میں ہے۔**عن ابن سيرين قال اعترف**

حاشیہ : (الف) پس حضرمیؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے جو میرے باپ کی تھی۔

بهـا[۲۷۳۶] (۷)وان انـكر سأل المدعی البینة فان احضرها قضی بها [۲۷۳۷](۸) وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمه استحلفه علیها.

رجل عـنـد شـریـح بـامـر ثـم انـکره فقضی علیه باعترافه فقال اتقضی علی بغیر بینة؟ فقال شهد علیک ابن اخت خـالـک (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الاعتراف عندالقاضی ج ثامن ص۳۰۴ نمبر۱۵۳۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ کے اعتراف سے فیصلہ کردیا جائے گا۔

[۲۷۳۶](۷) اور اگر انکار کرے تو طلب کرے مدعی سے البینہ، پس اگر اس کو حاضر کردے تو فیصلہ کردے اس کے مطابق۔

تشریح قاضی نے مدعی علیہ سے مدعی کے دعوی کے بارے میں پوچھا تو مدعی علیہ نے انکار کردیا تو مدعی سے اپنے دعوی پر گواہ مانگا جائے گا، پس اگر دعوی کے ثبوت کے لئے دو گواہ پیش کردیئے تو مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى** (ب) (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ دو مرد گواہ بنائے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائے (۲) حدیث میں گزرا۔**فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰/ ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت حضرمی سے گواہ مانگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ پیش کردیتے تو آپؐ فیصلہ کردیتے (۳) ایک حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضی بیمین وشاهد** (د) (ابوداؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاہد ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۳) اس حدیث میں ایک گواہ اور خود مدعی کی گواہی سے فیصلہ فرمایا تو اگر دو گواہ ہوں تو بدرجہ اولی قاضی گواہی کے بعد فیصلہ فرمائیں گے۔

[۲۷۳۷](۸) اگر بینہ حاضر کرنے سے عاجز ہو گیا اور طلب کرے اپنے مدمقابل کی قسم تو اس پر قسم لے گا۔

تشریح مدعی کو گواہ پیش کرنے کو کہا اس پر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گیا اور گواہ نہیں پیش کرسکا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ اب آپ مدعی علیہ سے اس پر قسم لے سکتے ہیں۔ پس اگر مدعی مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر وہ قسم کھالے تو مدعی علیہ کے کہنے کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت شریحؒ کے پاس اقرار کیا پھر مکر گیا تو اس پر اس کے اعتراف کرنے کی وجہ سے فیصلہ کیا تو وہ آدمی کہنے لگا کہ آپ مجھ پر بغیر گواہ کے فیصلہ کر رہے ہیں؟ حضرت شریحؒ نے فرمایا تمہارے ماموں کی بہن کے بیٹے نے تمہارے خلاف گواہی دی۔ یعنی پہلے خود تو نے اعتراف کیا تھا (ب) تمہارے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، جن گواہوں سے تم راضی ہو۔ دو عورتیں اس لئے ہیں کہ ایک کو یاد نہ رہے تو دوسری اس کو یاد دلا دے (ج) آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ فرمایا نہیں (د) حضورؐ نے ایک قسم اور ایک گواہی کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔

[٢٧٣٨] (٩) وان قال لی بینة حاضرة وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفة رحمه

وجہ حدیث میں گزرا کہ آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہے؟ فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔ فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه. قال یا رسول اللہ انه فاجر لیس یبالی ما حلف لیس یتورع من شیء فقال لیس لک منه الا ذلک (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمه فیما غاب عنه ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں ہے کہ اگر آپ کے پاس بینہ نہیں ہے تو آپ کو کندی سے قسم لینے کا حق ہے۔

لغت خصم : مد مقابل، مقدمے میں دوسرا فریق۔

[٢٧٣٨] (٩) اگر مدعی نے کہا میرے گواہ حاضر ہیں پھر بھی قسم طلب کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

تشریح مدعی کہتا ہے کہ میرے گواہ شہر میں ہیں ان کو پیش کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی گواہ نہ پیش کر کے مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کروانا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں کروا سکتا ہے۔ اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو اب مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتا۔ گواہی دلوا کر فیصلہ کروانا ہوگا۔

وجہ کیونکہ مدعی علیہ سے قسم کھلوانے کا حق اس وقت ہے جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں۔ یا ہوں تو اتنی دوری پر رہتے ہوں کہ ان کو پیش کرنے میں دشواری ہو تب مدعی علیہ سے قسم لے سکتا ہے۔ اور یہاں گواہ قریب میں موجود ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ گواہ نہ ہوں تب قسم کھلوا سکتا ہے۔ حضرت حضرمی والی حدیث میں حضورؐ نے پوچھا ہے کہ کیا آپ کے پاس گواہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں! تب فرمایا کہ اب کندی سے قسم لے سکتے ہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن ابیه ... فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه (ب (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۶۲۳ / ترمذی شریف، نمبر ۱۳۴۰) اس حدیث میں فرمایا گواہ نہیں ہیں تب آپؐ نے فرمایا کہ تم کو قسم لینے کا حق ہے۔ اس لئے جب تک گواہ پیش کرنے کی گنجائش ہو تو مدعی علیہ سے قسم نہیں لے سکتے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گواہ موجود ہوں پھر بھی ان کو پیش نہ کر کے مدعی علیہ سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اس کو دونوں کا اختیار ہے

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث میں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ثم ان الاشعث بن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمن ... فقال رسول اللہ ﷺ شاهداک او یمینه (ج) (بخاری شریف، باب اذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوه فالبینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه ص ۳۴۲ نمبر ۲۵۱۶ / مسلم شریف، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار ص ۸۰ نمبر ۱۳۸ / ۳۵۶) اس حدیث میں دونوں اختیار دیئے گئے ہیں یا تمہارے دو گواہ ہوں یا اس کی قسم ہو۔ چونکہ دو میں سے ایک کا اختیار ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تو تمہارے لئے اس کی قسم ہے۔ کہا یا رسول اللہ! وہ فاجر آدمی ہے وہ قسم کی پرواہ نہیں کرتا۔ کسی چیز سے پرہیز بھی نہیں کرتا۔ پس آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے قسم کے علاوہ کچھ نہیں ہے (ب) آپؐ نے حضرت حضرمی سے کہا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تمہارے لئے اس کی قسم ہے (ج) آپؐ نے فرمایا تمہارے دو گواہ ہوں یا پھر اس کی قسم ہو۔

الله تعالى[۲۷۳۹] (١٠)ولا ترد اليمين على المدعى.

اس لئے گواہ موجود رہتے ہوئے قسم لے سکتا ہے۔

[۲۷۳۹](۱۰)اور نہیں وارد ہوگی قسم مدعی پر۔

تشریح اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ مدعی کے پاس ایک گواہ ہو۔اب دوسرے گواہ کے بدلے قسم کھائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کرسکتا۔یا تو دو گواہ لائے یا پھر مدعی علیہ سے قسم لے۔

وجہ حدیث میں تقسیم ہے کہ مدعی پر صرف گواہ پیش کرنا ہے اور وہ نہ ہو تو مدعی پر قسم ہے۔اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔حدیث یہ ہے۔**عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبی ﷺ قال فی خطبته البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱/ دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص ۸۸ نمبر ۳۱۶۶) اس حدیث میں تقسیم کردیا ہے کہ مدعی پر بینہ ہوگا اور مدعی علیہ پر قسم ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضى باليمين على المدعى عليه** (ب) مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱/ ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے کہ قسم تو صرف مدعی علیہ پر ہوگی۔اس لئے مدعی پر قسم نہیں ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے مدعی قسم کھائے گا اور یہ قسم دوسرے گواہ کے درجے میں ہوجائے گی۔جس کی بنیاد پر قاضی مدعی کے حق میں میں فیصلہ کریں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضى بيمين و شاهد** (ج) (ابوداؤد شریف، باب القضاء بالیمین والشاہد ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۰۸/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی قسم کھائے تو فیصلہ کرسکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ ہیں اور دو گواہ پیش بھی کردیئے تو کیا اس کے باوجود مدعی قسم بھی کھائے کہ یہ چیز میری ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدعی کو اب قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس پر تو صرف گواہ پیش کرنا تھا جو کردیا۔

وجہ اوپر کی حدیثیں ان کی دلیلیں ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی چاہے تو اطمینان کے لئے گواہ کی پیشگی کے بعد بھی مدعی سے قسم کھلائے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**ان عليا كان يرى الحلف مع البينة**۔اور دوسری روایت میں ہے۔**عن ابن سيرين ان رجلا ادعى قبل رجل حقا واقام عليه البينة فاستحلفه شريح فكانه يابى اليمين فقال شريح بئس ما تثنى على شهودک** (د)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے (ب) آپؐ نے قسم کا فیصلہ فرمایا مدعی علیہ پر (ج) آپؐ نے قسم اور ایک گواہ کے ذریعہ فیصلہ فرمایا (د) حضرت علیؓ گواہ کے ساتھ مدعی کا قسم کھانا بھی ضروری سمجھتے تھے۔دوسری روایت میں ہے۔حضرت ابن سیرین سے منقول (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۷۴۰](۱۱)ولا تقبل بينة صاحب اليد فی الملک المطلق.

(سنن للبیہقی، باب من رای الحلف مع البینۃ ج عاشر ص ۴۴۱ نمبر ۲۱۲۴۸/۲۱۲۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مدعی کے بینہ کے باوجود اس سے قسم لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

[۲۷۴۰](۱۱) نہیں قبول کیا جائے گا قبضے والے کا بینہ ملک مطلق میں۔

تشریح یہاں تین اصطلاح ہیں جن کو پہلے سمجھیں۔ذی الید : جس کے قبضے میں دعوی کی چیز ہو اس کو ذی الید کہتے ہیں۔چونکہ اس سے چیز لینے کا مطالبہ ہے اس لئے اس کو مدعی علیہ کہتے ہیں۔خارج : جس کے قبضے میں دعوی کی چیز نہ ہو اس کو خارج کہتے ہیں۔چونکہ وہ چیز لینے کا مطالبہ کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی بھی ہے۔ملک مطلق : آدمی دعوی کرے کہ یہ چیز میری ہے لیکن یہ بیان نہ کرے کہ میری ملکیت کس سبب سے ہوئی ہے۔خریدا ہے یا ہبہ کیا ہے یا اس کے گھر پیدا ہوئی ہے؟ مالک ہونے کے سبب کو بیان نہ کرے تو اس کو ملک مطلق کہتے ہیں۔اور مالک بننے کا سبب بیان کرے تو اس کو ملک مقید کہتے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خارج اور ذی الید دونوں دعوی کرتے ہیں کہ یہ چیز میری ہے اور میری ہونے کا سبب بیان نہیں کرتے بلکہ ملک مطلق کا دعوی کرتے ہیں۔پھر دونوں اپنے اپنے گواہ پیش کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خارج کے بینہ کو مانیں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ چیز کی ملکیت کا سبب بیان نہیں کرتے اس لئے کسی ایک کے ہونے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔اس لئے اب دار و مدار صرف بینہ پر ہوگا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار ہے۔کیونکہ ذی الید یعنی مدعی علیہ پر تو قسم ہے نہ کہ اس پر بینہ۔حضرت حضرمی والی حدیث میں حضرت حضرمی اور کندی دونوں نے زمین کا دعوی کیا اور زمین کس طرح ان کی ہے اس کا سبب بیان نہیں فرمایا یعنی ملک مطلق کا دعوی کیا تو آپؐ نے حضرت حضرمی یعنی خارج کے بینہ کا اعتبار کیا اور ذی الید یعنی کندی کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ ان پر قسم لازم کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**فقال النبی ﷺ للحضرمی الک بینة؟ قال لا! قال فلک یمینه** . دوسری روایت میں ہے. **ان النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۰/۱۳۴۱/ابو داؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں حضرت حضرمی جو خارج بھی ہیں اور مدعی بھی ہیں ان کے بینہ کا اعتبار کیا اور حضرت کندی جو ذی الید ہے جس کے قبضے میں زمین ہے اور مدعی علیہ ہے اس کے بینہ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس پر قسم لازم کی۔اس لئے ہمارے یہاں ملک مطلق میں خارج کے بینہ اور گواہ کو ترجیح دی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذی الید یعنی قبضہ والا اور مدعی علیہ کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہے کہ ایک آدمی نے ایک آدمی پر حق کا دعوی کیا اور اس نے گواہ پیش کیا، پھر حضرت شریح نے اس کو قسم بھی کھلوانا چاہا تو وہ انکار کرنے لگا تو حضرت شریح نے فرمایا اپنے گواہوں کی غلط تعریف کر رہے ہو (الف) آپؐ نے حضرت حضرمی سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تو تمہارے لئے اس کی قسم کا حق ہے۔دوسری روایت میں ہے آپؐ نے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

[۲۷۴۱](۱۲)واذا نکل المدعی علیه عن الیمین قضی علیه بالنکول و الزمه ما ادعی

وجہ اس کے قبضے میں چیز ہے تو قبضہ ہونا قوت کی دلیل ہے۔کیونکہ گواہ دونوں کے پاس ہیں اور قبضہ ہونا ایک قسم کی زیادہ قوت ہونا ہے اس لئے ذی الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔اوراسی کے بینہ کے مطابق چیز ذی الید کی ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر بن عبد اللہ ان رجلین تداعیا بدابة فاقام کل واحد منهما البینة انها دابته فقضی بها رسول الله ﷺ للذی فی یدیه (الف) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ دونوں نے دعوی کیا اور مطلق ملک کا دعوی کیا اور بینہ بھی پیش کیا تو آپؐ نے قبضے والے کے لئے فیصلہ کیا۔

اور اگر ملک مقید کا دعوی کرے مثلا دونوں کہے کہ یہ اونٹنی میری ملکیت ہے کیونکہ میرے یہاں پیدا ہوئی ہے تو بالاتفاق اس صورت میں ذی الید کے بینہ کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی و اقام بینة فقضی بها رسول الله ﷺ للذی هی فی یدیه (ب) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدهما ویقیم کل واحد منهما علی ذلک بینة ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ ملک کے دعوی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ اونٹنی میرے یہاں پیدا ہوئی ہے اس لئے یہ میری ملکیت ہے اس لئے یہ ملک مقید کا دعوی ہوا۔اوراس میں ذی الید کے لئے آپؐ نے فیصلہ فرمایا (۲) یوں بھی جب مالک ہونے کا سبب بیان کیا تو یقین ہوگیا کہ چیز اس کی ہے اور بینہ بھی پیش کیا اور قبضہ بھی ہے اس لئے ان تینوں علامتوں کی وجہ سے قبضے والے کے لئے فیصلہ کر دیا گیا۔

[۲۷۴۱](۱۲) اگر انکار کردے مدعی علیہ قسم سے تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر انکار کرنے کی وجہ سے اور لازم کردے اس پر وہ جس کا اس پر دعوی تھا

تشریح مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے اس نے مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہا لیکن مدعی علیہ نے بھی قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے انکار کے بعد قاضی فیصلہ کردے گا کہ یہ چیز مدعی کی ہے۔اب دوبارہ مدعی سے قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی۔اس پر تو گواہ ہے قسم نہیں ہے اس لئے اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے دو مطالب ہیں۔ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن اللہ کے محترم نام کے ساتھ میں قسم نہیں کھانا چاہتا۔چلو یہ مدعی کو دے دیتا ہوں ایسا کرنے کو باذل کہتے ہیں۔یعنی میں نے مدعی پر اپنی چیز خرچ کردی۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ یہ چیز حقیقت میں مدعی کی ہی ہے اس لئے قسم نہیں کھاتا۔تاہم دونوں صورتوں میں مدعی علیہ نے مدعی کو چیز دینے کی رضامندی ظاہر کردی ہے اس لئے قسم سے انکار کیا اس لئے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے ایک جانور پر دعوی کیا۔ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کا جانور ہے تو آپؐ نے اس جانور کا فیصلہ اس کے لئے کیا جس کے قبضے میں تھا (ب) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمی ایک اونٹنی کے بارے میں حضورؐ کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔پس دونوں نے کہا کہ یہ اونٹنی ان کے یہاں پیدا ہوئی ہے اور گواہ پیش کئے تو آپؐ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں تھی۔

علیہ [۲۷۴۲](۱۳)وینبغی للقاضی ان یقول له انی اعرض علیک الیمین ثلثا فان حلفتَ والا قضیتُ علیک بما ادعاہ.

ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهدوان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (الف)(ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ دار قطنی ، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵)اس حدیث میں ہے کہ قسم کھانے سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے اور اس سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ نے قسم سے انکار کیا تو ابھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی کو قسم کھلائیں گے۔وہ قسم کھالیں گے کہ یہ چیز میری ہے تب اس چیز کا فیصلہ مدعی کے لئے کریں گے۔

وجہ اثر میں ہے کہ مدعی بینہ پیش کر دے تب بھی مدعی کو قسم کھلائیں گے تب فیصلہ کیا جائے گا۔جب گواہ پیش کر دے تو مدعی کو قسم دیتے ہیں اور یہاں مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اور شبہ پیدا ہو گیا اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے بدرجہ اولی مدعی کو قسم کھلائیں گے تا کہ پوری وضاحت ہو جائے کہ یہ چیز مدعی کی ہے (۲) اثر یہ ہے۔ان علیا کان یری الحلف مع البینة (ب)(سنن للبیہقی ، باب من رای الحلف مع البینۃ ج عاشر ص ۲۱۴۴۸ نمبر ۲۱۴۴۸)اس اثر کی وجہ سے مدعی پر قسم ہوگی۔

لغت النکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔

[۲۷۴۲](۱۳) قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اس سے کہے کہ میں تم پر قسم تین بار پیش کرتا ہوں، پس اگر تم نے قسم کھالی تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا اس کے مطابق جس کا مدعی دعوی کرتا ہے۔

تشریح ایک مرتبہ بھی قاضی مدعی علیہ پر قسم پیش کر دے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کر دے۔کیونکہ اوپر کی احادیث میں ایک مرتبہ کے انکار سے فیصلہ کا اشارہ ملتا ہے۔لیکن چونکہ مدعی علیہ کے سامنے معاملہ نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ قانون سے واقف نہ ہو اس لئے بہتر ہے کہ قاضی پہلے سے آگاہ کر دے کہ میں تم پر تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔اگر تم نے قسم کھالی تو تمہارے موافق فیصلہ ہوگا کیونکہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے۔اور اگر تم نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کیا تو تمہارے خلاف فیصلہ کروں گا جس کا دعوی مدعی کر رہا ہے۔

وجہ ممکن ہے کہ مدعی علیہ کو قانون کا پتا نہ ہو کہ قسم سے انکار کے بعد میرے خلاف فیصلہ ہو جائے گا اس لئے اس کو پہلے سے بتادے کہ تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔اور قسم سے انکار کے بعد تمہارے خلاف فیصلہ ہوگا۔اور تین مرتبہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ ایک مرتبہ قسم پیش کر دے اور وہ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے اور اس پر ایک عادل گواہ لائے تو اس کے شوہر کو قسم کھلائی جائے گی، پس اگر اس نے قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی اور اگر انکار کر دیا تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہوگا اور عورت پر طلاق جائز ہو جائے گی (ب) حضرت علیؓ گواہ کے ساتھ مدعی کی قسم بھی ضروری سمجھتے تھے۔

[۲۷۴۳] (۱۴)واذا کرَّر العرض ثلث مرات قضی علیه بالنکول[۲۷۴۴] (۱۵)وان کانت الدعوی نکاحا لم یستحلف المنکر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۲۷۴۵] (۱۶)ولا یستحلف فی النکاح والرجعة والفیئ فی الایلاء والرق والاستیلاد والنسب

انکار کرے تو قاضی کو فیصلے کی گنجائش ہے۔

[۲۷۴۳] (۱۴) جبکہ قسم پیش کی مکرر تین مرتبہ تو فیصلہ کیا جائے گا اس کے خلاف انکار کی وجہ سے۔

تشریح قاضی نے مدعی علیہ پر تین مرتبہ قسم پیش کی، مدعی علیہ نے تینوں مرتبہ قسم کھانے سے انکار کر دیا تو قاضی اب اس کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

[۲۷۴۴] (۱۵) اگر دعوی نکاح کا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

تشریح مثلا شوہر عورت پر دعوی کرے کہ میرا تم سے نکاح ہوا ہے اور اس پر شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے اور عورت نکاح کا انکار کرتی ہے تو عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے کہ نکاح ہوا یا نہیں ہوا۔ بلکہ بغیر قسم کے ہی نکاح کا ثبوت نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھلائیں گے۔ اگر عورت نے قسم کھالی کہ نکاح نہیں ہوا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، اور قسم کھانے سے انکار کیا تو یہ اقرار کے درجے میں ہوگا اور نکاح ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ ان نو مسئلوں کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۲۷۴۵] (۱۶) اور قسم نہیں لی جاتی ہے (۱) نکاح میں (۲) رجعت میں (۳) ایلاء سے رجوع کرنے میں (۴) غلامی میں (۵) ام ولد کرنے میں (۶) نسب میں (۷) ولاء میں (۸) حدود میں (۹) اور لعان میں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے حدود اور لعان کے۔

تشریح یہ نو مسئلے دو اصول پر متفرع ہیں۔ ایک اصول امام اعظمؒ کا ہے اور دوسرا اصول صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

اصول مدعی علیہ کو قسم کھلائے اس وقت قسم کھانے سے انکار کرے تو پہلے گزر چکا ہے کہ انکار کے دو مطلب ہیں۔ ایک بذل جو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور دوسرا اقرار جو صاحبین کا مسلک ہے۔ اور انہیں پر نو مسائل متفرع ہیں۔ بذل : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ کہہ رہا ہے کہ یہ چیز تو میری ہی ہے لیکن خدا کے نام کی تعظیم کی وجہ سے قسم نہیں کھاتا، اس لئے چلو یہ تم کو دے دیتا ہوں۔ اس میں میری چیز جائے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ اس اثر میں بذل کی دلیل ہے۔ وقد کانت هذیل خلعوا خلیعا لهم فی الجاهلیة ... فقال (عمرؓ) یقسم خمسون من هذیل ما خلعوا قال فاقسم منهم تسعة واربعون رجلا وقدم رجل منهم من الشام فسألوه ان یقسم فافتدی یمینه منهم بالف درهم فادخلوا مکانه رجلا آخر فدفعه الی اخی المقتول (الف) (بخاری شریف، باب القسامة ص ۱۰۱۸ نمبر

حاشیہ : (الف) قبیلہ ہذیل نے زمانہ جاہلیت میں عاق کیا تھا... حضرت عمرؓ نے فرمایا قبیلہ ہذیل کے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ عاق نہیں کیا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

والولاء والحدود واللعان وقالا یُستحلف فی ذلک کله الا فی الحدود واللعان .

۶۸۹۹)اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نکال باہر کرنے پر پچاس آدمی سے قسم لیں، انچاس آدمیوں سے قسم لی۔ پھر ایک آدمی شام سے آیا اس سے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے قسم نہیں کھائی اور قسم نہ کھانے کے فدیہ میں ایک ہزار درہم دیئے اسی کو بذل کہتے ہیں۔ یعنی چیز تو میری ہی ہے لیکن چلو تم کو دے دیتا ہوں اور قسم نہیں کھاتا ہوں (۲) دوسرے اثر میں ہے۔ سئل الزھری عن الرجل یقع علیه الیمین فیرید ان یفتدی یمینه قال قد کان یفعل قد افتدی عبید السهام فی امارة مروان واصحاب رسول الله ﷺ بالمدینة کثیر افتدی یمینه بعشرة آلاف (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب من یجب علیه التکفیر ج ثامن ص ۵۰۲ نمبر ۱۶۰۵۴ ردار قطنی، کتاب فی الاضحیة والاحکام ج رابع ص ۱۵۸ نمبر ۴۵۵۰) اس اثر میں تذکرہ ہے کہ اصحاب رسول قسم کے بدلے دس ہزار درہم کا فدیہ دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قسم سے انکار کرنا بذل ہے اور فدیہ ہے۔

فائدہ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے سے انکار کرنا اقرار کرنا ہے، گویا کہ دبے زبان میں اقرار کر رہا ہے کہ یہ چیز حقیقت میں آپ ہی کی ہے اسی لئے میں قسم نہیں کھاتا ہوں۔ اور جب آپ کی ہے تو آپ کو قاضی دے دیں۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجاء ت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ ردار قطنی، کتاب الوکالة ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اقرار کرنے کے درجے میں ہے اور دوسری گواہی کی درجے میں ہے۔ ان دونوں اصولوں کو سامنے رکھ کر نو مسائل کا حل اس طرح ہے۔

[۱] نکاح : نکاح کی صورت یہ ہے کہ مثلا شوہر دعوی کرے کہ فلاں عورت سے میری شادی ہوئی ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔ اور شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اب عورت کو قسم کھلائیں۔ اور اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح تو نہیں ہوا ہے لیکن چلو میری شرمگاہ تم استعمال کرو۔ اور شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتی کہ بغیر نکاح کے اپنے آپ کو بذل کے طور پر استعمال کرنے دے۔ اس لئے عورت کو قسم ہی نہیں دیں گے بلکہ بینہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح ثابت ہی نہیں کریں گے۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اقرار کرتی ہوں کہ شوہر کی بات صحیح ہے اور نکاح ہوا ہے۔ اور جب اقرار کرلیا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا ان میں سے انچاس آدمیوں نے قسم کھائی کہ عاق نہیں کیا تھا۔ اور ان کے قبیلے کا ایک آدمی شام سے آیا تو اس سے قسم کھانے کے لئے کہا تو اس نے اپنی قسم کے بدلے ایک ہزار درہم فدیہ دے دیا تو اس کی جگہ دوسرے آدمی کو داخل کیا اور اس کو مقتول کے بھائی کے حوالے کیا (الف) حضرت زہریؒ سے پوچھا ایک آدمی پر قسم آگئی وہ قسم کے بدلے فدیہ دینا چاہتا ہے؟ فرمایا ایسا کیا جا سکتا ہے۔ مروان کی امارت کے زمانے میں حصے کے غلام کا فدیہ دیا اور اصحاب رسولؐ اس وقت مدینہ میں بہت تھے (یعنی کسی نے فدیہ پر اعتراض نہیں کیا) اپنی قسم کے بدلے دس ہزار کا فدیہ دیا (ب) حضورؐ نے فرمایا اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے اور اس پر ایک عادل گواہ لائے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر شوہر نے قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ اور اگر انکار کر دیا تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہوگا اور طلاق جائز ہو جائے گی۔

نکاح ہوا ہے تو اپنے آپ کو استعمال کرنے بھی دے گی۔اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہا کو قسم کھلائیں گے۔

[۲] رجعت : رجعت کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دی۔عدت گزر جانے کے بعد شوہر دعوی کرتا ہے کہ میں نے عدت کے اندر رجعت کر لی تھی۔اور عورت انکار کرتی ہے کہ رجعت نہیں کی تھی۔شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب امام صاحب کے نزدیک عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ بغیر قسم کے ہی فیصلہ کر دیں گے کہ رجعت نہیں ہوئی تھی۔

وجہ اگر قسم کھلائیں اور عورت قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رجعت تو نہیں ہوئی ہے اور نہ میں تمہاری بیوی ہوں۔لیکن چلو بذل کے طور پر تم مجھے استعمال کرتے رہو۔اور رجعت نہ ہو تو بذل کے طور پر اور فدیہ کے طور پر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی۔اس لئے قسم ہی نہیں لی جائے گی۔

نوٹ اگر جسم کے بجائے مال ہوتا تو بذل کے طور پر اس کو استعمال کرنے دینا جائز ہے اس لئے وہاں قسم کھلائی جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان اقرار کرتی ہوں کہ شوہر نے عدت میں رجعت کی تھی اور میں اس کی بیوی ہوں۔اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک رجعت میں عورت سے قسم لی جائے گی۔

نوٹ اگر عدت کے اندر شوہر نے کہا کہ میں نے رجعت کی ہے اور عورت نے انکار کیا تو اگرچہ اس سے پہلے رجعت نہیں ہوئی ہے لیکن ابھی شوہر کے کہنے سے ہی رجعت ہو جائے گی۔

[۳] ایلاء میں فی : شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہیں جاؤں گا اس کو ایلاء کہتے ہیں۔اب اگر چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہیں گیا تو بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور نکاح ختم ہو جائے گا۔چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس نہ جانے کو فی کہتے ہیں۔عدت گزر جانے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں نے چار ماہ کے اندر فی کی تھی۔بیوی انکار کرتی ہے۔شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے تو بیوی کو اس بارے میں قسم نہیں کھلائیں گے۔کیونکہ قسم سے انکار کرنے کا معنی بذل ہوگا۔یعنی میں تمہاری بیوی تو نہیں ہوں کیونکہ چار ماہ کے اندر فی نہیں کی۔لیکن چلو اپنے آپ کو استعمال کرنے دیتی ہوں۔چونکہ نکاح کے بغیر اپنے آپ کو استعمال کرنے نہیں دے سکتی اس لئے حنفیہ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں ہوگی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب اقرار ہے۔یعنی دبے زبان اقرار کر رہی ہے کہ واقعی آپ نے چار ماہ کے اندر فی کی تھی اور میں آپ کی بیوی ہوں اس لئے ان کے نزدیک ایلاء کے فی میں قسم کھلائیں گے۔

نوٹ اگر چار ماہ کے اندر شوہر کہے کہ میں نے فی کی ہے تو پہلے فی نہیں ہوئی البتہ ابھی اس کہنے سے فی ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ نکاح برقرار رہے بغیر اپنے آپ کو سپرد نہیں کر سکتی، جسم مال نہیں ہے کہ بذل کر دے۔

[۴] الرق : غلام ہونے یا غلام بننے کا دعوی۔ایک آدمی مجہول الحال ہے۔اس کے بارے میں ایک آدمی کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے اور مجہول الحال آدمی اس کا انکار کرتا ہے۔دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب غلام سے قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو اپنے آپ کو تمہاری غلامیت میں دے دیتا ہوں۔لیکن کوئی بھی

آدمی اپنے آپ کو غلام نہیں بنا سکتا، جسم مال نہیں ہے کہ بذل کردے۔اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام کو قسم نہیں دے سکتا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم کھانے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا غلام ہوں اور پہلے سے غلام ہو تو اس کا اقرار کر سکتا ہے۔

[۵] الاستیلاد : استیلاد کی صورت یہ ہے کہ شوہر کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔کیونکہ میں نے اس کو تم سے پیدا کیا ہے۔اور عورت انکار کرے۔شوہر کے پاس بینہ نہ ہو۔اب عورت کو قسم دے اور وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بذل ہوگا یعنی یہ بچہ آپ کا تو نہیں ہے لیکن چلو آپ سے نسب ثابت کر دیتی ہوں۔اور نسب ثابت کرنے کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ بچہ اس کا نہ بھی ہو پھر بھی اس سے نسب ثابت کردے۔اس لئے عورت سے استیلاد کے سلسلے میں قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دبے زبان سے اقرار کرتی ہوں کہ بچہ آپ کا ہی ہے۔جب بچہ حقیقت میں شوہر کا ہو تو اس سے نسب ثابت کرنے میں کائی حرج نہیں ہے۔

[۶] النسب : ایک آدمی دعوی کرے کہ یہ آدمی میرا لڑکا ہے اور میں اس کا باپ ہوں۔اور وہ اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہ نہ ہو تو اس آدمی کو قسم نہیں کھلائیں گے، کیونکہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا بیٹا تو نہیں ہوں لیکن چلو بیٹا بن جاتا ہوں۔اور بیٹا نہ ہو اور بذل کے طور پر نسب ثابت کردے تو جائز نہیں ہے۔حدیث میں منع فرمایا ہے۔اس لئے نسب کے سلسلے میں لڑکے کو قسم نہیں دی جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ دبے زبان اقرار کر رہا ہے کہ حقیقت میں میں آپ کا بیٹا ہوں اس لئے لڑکے سے قسم لے سکتا ہے۔

[۷] الولاء : آزاد کردہ غلام مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ مال آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے اس مال کو ولاء کہتے ہیں۔یہاں ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر دعوی کرے کہ یہ میرا آزاد کردہ غلام ہے اور اس کا ولاء مجھے ملے گا۔وہ اس کو انکار کرے کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام نہیں ہوں اور نہ میری ولاء اس کو ملے گی۔دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے۔اب مدعی علیہ کو قسم کھلائیں اور وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہارا آزاد کردہ غلام تو نہیں ہوں لیکن چلو بن جاتا ہوں۔تو شرعی اعتبار سے ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ آزاد جان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔اس لئے مدعی علیہ کو ولاء کی قسم بھی نہیں کھلا سکتا۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میری ولاء ان کو ملنی چاہئے۔اور حقیقت میں آزاد کردہ غلام ہو تو قسم دی جا سکتی ہے۔

[۸] الحدود : کوئی آدمی کسی آدمی پر دعوی کرے کہ میرا تمہارے اوپر حد قذف ہے۔اور دوسرا آدمی اس کا انکار کرے اور دعوی کرنے والے کے پاس گواہی نہیں ہے تو مدعی علیہ کو قسم نہیں کھلوائیں گے۔کیونکہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھ پر آپ کا حد قذف تو نہیں ہے لیکن چلو اسی کوڑے مار لیں۔ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جسم ایسی چیز نہیں ہے جس کو بذل کے طور پر کوڑے اور حد لگانے کے لئے پیش کیا

[۲۷۴۶](۱۷)واذا ادعی اثنان عینا فی ید آخر وکل واحد منهما یزعم انها له واقاما البینة قضی بها بینهما[۲۷۴۷] (۱۸)وان ادعی کل واحد منهما نکاح امرأة واقاما البینة

جا سکے(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حد قذف میں حد کا شائبہ ہے اور حدود شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔اس لئے قسم سے انکار کے بعد بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

فائدہ امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قسم سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر حد قذف ہے۔اور دبے زبان اقرار میں عدم اقرار کا شبہ ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

[۹]لعان : اس کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر پر دعوی کرتی ہے کہ آپ نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور آپ پر لعان ہے۔اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔عورت کے پاس بینہ نہیں ہے تو شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

وجہ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لعان تو نہیں ہے لیکن چلو کر لیتا ہوں اور ایسا کر نہیں سکتا(۲) نیز لعان مرد کی جانب سے حد کے درجے میں ہے اور حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے لعان بھی ساقط ہو جائے گا۔اس لئے شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی۔یہ مسئلہ بھی بالاتفاق ہے۔

[۲۷۴۶](۱۷)اگر دو آدمیوں نے ایک خاص چیز میں دعوی کیا جو دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ہر ایک گمان کرتے ہوں کہ اس کی ہے اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو فیصلہ کیا جائے گا دونوں کے درمیان۔

تشریح ایک چیز تیسرے آدمی کے ہاتھ میں ہے اور دو آدمی اس کا دعوی کر رہے ہیں اور دونوں نے دو دو گواہ پیش کر دیئے تو دونوں کے لئے آدھی آدھی چیز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ جب دونوں کے پاس بینہ ہیں اور کسی کے قبضے میں نہیں تو کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے اس لئے دونوں کے لئے آدھی آدھی چیز ہوگی(۱) حدیث میں ایسا ہی فیصلہ ہے۔**عن ابی موسی الاشعری ... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین** (الف)(ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینهما بینة ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث میں آپؐ نے آدھے آدھے اونٹ کا فیصلہ فرمایا۔اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے ہوں گے۔

نوٹ اگر دونوں کے قبضے میں ہو تب بھی دونوں کے لئے آدھا آدھا فیصلہ ہوگا۔اور اگر ایک کے قبضے میں ہو تو خارج کے بینہ کا اعتبار ہوگا پہلے گزر چکا ہے۔

[۲۷۴۷](۱۸)اور اگر دعوی کیا ہر ایک نے عورت کے نکاح کا اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا کسی کے بینہ پر رجوع کیا جائے گا عورت کی تصدیق کی طرف دونوں میں سے کسی ایک کے لئے۔

تشریح ایک عورت دو آدمیوں کی بیوی نہیں ہو سکتی اس لئے دونوں نے بینہ قائم کیا تو دونوں کو آدھی آدھی بیوی نہیں دی جا سکتی۔اور ترجیح کی کوئی

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا۔پس ہر ایک نے دو دو گواہ بھیجے تو حضورؐ نے اونٹ کو آدھا آدھا تقسیم فرمایا۔

لم یقض بواحدة من البینتین ویرجع الی تصدیق المرأة لاحدهما [۲۷۴۸](۱۹) وان ادعی اثنان کل واحد منهما انه اشتری منه هذا العبد واقاما البینة فکل واحد منهما بالخیار ان شاء اخذ نصف العبد بنصف الثمن وان شاء ترک [۲۷۴۹](۲۰)فان قضی القاضی به بینهما فقال احدهما لا اختار لم یکن للآخر ان یاخذ جمیعه.

علامت نہیں ہے۔اس لئے اب عورت کو پوچھا جائے گا کہ تم کسی کی بیوی ہو؟ وہ جس کی تصدیق کرے گی اس کی بیوی قرار دی جائے گی۔

وجہ میاں بیوی کے قبول کرنے سے نکاح ہوتا ہے اس لئے اسی کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ہاں اگر ایک کا بینہ یہ ثابت کرتا ہو کہ اس کی شادی پہلے اس سے ہوئی تھی اور دوسرا بینہ ثابت کرتا ہو کہ بعد میں ہوئی تھی تو پہلے والے کی بیوی ہو جائے گی۔کیونکہ اس وقت دوسرے کا گواہ مزاحم نہیں ہے۔

[۲۷۴۸](۱۹) اگر دعوی کیا دو آدمیوں نے کہ ان میں سے ہر ایک نے خریدا ہے اس غلام کو فلاں سے،اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو آدھا غلام آدھی قیمت میں خرید لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مثلا زید اور عمر دونوں کہتے ہیں کہ خالد غلام کو ساجد بائع سے خریدا ہے۔اور دونوں نے بینہ پیش کیا اور دونوں نے مقدم مؤخر تاریخ کا بینہ پیش نہیں کیا بلکہ دونوں کی تاریخ بھی ایک ہی ہے۔اب چونکہ کسی ایک کے بینہ کو ترجیح نہیں ہے اس لئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ آدھا آدھا غلام دونوں نے خریدا ہے اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت لازم ہوگی۔اب چاہے تو آدھی قیمت دے کر آدھا غلام لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ دونوں کے بینہ برابر ہوں اور ترجیح کے لئے کوئی علامت نہ ہو تو دونوں کو آدھا آدھا دیا جائے گا۔**عن ابی موسی الاشعری... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین** (الف)(ابوداؤد شریف،باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس لهما بینة ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵)اس حدیث میں دونوں کو آدھا آدھا دیا گیا۔

[۲۷۴۹](۲۰) پس اگر قاضی نے اس چیز کا دونوں کے درمیان فیصلہ کیا،پس ان میں سے ایک نے کہا کہ نہیں لیتا ہوں تو دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ لے کل کو۔

تشریح قاضی نے دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کیا۔اب ایک فریق کہتا ہے کہ میں آدھا غلام نہیں لوں گا تو اب دوسرے فریق کو حق نہیں ہے کہ پورا غلام لے لے،ہاں نئے سرے سے باقی آدھے غلام کو بائع سے خریدے گا تو لے سکتا ہے۔

وجہ جب دوسرے فریق کے لئے آدھے غلام کا فیصلہ ہوا تو اس کے لئے آدھے غلام کی ہی بیع ہوئی پورے غلام کی بیع نہیں ہوئی۔اس لئے پورا

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا،پس دونوں میں سے ہر ایک نے دو دو گواہ بھیجے تو حضورؐ نے اونٹ کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔

[۲۷۵۰] (۲۱) وان ذکر کل واحد منهما تاریخا فھو للاول[۲۷۵۱] (۲۲) وان لم یذکر تاریخا ومع احدھما قبض فھو اولی بہ[۲۷۵۲] (۲۳) وان ادعی احدھما شراء

غلام نہیں لے سکتا ہے۔ باقی کے لئے از سر نو بیع کرنی ہوگی۔

اصول قاضی کا فیصلہ جتنے غلام کے لئے ہوا بیع اتنے ہی غلام کی ہوگی۔

[۲۷۵۰] (۲۱) اگر دونوں فریق میں سے ہر ایک نے تاریخ ذکر کی تو وہ مقدم تاریخ والے کو ملے گا۔

تشریح دونوں فریقوں نے غلام پر دعوی کیا کہ میں نے فلاں سے پورا پورا غلام خریدا ہے۔ اور دونوں نے گواہ پیش کئے اور تاریخ بھی بتائی تو جس کی تاریخ مقدم ہے پورا غلام اسی کا ہوگا۔

وجہ جس مقدم تاریخ میں ایک نے خریدنے کا دعوی کیا اس تاریخ میں دوسرا فریق مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی بیع ہوگئی اور غلام اس کا ہو گیا۔ اب دوسرے کی بیع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال اذا بیع البیع من رجلین فالبیع للاول** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اشتراط الخلاص ص ۳۳۵ نمبر ۲۲۴۴، کتاب الاحکام) اس حدیث میں ہے کہ جس سے پہلے بیچا بیع اس سے ہوگئی۔ اس لئے جس کی تاریخ مقدم ہوئی بیع اس سے ہوگئی۔ اس لئے اب دوسرے کے لئے نہیں ہوگی۔

[۲۷۵۱] (۲۲) اور اگر دونوں نے تاریخ ذکر نہیں کی اور ان میں سے ایک کا قبضہ ہے تو وہ اولی ہوگا۔

وجہ اگر تاریخ ذکر کرتا تو دیکھا جاتا کہ کس کی تاریخ مقدم ہے اس کے لئے غلام کا فیصلہ کرتے لیکن تاریخ کسی نے ذکر نہیں کی۔ البتہ ایک فریق کا غلام پر قبضہ بھی ہے تو قبضہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے پہلے خریدی ہے تب ہی تو اس کا قبضہ ہے، اور اس کے ساتھ بیع تام ہو چکی ہے تب ہی تو غلام اس کے قبضے میں ہے۔ اس لئے غلام کا قبضہ اس کے لئے ہوگا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ ان رجلین تداعیا بدابة فاقام کل واحد منهما البینة انها دابته فقضی بها رسول اللہ ﷺ للذی هی فی یدیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما ویقیم کل واحد منھما علی ذلک بینۃ ج عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۳) اس حدیث میں جس کا قبضہ تھا اس کو ایک گونہ ترجیح تھی اس لئے حضورؑ نے جانور کا فیصلہ اسی کے لئے فرمایا۔

[۲۷۵۲] (۲۳) اگر ایک نے خریدنے کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ کا اور دونوں نے قبضہ کیا اور دونوں نے بینہ قائم کیا اور دونوں کے پاس تاریخ نہیں ہے تو خرید اولی ہوگی دوسرے سے۔

تشریح دو آدمی دعوی کر رہے ہیں کہ فلاں سے لیا لیکن ایک آدمی دعوی کرتا ہے کہ فلاں سے خریدا ہے اور دوسرا دعوی کرتا ہے کہ فلاں نے مجھے ہبہ کیا ہے۔ اور دونوں نے قبضہ بھی کر لیا۔ اور اپنے اپنے دعوی پر بینہ پیش کیا۔ لیکن کسی کے پاس خریدنے اور ہبہ کرنے کی تاریخ نہیں ہے کہ کس نے پہلے خرید ہے اور کس کو بعد میں ہبہ کیا ہے تو ایسی صورت میں خریدنے کو ترجیح ہوگی اور مال خریدنے والے کا ہوگا ہبہ کئے ہوئے کا نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر دو آدمیوں سے چیز بیچی گئی تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ب) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے دعوی کیا ایک جانور کا اور ہر ایک نے ان میں سے بینہ قائم کیا کہ اس کا جانور ہے تو حضورؑ نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کے قبضے میں تھا۔

والآخر هبة وقبضا واقاما البينة ولا تاريخ معهما فالشراء اولى من الآخر[۲۷۵۳] (۲۴)وان ادعى احدهما الشراء وادعت أمرأة انه تزوجها عليه فهما سواء [۲۷۵۴] (۲۵) وان ادعى احدهما رهنا وقبضا والآخر هبة وقبضا فالرهن اولى[۲۷۵۵](۲۶) وان

وجہ خریدنا ہبہ سے مضبوط ہے۔ کیونکہ خریدنے میں دونوں طرف سے مال ہے اور ہبہ میں ایک طرف سے مال ہے اور احسان ہے دوسری طرف سے مال نہیں ہے۔اس لئے خریدنا زیادہ مضبوط ہے۔اس لئے خریدنے والے کا ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا ہبہ سے زیادہ مضبوط ہے۔

[۲۷۵۳](۲۴) اگر دعوی کیا دونوں میں سے ایک نے خریدنے کا اور عورت نے دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے اس پر شادی کی ہے تو وہ دونوں میں برابر ہوں گے۔

تشریح مثلا ایک نے دعوی کیا کہ فلاں نے مجھے غلام بیچا ہے اور عورت دعوی کرتی ہے کہ فلاں نے غلام کو مہر دینے کے بدلے مجھ سے شادی کی ہے۔تو دونوں کا درجہ برابر ہے اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا۔

وجہ خریدنا اور مہر قوت کے اعتبار سے دونوں برابر درجے کے ہیں۔ کیونکہ خریدنے میں دونوں طرف مال ہیں اور مہر میں ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف بضعہ ہے جو گویا کہ مال ہے اس لئے اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا اور مہر دینا دونوں برابر درجے کے ہیں۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خریدنا مہر سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ خریدنے میں غلام کا متعین کرنا ضروری ہوتا ہے اور مہر میں دوسرے کا غلام متعین کردے اور پھر اس کی قیمت ادا کردے تب بھی چل جائے گا۔اس لئے خریدنے کے دعوی کرنے والے کو غلام دے دیا جائے گا اور مہر کے دعوی کرنے والی کو غلام کی قیمت دلوادی جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنا اور مہر دونوں برابر درجے کے نہیں ہیں۔

[۲۷۵۴](۲۵) اگر دعوی کیا ایک نے رہن کا اور قبضے کا اور دوسرے نے ہبہ کا اور قبضے کا تو رہن اولی ہے۔

تشریح رہن کے بدلے میں مرتہن کا قرض ہوتا ہے اس لئے وہ بدلے کی چیز ہوگئی اور ہبہ کے بدلے میں کچھ نہیں ہوتا اس لئے وہ رہن سے کمزور ہوا اس لئے ایک نے رہن کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ کا دعوی کیا اور کوئی علامت نہیں ہے تو رہن والے کے لئے غلام کا فیصلہ ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں دونوں طرف سے بدلے ہوں وہ زیادہ مضبوط ہے اور جہاں ایک طرف سے مال ہو اور اس کے بدلے میں کچھ نہ ہو تو وہ کمزور ہے۔

[۲۷۵۵](۲۶) اگر دو خارج نے بینہ قائم کیا ملک پر اور تاریخ پر تو مقدم تاریخ والا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح چیز کسی تیسرے کے ہاتھ میں تھی ان دونوں کے ہاتھ میں نہیں تھی اس لئے ان دونوں کو خارج کہتے ہیں۔ان دونوں نے دعوی کیا کہ یہ

اقام الخارجان البينة على الملك والتاريخ فصاحب التاريخ الاقدم اولى[۲۷۵۶](۲۷) وان ادَّعيا الشراء من واحد واقاما البينة على تاريخين فالاول اولى[۲۷۵۷](۲۸) وان قام كل واجد منهما بينة على الشراء من الآخر وذكرا تاريخا فهما سواء.

میری ملکیت ہے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کی تو جن کی تاریخ مقدم ہے اس کے لئے چیز کا فیصلہ ہوگا۔

وجہ جس کی تاریخ مقدم ہے مثلا ایک کہتا ہے کہ پہلی جون کو میں اس چیز کا مالک بنا اور دوسرا کہتا ہے کہ ساتویں جون کو میں اس چیز کا مالک بنا تو یقینی بات ہے کہ پہلی جون والے کی ملکیت پہلے ہوئی اور جب اس کی ملکیت ہوگئی تو دوسرے کی ملکیت نہیں ہو سکے گی اس لئے پہلے کے لئے فیصلہ ہوگا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال اذا بيع البيع من رجلين فالبيع للاول** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من اشترط الخلاص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۴) اس حدیث میں جس آدمی نے پہلے بیع کی ہے چیز اس کی ہوگی۔ اسی قاعدے پر قیاس کر کے جس کی تاریخ مقدم ہوگی چیز اس کی ہوگی۔

[۲۷۵۶] (۲۷) اگر دونوں نے ایک آدمی سے خریدنے کا دعوی کیا اور دونوں نے دو تاریخوں پر بینہ قائم کیا تو مقدم تاریخ والا اولی ہوگا۔

تشریح اوپر کے مسئلے میں مطلق ملکیت کا دعوی تھا اس لئے اس میں خریدنے کی وجہ سے ملکیت کا دعوی کیا اور دونوں نے دو تاریخیں بتلائیں تو جن کی تاریخ مقدم ہوگی چیز اس کی ہوگی۔

وجہ جس نے پہلے خریدنے کا ثبوت دیا چیز اس کی ہوگئی بعد میں خریدنے والا کیا چیز خریدے گا۔ اس لئے پہلے والے کے لئے خریدنا کا فیصلہ ہوگا (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۲۶ میں گزر گئی **فالبيع للاول** (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۴) (۳) ایک حدیث سے بھی پتا چلتا ہے کہ کوئی کسی چیز کو پہلے لے لے تو اسی کی ہوگی۔ **عن اسمر بن مضرس عن النبی ﷺ من سبق الی مالم يسبقه اليه مسلم فهو له يريد به احياء الموات** (ب) (سنن للبیہقی، باب القاضی یقدم الناس الاول فالاول الخ ج عاشر ص ۲۳۵ نمبر ۲۰۴۸۴)

[۲۷۵۷] (۲۸) اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا خریدنے پر دوسرے سے اور دونوں نے تاریخ ذکر کی تو دونوں برابر ہیں۔

تشریح دو آدمیوں نے خریدنے کا دعوی کیا اور ہر ایک نے کہا کہ میں نے دوسرے سے خریدا ہے۔ مثلا زید نے کہا کہ میں نے یہ غلام خالد سے خریدا ہے اور عمر کہتا ہے کہ میں نے یہ غلام ماجد سے خریدا ہے اور دونوں نے ایک تاریخ بیان کی تو دونوں کا درجہ برابر ہے۔

وجہ جب زید کہتا ہے کہ خالد سے خریدا اور عمر کہتا ہے کہ ساجد سے خریدا تو دونوں نے ایک ہی وقت میں اپنے اپنے بائع کے لئے ملکیت ثابت کی اور کوئی دوسری علامت نہیں ہے جس کی وجہ سے ترجیح دی جائے اس لئے دونوں برابر درجے کے ہوں گے اور دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ ہوگا آدھی آدھی قیمت کے بدلے میں۔ اور اختیار ہوگا چاہے تو آدھا غلام آدھی قیمت میں لیں اور چاہے تو چھوڑ دیں (۲)

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کہ چیز دو آدمیوں سے بیچی گئی تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ب) آپ سے منقول ہے کہ کوئی آدمی وہ لے لیا جس کی طرف کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں پہنچا ہے تو وہ چیز اس کی ہو جائے گی۔ اس سے مراد لیا بنجر زمین کو زندہ کرنا۔ یعنی جو بنجر زمین کو زندہ کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

[۲۷۵۸](۲۹) وان اقام الخارج البینة علی ملک مؤرّخ واقام صاحب الید البینة علی

حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی موسی الاشعری ... ان رجلین ادعیا بعیرا علی عهد النبی ﷺ فبعث کل واحد منهما شاهدین فقسمه النبی ﷺ بینهما نصفین (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیعا ولیس بینھما بینۃ ص ۱۵۲ نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترجیح کی کوئی علامت نہ ہوتو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔

[۲۷۵۸](۲۹) اگر بینہ قائم کیا خارج نے ملک مؤرخ پر اور قبضے والے نے بینہ قائم کیا ملکیت پر جو تاریخ کے اعتبار سے مقدم ہے تو وہ اولی ہوگا۔

تشریح: جس آدمی کے قبضے میں چیز نہیں تھی جس کو خارج کہتے ہیں اس نے اپنی ملکیت ہونے پر بینہ قائم کیا اور ایسی تاریخ بیان کی جو بعد میں ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے۔اور جس کے قبضے میں چیز تھی جس کو ذی الید کہتے ہیں اس نے ایسی تاریخ میں اپنی ملکیت ہونے پر بینہ پیش کیا جو اس سے پہلے تھی تو ایسی صورت میں قبضے والے اور ذی الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔یوں ذی الید اور قبضے والا ہونے کی وجہ سے یہ مدعی علیہ ہے۔اس لئے اس پر قسم کھانا لازم ہے اس کے بینہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔خارج کے بینہ کا اعتبار ہونا چاہئے کیونکہ وہ مدعی ہے۔لیکن اس عام قاعدے کے علاوہ اس مسئلے میں یہ نکتہ کارفرما ہے کہ قبضے والی کی تاریخ مقدم ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس کی ملکیت پہلے ہوئی ہو۔اور جب اس کی ملکیت کے وقت دوسرے کی ملکیت مزاحم نہیں ہے تو پہلی تاریخ والے کی گواہی کو ترجیح ہوگی اور اسی کے لئے اس چیز کا فیصلہ ہوگا (۲) اوپر یہ حدیث گزری۔عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال بیع البیع من رجلین فالبیع للاول (ب) (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۴) (۳) ایک حدیث میں ہے کہ اگر کسی کی ملکیت نہیں ہے یا ہے لیکن کسی کا ہاتھ وہاں تک پہلے پہنچا تو وہ چیز اس کی ہوگی۔یہاں دوسرے والے کا ہاتھ بعد میں پہنچا ہے اور پہلے والے کا ہاتھ پہلے پہنچا ہے اس لئے پہلی تاریخ والے کا بینہ مقبول ہوگا۔حدیث یہ ہے۔عن اسمر بن مضرس عن النبی ﷺ من سبق الی مالم یسبقه الیه مسلم فهو له یرید به احیا الموات (ج) (سنن للبیہقی، باب القاضی یقدم الناس الاول فالاول الخ ج عاشر ص ۲۳۵ نمبر ۲۰۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ جس کی ملکیت پہلے ہوئی اسی کا فیصلہ ہوگا (۴) ایک نکتہ یہ بھی ہے ملکیت ہونے کی کوئی اور واضح علامت موجود ہوتو قاضی اس علامت پر غور کرے اور اس کے ذریعہ اصل مالک کے لئے فیصلہ کرے۔ایک حدیث میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔فبعث حذیفة یقضی بینهم فقضی للذین یلیهم القمط فلما رجع الی النبی ﷺ اخبره فقال اصبت واحسنت (د) (ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان فی خص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۳) اس حدیث میں حضرت حذیفہؓ نے جھونپڑے کا فیصلہ اس آدمی کے لئے کیا جس کے اونٹ کی قطار بندھی ہوئی تھی۔قریب میں اونٹ باندھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جھونپڑی اسی کی ہوگی۔اسی طرح مقدم تاریخ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ملکیت پہلے ہے۔اس لئے مدعی علیہ ہونے کے

حاشیہ: (الف) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعوی کیا۔پس ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا گواہ پیش کیا تو حضورؐ نے اس کو آدھے آدھے میں تقسیم کر دیا (ب) آپؐ نے فرمایا اگر دو آدمیوں سے چیز بیچی جائے تو بیع پہلے والے کے لئے ہوگی (ج) آپؐ سے منقول ہے کہ کوئی پہلے چلا جائے تو وہ اس کے لئے ہے۔اس سے مراد ہے بنجر زمین کو زندہ کرنا ہے (د) ایک قوم نے جھونپڑے کا جھگڑا حضورؐ کے پاس لایا تو حضرت حذیفہؓ کو ان کے درمیان فیصلے کے لئے بھیجا۔پس فیصلہ فرمایا اس کے لئے جس کے جھونپڑے کے متصل اونٹ کی قطار تھی۔پس جب حضورؐ کے پاس واپس آئے اور ان کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک کیا، اچھا کیا۔

ملک اقدم تاریخا کان اولی[۲۷۵۹] (۳۰)وان اقام الخارج وصاحب الید کل واحد منهما بینة بالنتاج فصاحب الید اولی[۲۷۶۰](۳۱) وکذلک النسج فی الثیاب التی لا تنسج الا مرة واحدة وکذلک کل سبب فی الملک لا یتکرّر.

باوجود اس کے گواہ کو ترجیح ہوگی۔

اصول کسی کے لئے علامت راجحہ ہو تو اس کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی۔

[۲۷۵۹](۳۰) اگر قائم کیا غیر قابض اور قابض میں سے ہر ایک نے بینہ پیدائش پر تو قبضہ والا زیادہ بہتر ہوگا۔

تشریح مثلا غلام پر ایک آدمی کا قبضہ تھا اور دوسرے آدمی کا قبضہ نہیں تھا۔ دونوں نے اس بات پر بینہ پیش کیا کہ میرے یہاں یہ غلام پیدا ہوا ہے تو جس کا قبضہ ہے اس کے گواہ کو ترجیح ہوگی۔

وجہ یہاں بھی قبضہ والا مدعی علیہ ہے اور جس کا قبضہ نہیں ہے وہ مدعی ہے اس لئے مدعی کے گواہ کو ماننا چاہئے۔ کیونکہ قبضہ والا مدعی علیہ ہے اس لئے اس کے گواہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس پر قسم ہے۔ لیکن یہاں ایک دوسری علامت ہے اس کے گھر غلام کا پیدا ہونا جس کی وجہ سے قبضے والے کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی واقام بینة فقضی بها رسول الله ﷺ للذی هی فی یدیه (الف) (سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما عاشر ص ۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴) اس حدیث میں اونٹنی کی پیدائش کا دعوی ہے اس لئے جس کا قبضہ تھا آپؐ نے اسی کے لئے اونٹنی کا فیصلہ فرمایا۔

لغت النتاج : پیدا ہونا۔

[۲۷۶۰](۳۱) اسی طرح کپڑوں میں بناوٹ ہے جو نہیں بنا جاتا مگر ایک مرتبہ۔ اور ایسے ہی ملک میں ہر وہ سبب جو مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح جس طرح کوئی جانور ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اب اس کا دعوی کرے تو ذی الید کے گواہ کا اعتبار ہے اسی طرح ایسے سبب کا دعوی کرے کہ وہ ایک ہی مرتبہ ہوسکتا ہے مثلا کپڑا ایک ہی مرتبہ بنا جاتا ہے۔ اب قبضہ والا دعوی کرے کہ یہ کپڑا میرا ہے کیونکہ اس کو میں نے بنا ہے اور اس پر بینہ قائم کرے تو قبضے والے کا گواہ قابل ترجیح ہوگا اور جس کے قبضے میں کپڑا نہیں ہے اس کا گواہ قابل ترجیح نہیں ہوگا۔

وجہ بنا ہونا اور پھر اس کے قبضے میں ہونا اس بات کی علامت راجحہ ہے کہ وہ کپڑے کا پہلا مالک ہے۔ حالانکہ یہ مدعی علیہ ہے، اس پر قسم ہے اس پر گواہ نہیں ہے۔ پھر بھی اسی کے گواہ کو ترجیح ہوگی (۳) حدیث مسئلہ نمبر ۳۰ میں گزر گئی۔

لغت النسج : کپڑا بننا۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر سے منقول ہے کہ دو آدمی حضورؐ کے پاس اونٹنی کے بارے میں جھگڑا لے گئے۔ پس ان میں سے ہر ایک نے کہا یہ اونٹنی میرے پاس پیدا ہوئی ہے اور بینہ قائم کیا تو حضورؐ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا جس کے قبضے میں تھی۔

[۲۷۶۱] (۳۲)وان اقام الخارج بينة على الملک المطلق وصاحب اليد بينة على الشراء منه کان صاحب اليد اولى [۲۷۶۲](۳۳) وان اقام کل واحد منهما البينة على

[۲۷۶۱](۳۲)اگر غیر قابض نے بینہ قائم کیا ملک مطلق پر اور قبضے والے نے بینہ قائم کیا اس سے خریدنے پر تو قبضہ والا اولی ہوگا۔

تشریح جس کے قبضے میں غلام نہیں تھا جس کو خارج کہتے ہیں اس نے بینہ قائم کیا کہ یہ میرا غلام ہے لیکن اس کی ملکیت ہونے کی وجہ کیا ہوئی خریدنا یا ہبہ یہ بیان نہیں کیا۔اس کو ملک مطلق کا دعوی کرنا کہتے ہیں۔اور جس کا قبضہ تھا یعنی صاحب الید اس نے ملک ہونے کی وجہ بھی بیان کی کہ میں نے غیر قابض سے اس کو خریدا ہے۔اسی کو ملک مقید کا دعوی کہتے ہیں۔تو چونکہ ملک مقید کا دعوی ہے اس لئے اس کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔ اور یوں ترتیب سمجھی جائے گی کہ پہلے ملک مطلق والے کی ملکیت تھی بعد میں قبضہ والے نے اس سے خریدا ہے۔اسی لئے اس کا قبضہ ہے۔اس ترتیب کے مطابق صاحب ید کے لئے اس چیز کا فیصلہ ہوگا۔

اصول پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ ملک مقید کے گواہ کو ترجیح ہوگی۔ **عن جابر ان رجلين اختصما الى النبى ﷺ فی ناقة فقال کل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندی واقام بينة فقضى بها رسول الله ﷺ للذی هی فی يديه** (الف)(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتنازعان شیئا فی ید احدھما الخ عاشر ص۴۳۳ نمبر ۲۱۲۲۴)اس حدیث میں نتجت ھذہ الناقۃ عندی ملک مقید کی دلیل ہے اور علامت راجحہ ہے جس کی وجہ سے ملک مقید کے گواہ کو ترجیح ہوئی۔

[۲۷۶۲](۳۳)اور اگر ہر ایک نے بینہ قائم کیا دوسرے سے خریدنے پر اور ان دونوں کے پاس تاریخ نہیں ہے تو ساقط ہوں گے دونوں بینہ۔

تشریح ایک کے قبضے میں غلام ہے اور دوسرے کے قبضے میں نہیں ہے۔اب ایک نے بینہ قائم کیا کہ میں نے ماجد سے اس غلام کو خریدا ہے اور دوسرے نے بینہ قائم کیا کہ خالد سے خریدا ہے۔اور کس نے پہلے خریدا ہے اور کس نے بعد میں خریدا ہے ان کی تاریخ کا پتا نہیں ہے تو دونوں کے بینہ ساقط ہوں گے اور غلام جس کے قبضے میں ہے اسی کے قبضے میں رہے گا۔

وجہ یہاں دونوں نے ملک مقید کا دعوی کیا ہے اور خریدنے کی تاریخ کسی کے پاس نہیں ہے اس لئے کسی کے پاس علامت راجحہ نہیں ہے اس لئے دونوں کے بینہ ساقط ہوں گے۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نے ملک مقید کا دعوی کیا ہے اس لئے دعوی ملک مقید بیکار ہوگی۔اب یہ ہوگا کہ غیر قابض مدعی ہے اور قابض مدعی علیہ ہے اس لئے مدعی کے گواہ کو مان کر اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔اور ترتیب متعین کریں گے کہ پہلے ذی الید نے اپنے بائع سے خریدا پھر ذی الید نے خارج کے بائع سے بیچا پھر خارج یعنی غیر قابض نے اپنے بائع سے اس چیز کو خریدا اس لئے اب یہ چیز غیر قابض کی ہوگی۔

لغت تہاترت : ساقط ہونا۔

حاشیہ : (الف) دو آدمی حضورؐ کے پاس اونٹنی کا جھگڑا لے کر آئے، ہر ایک نے کہا یہ اونٹنی میرے پاس پیدا ہوئی ہے اور بینہ قائم کیا تو حضورؐ نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کے قبضے میں تھی۔

الشراء من الآخر ولا تاریخ معهما تهاتر البینتان[۲۷۶۳](۳۴) وان اقام احد المدعیین شاهدین والآخر اربعة فهما سواء[۲۷۶۴](۳۵) ومن ادّعی قصاصا علی غیره فجحد استحلف فان نکل عن الیمین فیما دون النفس لزمه القصاص وان نکل فی النفس حبس

[۲۷۶۳](۳۴) اگر قائم کئے دو مدعیوں میں سے ایک نے دو گواہ اور دوسرے نے چار تو دونوں کے درجے برابر ہیں۔

تشریح: دو گواہ مکمل ہو گئے تو اس کے بعد جو گواہ زیادہ ہوں گے وہ صرف تائید کے لئے ہیں۔ اصل ہونے کے اعتبار سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے ایک نے دو گواہ پیش کئے اور دوسرے مدعی نے چار گواہ پیش کئے تو مزید دو گواہوں سے فیصلہ کرنے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا، دونوں گواہوں کے درجے برابر ہیں۔

وجہ: اثر میں ہے۔ **کتب عبد الرحمن بن اذینة الی شریح فی ناس من الازد ادعوا قبل ناس من بنی اسد قال واذا غدا هؤلاء بینة راح اولئک باکثر منهم قال فکتب الیه لیست من التهاتر والتکاثر فی شیء، الدابة لمن هی فی ایدیهم اذا اقاموا البینة** ۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ **عن علی انه لا یرجح بکثرة العدد** (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشهود بکثرة العدد ج عاشر ص ۴۳۴ نمبر ۲۱۲۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو گواہ کے بعد کثرت عدد اور قلت عدد کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۷۶۴](۳۵) کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعوی کیا۔ پس اس نے انکار کیا تو قسم کھلائی جائے گی۔ پس اگر قسم سے انکار کیا جان کے علاوہ میں تو اس کو قصاص لازم ہوگا۔ اور اگر انکار کیا جان کے بارے میں تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے۔ اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ دونوں صورتوں میں اس کو دیت لازم ہوگی۔

تشریح: ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر قصاص کا دعوی کیا۔ دعوی کرنے والے کے پاس بینہ نہیں ہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر قسم کھانے سے انکار کر جائے تو دیکھیں کہ جان کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے یا اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے۔ پس اگر جان کے علاوہ یعنی اعضاء کے قصاص کے بارے میں دعوی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعضاء کا درجہ مال کا درجہ ہے اس لئے جس طرح مال میں بذل کر سکتا ہے یعنی قسم کھانے سے انکار کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے لیکن چلو دے دیتا ہوں۔ اسی طرح اعضاء کے بارے میں بھی ہوگا کہ اعضاء میں قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو قصاص کے لئے اس عضو کو کاٹ لو یہ کر سکتا ہے۔ جیسے آپریشن کے وقت عضو کاٹنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ایسے ہی قصاص کے لئے کاٹنے کی اجازت دے سکتا ہے اور بذل کر سکتا ہے۔ اس لئے مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب بذل ہوگا کہ مجھ پر قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو میرا عضو کاٹ لو۔

اور اگر قصاص کا دعوی جان کے بارے میں ہے تو جان مال کے درجے میں نہیں ہے۔ اس میں بذل نہیں چلتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ پر قصاص

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بن اذینہ نے حضرت شریح کو ازد کے لوگوں کے بارے میں لکھا جنہوں نے بنی اسد کے لوگوں پر دعوی کیا تھا۔ فرمایا یہ لوگ جب بینہ پیش کر کے گئے تو وہ لوگ اس سے زیادہ بینہ لے کر آئے۔ فرمایا تو قاضی شریح نے ان کو لکھا کہ دعوی کا زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔ جانور اس کا ہے جس کے قبضے میں ہے اگر اس نے بینہ قائم کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کثرت عدد سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔

حتی یقرَّ او یحلف وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی یلزمه الارش فیهما

[۲۷۶۵](۳۶)واذا قال المدعی لی بینة حاضرة قیل لخصمه اعطه کفیلا بنفسک ثلثة

تونہیں ہے لیکن چلو میری جان ماردو۔اس لئے جان کے قصاص کے بارے میں قسم کھلائے اور قسم سے انکار کر جائے تو ابھی قصاص لازم نہیں ہوگا بلکہ مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا تا کہ یا قصاص کا اقرار کرے یا قسم کھا کر کہے کہ مجھ پر قصاص نہیں ہے۔تا کہ اگر اقرار کیا تو قصاص لازم ہوگا اور قسم کھا کر انکار کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قصاص چاہے عضو کا ہو چاہے پوری جان کا ہو ہے قصاص ہے۔اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔جب مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دبے زبان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر قصاص ہے۔اور دبے زبان اقرار کرنے میں شبہ ہے کہ قصاص کا اقرار کرتا ہوں۔اور شبہ سے نہ جان کا قصاص ثابت ہوگا اور نہ عضو کا قصاص ثابت ہوگا۔البتہ دبے زبان سے مدعی کی بات کا اقرار کیا ہے اس لئے جان یا عضو کے بدلے دیت لازم ہوگی۔اور دیت چونکہ مال ہے اس لئے اقرار میں شبہ ہے پھر بھی لازم ہو جائے گی۔کیونکہ مال شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

اصول امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عضو بعض مقام پر مال کے درجے میں ہے۔صاحبینؒ کے نزدیک عضو مال کے درجے میں نہیں ہے۔

لغت الارش : عضو کی دیت،عضو کے بدلے مال۔

[۲۷۶۵](۳۶)اگر مدعی نے کہا میرا بینہ حاضر ہے تو اس کے خصم سے کہا جائے گا کہ اس کو تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دیں۔پس اگر ایسا کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ حکم دیا جائے گا اس کی نگرانی کرنے کا مگر یہ کہ راستے کا مسافر ہے تو اس کی نگرانی مجلس قضا کی مقدار کرے۔

تشریح اصول تو یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کو قسم کھلائے اور وہ قسم کھا جائے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دے لیکن یہاں گواہ ہے۔لیکن شہر میں ہے اس لئے لانے میں دیر ہوگی۔اس لئے صرف دعوی سے مدعی علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ گواہ لاتے لاتے مدعی علیہ کہیں بھاگ نہ جائے۔اس لئے تین دن تک کے لئے کفیل بالنفس دے تا کہ مدعی علیہ کہیں چلے جائے تو کفیل اس کو تلاش کر کے مجلس قضا میں حاضر کرے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن تک اس لئے ہے کہ ایک دن گواہ لانے جائے،دوسرا دن واپس آئے اور تیسرا دن گواہ پیش کرے۔آج کل تو کئی کئی سال تک لوگ ضمانت پر چھوٹتے ہیں۔

اگر موجود لوگوں میں سے کوئی آدمی مدعی علیہ کے لئے کفیل بننے کے لئے تیار نہ ہوں تو مدعی سے کہا جائے گا کہ آپ یا آپ کا امین مدعی علیہ کی نگرانی کرتے رہیں اور جدھر وہ جائے آپ بھی پیچھے پیچھے جائیں۔اور اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو صرف مجلس قضا جو پانچ چھ گھنٹے جاری رہتی ہے وہاں تک کفیل بالنفس لے۔اور کفیل نہ ملے تو اتنی دیر تک مدعی نگرانی کرتا رہے۔کیونکہ اس سے زیادہ دیر تک مقدمہ اور گواہ کا انتظار کرے گا تو مسافر کو نقصان ہوگا۔اس لئے مجلس قضا تک ہی مدعی کو مہلت دی جائے گی۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہ مسافر ہو یا مقیم ہر حال میں مجلس قضا تک ہی مدعی کو گواہ لانے کی مہلت دی جائے گی۔

وجہ کفیل بالنفس کی دلیل کتاب الکفالۃ میں گزر چکی ہے وہ یہ ہے۔**سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ ... ثم قال**

ایام فان فعل والا امر بملازمته الا ان یکون غریبا علی الطریق فیلازمه مقدار مجلس القاضی.

العاریة موداة، والمنحة مردودة والدین مقضی والزعیم غارم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریہ ص۱۴۵ نمبر ۳۵۶۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریہ موداۃ ص۲۳۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم سے مراد یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے چاہے انسان کے حاضر کرنے کا کفیل ہو یا مال دینے کا کفیل ہو (۲) بخاری شریف میں کفیل بالنفس کے بارے میں اثر ہے۔عن محمد بن حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابیه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل علی جاریة امرأته فاخذ حمزة من الرجل کفلاء حتی قدم علی عمر و کان عمر قد جلده مائة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة وقال جریر والاشعث لعبد الله بن مسعود فی المرتدین استتبهم و کفلهم فتابوا و کفلهم عشائرهم. وقال حماد اذا تکفل بنفس فمات فلا شیء علیه (ب) (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرہا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۰) ان آثار میں کفیل بالنفس لینے کا تذکرہ ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ جان حاضر کرنے کا کفیل لیا جا سکتا ہے۔

اور تین دن تک کے اندر اندر کفیل دے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔سمعت حبیبا الذی کان یقدم الخصوم الی شریح، قال خاصم رجل ابنا لشریح الی شریح کفل له برجل علیه دین فحبسه شریح فلما کان اللیل قال اذهب الی عبد الله بفراش وطعام و کان ابنه یسمه عبد الله (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق ج سادس ص۱۲۸ نمبر ۱۱۴۱۸) اس اثر میں ہے کہ رات تک کفالت کے لئے بند رکھا۔جس سے معلوم ہوا کہ مجلس قضا کے بعد تک کفیل لے سکتا ہے جس کی مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن ہے (۲) اوپر بخاری شریف کے اثر میں بھی یہ جملہ تھا۔فاخذ حمزة من الرجل کفلاء حتی قدم علی عمر جن سے معلوم ہوا کہ اتنی دیر تک کفیل بالنفس لیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجلس قضاء تک کفیل نہیں بنائے گا بلکہ ضرورت کے موقع پر اس سے زیادہ بھی کفیل بنانے کا مطالبہ کرے گا۔

لغت غریبا : اجنبی۔ غریبا علی الطریق : اجنبی جو راستے کا مسافر ہو۔ یلازمہ : ملازمت سے مشتق ہے پیچھے لگے رہنا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ فرماتے ہیں کہ... پھر فرمایا عاریت پر لی ہوئی چیز کو واپس کر دے۔عطا کردہ چیز واپس کی جائے، قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے (ب) حضرت حمزہ کو حضرت عمرؓ نے صدقہ وصول کرنے والا بنا کر بھیجا۔پس ایک آدمی نے اس کی بیوی کی باندی سے جماع کر لیا تو حضرت حمزہ نے اس آدمی سے کفیل لیا۔یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔حضرت عمرؓ نے ان کو سو کوڑے مارا تھا تا ہم ان کی تصدیق کی اور جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا۔حضرت جریرؓ اور اشعث نے عبداللہ بن مسعود سے مرتدوں کے بارے میں کہا ان سے توبہ کروائے اور کفیل بالنفس لیجئے۔تو مرتدوں نے توبہ کیا اور ان کے خاندان والوں نے ان کی کفالت لی۔حضرت حماد نے فرمایا اگر کفالۃ بالنفس لیا ہو اور مکفول لہ مر جائے تو کفیل پر کچھ ذمہ داری نہیں ہے (ج) حضرت حبیب سے سنا جو مقدمے والے کو حضرت قاضی شریح کی قضاء میں پیش کرتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے شریح کے بیٹے کا جھگڑا شریح کے پاس پیش کیا۔جس آدمی پر قرض تھا اس کے لئے کفالت لی تھی تو حضرت شریح نے بیٹے کو قید کیا۔پس جب رات ہوئی تو کہا کہ عبداللہ کے پاس سونے اور کھانے جاؤ۔عبداللہ حضرت شریح کے بیٹے کا نام تھا۔

[۲۷۶۶] (۳۷) وان قال المدعی علیه هذا الشیء اودعنیه فلان الغائب او رهنه عندی او غصبته منه واقام بینة علی ذلک فلا خصومة بینه وبین المدعی[۲۷۶۷](۳۸) وان قال ابتعته من فلان الغائب فهو خصم[۲۷۶۸](۳۹) وان قال المدعی سرق منی واقام البینة وقال صاحب الید اودعنیه فلان واقام البینة لم تندفع الخصومة.

[۲۷۶۶] (۳۷) اگر مدعی علیہ نے کہا یہ چیز میرے پاس امانت رکھی ہے فلاں غائب نے یا اس نے اس کو رہن رکھی ہے میرے پاس یا میں نے اس کو اس سے غصب کیا ہے۔ اور ان پر بینہ قائم کیا تو اس کے درمیان اور مدعی کے درمیان جھگڑا نہیں رہے گا۔

تشریح ان تینوں مسئلوں میں مدعی علیہ یہ کہہ ہی نہیں رہا ہے کہ یہ چیز میری ہے بلکہ بینہ قائم کر کے کہہ رہا ہے کہ یہ چیز فلاں کی ہے میرے پاس تو امانت یا رہن کی ہے اس لئے فلاں کے پاس جاؤ۔ وہ جب کہے گا میں آپ کو دے دوں گا۔ اس لئے مدعی علیہ خصم اور جھگڑا کرنے والا نہیں رہے گا۔ البتہ ان تینوں باتوں پر بینہ قائم کرنا ہوگا اور اصل مالک کا پتا دینا ہوگا کہ یہ چیز مثلا زید نے میرے پاس امانت رکھی ہے، یا زید نے میرے پاس رہن رکھی ہے، یا زید سے اس کو میں نے غصب کیا ہے۔

وجہ تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی علیہ اپنی جان چھڑا رہا ہو اور خصم بننے سے چکما دے کر جان بچا رہا ہو۔ اس لئے ان باتوں پر بینہ بھی قائم کرنا ہوگا۔ اور اصل مالک کا بھی پتا دینا ہوگا (۲) حضرت حضرمی والی حدیث میں کندی نے کہا تھا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ بنا تھا۔ حدیث کی عبارت یہ ہے۔ **فقال الکندی هی ارضی فی یدی ازرعها لیس له فیها حق (الف)** (ابوداؤد شریف، باب الرجل یحلف علی علمہ فیما غاب عنہ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۳) اس حدیث میں کندی نے دعوی کیا کہ یہ زمین میری ہے تب وہ مدعی علیہ اور خصم بنے تھے۔ اور یوں کہتے کہ یہ چیز میری نہیں ہے دوسرے نے میرے پاس امانت رکھی ہے تو وہ خصم نہیں بنتے۔

[۲۷۶۷] (۳۸) اور اگر کہا کہ میں اس کو فلاں سے خریدا ہے تو وہ خصم ہوگا۔

وجہ جب کہا میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے تو یہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ میری ملکیت ہے۔ اور جب ملکیت کا دعوی کر رہا ہے تو وہ مدعی علیہ اور خصم بنے گا۔ اب مقدمے کی ساری کاروائیاں اسی کے خلاف چلیں گی۔ اوپر کی حدیث میں کندی نے ملکیت کا دعوی کیا تو وہ خصم ہوئے اور مقدمے کی ساری کاروائیاں اسی کے خلاف ہوئیں۔

[۲۷۶۸] (۳۹) اگر مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور بینہ قائم کیا۔ اور قبضے والے نے کہا میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے اور بینہ قائم کیا تو خصومت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح مدعی دعوی کر رہا ہے کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور چرانے پر بینہ قائم کیا۔ اور جس کے قبضے میں چیز ہے وہ دعوی کرتا ہے کہ میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے اور امانت رکھنے پر بینہ قائم کیا تو مدعی علیہ سے خصومت ختم نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) کندی نے کہا یہ میری زمین ہے میرے قبضے میں ہے۔ میں اس میں بوتا ہوں اس میں اس کا حق نہیں ہے۔

[۲۷۶۹](۴۰) وان قال المدعی ابتعته من فلان وقال صاحب الید اودعنیه فلان ذلک سقطت الخصومة بغیر بینة[۲۷۷۰] (۴۱) والیمین بالله تعالی دون غیره ویؤکّد بذکر اوصافه.

وجہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ بھی چوری میں شریک ہو اور امانت رکھنے والے نے شریک سمجھ کر اس کے پاس رکھی ہو اس لئے یہ بھی خصم رہے گا۔ کیونکہ مدعی یہ نہیں کہتا ہے کہ اس نے نہیں چرائی ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ کسی نے چرائی ہے تو دبی زبان میں یہ بھی کہتا ہے کہ یہ بھی چوری کرنے میں شریک ہے اس لئے یہ خصم رہے گا۔

[۲۷۶۹](۴۰) اگر مدعی نے کہا میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے اور قبضے والے نے کہا کہ اس کو میرے پاس فلاں نے امانت رکھی ہے تو خصومت ساقط ہو جائے گی بغیر بینہ کے۔

تشریح مدعی نے کہا کہ میں نے فلاں سے یہ چیز خریدی ہے اس لئے اب وہ چیز میری ہے۔ اور جس کے قبضے میں وہ چیز تھی وہ کہتا ہے کہ واقعی یہ چیز میری نہیں ہے بلکہ فلاں کی ہی ہے۔ البتہ اس نے میرے پاس امانت کے طور پر رکھی ہے اس لئے وہ کہے گا تو میں دے دوں گا تو بغیر کسی بینہ کے خصومت ختم ہو جائے گی۔

وجہ اس لئے کہ مدعی علیہ اپنی چیز ہونے کا دعوی نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ بھی یہی کہہ رہا ہے کہ وہ چیز فلاں کی ہے اور مدعی بھی کہہ رہا ہے کہ وہ چیز پہلے فلاں کی تھی اس لئے کوئی جھگڑا نہیں رہا۔ البتہ بعد میں خریدنے کا دعوی ہے وہ بعد میں حل ہوگا۔

[۲۷۷۰](۴۱) قسم اللہ کے ساتھ ہو نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ، اور تاکید کی جائے اس کے اوصاف ذکر کر کے۔

تشریح کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ صرف اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ ادرک عمر بن الخطاب وهو یسیر فی رکب یحلف بابیه فقال الا ان الله ینهاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف بالله او لیصمت** (الف) (بخاری شریف، باب لا تحلفوا بآبائکم ص ۹۸۳ نمبر ۶۶۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی قسم کھائے اور کی قسم نہ کھائے۔ اور صفات ذکر کر کے تاکید کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن البراء بن عازب ان رسول الله ﷺ دعا رجلا من علماء الیهود فقال انشدک بالذی انزل التوراة علی موسی** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب بما یستحلف اهل الکتاب ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۷ / ابوداؤد شریف، باب الذمی کیف یستحلف؟ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۴) اس حدیث میں **بالذی انزل التوراة علی موسی** کی صفات ذکر کر کے یہود کو قسم کی تاکید کی ہے۔

نوٹ یہ جائز ہے کہ مخاطب جس چیز کی اہمیت رکھتا ہو اللہ کی اسی صفت کو ذکر کر کے قسم کی تاکید کرے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عمر بن خطابؓ کو قافلے میں چلتے ہوئے پایا کہ وہ باپ کی قسم کھا رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ سن لو! اللہ تم کو روکتے ہیں باپ کی قسم کھانے سے۔ جو قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے (ب) حضورؐ نے علماء یہود میں سے ایک آدمی کو بلایا اور کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں اس ذات کی جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر اتارا۔

[۲۷۷۱](۴۲) ولا یستحلف بالطلاق ولا بالعتاق[۲۷۷۲](۴۳) ویستحلف الیھودی باالله الذی انزل التوراۃ علی موسی علیه السلام والنصرانی بالله الذی انزل الانجیل علی عیسی علیه السلام والمجوسی بالله الذی خلق النار[۲۷۷۳](۴۴) ولا یستحلفون فی بیوت عبادتھم[۲۷۷۴](۴۵) ولا یجب تغلیظ الیمین علی المسلم بزمان ولا بمکان

[۲۷۷۱](۴۲) قسم نہ لی جائے طلاق کی اور آزاد کرنے کی۔

تشریح یوں قسم نہ کھلائے کہ ایسا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد۔

وجہ اوپر حدیث آئی کہ اللہ کے علاوہ کی قسم نہ کھائے یا اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ اس لئے طلاق اور عتاق کی بھی قسم نہ کھلائے۔

[۲۷۷۲](۴۳) یہودی سے قسم لی جائے اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ اور عیسائی کو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل نازل کی۔ اور مجوسی کو اس اللہ کی قسم جس نے آگ پیدا کی۔

تشریح جو آدمی جس چیز کا اعتقاد رکھتا ہے اللہ کی اسی صفت کے ساتھ قسم دی جا سکتی ہے۔ جیسے یہودی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی اس لئے یہودی کو اس طرح قسم دے کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے (۲) دوسری حدیث یہ ہے۔ عن عکرمة ان النبی ﷺ قال له یعنی لابن صوریا اذکر کم بالله الذی نجاکم من آل فرعون واقطعکم البحر وظلل علیکم الغمام وانزل علیکم المن والسلوی وانزل علیکم التوراۃ علی موسی اتجدون فی کتابکم الرجم ؟ قال ذکرتنی بعظیم ولا یسعنی ان اکذب بک (الف) (ابوداؤد شریف، باب الذمی کیف یستحلف ؟ ص ۱۵۴ نمبر ۳۶۲۶) اس حدیث میں ہے کہ یہودی کو کس طرح قسم دے اور اس پر قیاس کر کے عیسائی اور مجوسی کو قسم دیں۔ کیونکہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل اترنے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔

[۲۷۷۳](۴۴) اور قسم نہ دی جائے ان کو ان کے عبادت خانوں میں۔

تشریح یہودی کو یہودی کے عبادت خانے میں جا کر اور عیسائی کو عیسائی کے عبادت خانے میں جا کر یا مجوسی کو مجوسی کے عبادت خانے میں جا کر قسم نہ دیں۔

وجہ قاضی کے لئے ان لوگوں کے عبادت خانے میں جانا ممنوع ہے اس لئے ان کے عبادت خانے میں جا کر کیسے قسم دیں گے۔

[۲۷۷۴](۴۵) اور ضروری نہیں ہے قسم کو پختہ کرنا مسلمان پر زمان اور مکان کے ساتھ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ابن صوریا کو کہا میں تم کو یاد دلاتا ہوں اس اللہ کی جس نے تم کو فرعون سے نجات دی اور سمندر کو پھاڑا اور تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلوی اتارا اور تمہارے لئے توارات حضرت موسی علیہ السلام پر اتارا۔ کیا تم اپنی کتاب میں رجم کا مسئلہ پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا آپؐ نے اتنی بڑی قسم دی کہ مجھ کو جھوٹ بولنے کی گنجائش نہیں رہی۔

[۲۷۷۵](۴۶) ومن ادّعی انه ابتاع من هذا عبده بالف فجحده استحلف بالله ما بینکما بیع قائم فیه ولایستحلف بالله بالله ما بعت[۲۷۷۶](۴۷) ویستحلف فی الغصب بالله مایستحق علیک رد هذه العین ولا رد قیمتها ولا یستحلف بالله ما غصبت.

تشریح کسی جگہ پر لے جا کر قسم دینا یا کسی خاص وقت مثلا عصر کے بعد قسم دینا تاکہ قسم میں تغلیظ ہو جائے یہ ضروری نہیں ہے۔البتہ ایسا کرے تو بہتر ہے۔

وجہ قسم تو اللہ کی دے دی تو اب مسجد یا عصر کے وقت کی قید ضروری نہیں رہی۔البتہ ایسا کرے تو بہتر ہے۔چنانچہ آپؐ کے منبر کے پاس قسم دینے سے تغلیظ کا تذکرہ حدیث میں ہے۔ سمع جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ من حلف بیمین آثمة عند منبری هذا فلیتبؤ مقعده من النار ولو علی سواک اخضر (الف) ابن ماجہ شریف، باب الیمین عند مقاطع الحقوق ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۲۵/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۳۲۴۶) اس حدیث میں عند منبری سے پتا چلا کہ مقام کے پاس قسم کھلا کر تغلیظ کی جائے۔اور زمانے کے ساتھ تغلیظ کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة رجل منع ابن السبیل فضل ماء عنده، ورجل حلف علی سلعة بعد العصر یعنی کاذبا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی منع الماء ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۷۴ کتاب البیوع/ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الایمان فی الشراء والبیع ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۰۷) اس حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد قسم کھائے جس سے معلوم ہوا کہ زمانے سے بھی قسم میں تغلیظ ہوتی ہے۔

[۲۷۷۵](۴۶) کسی نے دعوی کیا کہ خریدا ہے اس سے اس کے غلام کو ہزار کے بدلے میں، پس اس نے انکار کیا تو قسم کھلائیں گے کہ خدا کی قسم تم دونوں کے درمیان ابھی بیع قائم نہیں ہے۔اور یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ خدا کی قسم میں نے نہیں بیچا ہے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم کھلانے کا یہ احتیاطی پہلو ہے [illegible] ی چکما دے کر نکل نہ جائے اور توریہ کر کے قسم نہ کھالے۔اس لئے یوں قسم دے گا کہ خدا کی قسم ابھی تم دونوں کے درمیان بیع قائم نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بیچا ہو لیکن بیع توڑ دی ہو تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے ابھی تو نہیں بیچا میں نے تو بہت پہلے بیچا تھا اس لئے قسم کھا سکتا ہے کہ ابھی نہیں بیچا۔اور یوں قسم کھلائیں کہ ابھی بھی بیع قائم ہے تو توریہ نہیں کر سکتا اور توریہ کر کے قسم نہیں کھا سکتا۔اس لئے وہ معاملات جو بعد میں ٹوٹ سکتے ہوں حاصل کلام پر قسم کھلائیں گے۔معاملات کرنے پر قسم نہیں کھلائیں گے۔

[۲۷۷۶](۴۷) اور قسم لیں گے غصب میں خدا کی قسم مستحق نہیں ہے آپ پر اس چیز کے واپس لینے کا اور نہ اس کی قیمت کے واپس لینے کا۔اور یوں نہیں قسم لیں گے کہ خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کیا۔

تشریح اگر غصب کر کے مالک کی طرف واپس کر دیا ہو تو یہ توریہ کر سکتا ہے کہ ابھی میں نے غصب نہیں کیا ہے، پہلے کیا تھا۔اور اس توریہ کے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی گناہ والی قسم میرے اس منبر کے پاس کھائے تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے چاہے تر مسواک پر ہی قسم کیوں نہ کھائی ہو (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا۔کسی آدمی نے مسافر سے فاضل پانی روکا، کوئی آدمی عصر کے بعد سامان پر جھوٹی قسم کھائی۔

[۲۷۷۷] (۴۸)وفی النکاح باللہ ما بینکما نکاح قائم فی الحال وفی دعوی الطلاق باللہ ما ھی بائن منک الساعۃ بما ذکرت ولا یستحلف باللہ ماطلقھا[۲۷۷۸](۴۹) وان کانت دار فی ید رجل ادّعاھا اثنان احدھما جمیعھاوالآخر نصفھا اقاما البینۃ فلصاحب

ساتھ قسم کھا سکتا ہے اور چکما دے کر نکل سکتا ہے اس لئے یوں قسم کھلائیں گے کہ مجھ پر اس چیز کا لوٹانا ابھی لازم نہیں ہے اور نہ اس کی قیمت کا لوٹانا لازم ہے۔یعنی ابھی بھی غصب کا معاملہ قائم نہیں ہے۔اس صورت میں توریہ کر کے قسم نہیں کھا سکے گا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معاملات پر ہی قسم کھلائیں گے۔یعنی خدا کی قسم میں نے بیع نہیں کی، یا خدا کی قسم میں نے غصب نہیں کیا، یا خدا کی قسم میں نے نکاح نہیں کیا، یا خدا کی قسم میں نے طلاق نہیں دی۔

وجہ اصل تو معاملات کرنے پر ہی قسم کھلانا ہے اس لئے توریہ نہیں کر پائے گا۔

[۲۷۷۷](۴۸) اور نکاح میں قسم کھلائیں گے خدا کی قسم تم دونوں میں ابھی نکاح قائم نہیں ہے۔اور طلاق کے دعوی میں خدا کی قسم اس وقت تم سے وہ بائنہ نہیں ہے جس کا تم نے ذکر کیا۔یوں قسم نہیں کھلائیں گے خدا کی قسم اس کو طلاق نہیں دیا۔

تشریح نکاح کا دعوی کیا۔عورت کہتی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد اس کا انکار کرتا ہے۔عورت کے پاس گواہ نہیں ہے۔اب قسم کھلانا ہے تو یوں قسم کھلائیں گے کہ ابھی تمہارے درمیان نکاح قائم نہیں ہے۔یوں قسم نہیں کھلائیں گے کہ میں نے نکاح نہیں کیا تھا۔اسی طرح طلاق کا دعوی تھا۔عورت کہتی ہے کہ طلاق دی ہے مرد اس کا انکار کرتا ہے۔اب مرد کو قسم کھلانا ہے تو اس طرح قسم کھلائے کہ ابھی یہ عورت تم سے بائن نہیں ہے۔کیونکہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دی ہو پھر شادی کر لی ہو یا رجوع کر لیا ہو تو یہ توریہ کر سکتا ہے کہ ابھی طلاق نہیں دیا ہے اور اس پر قسم کھا سکتا ہے۔اس لئے یوں قسم کھلائے کہ مجھ سے بائنہ نہیں ہے۔یوں قسم نہ کھلائے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔

نوٹ اگر عتاق کا معاملہ ہو تو اس میں ایک مرتبہ آزاد ہونے کے بعد پھر واپس نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ آزاد ہی رہے گا۔اس لئے اس میں یوں قسم کھا سکتا ہے کہ میں نے آزاد نہیں کیا اس لئے آزادگی ٹوٹتی نہیں ہے۔اس لئے اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی معاملات پر ہی قسم کھلائیں گے۔

[۲۷۷۸](۴۹) اگر ایک گھر کسی آدمی کے قبضے میں ہو۔اس پر دعوی کرے دو آدمی۔ان میں سے ایک پورے گھر کا اور دوسرا اس کے آدھے کا، اور دونوں بینہ قائم کرے تو پورے دعوی کرنے والے کے لئے تین چوتھائی اور آدھے والے کے لئے اس کی ایک چوتھائی ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ایک گھر ایک آدمی کے قبضے میں ہے۔دوسرے دو آدمی اس پر دعوی کر رہے ہیں کہ میرا ہے۔ان میں سے ایک کہتا ہے کہ پورا گھر میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ آدھا گھر میرا ہے۔اور اپنے اپنے دعوی پر دونوں نے بینہ قائم کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورے گھر کا دعوی کرنے والے کو تین چوتھائی ملے گا یعنی سو فیصد میں سے پچھتر ملے گا۔اور جس نے آدھے گھر کا دعوی کیا ہے اس کو ایک چوتھائی یعنی سو فیصد میں سے

الجمیع ثلثة ارباعها ولصاحب النصف ربعها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۲۷۷۹] (۵۰) وقالا ھی بینهما اثلاثا [۲۷۸۰] (۵۱) ولو کانت الدار فی ایدیھما سلمت لصاحب

پچیس ملے گا۔

وجہ جس نے آدھے کا دعوی کیا تو باقی آدھا پورا دعوی کرنے والے کے لئے چھوڑ دیا اس لئے اس کو آدھا یوں بغیر جھگڑے کے مل گیا یعنی سو میں پچاس مل گیا۔ اور گھر کے جس آدھے میں جھگڑا تھا اس میں دونوں نے بینہ قائم کیا ہے اس لئے اس میں سے دونوں کو آدھا آدھا دے دو۔ تو آدھا دعوی کرنے والے کو اس میں سے چوتھائی ملے گی یعنی سو میں سے پچیس ملے گا اور باقی چوتھائی جو آدھے کی آدھی ہے وہ پورا دعوی کرنے والے کو ملے گی۔ تو اس کے لئے تین چوتھائی ہو جائے گی یعنی سو فیصد میں پچھتر ہو جائے گا۔ اور آدھا دعوی کرنے کے لئے ایک چوتھائی ملے گی۔

[۲۷۷۹] (۵۰) اور صاحبینؒ نے فرمایا یہ دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگا۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پورے گھر پر دعوی کرنے والے کو دو تہائی دی جائے گی اور آدھا دعوی کرنے والے کو گھر کی ایک تہائی دی جائے گی۔ اس کو متن میں اثلاث کہا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پورے گھر کا دعوی کیا تو گویا کہ دو گنے کا دعوی کیا اور جس نے آدھے گھر کا دعوی کیا تو گویا کہ اس کے مقابلے میں ایک گنے کا دعوی کیا۔ اس لئے پورے کے دعوی کرنے والے کو دو گنے ملیں گے جو دو تہائی ہوگی فیصد کے حساب سے 66.66 ہوگا۔ اور جو آدھے کا دعوی کر رہا ہے اس کو ایک گنا ملے گا جو ایک تہائی ہوگی۔ فیصد کے حساب سے 33.33 ہوگا۔

لغت اثلاث : دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہو تو اس کو اثلاث کہتے ہیں۔

[۲۷۸۰] (۵۱) اور اگر گھر دونوں کے ہاتھ میں ہو تو پورے پر دعوی کرنے والے کو سپرد کیا جائے گا اس کا آدھا فیصلے کے طور پر اور اس کا آدھا بغیر فیصلے کے۔

تشریح ایک گھر پر دونوں کا قبضہ ہے۔ اب اس مین سے ایک کہتا ہے کہ پورا گھر میرا ہے اور اس پر بینہ قائم کیا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس میں سے آدھا گھر میرا ہے اور اس پر بینہ قائم کیا تو یہ پورا گھر کل کے دعوی کرنے والے کو مل جائے گا۔ آدھا گھر تو اس لئے مل جائے گا کہ اس آدھے پر دوسرے آدمی کا دعوی نہیں ہے وہ تو آدھے کا دعویدار ہے۔ اس لئے بغیر جھگڑے کے یہ آدھا اس کو مل گیا۔ اور باقی آدھا گھر دوسرے آدھے دعویدار کے قبضے میں ہے اس لئے وہ ہوا مدعی علیہ۔ کیونکہ جس کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ مدعی علیہ ہوتا ہے۔ اور پورے گھر پر دعوی کرنے والا مدعی ہو گیا۔ اس لئے مدعی کے بینہ کا اعتبار ہوگا۔ مدعی علیہ کے بینہ کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اس پر قسم ہے۔ اس لئے مدعی کے بینہ کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ آدھا بھی کل پر دعوی کرنے والے کو دیا جائے۔ اس لئے کل پر دعوی کرنے والے کو پورا مل جائے گا۔

اصول یہاں یہ اصول اپنایا گیا ہے کہ آدھے گھر پر قبضہ کل دعویدار کا ہے اور آدھے گھر پر قبضہ آدھے گھر پر دعویدار کا ہے۔ دوسرا اصول یہ اپنایا گیا ہے کہ جس آدھے پر کل دعوٰیدار کا قبضہ ہے اس پر آدھے گھر پر دعویدار کا دعوی نہیں ہے کیونکہ وہ تو آدھا ہی گھر مانگ رہا ہے جو اس کے خود

الجميع نصفها على وجه القضاء ونصفها لا على وجه القضاء[۲۷۸۱](۵۲) واذا تنازعا فی دابة واقام كل واحد منهما بينة انها نتجت عنده وذكرا تاريخا وسن الدابة يوافق احد

کے قبضے میں ہے۔اس لئے یہ آدھا کل والے کو مل گیا۔اور جس آدھے پر آدھے دعویدار کا قبضہ ہے اس میں وہ مدعی علیہ ہے اور دوسرا فریق مدعی ہے اس لئے مدعی کے بینہ کو مان کر یہ آدھا بھی کل دعویدار کو دے دیا جائے گا بطور قضاء کے۔

[۲۷۸۱](۵۲) اگر دو آدمی جھگڑے ایک جانور کے بارے میں اور ہر ایک نے قائم کیا بینہ اس بات پر کہ اس کے یہاں پیدا ہوا ہے۔اور دونوں نے تاریخ ذکر کی اور جانور کی عمران مین سے ایک کی موافق ہو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔اور اگر یہ بھی مشکل ہو جائے تو جانور دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ میرے یہاں پیدا ہوا ہے۔اور دونوں نے تاریخ پیدائش بھی ذکر کی اور اس پر بینہ قائم کیا۔مثلا ایک نے کہا سات سال پہلے پیدا ہوا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ دس سال پہلے پیدا ہوا ہے۔اب جانور کی عمر دس سال ہے تو یہ دس سال والے کو دے دیا جائے گا۔

وجہ یہاں دونوں نے بینہ قائم کیا ہے۔دونوں نے تاریخ پیدائش ذکر کی ہے اس لئے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے البتہ جانور کی عمر جس کی تاریخ کی موافقت کرتی ہے اس کے لئے علامت راجحہ ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اس لئے اسی کے لئے فیصلہ ہوگا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اونٹ باندھنے کی علامت پر جھونپڑے کا فیصلہ فرمایا۔حدیث یہ ہے۔**عن نمران بن جارية عن ابيه ان قوما اختصموا الى النبی ﷺ فی خص كان بينهم فبعث حذيفة يقضی بينهم فقضی للذين يليهم القمط فلما رجع الى النبی ﷺ اخبره فقال اصبت واحسنت (الف)** (ابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان خص ص ۳۳۵ نمبر ۲۳۴۳) اس حدیث میں علامت راجحہ پر جھونپڑے کا فیصلہ فرمایا۔اسی طرح جانور کی عمر علامت راجحہ ہے وہ جس کی موافقت کرے گی جانور اسی کا ہوگا۔

اور اگر جانور کی عمر کسی کی تاریخ کی موافقت نہیں کرتی ہو مثلا جانور کی عمر آٹھ سال کی ہو نہ سات نہ دس سال کی تو یہ علامت راجحہ نہیں ہے۔اور دونوں نے بینہ پیش کیا ہے اور دونوں اپنے یہاں پیدا ہونے کے گواہ لائے ہیں اس لئے دونوں کے لئے آدھے آدھے جانور کا فیصلہ ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔**عن ابی موسى اشعری ان رجلين ادعيا بعيرا على عهد النبی ﷺ فبعث كل واحد منهما شاهدين فقسمه النبی ﷺ بينهما نصفين (ب)** (ابوداؤد شریف، باب الرجلین یدعیان شیئا ولیس بینھما بینۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۶۱۵) اس حدیث میں ہے کہ دونوں گواہ برابر تھے تو دونوں کو آدھا آدھا دیا گیا (۳) اثر میں ہے۔**عن عبد الرحمن بن ابی ليلى قال اختصم رجلان الى ابی الدرداء فی فرس فاقام كل واحد منهما البينة انه انتج عنده لم يبعه ولم يهبه وجاء الآخر بمثل ذلك فقال**

حاشیہ : (الف) ایک قوم حضورؐ کے پاس جھونپڑے کے بارے میں جھگڑا لیکر آئی۔آپؐ نے اس کے بارے میں حضرت حذیفہؓ کو فیصلے کے لئے بھیجا۔انہوں نے اس کے لئے فیصلہ کیا جس کی اونٹ کی قطار اس کے متصل تھی۔پس جب واپس آئے اور حضور کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک کیا، اچھا کیا (ب) حضورؐ کے زمانے میں دو آدمیوں نے اونٹ کا دعوی کیا اور ہر ایک نے دو دو گواہیاں پیش کیں تو آپؐ نے دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم فرمایا۔

التاریخین فھو اولی وان أُشکل ذلک کانت بینھما[٢٧٨٢](٥٣) واذا تنازعا علی دابة احدھما راکبھا والآخر متعلق بلجامھا فالراکب اولی[٢٧٨٣](٥٤)وکذلک اذا تنازعا بعیرا وعلیه حمل لاحدھما وصاحب الحمل اولی وکذلک اذا تنازعا قمیصا احدھما

ابو الدرداء ان احدکما کاذب فقسمه بینھما نصفین (الف)(سنن للبیہقی، باب المتداعیین یتداعیان مالم یکن فی ید واحد منھما ویقیم کل واحد منھما بینة بدعواہ ج عاشر ص ۴۳۹ نمبر ۲۱۲۴۲)اس اثر میں تو دونوں نے اپنے یہاں پیدا ہونے کا بھی دعوی کیا اور اس پر بینہ پیش کیا اور حضرت ابودرداءؓ نے دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ فرمایا۔

لغت نتجت : پیدا ہوا۔

[٢٧٨٢](٥٣)اگر دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ایک جانور کے بارے میں۔ان میں سے ایک اس پر سوار ہے اور دوسرا ان کی لگام پکڑے ہوئے ہے تو سوار اولی ہے۔

وجہ جو سوار ہے اس کا قبضہ صرف لگام پکڑنے والے سے زیادہ ہے۔اس لئے علامت راجحہ یہی ہے کہ جانور سوار والے کا ہے اس لئے اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

نوٹ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی علامت نہ ہو۔

اصول یہ کئی مسائل اس اصول پر ہیں کہ جن کے پاس علامت راجحہ ہو چیز اس کی قرار دی جائے گی۔اور علامت راجحہ کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث حذیفہ گزر گئی (ابن ماجہ شریف نمبر ۲۳۴۳)

[٢٧٨٣](٥٤)ایسے ہی اگر جھگڑا کرے دو آدمی اونٹ میں۔اور اس پر ایک آدمی کا بوجھ ہو تو بوجھ والا اولی ہے۔اور ایسے ہی جھگڑا کرے دو آدمی قمیص میں۔ان میں سے ایک اس کو پہنے ہوئے ہو اور دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہو تو پہننے والا اولی ہے۔

وجہ جس کا بوجھ اونٹ پر ہے ظاہر ہے کہ اس کا بوجھ ہونا اس بات کی علامت راجحہ ہے کہ اونٹ اسی کا ہے تب ہی تو اس نے اس پر بوجھ لادا ہے اور دوسرا نہ لاد سکا۔اس لئے اونٹ بوجھ والے کا ہوگا۔

اسی طرح جو آدمی قمیص پہنے ہوئے ہے علامت راجحہ یہی ہے کہ قمیص اسی کی ہے۔کیونکہ پہننا اس بات کی علامت ہے کہ قمیص اس کی ہے ورنہ وہ کیسے پہن لیتا۔اور دوسرے کی نہیں ہے اسی لئے وہ صرف آستین پکڑے ہوئے ہے۔

اصول علامت راجحہ جس کی ہو چیز اس کی ہوگی بشرطیکہ کوئی اور دلیل نہ ہو۔

لغت حمل : بوجھ۔ کم : آستین۔

حاشیہ : (الف) دو آدمی حضرت ابودرداءؓ کے پاس گھوڑے کے بارے میں جھگڑا لے کر آئے۔پھر ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کے پاس پیدا ہوا ہے۔نہ اس کو بیچا ہے نہ اس کو ہبہ کیا ہے۔اور دوسرا بھی اسی طرح گواہ لے کر آیا تو حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔اور دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔

لابسه والآخر متعلق بکمه فاللابس اولی[۲۷۸۴](۵۵) واذا اختلف المتبایعان فی البیع فادّعی المشتری ثمنا وادّعی البائع اکثر منه او اعترف البائع بقدر من المبیع وادّعی المشتری اکثر منه واقام احدهما البینة قضی له بها[۲۷۸۵] (۵۶)فان اقام کل واحد

[۲۷۸۴](۵۵)بائع اور مشتری نے اختلاف کیا بیع میں۔پس مشتری نے دعوی کیا ایک ثمن کا اور بائع نے دعوی کیا اس سے زیادہ کا۔یا اعتراف کیا بائع نے مبیع کی ایک مقدار کا اور مشتری دعوی کرے اس سے زاید کا۔اور دونوں میں سے ایک نے بینہ قائم کیا تو اسی کے لئے اس کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح یہ دونوں مسئلے اس اصول پر ہیں کہ یہاں بائع اور مشتری دونوں مدعی بھی بن سکتے ہیں اور مدعی علیہ بھی بن سکتے ہیں۔چونکہ دونوں مدعی ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور دوسرے کو مدعی علیہ قرار دیا جائے گا۔مثلا مشتری دعوی کرتا ہے کہ دس درہم میں یہ بکری خریدی ہے اس لئے یہ بکری دے دو تو مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہو گیا۔اس صورت میں مشتری کا بینہ قبول کرنا چاہئے اور بائع پر قسم ہوگی۔لیکن بائع اس سے زیادہ کا دعوی کرتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی کرتا ہے کہ مجھے بارہ درہم دیں اور بکری لے جائیں۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہو گیا۔اس لئے بائع کا بینہ قبول کرنا چاہئے۔اس لئے جو بھی بینہ پیش کرے گا اس کو مدعی مان کر اس کی گواہی قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

دوسرے مسئلے میں بائع دعوی کرتا ہے ایک متعین مقدار بیع کا مثلا بائع کہتا ہے کہ دس درہم میں دس کیلو گیہوں بیچا ہوں۔اس لئے دس درہم دو اور دس کیلو گیہوں لے جاؤ۔اس اعتبار سے بائع مدعی ہوا اور مشتری مدعی علیہ ہوا اس لئے بائع کے بینہ کا اعتبار ہونا چاہئے۔اور مشتری اس سے زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا کہتا ہے کہ دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کی بات ہوئی تھی۔اس اعتبار سے مشتری مدعی ہوا اور بائع مدعی علیہ ہوا۔اس لئے مشتری کے بینہ کو قبول کرنا چاہئے۔

وجہ ان دونوں مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں اس لئے جو بھی بینہ قائم کرے گا اس کے بینہ کو قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔حدیث گزر چکی ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ قال فی خطبتہ البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۱)اس حدیث میں ہے کہ مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔

[۲۷۸۵](۵۶)پس اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا تو زیادتی ثابت کرنے والے کا بینہ زیادہ اولی ہوگا۔

تشریح چونکہ ان مسئلوں میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں اس لئے دونوں بینہ قائم کر سکتے ہیں۔اب دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو کس کے بینہ کو ترجیح دیں گے۔تو فرماتے ہیں کہ جس کا بینہ زیادتی کو ثابت کرتا ہو وہ اصل میں زیادتی کا مدعی ہے اور دوسرا اس کا انکار کرتا ہے اس

حاشیہ : (الف) آپ نے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

منهما البينة كانت البينة المثبتة للزيادة اولى[۲۷۸۶] (۵۷)فان لم يكن لكل واحد منهما بينة قيل للمشترى اما ان ترضى بالثمن الذى ادّعاه البائع والا فسخنا البيع وقيل للبائع اما ان تسلّم ما ادّعاه المشترى من المبيع والا فسخنا البيع[۲۷۸۷](۵۸) فان لم يتراضيا استحلف الحاكم كل واحد منهما على دعوى الآخر ويبتدئ بيمين المشترى فاذا حلفا

لئے وہ منکر اور مدعی علیہ ہے۔اس لئے زیادتی کو ثابت کرنے والے کے بینہ کو قبول کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا پہلے مسئلے میں بائع زیادہ ثمن کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔اور دوسرے مسئلے میں مشتری زیادہ مبیع کا دعوی کرتا ہے اس لئے اس کے گواہ مقبول ہوں گے۔

[۲۷۸۶](۵۷) پس اگر دونوں میں سے کسی کے لئے بینہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا راضی ہو جائے اس قیمت پر جس کا بائع دعوی کرتا ہے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔اور بائع سے کہا جائے گا یا مان لے اس بات کو جس کا مشتری دعوی کرتا ہے مبیع میں سے ورنہ تو ہم بیع فسخ کر دیں گے۔

تشریح اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بینہ نہیں ہے تو حاکم پہلے مسئلے میں مشتری سے کہے گا کہ یا تو بائع جتنا کہتا ہے مثلا بارہ درہم کا دعوی ہے تو بارہ درہم کو مان لو اور بکری لے لو ورنہ بیع فسخ کر دیں گے۔

وجہ یہ اس لئے کہے گا تا کہ ہوسکتا ہے کہ فسخ کے ڈر سے مشتری مان لے اور بیع باقی رکھے۔اسی طرح دوسرے مسئلے میں بائع سے کہے گا کہ یا تو مشتری جتنے مبیع کا دعوی کرتا ہے مثلا دس درہم میں بارہ کیلو گیہوں کا تو اس کو مان لو اور بیع باقی رکھو ورنہ تو بیع فسخ کر دوں گا۔

وجہ یہ اس لئے کہ ممکن ہے کہ بیع ٹوٹنے کے خوف سے بائع مشتری کی بات مان لے۔

لغت تسلم : بات مان لے،تسلیم کر لے۔

[۲۷۸۷](۵۸) پس اگر دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لے دوسرے کے دعوی پر اور شروع کرے مشتری کی قسم سے،پس اگر دونوں قسم کھالیں تو قاضی ان کی بیع کو فسخ کر دے۔

وجہ چونکہ دونوں مدعی علیہ بھی ہیں اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں کو دوسرے کے دعوی پر قسم کھلائیں گے۔اور چونکہ دونوں کو قسم کھلایا اور کوئی ترجیح کی چیز نہیں ہے اور نہ یہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے درمیان آدھے آدھے کا فیصلہ کر دیں۔اس لئے آخری صورت یہ ہے کہ بیع کو فسخ کر دیا جائے (۲) حدیث میں ہے کہ دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں۔**عن ابی هريرة ان رجلين اختصما فی متاع الی النبی ﷺ ليس لواحد منهما بينة فقال النبی ﷺ استهما على اليمين ما كان احبا ذلك او كرها** (الف)(ابو

حاشیہ : (الف) ایک سامان کے بارے میں دو آدمی حضورؐ کے سامنے جھگڑا لے گئے۔ان میں سے کسی کے لئے گواہ نہیں تھا تو حضورؐ نے فرمایا تم دونوں قسم پر قرعہ ڈالو (اور دونوں قسمیں کھاؤ) چاہے اس کو پسند کرو چاہے پسند نہ کرو۔

فسخ القاضی البیع بینهما[۲۷۸۸](۵۹) فان نکل احدهما عن الیمین لزمه دعوی الآخر[۲۷۸۹](۶۰) وان اختلفا فی الاجل او فی شرط الخیار او فی اہ تیفاء بعض الثمن

داؤد شریف، بالرجلین یدعیان شیئا ولیس بینهما بینۃ ص ۱۵۳، نمبر ۳۶۱۶ رابن ماجہ شریف، باب الرجلان یدعیان السلعۃ ولیس بینهما بینۃ ص ۳۳۳، نمبر ۲۳۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ ہوں اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو دونوں قسم کھائیں گے۔

مشتری سے قسم اس لئے شروع کریں گے کہ مشتری پر پہلے قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ اور وہ ادا نہیں کر رہا ہے اس لئے وہ پہلے منکر ہے۔ اور منکر پر قسم ہے اس لئے مشتری کو پہلے قسم دیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ کون پہلے قسم کھائے اس کے لئے قرعہ ڈالے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ پہلے قسم کھائے۔

وجہ اوپر والی حدیث استھما علی الیمین سے بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ قسم کے بارے میں قرعہ ڈالے اسلئے پہلے قسم کھانے کے لئے قرعہ ڈالا جائے گا۔

[۲۷۸۸] (۵۹) پس اگر دونوں میں سے ایک قسم سے انکار کرے تو اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہوگا۔

تشریح بائع اور مشتری کو قسم کھانے کے لئے کہا۔ پس دونوں میں سے ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے انکار کے دو مطالب ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں دبے زبان سے اقرار کرتا ہوں کہ خصم کا دعوی صحیح ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ خصم کا دعوی صحیح تو نہیں ہے لیکن چلو اپنی چیز دے دیتا ہوں یہ اللہ کے عظیم نام کے ساتھ قسم کھانے سے بہتر ہے۔ تاہم دونوں صورتوں میں قاضی مدمقابل کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال اذا ادعت المرأة طلاق زوجها فجائت علی ذلک بشاهد عدل استحلف زوجها فان حلف بطلت شهادة الشاهد وان نکل فنکوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه (الف)** (ابن ماجہ شریف، باب الرجل یجحد الطلاق ص ۲۹۲ نمبر ۲۰۳۸ ردار قطنی، کتاب الوکالۃ ج رابع ص ۹۶ نمبر ۴۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے درجے میں ہے۔ اور اس سے مدعی کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

[۲۷۸۹] (۶۰) اور اگر دونوں نے اختلاف کیا مدت میں یا خیار شرط میں یا بعض قیمت وصول کرنے میں تو دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی، بات اس کی مانی جائے گی جو خیار شرط اور مدت کا انکار کرتا ہو قسم کے ساتھ۔

تشریح بائع اور مشتری نے مدت کے بارے میں اختلاف کیا۔ مثلا بائع کہتا ہے کہ ایک ہفتے میں قیمت دینا طے پائی ہے اور مشتری کہتا ہے کہ دو ہفتے میں دینے کا وعدہ ہے۔ یہاں قیمت کی کمی زیادتی میں اختلاف نہیں ہے اس پر دونوں متفق ہیں البتہ قیمت کب ادا کریں گے اس میں

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے منقول ہے کہ اگر عورت شوہر کی طلاق کا دعوی کرے پھر لائے اس پر ایک عادل گواہ تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر قسم کھالی تو گواہ کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ اور اگر انکار کر دے تو اس کا انکار دوسرے گواہ کے درجے میں ہے اور طلاق جائز ہو جائے گی۔

فلا تحالف بينهما والقول قول من ينكر الخيار والاجل مع يمينه ٢٧٩٠][(٦١) وان هلك المبيع ثم اختلفا فی الثمن لم يتحالفا عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالی والقول قول المشتری فی الثمن وقال محمد رحمه الله تعالی يتحالفان ويُفسخ

اختلاف ہے۔تو یہ اختلاف اصل عقد میں نہیں ہوا بلکہ دور کی صفت میں اختلاف ہوا کیونکہ نقد قیمت دے تو مدت متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے اس میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ نہیں ہوں گے بلکہ جس نے مدت لی ہے صرف وہ مدعی ہے اور مدمقابل مدعی علیہ ہے اور وہی منکر ہے۔اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ صرف منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔اسی طرح خیار شرط اصل عقد میں سے نہیں ہے کیونکہ بغیر خیار شرط کے ہی بیع منعقد ہوتی ہے۔اور یہی حال ہے بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف کا کہ اصل عقد میں اختلاف نہیں ہے۔کیونکہ پوری قیمت دینا ہی اصل ہے۔اس لئے خیار شرط جس نے لی ہے وہ مدعی ہے اور دوسرا مدعی علیہ اور منکر ہے۔اس لئے دونوں پر قسم نہیں ہوگی بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

آدھے ثمن پر قبضہ کرنے کا جو دعوی کرتا ہے وہ مدعی ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہے۔اس لئے مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

اصول یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ نہ بن سکتے ہوں بلکہ ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ ہو تو دونوں پر قسم نہیں ہوگی۔بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔حدیث گزر چکی ہے۔کتب الی ابن عباس ان رسول الله قضی باليمين علی المدعی عليه (الف) (ابوداؤد شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۵۱۳ نمبر ۳۶۱۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۹ نمبر ۱۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

لغت الاجل : مدت۔ استیفاء : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔ تحالف : باب مفاعلہ سے ہے دونوں طرف سے قسم لینا۔

[۲۷۹۰] (۶۱) اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر دونوں نے ثمن میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسم نہیں کھلائیں گے۔اور مشتری کی بات مان لی جائے گی ثمن میں۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور بیع فسخ ہوگی ہلاک شدہ کی قیمت پر۔

تشریح مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور اس کے پاس ہلاک ہوگئی اس کے بعد ثمن کے بارے میں اختلاف ہوا مثلا بائع کہتا ہے کہ بارہ درہم بکری کی قیمت تھی اور مشتری کہتا ہے کہ دس درہم تھی تو شیخین کے نزدیک گواہ نہ ہونے پر بائع اور مشتری دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے۔بلکہ صرف مشتری کو قسم کھلا کر جتنی قیمت وہ کہتا ہے اس کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ مشتری نے جب مبیع پر قبضہ کرلیا تو اب وہ مبیع کے بارے میں مدعی نہیں رہا اب تو صرف بائع ثمن کے بارے میں مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔اور صرف ایک جانب سے مدعی ہو تو دونوں کو قسمیں نہیں کھلاتے ہیں۔بلکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں صرف مدعی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا۔

البیع علی قیمة الھالک[۲۷۹۱](۶۲) وان ھلک احد العبدین ثم اختلفا فی الثمن لم یتحالفا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالی الا ان یرضی البائع ان یترک حصة الھالک[۲۷۹۲](۶۳) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی یتحالفان ویفسخ البیع فی

علیہ منکر کو قسم دیتے ہیں۔اس لئے یہاں بھی صرف مشتری کو قسم دیں گے اور وہ قسم کھالے تو اسی کی بات پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع پر قبضہ ہونے کے بعد صرف بائع مدعی ہوا اور صرف مشتری منکر ہوا۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہلاک شدہ مبیع کی قیمت کو اب اصل مان لیں اور موجود مان لیں اس صورت میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔اور چونکہ اختلاف مقدار ثمن میں ہے اس لئے اصل عقد میں اختلاف ہوا۔اس لئے دونوں سے قسم لی جائے اور بیع فسخ کردی جائے اور مشتری سے کہا جائے کہ وہ مبیع کی بازاری قیمت بائع کو واپس کرے تو گویا کہ بیع فسخ کر کے اصل مبیع واپس کیا۔

اصول یہ مسلک اس اصول پر ہے کہ مبیع کی بازاری قیمت کو موجود مبیع مان لیں اور بیع فسخ کرتے وقت اسی قیمت کو بائع کی طرف واپس کرے۔

[۲۷۹۱](۶۲) اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوا پھر دونوں نے اختلاف کیا قیمت میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے مگر یہ کہ بائع راضی ہو جائے ہلاک شدہ کے حصے چھوڑنے پر۔

تشریح بائع نے دو غلام بیچا تھا، مشتری نے ان پر قبضہ کیا پھر ایک غلام ہلاک ہو گیا۔اس کے بعد ان کی قیمت میں اختلاف ہوا۔بائع کہتا ہے کہ دونوں غلام دو ہزار میں بیچا تھا اور مشتری کہتا ہے کہ ایک ہزار میں بیچا تھا تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے بلکہ صرف مشتری کو قسمیں کھلائیں گے۔کیونکہ وہی زیادتی ثمن کا منکر ہے۔ہاں جو غلام ہلاک ہو چکا ہے بائع اس کے حصے کی قیمت کو چھوڑ دے اور ایسا محسوس ہو کہ جو زندہ غلام ہے وہی صرف مبیع ہے۔ہلاک شدہ غلام گویا کہ مبیع نہیں ہے تب اس موجود غلام پر دونوں کو قسمیں کھلائیں گے۔

وجہ دونوں کو قسم کھلا کر بیع فسخ کرنا مقصود ہے اور بیع موجود غلام میں فسخ ہوگی ہلاک شدہ میں فسخ کریں تو اس کو واپس دینا ہوگا، ہلاک شدہ غلام کو واپس کیسے دیں؟ یہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ہلاک شدہ کو بائع بالکل بھول جائے اور صرف موجودہ غلام کو مبیع مانے تو اس صورت میں دونوں کو قسم کھلا کر بیع فسخ کریں اور موجود غلام کو بائع کی طرف واپس کریں

[۲۷۹۲](۶۳) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں اور بیع فسخ ہوگی زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو زندہ ہے وہ بیع تو موجود ہے اس لئے اس میں بائع اور مشتری دونوں کو مدعی اور دونوں کو مدعی علیہ مان سکتے ہیں۔اس میں دونوں کو قسمیں کھلا کر بیع فسخ کریں گے۔اور جو موجود غلام ہے اس کو واپس کرو اور جو ہلاک ہو چکا ہے اس کی قیمت واپس کرو۔

اصول امام ابو یوسفؒ کے نزدیک موجودہ غلام میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔اس لئے دونوں سے قسمیں بھی لی جا سکتی ہے اور اس کے تابع کر کے ہلاک شدہ کی قیمت میں بھی قسمیں لی جائے گی۔

الحیّ وقیمة الهالک [۲۷۹۳](۶۴) وهو قول محمد رحمه الله تعالی[۲۷۹۴](۶۵) واذا اختلف الزوجان فی المهر فادّعی الزوج انه تزوجها بالف وقالت تزوَّجْتَنی بالفین فایهما اقام البینة قُبلت بینته[۲۷۹۵](۶۶) وان اقاما البینة فالبینة بینة المرأة [۲۷۹۶](۶۷) وان لم تکن لهما بینة تحالفا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولم یُفسخ النکاح ولکن یُحکّم بمهر المثل فان کان مثل مااعترف به الزوج او اقل قضی بما قال

[۲۷۹۳](۶۴)اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک جب پوری مبیع ہلاک ہو جائے تب بھی دونوں سے قسم لیتے ہیں۔پس جب آدھی مبیع ہلاک ہو جائے یعنی دو میں سے ایک غلام ہلاک ہو تو بدرجۂ اولی دونوں سے قسم لی جائے گی۔

[۲۷۹۴](۶۵)اگر میاں بیوی نے اختلاف کیا مہر کے بارے میں۔پس شوہر نے دعوی کیا کہ اس سے شادی کی ہے ایک ہزار پر اور بیوی نے کہا مجھ سے شادی کی دو ہزار پر تو جس نے بھی بینہ قائم کیا اس کا بینہ مقبول ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ بھی اس اصول پر ہے کہ بیوی اور شوہر دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔کیونکہ مبیع اور ثمن کی طرح یہاں بھی بضعہ مبیع ہے اور مہر ثمن ہے۔اور اصل عقد میں اختلاف ہو رہا ہے۔جب عورت دعوی کرتی ہے کہ دو ہزار کے بدلے شادی ہوئی ہے تو عورت مدعیہ ہے اور شوہر مدعی علیہ منکر ہے۔اور شوہر ایک ہزار کے بدلے میں بضعہ لینے کا دعوی کر رہا ہے تو اس صورت میں شوہر مدعی ہے اور عورت منکر ہے۔اس لئے شوہر کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں بیوی پر قسم ہونی چاہئے اس لئے یہاں بھی بیع اور شراء کی طرح دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔اس لئے کوئی ایک بھی گواہ پیش کر دے تو اس کے گواہ کو مان کر اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔مثلا عورت دو ہزار پر بینہ قائم کر دے تو دو ہزار مہر کا فیصلہ ہوگا۔اور شوہر ایک ہزار مہر پر گواہ پیش کر دے تو ایک ہزار پر فیصلہ ہوگا۔

[۲۷۹۵](۶۶)اور اگر دونوں نے بینہ قائم کیا تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا۔

وجہ عورت زیادہ مہر کا دعوی کرتی ہے اس لئے وہ حقیقت میں مدعیہ اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔اس لئے وہ منکر ہے۔جب دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو جو اصل ہے اس کے بینہ کا اعتبار ہوگا۔

ہدایہ میں ہے کہ عورت کے بینہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جب مہر مثل اس سے کم ہو جس کا عورت دعوی کرتی ہے۔تب اس کے بینہ کا اعتبار ہے کیونکہ وہ بینہ کے ذریعہ غیر ظاہر چیز کو ثابت کر رہی ہے۔

[۲۷۹۶](۶۷)اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں کھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں ہوگا۔لیکن فیصلہ کیا جائے گا مہر مثل کے ذریعہ سے۔پس اگر مہر مثل اتنا ہو جتنے کا اقرار کرتا ہے شوہر یا اس سے کم ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنا شوہر کہے۔اور اگر اتنا ہو جتنے کا دعوی کیا ہے عورت نے یا اس سے زیادہ ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنا عورت دعوی کرتی ہے۔اور اگر مہر مثل اس سے زیادہ

الزوج وان كان مثل ما ادّعته المرأة او اكثر قضى بما ادّعته المرأة وان كان مهر المثل اكثر مما اعترف به الزوج واقل مما ادّعته المرأة قضى لها بمهر المثل[۲۷۹۷](۶۸) واذا اختلفا في الاجارة قبل استيفاء المعقود عليه تحالفا وترادا.

ہو جتنا شوہر اقرار کرتا ہے یا کم ہو اس سے جتنا عورت دعوی کرتی ہے تو فیصلہ کیا جائے گا عورت کے لئے مہر مثل کا۔

تشریح اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو چونکہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں اور گواہ نہیں ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں کھائیں گے۔ کیونکہ دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔ پس اگر کوئی قسم کھانے سے انکار کر جائے تو دوسرے کے دعوی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرنا دوسرے کی بات کا دبے زبان اقرار کرنا ہے۔ یا بذل کرنا ہے اور مال میں بذل جائز ہے۔ اور اگر دونوں قسمیں کھالیں تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مہر نہ بھی ہو تو نکاح جائز ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف بیع کا معاملہ اور ہے وہاں ثمن ختم ہو جائے تو بیع ہی فسخ ہو جاتی ہے۔ نکاح میں نکاح ختم نہیں ہوگا البتہ مہر متعین ختم ہو جائے گا۔

دونوں کے قسم کھانے سے مہر متعین ساقط ہو گیا اب مہر مثل علامت راجحہ ہوگا۔ وہ جس کی موافقت کرے گا اسی پر فیصلہ ہوگا۔ اور اگر کسی کی موافقت نہیں کرتا تو خود مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

مثلا جتنا شوہر کہتا ہے مہر مثل اتنا ہے یا اس سے کم ہے مثلا شوہر کہتا ہے کہ ایک ہزار مہر پر شادی ہوئی ہے اور مہر مثل ایک ہزار یا ایک ہزار سے کم ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ مہر مثل علامت راجحہ شوہر کی موافقت کر رہا ہے (۲) حدیث حذیفہؓ میں جس کا اونٹ قریب میں باندھا ہوا تھا جھونپڑے کا فیصلہ اسی کے لئے کیا (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۳) (۳) ایک ہزار تو خود شوہر کہہ رہا ہے تو اس کا فیصلہ کیوں نہ کریں۔

اور اگر مہر مثل عورت کے دعوی کی موافقت کرتا ہے مثلا عورت دو ہزار کا دعوی کرتی ہے اور مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کے کہنے کے مطابق دو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ علامت راجحہ عورت کی موافقت کر رہی ہے۔

اور اگر علامت راجحہ یعنی مہر مثل نہ شوہر کی موافقت کرتا ہو اور نہ بیوی کی مثلا مہر مثل ایک ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہے تو مہر مثل کا ہی فیصلہ ہوگا۔

وجہ مہر متعین نہ ہو تو اصل مہر مہر مثل ہے۔ اس لئے دونوں کی قسم کھانے کی وجہ سے مہر متعین نہیں رہا تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مہر متعین نہ ہو تو اصل مہر مہر مثل ہے اس لئے یا مہر مثل کا فیصلہ ہوگا یا مہر مثل جس کی موافقت کرے اس کا فیصلہ ہوگا۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ گواہ وغیرہ نہ ہو تو علامت راجحہ سے فیصلہ کریں گے (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۳۴۳)

[۲۷۹۷] (۶۸) اگر دونوں اختلاف کریں اجارہ میں مفقود علیہ کے وصول کرنے سے پہلے تو دونوں قسمیں کھائیں اور اجارہ ختم کر دیں۔

[۲۷۹۸](۶۹) وان اختلفا بعد الاستیفاء لم یتحالفا وکان القول قول المستاجر

[۲۷۹۹](۷۰) وان اختلفا بعد استیفاء بعض المعقود علیه تحالفا وفُسخ العقد فیما بقی وکان القول فی الماضی قول المستاجر مع یمینه.

تشریح بیع کی طرح اجرت میں بھی اجیر اور مستاجر یعنی مزدور اور اجرت پر رکھنے والا دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔

وجہ اس لئے کہ اجرت میں ایک طرف سے منافع ہے جو مبیع کے درجے میں ہے اور دوسری طرف سے اجرت ہے جو ثمن کے درجے میں ہے۔ اور اجیر مدعی ہو اور مستاجر مدعی علیہ اس کی شکل یہ ہوگی۔ مثلا اجیر یعنی مزدور کہتا ہے کہ مثلا ایک ماہ کام کیا ہوں دس درہم میں تو وہ مدعی ہوا اور مستاجر انکار کرتا ہے تو وہ منکر اور مدعی علیہ ہوا۔ اب مستاجر دعوی کرتا ہے کہ ایک ماہ کام کرنا طے ہوا ہے پانچ درہم میں تو مستاجر مدعی ہوا اور مزدور منکر اور مدعی علیہ ہوا اس طرح دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہوئے۔

اب منافع یعنی معقود علیہ حاصل نہیں ہوا ہے اور مزدور نے ابھی کام نہیں کیا ہے اس سے پہلے دونوں میں اختلاف ہو گیا اور دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور اجارہ ختم کر دیا جائے گا۔ جس طرح دونوں کے قسم کھانے کے بعد بیع ختم کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو دوسرے کی بات لازم ہو جائے گی۔

لغت استیفاء : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔ المعقود علیہ : جس پر عقد ہوا ہو، یہاں نفع مراد ہے جس پر معاملہ طے ہوتا ہے۔ اجیر : مزدور جس کو اجرت پر رکھا۔ مستاجر : جس نے اجرت پر لیا اور رقم دی۔

[۲۷۹۸](۶۹) اور اگر اختلاف ہوا منافع وصول کرنے کے بعد تو دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے اور مستاجر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ دونوں قسم اس لئے نہیں کھائیں گے کہ نفع وصول کر لیا اور وہ چونکہ عرض ہے اس لئے ہلاک بھی ہو گیا ہے۔ تو جس طرح مبیع وصول کرے اور ہلاک ہو جائے تو مبیع کو واپس کرنا ناممکن ہے۔ اور دونوں کو قسم کھلا کر بیع توڑنا مشکل ہے وہ تو ہو گئی۔ اسی طرح نفع وصول کرنے کے بعد اور اس کے معدوم ہونے کے بعد اس کو توڑنا ناممکن ہے اس لئے دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے بلکہ یہاں اجیر زیادتی ثمن کا دعوی کرتا ہے اور مستاجر اس کا انکار کرتا ہے اور اجیر کے پاس گواہ نہیں ہے اس لئے مستاجر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

[۲۷۹۹](۷۰) اور اگر بعض معقود علیہ کے وصول کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور عقد فسخ ہوگا باقی میں اور ماضی کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔

تشریح مزدور نے کچھ کام کیا تھا اور کچھ باقی تھا مثلا ایک ماہ طے تھا اس میں سے پندرہ دن مزدوری کی تھی اور پندرہ دن ابھی باقی تھے اور اجیر اور مستاجر میں اختلاف ہو گیا تو پندرہ دن جو باقی ہیں اس کے بارے میں دونوں قسم کھائیں گے۔ کیونکہ معقود علیہ ابھی باقی ہے اس لئے اس میں قسمیں کھلا کر اس کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اور جتنا کام کر چکا ہے وہ چونکہ وصول ہو گیا اور معدوم بھی ہو گیا اس لئے اس کے بارے میں دونوں کو

[۲۸۰۰] (۷۱) واذا اختلف المولی والمكاتب فی مال الكتابة لم یتحالفا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا یتحالفان وتُفسخ الكتابة[۲۸۰۱](۷۲) واذا اختلف الزوجان فی

قسم نہیں دیں گے۔ بلکہ مستاجر منکر اور مدعی علیہ ہے۔ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہوگی۔ وہ قسم کھا جائے تو اس کی بات پر فیصلہ ہوگا۔

[۲۸۰۰] (۷۱) اگر آقا اور مکاتب نے اختلاف کیا مال کتابت میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔

تشریح مکاتب اور اس کے آقا کے درمیان مال کتابت میں اختلاف ہو گیا۔ مثلا آقا کہتا ہے کہ ایک ہزار مال کتابت کے بدلے مکاتب بنایا ہے اور مکاتب اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پانچ سو درہم کے بدلے مکاتب بنایا ہے۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے بلکہ آقا کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ مکاتب پر قسم ہوگی اور وہ قسم کھالے تو اس کی بات پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مکاتب غلام ہے اس لئے اس کا مال آقا کا مال ہے اس لئے عقد لازم نہیں ہے کہ وہ قسم کھائے (۲) اگر مکاتب عاجز ہو جائے تو کتابت ختم ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ کتابت کا معاملہ لازم نہیں ہے اس لئے دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن نہیں سکیں گے۔ اس لئے آقا زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور مکاتب اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے اگر آقا کے پاس گواہ نہیں ہے تو مکاتب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ آقا مدعی ہے اور مکاتب منکر ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور کتابت فسخ ہوگی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ کتابت بھی بیع کی طرح عقد معاملہ ہے۔ اس میں ایک طرف آزادگی ہے اور دوسری طرف مال کتابت ہے۔ اور اختلاف مقدار کتابت میں ہے اس لئے ثمن کی طرح اصل عقد میں اختلاف ہے اس لئے دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔ اور جب دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ بن گئے تو گواہ نہ ہوتے وقت دونوں قسمیں کھائیں گے۔ اور جب دونوں قسمیں کھا چکیں تو کتابت فسخ کر دی جائے گی۔

اصول صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ کتابت بھی بیع کی طرح عقد معاملہ ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں گے۔

[۲۸۰۱] (۷۲) اگر میاں بیوی اختلاف کریں گھر کے سامان میں تو جو مرد کے قابل ہو وہ مرد کے لئے ہیں اور جو قابل عورتوں کے قابل ہو وہ عورتوں کے لئے ہے۔ اور جو دونوں کے قابل ہو وہ مرد کے لئے ہے۔

تشریح گھر کے سامان میں بیوی اور شوہر کا اختلاف ہو گیا اور گواہ یا قرینہ کچھ نہیں ہے تو فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جو لباس یا چیزیں صرف مرد استعمال کرتے ہیں جیسے عمامہ، مردانہ شلوار قمیص وہ مرد کے لئے ہیں۔ اور جو صرف عورتیں استعمال کرتی ہیں مثلا زیور، زنانہ شلوار قمیص وہ عورت کے لئے ہیں۔ اور جو سامان دونوں کے لئے ہو سکتے ہیں جیسے فون، گاڑی وغیرہ تو وہ مرد کا شمار ہوگا۔

وجہ گھر شوہر کا ہے اس لئے ظاہری طور پر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ سامان اسی کا ہو (۲) گھر شوہر کا ہونا علامت راجحہ ہے کہ باقی سامان بھی شوہر کا

متاع البیت فما یصلح للرجل فھو للرجال وما یصلح للنساء فھو للمرأۃ وما یصلح لھما فھو للرجل [۲۸۰۲](۷۳) فان مات احدھما واختلف ورثتہ مع الآخر فما یصلح للرجال والنساء فھو للباقی منھما[۲۸۰۳](۷۴) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی یُدفع

ہو۔یہ اس وقت ہے کہ کوئی قرینہ نہ ہو اور نہ عورت کا سامان ہونے کے لئے گواہ ہو(۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحکم قال اذا مات الرجل وترک متاعا من متاع البیت فما کان للرجل فلا یکون للمرأۃ وما یکون للمرأۃ لا یکون للرجل ھو للمرأۃ وما یکون للرجال والنساء فھو للرجل الا ان تقیم المرأۃ البینۃ انہ لھا (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۶ فی الرجل یطلق او یموت وفی منزلہ متاع ج رابع ص ۱۸۸ نمبر ۱۹۱۳۴)اس اثر میں ہے کہ جو مرد کے لائق ہے وہ مرد کے لئے اور جو عورت کے لائق ہو وہ عورت کے لئے اور جو دونوں کے لائق ہو وہ مرد کے لئے ہوگا۔

[۲۸۰۲](۷۳) پس اگر دونوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور اختلاف کی اس کے ورثہ نے دوسرے کے ساتھ تو جو لائق ہو مردوں کے اور عوتوں کے وہ ان میں سے باقی کے لئے ہیں۔

تشریح مثلا مرد کا انتقال ہو گیا اور بیوی زندہ ہے۔اب مرد کے ورثہ نے گھر کے سامان کے بارے میں بیوی سے اختلاف کیا تو جو مرد کے لائق ہے وہ مرد کے ورثہ کو مل جائے گا اور جو عورت کے لائق ہے وہ عورت کو مل جائے گا اور جو دونوں کے لائق ہے اور گواہ یا قرینہ راجحہ بھی نہیں ہے تو وہ عورت کو ملے گا۔

وجہ جو مر گیا اس کا قبضہ ختم ہو گیا اس کی عورت کے معارض کوئی نہیں رہا۔وہ چیزیں بیوی کے قبضہ میں آگئیں اس لئے عورت کو ملیں گی (۲) اثر میں ہے۔عن حماد انہ سئل عن متاع البیت فقال ثیاب المرأۃ للمرأۃ وثیاب الرجل للرجل وما تشاجرا فلم یکن لھذا ولا لھذا وھو للذی فی یدہ (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۶ فی الرجل یطلق او یموت وفی منزلہ متاع ج رابع ص ۱۸۸ نمبر ۱۹۱۳۱)اس اثر میں ہے کہ جو جس کے قبضے میں ہو وہ اس کا ہوگا۔اور شوہر مرنے کے بعد وہ چیزیں بیوی کے قبضے میں ہیں اس لئے بیوی کی ہوں گی۔

[۲۸۰۳](۷۴) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا بیوی کو دی جائے گی ایسی چیزیں جو جہیز میں دی جاتی ہیں اور باقی شوہر کے لئے ہوگا۔

تشریح وہ فرماتے ہیں کہ علامت راجحہ یہ ہے کہ جہیز کا سامان میکے سے لائی ہوگی اور عورت کا ہوگا اس لئے ایسی چیزیں جو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ سب عورت کو دیں اور جو لباس وغیرہ عورت کے لائق ہے وہ بھی دیں۔اور وہ سامان جس پر گواہ اور قرینہ نہ ہو وہ شوہر کے لئے ہوگا چاہے

حاشیہ : (الف) حضرت حکمؒ نے فرمایا اگر آدمی مر جائے اور گھر کا سامان چھوڑا تو جو سامان مرد کے لئے ہو وہ عورت کے لئے نہیں ہوگا۔اور جو عورت کے لئے ہو وہ مرد کے لئے نہیں ہوگا وہ عورت کے لئے ہوگا۔اور جو مرد اور عورت دونوں کے لئے ہو تو وہ مرد کے لئے ہوگا مگر یہ کہ عورت بینہ قائم کرے کہ وہ اس کے لئے ہے(ب) حضرت حماد سے گھر کے سامان کے بارے میں پوچھا۔فرمایا عورت کا کپڑا عورت کے لئے ہے اور مرد کا کپڑا مرد کے لئے ہے اور جن میں دونوں جھگڑے وہ نہ اس کے لئے نہ اس کے لئے۔وہ جس کے قبضے میں ہے اسی کے لئے ہے۔

الی المرأة ما يجهز به مثلها والباقي للزوج[۲۸۰۴](۷۵) واذا باع الرجل جارية فجائت بولد فادّعاه البائع فان جاء ت به لاقل من ستة اشهر من يوم باعها فهو ابن البائع وامه ام

شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔

وجہ: شوہر کا گھر ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ وہ اسی کا ہوگا۔ یہاں گھر ہونا علامت راجحہ ہے اس لئے شوہر کے لئے ہوگا (۲) اوپر اثر گزرا۔ عن الحکم قال اذا مات الرجل وترک متاعا من متاع البیت فما کان للرجل فلایکون للمرأة وما یکون للمرأة لا یکون للرجل هو للمرأة وما یکون للرجال والنساء فهو للرجل الا ان تقیم المرأة البینة انه لها (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۶ فی الرجل یطلق او یموت وفی منزله متاع ج رابع ص ۱۸۸ نمبر ۱۹۱۳۴) اس اثر میں ہے کہ بقیہ سامان شوہر کے لئے یا اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

[۲۸۰۴] (۷۵) اگر آدمی نے باندی فروخت کی۔ پس اس نے بچہ جنا پھر بائع نے اس کا دعوی کیا۔ پس اگر جنی ہو چھ مہینے سے کم میں اس کے بیچنے کے دن سے تو وہ بائع کا بیٹا ہوگا۔ اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہوگی اور قیمت لوٹائی جائے گی۔

تشریح: آدمی نے اپنی باندی فروخت کی۔ اس باندی نے بیچنے سے چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا۔ اب بائع نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو یہ بچہ بائع کا ہو جائے گا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد بن جائے گی اور بیع جو کی تھی وہ ٹوٹ جائے گی اور بائع کو مشتری کی طرف ثمن واپس کرنا ہوگا

وجہ: بچہ کم سے کم چھ مہینے تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ کیونکہ یہ کم سے کم مدت حمل ہے۔ اب چھ مہینے کے اندر اندر بچہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع نے جس وقت بیچا اس وقت بچہ باندی کے پیٹ میں تھا۔ اور بعد میں اس کا دعوی بھی کر رہا ہے کہ بچہ میرا ہے۔ اور جب بچہ اس کا ہوا تو اس کی ماں بائع کی ام ولد بنی اور ام ولد کو بیچنا جائز نہیں اس لئے بیع فسخ ہوگی اور قیمت واپس کرنا ہوگا۔ کم سے کم مدت حمل چھ ماہ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عمرؓ اتی بامرأة قد ولدت لستة اشهر فهم برجمها فبلغ ذلک علیا فقال لیس علیها رجم فبلغ ذلک عمر فارسل الیه فسأله فقال والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة (آیت ۲۳۳ سورة البقرة ۲) وحمله وفصاله ثلاثون شهرا (آیت ۱۵ سورة الاحقاف ۴۶) فستة اشهر حمله حولین تمام لاحد علیها او قال لا رجم علیها قال فخلی عنها ثم ولدت (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی اقل الحمل ج سابع ص ۷۲۷ نمبر ۱۵۵۴۸) اس اثر سے

حاشیہ: (الف) حضرت حکم نے فرمایا جب آدمی مرے اور گھر کا سامان چھوڑے تو جو مرد کے لئے ہے تو وہ عورت کے لئے نہیں ہوگا۔ اور جو عورت کے مناسب ہو وہ مرد کے لئے نہیں ہوگا وہ عورت کے لئے ہوگا۔ اور جو مرد اور عورت دونوں کے مناسب ہو تو وہ مرد کے لئے ہوگا مگر یہ کہ عورت اس کے لئے گواہ قائم کرے کہ اس کا ہے (ب) حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے شادی کے بعد چھ مہینے میں بچہ دیا تھا۔ تو اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔ پس یہ خبر علیؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اس پر رجم نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی یہ بات حضرت عمرؓ کو پہنچی تو ان کو بلایا اور پوچھا تو حضرت علیؓ نے کہا والدہ اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتی ہو۔ (دیکھیے آیت ۲۳۳ سورة البقرة ۲ میں) اور حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت تیس مہینے ہیں (آیت ۱۵ سورة الاحقاف ۴۶) تو چھ مہینے حمل ہو گیا اور دو سال مدت رضاعت ہو گئی۔ اس لئے اس عورت پر حد نہیں ہے یا فرمایا رجم نہیں ہے۔ فرمایا اس کو چھوڑ دیا۔

ولـد لـه ويُفسـخ البيع ويردّ الثمن[۲۸۰۵](۷٦) وان ادّعاه المشتری مع دِعوة البائع او بـعدها فدعوة البـائـع اولـی[۲۸۰٦](۷۷) وان جـائـت بـه لاكثر من ستة اشهر ولاقل من سـنتين لم تقبل دعوة البـائـع فيـه الا ان يصدقه المشتری[۲۸۰۷](۷۸) وان مات الولد فـادّعاه البائع وقد جائت به لاقل من ستة اشهر لم يثبت النسب فی الولد ولا الاستيلاد فی

معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بائع کے دعوی کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ بیچنا اس بات کا اعتراف ہے کہ بیچتے وقت میرا حمل باندی کے پیٹ میں نہیں ہے۔اس لئے اب دعوی کرنا کہ میرا بچہ غلط ہے۔

[۲۸۰۵](۷٦) اگر بچے کا دعوی مشتری نے کیا بائع کے دعوی کے ساتھ یا بائع کے دعوی کے بعد تو بائع کا دعوی اولی ہے۔

وجہ بائع کے دعوی کے بعد یا بائع کے دعوی کے ساتھ مشتری نے بھی دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے۔پھر بھی بائع کے دعوی کو ترجیح دی جائے گی۔اس لئے کہ جس وقت حمل ٹھہرا اسی وقت سے بائع کا دعوی منسوب ہے اور مشتری کا دعوی خریدنے کے بعد شمار ہوگا۔کیونکہ وہ خریدنے کے بعد باندی سے جماع کر سکتا ہے اور یہاں چھ ماہ کے اندر اندر بچہ دیا ہے اس لئے اندازہ یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے حمل ٹھہرا ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بائع کا علوق ہے اس لئے اسی کے دعوی کو ترجیح ہوگی۔

[۲۸۰٦](۷۷) اور اگر بچہ جنی چھ مہینے سے زیادہ میں اور دو سال سے کم میں تو بائع کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کرے۔

تشریح خریدنے کے چھ مہینے کے بعد باندی نے بچہ دیا اور دو سال سے کم میں، اب دعوی کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو بائع کی بات نہیں مانی جائے گی۔ہاں مشتری اس کی تصدیق کرے کہ بچہ بائع ہی کا ہے تو بائع کی بات مان لی جائے گی اور بچے کا نسب بائع سے ثابت ہوگا۔

وجہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہوا تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ بائع کا ہی علوق ہو، ہوسکتا ہے کہ خریدنے کے بعد مشتری نے باندی سے وطی کی ہو اور اس سے بچہ پیدا ہوا ہو۔اس لئے بائع کا بچہ ہونا کوئی یقینی بات نہیں ہے۔البتہ مشتری تصدیق کردے کہ بائع کا ہی ہے تو بچہ بائع کا ہوجائے گا۔کیونکہ مشتری کے تصدیق کے بعد کوئی معارض نہیں رہا۔

[۲۸۰۷](۷۸) اور اگر بچہ مر گیا پھر بائع نے اس بچے کا دعوی کیا حالانکہ چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تھا تب بھی بچے میں نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ماں میں ام ولد ہونا۔

تشریح بچے کی زندگی میں بائع نے اپنی اولاد ہونے کا دعوی نہیں کیا، بچہ مر گیا اس کے بعد لڑکا ہونے کا دعوی کیا تو بائع سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ اس کی ماں ام ولد بنے گی۔

وجہ بچے کا نسب ثابت کرنا ایک مجبوری ہے کیونکہ کسی سے بچے کا نسب ثابت نہیں کیا جائے گا تو بچہ حرامی ہوگا جو جائز نہیں ہے اس لئے جیسے ہی

الام[۲۸۰۸](۷۹) وان ماتت الام فادّعاه البائع وقد جائت به لاقل من ستة اشهر يثبت النسب منه فی الولد واخذه البائع ويردُّ الثمن كله فی قول ابی حنيفة رحمه الله تعالی و قالايرد حصة الولد ولايرد حصة الام.

بائع نے بچہ ہونے کا دعوی کیا اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔اور جب بچہ اس کا ہوا تو خود بخود ماں ام ولد بن جائے گی۔لیکن جب بچہ مر گیا تو اس کے نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔جب اس کا نسب ثابت نہیں ہوا تو اس کی ماں ام ولد بھی نہیں بنے گی اور نہ بیع توڑوانے کی ضرورت ہے۔کیونکہ بیع ایک حتمی عقد ہے جو اہم مجبوری کے بغیر نہیں توڑی جاسکتی۔اس لئے بائع کے دعوی کرنے کے باوجود نہ بچے کا نسب ثابت ہوگا اور نہ ماں ام ولد بنے گی اور نہ بیع ٹوٹے گی۔

[۲۸۰۸](۷۹) اگر ماں مر گئی پھر بائع نے دعوی کیا اور بچہ جنی تھی چھ مہینے سے کم میں تو نسب ثابت ہوگا بائع سے بچے میں اور بائع اس کو لے گا اور پوری قیمت مشتری کو واپس کرے گا امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لوٹائے گا بچے کا حصہ اور نہیں لوٹائے گا ماں کا حصہ۔

تشریح بچہ زندہ تھا البتہ ماں مر گئی۔اس کے بعد بائع نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا اور اس بچہ کو فروخت ہونے سے چھ ماہ کے اندر اندر جنی تھی۔اس صورت میں چونکہ بچہ زندہ ہے اور اس کا نسب ثابت کرنا ضروری ہے اس لئے نسب تو بائع سے ثابت ہوگا اور بچہ بائع کا ہوگا اس لئے بائع بچے کو مشتری سے واپس لے گا اور ماں ام ولد ہوگی اور بیع ٹوٹے گی۔اور بائع نے جتنی قیمت مشتری سے وصول کی ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سب مشتری کو واپس کرے۔

وجہ جب بچہ بائع کا ہوا اور ماں ام ولد بنی تو شروع سے بیع ہی درست نہیں تھی اس لئے مشتری کے پاس جو ام ولد تھی وہ امانت کے طور پر تھی، وہ مر گئی تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی اس لئے بائع پوری قیمت مشتری کو واپس دے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ام ولد کا بیچنا ہی جائز نہیں اس لئے اگر بیچ بھی دیا تو ام ولد مشتری کے یہاں امانت کے طور پر رہے گی اور ہلاک ہونے پر کوئی قیمت کم نہیں ہوگی۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بائع صرف بچے کا حصہ مشتری کی طرف واپس کرے اور بچہ واپس لے لے، ماں کا حصہ مشتری کی طرف واپس نہ کرے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ماں بہر حال پہلے بکی تھی اور باندی بن کر بکی تھی۔بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ ام ولد بن گئی ہے اس لئے ایسی ام ولد امانت کے طور پر مشتری کے یہاں نہیں رہے گی بلکہ ضمانت کے طور پر رہے گی، یعنی وہ ہلاک ہوگی تو مشتری کی ہلاک ہوگی۔اس لئے مشتری کے یہاں ہلاک ہوئی تو جتنی قیمت اس کے حصے میں آئی تھی وہ بائع سے ساقط ہو جائے گی اور بائع کو واپس نہیں کرنا پڑے گا۔بائع صرف بچے کا حصہ مشتری کی طرف واپس کرے گا۔

[۲۸۰۹](۸۰) ومن ادّعی نسب احد التوأمین یثبت نسبهما منه.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہ ام ولد مشتری کے یہاں ضمانت کے طور پر ہے امانت کے طور پر نہیں ہے۔

[۲۸۰۹](۸۰) کسی نے دعوی کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک بچہ رحم میں علوق ہو چکا ہو تو چھ مہینے کے اندر دوسرے بچے کا حمل دوسرے پانی سے نہیں ہو سکتا۔ ایک حمل میں دو بچے ایک ہی پانی سے ہوں گے۔ جب یہ صورت حال ہے تو ایک عورت کو جڑواں بچہ پیدا ہوا ان میں سے ایک کے بارے ایک آدمی دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے اور اس بچے کا نسب اس سے ثابت ہوا تو خود بخود دوسرے بچے کا نسب بھی اس باپ سے ثابت ہوگا۔

وجہ کیونکہ جس کے پانی سے بچہ پیدا ہوا ہے اسی کے پانی سے دوسرا بچہ بھی پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ جڑواں میں دوسرے کا پانی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسرے بچے کا نسب بھی اسی باپ سے ثابت ہوگا۔

لغت توأم : جڑاں بچہ۔

﴿ کتاب الشھادات ﴾

﴿ کتاب الشہادات ﴾

ضروری نوٹ شہادات: شہادت کی جمع ہے، گواہی دینا۔ اس کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔ **واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری** (الف) (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ **لولا جاء وا علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون** (ب) (آیت ۱۳، سورۃ النور ۲۴) اور تیسری آیت میں ہے۔ **واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ ذالکم یوعظ بہ** (ج) (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے شہادت ثابت ہوئی۔

شہادت کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم زنا کی گواہی ہے۔ یہ سب سے اعلی ہے۔ اس کے لئے چار مرد کی گواہی شرط ہے۔ اس کے ثابت کرنے میں عورت کی گواہی نہیں چلے گی۔ اور سب عادل ہوں۔

(۲) دوسری قسم باقی حدود اور قصاص کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد چاہئے۔ اس میں بھی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

(۳) تیسری قسم معاملات کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد ہوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہوں۔ اس کے ثبوت کے لئے عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ البتہ خالص عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔

(۴) چوتھی قسم شطر الشھادۃ کی ہے۔ یعنی ایک عادل مرد یا دو مستور الحال مرد ہوں تب بھی مقبول ہے۔ اصل میں گواہی دینے کے دو جزو ہیں۔ ایک عادل ہونا اور دوسرا مرد ہونا، اسی کو شطر کہتے ہیں۔ اس لئے یا ایک عادل ہو یا دو مستور الحال ہو تب بھی کافی ہے۔ یہ صورت حقیقت میں گواہی نہیں ہے بلکہ خبر ہے۔ اسی لئے یہ معاملات اور عقد کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جیسے یہ خبر دینا کہ تم کو فلاں نے فلاں معاملہ کے لئے وکیل بنا دیا۔ یا وکیل کو معزول کر دیا۔ اس میں ایک عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمی کی خبر کافی ہے۔

(۵) پانچویں قسم خبر کی ہے۔ جس میں بچے اور باندی کی خبر بھی کافی ہے۔ مثلا بچہ استاد کے پاس کھانا لائے اور خبر دے کہ یہ میری ماں نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو استاد کے لئے یہ کھانا جائز ہے۔ یا باندی خبر دے کہ میرے آقا نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو جس کے لئے ہدیہ بھیجا ہے اس کے لئے اس کا کھانا حلال ہے۔ تو اس تھوڑی بہت چیز میں باندی اور بچے کی خبر بھی قابل قبول ہے۔

(۶) چھٹی قسم ہے جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہیں۔ جیسے ولادت وغیرہ تو وہاں صرف عورت کی گواہی مقبول ہے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔

حاشیہ : (الف) تمہارے دو مردوں کی گواہی لو۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن سے تم راضی ہو گواہوں میں سے۔ یہ اس لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلائے (ب) کیوں نہ اس پر چار گواہ لائے۔ پس اگر گواہ نہ لا سکے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (ج) تم میں سے عادل آدمی کی گواہی لو اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو۔ اسی کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

[۲۸۱۰](۱)الشھادۃ فرض تلزم الشھود ولا یسعھم کتمانھا اذا طالبھم المدعی

[۲۸۱۱](۲) والشھادۃ فی الحدود یُخیّر فیھا الشاھد بین الستر والاظھار والستر

[۲۸۱۰](۱) گواہی دینا فرض ہے۔گواہوں کولازم ہےاوراس کو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے اگران سے مدعی اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح ان گواہوں کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں ہے اور مدعی گواہوں سے گواہی دینے کا مطالبہ کر رہا ہے تو ان گواہوں پر گواہی دینا فرض ہے۔ عام معاملات میں گواہی چھپانے کی گنجائش نہیں ہے۔

وجہ چونکہ اور گواہ نہیں ہے۔اس لئے اگر اس نے گواہی نہیں دی تو مدعی کا حق ضائع ہو جائے گا۔اس لئے اس کو حق دلوانے کے لئے گواہی دینا فرض ہے(۲) آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا (آیت ۲۸۲،سورۃ البقرۃ ۲) ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (الف)(آیت ۲۸۳،سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ مدعی بلائے تو گواہ گواہی دینے سے انکار نہ کرے۔اور یہ بھی ہے کہ گواہی چھپائے نہیں۔اگر چھپایا تو گنہگار ہوگا۔حدیث میں ترغیب ہے۔عن زید بن خالد الجھنی ان النبی ﷺ قال الا اخبرکم بخیر الشھداء؟ الذی یاتی بشھادتہ قبل ان یسألھا (ب)(مسلم شریف، باب بیان خیر الشھود، ج ۲، ص ۷۷، نمبر ۱۷۱۹ ابوداؤد شریف، باب فی الشھادۃ، ج ۲، ص ۱۵۰، نمبر ۳۵۹۶)

نوٹ یہ صورت حال معاملات میں ہے۔البتہ حدود اور قصاص میں گواہی دینے اور گواہی چھپانے کا اختیار ہے۔

[۲۸۱۱](۲) اور گواہی حدود میں گواہ کو اختیار ہے چھپانے اور ظاہر کرنے کے درمیان۔اور چھپانا بہتر ہے۔

تشریح حدود میں گواہی دینے سے انسان کی جان جائے گی یا عضو جائے گا اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے گواہ کو دونوں اختیار ہیں۔چاہے گواہی چھپادے چاہے گواہی دے دے۔لیکن چھپانا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ تاکہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔(۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔حضرت ماعزؓ رجم کا پتھر کھا کر بھاگے ہیں تو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔شاید توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔حدثنی یزید بن نعیم بن ھزال عن ابیہ ... ثم اتی النبی ﷺ فذکر لہ ذلک فقال ھلا ترکتموہ، لعلہ ان یتوب فیتوب اللہ علیہ (ج)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ج ۲، ص ۲۶۰، نمبر ۴۴۱۹) ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے۔وقال لھزال لو سترتہ بثوبک کان خیرا لک (د)(ابوداؤد شریف، باب الستر علی اہل الحدود، ص ۲۵۳، نمبر ۴۳۷۷)(۳) چور نے چوری کا اعتراف کیا تو آپ نے اس کو پھسلانے کے لئے فرمایا، میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے تاکہ اس کا ہاتھ نہ کٹے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی

حاشیہ :(الف) جب گواہوں کو بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کیا کریں۔دوسری آیت میں ہے۔گواہی چھپایا نہ کرو اور جو اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے (ب) آپ ﷺ نے فرمایا تم کو بہترین گواہ نہ بتاؤں؟ گواہی مانگنے سے پہلے گواہی دیدے وہ بہترین گواہ ہے (ج) پھر وہ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت ماعزؓ کے بھاگنے کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ان کا چھوڑ کیوں نہ دیا؟ شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ توبہ قبول کر لیتے (د) آپؐ نے حضرت ہزال سے فرمایا کاش کہ اپنے کپڑے سے ڈھانک دیتے تو آپ کے لئے بہتر ہوتا۔

افضل [۲۸۱۲] (۳) الا انه یجب ان یشهد بالمال فی السرقة فیقول اخذ المال ولایقول سرق[۲۸۱۳] (۴) والشهادة علی مراتب منها الشهادة فی الزنا یُعتبر فیها اربعة من

امیة المخزومی ان رسول الله اتی بلص اعترف اعترافا ولم یوجد معه متاع فقال رسول الله ﷺ ما اخالک سرقت؟ قال بلی (الف) (النسائی، باب تلقین السارق، ص۶۷۲، نمبر ۴۸۸۱ رابوداؤدشریف، باب فی التلقین فی الحد، ص۲۵۴، نمبر ۴۳۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کا اعتراف بھی کرے تو اس کو رد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گواہی نہ دینا بہتر ہے۔

لغت الستر : چھپانا۔

[۲۸۱۲] (۳) مگر یہ کہ چوری میں مال کی گواہی دینا واجب ہے۔ اس لئے کہے کہ مال لیا اور نہ کہے کہ چرایا۔

تشریح چوری میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ہے ہاتھ کٹنے کا جو حد ہے اور دوسرا ہے مالک کو مال واپس کرنے کا جو حقوق العباد ہے۔ اس لئے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسی گواہی دے کہ ہاتھ بھی نہ کٹے اور مالک کو مال بھی واپس مل جائے۔ اس لئے اس کی صورت یہ ہے کہ یوں نہیں کہے کہ مال چرایا ہے بلکہ یوں گواہی دے کہ فلاں کا مال لیا ہے۔

وجہ تاکہ مال مالک کو واپس ملے اور ہاتھ نہ کٹے۔

[۲۸۱۳] (۴) گواہی کے چند مرتبے ہیں۔ ان میں سے زنا کی گواہی ہے۔ اس میں اعتبار کیا جاتا ہے چار مرد اور نہیں قبول کی جاتی ہے اس میں عورت کی گواہی۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ گواہی کے چھ مرتبے ہیں۔ ان میں سے اعلی مرتبہ زنا کی گواہی ہے جن میں چار عادل مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اس میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ چار گواہ کی دلیل یہ آیت ہے۔ والتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت (ب) (آیت ۱۵، سورۃ النساء ۴) دوسری آیت میں ہے۔ لولا جاء و علیه باربعة شهداء فاذ لم یأتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الکاذبون (ج) (آیت ۱۳، سورۃ النور ۲۴) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے۔

عورتوں میں حدود کی گواہی قابل قبول نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ عن الزهری قال مضت السنة من رسول الله ﷺ والخلیفتین من بعده الا تجوز شهادة النساء فی الحدود (د) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۹، فی شهادة النساء فی الحدود، ج

حاشیہ : (الف) آپؐ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ اس نے چوری کا اقرار کیا اور اس کے پاس سامان نہیں پایا گیا تو آپؐ نے فرمایا میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چرایا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ (ب) تمہاری عورتوں میں سے کوئی زنا کی مرتکب ہو تو اپنے میں سے اس پر چار گواہ لاؤ۔ پس وہ گواہی دیدیں تو گھروں میں قید رکھو (ج) کیوں اس پر چار گواہ نہیں لائے۔ پس اگر وہ گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں (د) حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ حضورؐ اور ان (باقی اگلے صفحہ پر)

الرجال ولا تقبل فيها شهادة النساء[۲۸۱۴](۵) ومنها الشهادة ببقية الحدود والقصاص تقبل فيها شهادة رجلين ولا تقبل فيها شهادة النساء[۲۸۱۵](۲) وما سوی ذلک من

خامس،ص ۵۲۸،نمبر ۲۸۷۰۵/مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟،ج ثامن،ص ۳۳۰،نمبر ۱۵۴۱۲/سنن للبیہقی، باب شهادة فی الطلاق والرجعة وما فی معناهما من النکاح والقصاص والحدود،ج عاشر،ص ۲۵۰،نمبر ۲۰۵۲۸)اس حدیث مرسل اور اثر سے معلوم ہوا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۱۴](۵)ان سے شہادت ہے باقی حدود کی اور قصاص کی کہ ان میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے اوران میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

تشریح زنا میں تو چار مردوں کی گواہی چاہئے۔ان میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور باقی حدود اور قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔صرف مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ حدود کے بارے میں اوپر حدیث مرسل گزر چکی۔قصاص بھی اسی درجے کا ہے اس لئے قصاص میں بھی عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے (۲)اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔**ان علی بن ابی طالب قال لا تجوز شهادة النساء فی الطلاق والنکاح والحدود والدماء (الف)**(مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟،ج ثامن،ص ۳۲۹،نمبر ۱۵۴۰۵/مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۹، فی شهادة النساء فی الحدود،ج خامس،ص ۵۲۸،نمبر ۲۸۷۱۱)اس اثر میں دم سے مراد قصاص ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے(۳) آیت میں عورت کے بارے میں بتایا کہ ایک دوسرے کو یاد دلائے جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں نسیان ہے۔اور حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہوجاتے ہیں۔اس لئے بھی عورت کی گواہی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۱۵](۲)اور جو ان کے علاوہ ہوں حقوق میں سے تو قبول کی جائے گی ان میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔چاہے حق مال ہو یا غیر مال ہو۔مثلا نکاح، طلاق، وکالت، وصیت۔

تشریح حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں چاہے وہ حقوق مالی ہوں یا حقوق غیر مالی ہوں ان سب میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔مثلا معاملات، بیع ہے، شراء ہے، نکاح، طلاق، وکالت اور وصیت ہے ان سب میں عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما الاخرى (ب)**(آیت ۲۸۲،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔یہ آیت چونکہ معاملات کے سلسلے میں ہے اس لئے تمام ہی معاملات میں عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی (۲)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانے سے سنت جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے(الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورتوں کی گواہی طلاق، نکاح، حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہے(ب) تمہارے دو مردوں کی گواہی لو۔پس اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کی گواہی سے تم راضی ہوتا کہ ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلائے۔

الحقوق تُقبل فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالا او غیر مال مثل النکاح والطلاق والوکالة والوصیة[۲۸۱۶](۷) وتقبل فی الولادة والبکارة والعیوب

اثر میں ہے۔ان عمرؓ بن الخطاب اجاز شهادة رجل واحد مع نساء فی نکاح(الف)(مصنف عبدالرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیره؟، ج ثامن، ص ۳۳۱، ۱۵۴۱۶/مصنف ابن ابی شیبة، ۳۹۷ فی شهادة النساء فی العتق والدین والطلاق، ج رابع، ص ۵۱۷، نمبر۲۲۶۸۱/دار قطنی، کتاب الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر۴۵۱۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ طلاق نکاح وغیرہ میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال اور اس کے توابع میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔نکاح، طلاق غیرہ میں نہیں۔

وجہ اوپر اثر گزرا۔ان علی بن ابی طالب قال لاتجوز شهادة النساء فی الطلاق والنکاح والحدود (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیره؟، ج ثامن، ص ۳۲۹، نمبر۱۵۴۰۵/مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۹ فی شهادة النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر۲۸۷۰۷/سنن للبیهقی، باب الشهادة فی الطلاق والرجعة ومافی معناهما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر۲۰۵۲۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی گواہی طلاق اور نکاح میں بھی مقبول نہیں ہے۔اس لئے وہ صرف دین میں گواہی دے سکتی ہے۔

[۲۸۱۶](۷) ولادت اور باکرہ ہونے میں اور عورتوں کے ان جگہ کے عیوب میں جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح بچہ پیدا ہوتے وقت مرد بیوی اور باندی کے علاوہ عورتوں کو نہیں دیکھ سکتا۔اسی طرح عورت باکرہ ہے یا نہیں مرد اس کو نہیں دیکھ سکتا۔اس لئے جہاں مرد نہیں دیکھ سکتا ہو وہاں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔اسی طرح شرمگاہ وغیرہ کی بیماری جس پر مرد مطلع نہیں ہوسکتا اس کے بارے میں ایک عورت کی گاہی کافی مانی جائے گی۔اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ (۱)حدیث میں ہے کہ ایک دائی کی گواہی مقبول ہے۔عن حذیفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة(ج)(دار قطنی، کتاب الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر۴۵۱۱/سنن للبیهقی، باب ماجاء فی عددهن (ای عدد النساء)، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر۲۰۵۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائی کی گواہی مقبول ہے(۲) حدیث میں ہے کہ باندی نے دودھ پلانے کی گواہی دی تو اس کی وجہ سے نکاح توڑ دیا۔حدثنی عقبة بن الحارث او سمعته منه انه تزوج ام یحیی بنت ابی اهاب قال فجاء ت امة سوداء فقالت قد ارضعتکما فذکرت ذلک للنبی ﷺ فاعرض عنی قال فتنحیت فذکرت ذلک له قال وکیف وقد زعمت انها قد

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی جائز قرار دی نکاح میں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے طلاق، نکاح اور حدود میں (ج) آپؐ نے دائی کی گواہی کی اجازت دی یعنی اس کو قبول فرمایا۔

بالنساء فی موضع لایطلع علیه الرجال شهادة امرأة واحدة[۲۸۱۷](۸) ولا بد فی ذلک کله من العدالة ولفظ الشهادة فان لم یذکر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او

ارضعتکما؟ فنهاه عنها (الف) (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید، ص۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹ رابوداؤد شریف، باب الشهادة علی الرضاع، ج ۲، ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۳) اس حدیث میں صرف ایک باندی کی گواہی سے نکاح توڑنے کا حکم دیا کیونکہ دودھ پلانے پر جہاں مرد مطلع نہیں ہوسکتا ہوا یک عورت کی گواہی قابل قبول ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قالوا تجوز شهادة امرأة واحدة فیما لا یطلع علیه الرجال (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۸۲ ما تجوز فیه الشهادة النساء، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۰۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شهادة المرأة فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۳۳۳، نمبر ۱۵۴۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہوں وہاں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان معاملوں میں بھی چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

وجہ معاملات میں دو مرد کی گواہی ضروری ہے۔ اور گواہی میں ایک مرد کے لئے دو عورتیں ہوتی ہیں اس لئے دو مرد کے مقابلے میں چار عورتیں ہوں تب گواہی مقبول ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء بن ابی رباح قال لا یجوز الا اربع نسوة فی الاستهلال (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۱ رمصنف عبد الرزاق، باب شهادة المرأة فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۳۳۲، نمبر ۱۵۴۲۱ رمصنف ابن ابی شیبة، ۸۲ ما تجوز فیه شهادة النساء، ج رابع، ص ۳۲۵، نمبر ۲۰۷۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولادت وغیرہ میں بھی چار عورتوں کی گواہی چاہئے۔

[۲۸۱۷] (۸) اور ضروری ہے ان تمام میں عادل ہونا اور لفظ شہادت، پس اگر گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہیں کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح گواہی دینے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ گواہ عادل ہو اور دوسری بات یہ کہ گواہ گواہی دیتے وقت اشھد کا لفظ استعمال کرے۔ اگر اشھد کے بجائے یوں کہے کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ آیت میں تاکید ہے کہ گواہ عادل ہو۔ آیت یہ ہے۔ واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله ذلکم یوعظ به (د) (آیت ۲، سورة الطلاق ۶۵) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة

حاشیہ : (الف) عقبہ بن حارث سے سنا کہ انہوں نے ام یحیی بنت ابی اہاب سے شادی کی، فرماتے ہیں کہ ایک کالی باندی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا تو آپؐ نے مجھ سے اعراض کر لیا۔ میں نے دوسرے کنارے جا کر پھر اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کیسے ہوگا؟ وہ باندی گمان کرتی ہے کہ تم دونوں کو دودھ پلایا ہے؟ پھر آپؐ نے اس عورت سے روک دیا (ب) حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ لوگ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی وہاں جائز ہے جہاں مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں (ج) حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ولادت میں چار عورتوں کے بغیر گواہی جائز نہیں (د) تم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے عادل آدمی کی گواہی لو۔ اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو، اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

اتیقن لم تُقبل شھادته[۲۸۱۸](۹) وقال ابو حنیفة رحمه الله تعالی یقتصر الحاکم علی ظاھر عدالة المسلم الا فی الحدود والقصاص فانه یسأل عن الشھود وان طعن الخصم

اثنان ذوا عدل منکم (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہ عادل ہوں۔

لفظ شہادت کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس میں ایک قسم کی تاکید ہے۔ اس لئے گواہ گواہی دیتے وقت شہادت کا لفظ استعمال کرے (۲) گواہی کی تمام آیتوں میں شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے بھی شہادت کا لفظ چاہئے۔ اس کے لئے دو آیتیں تو پہلے گزر گئیں۔ اور استشھدوا شھیدین من رجالکم، اسی آیت میں ہے واشھدوا اذا تبایعتم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہی دیتے وقت لفظ شہادت استعمال کرے۔ چنانچہ اعلم یا اتیقن کہے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ عادل کس کو کہتے ہیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[۲۸۱۸] (۹) اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حاکم اکتفا کرے گا مسلمان کی ظاہری عدالت پر مگر حدود اور قصاص میں۔ اس لئے کہ حدود میں تفتیش کریں گے گواہوں کے بارے میں، اور اگر طعن کیا مدعی علیہ نے گواہوں میں تو ان کے بارے میں تفتیش کریں گے۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ عام معاملات میں گواہوں کی عدالت کی تفتیش زیادہ نہیں کریں گے۔ بلکہ ظاہری طور پر عادل معلوم ہوتے ہوں تو اسی پر اکتفا کریں گے اور فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہاں مدعی علیہ گواہوں کی عدالت پر طعن کرے تو پھر گواہوں کی تفتیش کی جائے گی۔ البتہ حدود و قصاص کے گواہوں کی پوری جانچ ہوگی۔ اور پوشیدہ اور ظاہری طور پر اس کی عدالت کی تحقیق کی جائے گی تاکہ مجرم کی جان ضائع نہ جائے یا اس کا عضو ضائع نہ جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں جب تک کہ اس میں طعن نہ کرے۔ اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدودا فی فریة (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۷ من قال لا تجوز شھادته اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰ / دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان عادل ہیں مگر حد قذف میں۔ اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا۔ ہاں مدعی علیہ طعن کرے تو تفتیش کی جائے گی۔

حدود اور قصاص میں گواہوں کی تفتیش کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ جان ضائع نہ ہو (۲) حضورؐ نے حضرت ماعزؓ سے اس کی عدالت کے بارے میں تحقیق کی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ان ابا ھریرة قال ... دعاہ النبی ﷺ فقال ابک جنون؟ قال لا یا رسول الله! فقال احصنت؟ قال نعم یا رسول الله! قال اذھبوا فارجموه (ج) (بخاری شریف، باب سوال الامام المقر ھل احصنت؟ ص ۱۰۰۸، نمبر ۶۸۲۵ / ابو داؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص ۲۶۰، نمبر ۴۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے حدود میں عادل ہونے

حاشیہ: (الف) اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہی یہ ہے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے وصیت کے وقت تم میں سے دو عادل آدمی ہوں۔ یعنی وصیت کے وقت عادل آدمی کی گواہی لیں (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر زنا کی تہمت میں جس کو حد لگ چکی ہو وہ عادل نہیں (ج) آپؐ نے حضرت ماعزؓ کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ فرمایا نہیں یا رسول اللہ! پھر پوچھا کیا تم محصن ہو؟ کہا ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا جاؤ ان کو رجم کرو۔

فیھم یسأل عنھم[٢٨١٩](١٠) وقال ابو یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالی لا بد ان یسأل عنھم فی السر والعلانیة[٢٨٢٠](١١) وما یتحمّله الشاھد علی ضربین احدھما

کے بارے میں تفتیش کی ہے(٢)ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت ماعز کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔ **عن ابن عباسؓ ... فاعرض عنه فسأل قومه أمجنون هو؟ قالوا لیس به بأس** (الف)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص٦٢٠، نمبر٤٤٢١) اس حدیث میں حضرت ماعزؓ کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص میں سراور علانیہ تزکیہ کی جائے گی۔

[٢٨١٩](١٠)امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں ضروری ہے کہ گواہوں کے بارے میں سراور علانیہ کے طور پر تفتیش کرے۔

تشریح صاحبین کی رائے ہے کہ عام معاملات میں بھی گواہوں کی عدالت کی تحقیق در پردہ بھی کرے اور علانیہ بھی کرے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ معاملات میں گواہی کی عدالت شرط ہے۔ اور زمانہ ایسا ہے کہ تفتیش کئے بغیر عدالت کا پتا چلنا مشکل ہے اس لئے تفتیش کرے (٢)حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی تفتیش کی تھی۔ لمبی حدیث افک کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشة زوج النبی ﷺ حین قال لھا اھل الافک ... فقال یا زینب ماعلمت مارأیت ؟ فقالت یا رسول اللہ ! اللہ احمی سمعی وبصری ، واللہ ما علمت علیھا الا خیرا** (ب)(بخاری شریف، تعدیل النساء بعضھن بعضا، ص٣٦٣، نمبر٢٦٦١)(٣)اثر میں ہے۔ **وقال ابو جمیلة وجدت منبوذا فلما رأنی عمر قال عسی الغویر ابو سا کانه یتھمنی، قال عریفی، انه رجل صالح قال کذلک، اذھب وعلینا نفقته** (ج)(بخاری شریف، اذا زکی رجل رجلا کفاہ، ص٣٦٦، نمبر٢٦٦٢)اس حدیث اور اثر میں عام معاملات میں تزکیہ اور تفتیش کی گئی ہے۔ اس لئے عام معاملات میں بھی گواہوں کی تفتیش کرے۔

نوٹ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں لوگ اچھے ہوتے تھے اس لئے عام معاملات میں گواہوں کے تزکیہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور صاحبینؒ کے زمانے میں لوگ، کچھ غیر ذمہ دار ہو گئے تھے اس لئے تزکیہ کی ضرورت سمجھی گئی۔ اور اس وقت انہیں کے قول پر فتوی ہے۔

[٢٨٢٠](١١)گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے خود ہی۔ جیسے خرید و فروخت، اقرار، غصب، قتل، حاکم کا فیصلہ، پس گواہ چیزوں کو سنے یا ان کو دیکھے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ ان کی گواہی دے۔ چاہے ان پر گواہ نہ بنایا ہو۔ اور یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے۔ یوں نہ کہے کہ مجھ کو گواہ بنایا ہے۔

تشریح گواہ بننے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی گواہ اپنی گواہی پر گواہ بنائے اور کہے کہ میں تو مجلس قضا میں نہیں جا سکوں گا اب

حاشیہ : (الف) آپ نے حضرت ماعزؓ سے اعراض کیا پھر اس کی قوم سے پوچھا کیا یہ مجنون ہے؟ لوگوں نے کہا اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے(ب) حضرت عائشہؓ کو جب تہمت لگانے والوں نے تہمت لگائی... آپؐ نے پوچھا زینب تمہاری کیا رائے ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ! اپنے کان اور نگاہ کی حفاظت کرتی ہوں۔ اس کے بارے میں خیر کے علاوہ نہیں جانتی ہوں(ج) ابو جمیلہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی پھینکا ہوا بچہ پایا۔ پس جب مجھے عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا ایسا لگتا ہے کہ غویر مسکین ہو گیا۔ گویا کہ وہ مجھے متہم کر رہے تھے۔ تو میرے سردار نے کہا کہ یہ نیک آدمی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ جاؤ! اس کا نفقہ میرے ذمے ہے۔

ما يثبت حكمه بنفسه مثل البيع والاقرار والغصب والقتل وحكم الحاكم فاذا سمع ذلک الشاهد او راٰه وسعه ان يشهد به وان لم يشهد عليه ويقول اشهد انه باع ولا يقول اشهدنی[۲۸۲۱](۱۲) ومنه مالا يثبت حكمه بنفسه مثل الشهادة علی الشهادة فاذا سمع شاهدا يشهد بشیء لم يجز له ان يشهد علی شهادته الا ان يُشهده وكذلک لو

آپ جا کر میری گواہی پیش کریں۔اس کو شہادت علی الشہادۃ کہتے ہیں۔دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے گواہ تو نہیں بنایا لیکن کوئی کام ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ خود بخود گواہ بن گیا۔اب اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس بات کی گواہی دے۔اب یہ اصل گواہ ہوا۔مثلا کسی کو کوئی چیز بیچتے ہوئے دیکھا تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں نے فلاں چیز فلاں سے بیچی ہے۔میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔البتہ یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے۔ کیونکہ واقعی اس کو کسی نے گواہ بنایا نہیں ہے بلکہ خود بخود بنا ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ولا يملک الذين يدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم يعلمون (الف)(آیت ۸۶،سرۃ الزخرف ۴۳)اس آیت میں ہے کہ حق کو دیکھا اور جانتا ہو تو شفاعت کا مالک ہے(۲)ایک حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال ذكر عند رسول الله ﷺ الرجل يشهد بشهادة فقال اما انت يا ابن عباس فلا تشهد الا علی امر يضیء لک كضياء هذه الشمس وأومی رسول الله ﷺ بيده الی الشمس (ب)(سنن للبیہقی،باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بہا،ج عاشر،ص ۲۶۳،نمبر ۲۰۵۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کی طرح بات روشن ہو جائے تو گواہی دے سکتا ہے۔

[۲۸۲۱](۱۲)ان میں سے وہ گواہی ہے کہ اس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا۔مثلا گواہی پر گواہی دینا۔پس اگر کوئی شاہد سنے کسی چیز کی گواہی دیتے ہوئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی گواہی کی گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہ بنائے۔ایسے ہی اگر سنا کہ گواہ بنا رہا ہے کسی کی گواہی پر تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ اس پر گواہی دے۔

تشریح کسی گواہ کی گواہی پر گواہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔تب اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کر سکتا ہے۔اس کے بغیر نہیں۔چنانچہ کسی کو گواہ بناتے سنا تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں گواہی دیدے۔یا کسی کو دیکھا کہ وہ گواہی دے رہا ہے تو دیکھنے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کرے جب تک کہ اصل گواہ فرع گواہ کو باضابطہ اپنی گواہی کا گواہ نہ بنائے۔

وجہ فرع گواہ اصل گواہ کا گویا کہ وکیل ہے۔اور موکل کے بغیر بنائے وکیل نہیں بنتا اس لئے اصل گواہ کے بغیر فرع گواہ گواہ نہیں بن سکتا(۲)

حاشیہ : (الف)جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کے لائق نہیں ہے۔مگر جو حق کی گواہی دے اور جانتا ہو(ب)حضورؐ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا کہ وہ گواہی دیتا ہے۔تو آپؐ نے فرمایا اے ابن عباس!تم کسی معاملے پر اس وقت تک گواہی نہ دینا جب اس سورج کی روشنی کی طرح واضح نہ ہو جائے۔اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔

سمعه یُشهد الشاهد علی شهادته لم یسع للسامع ان یشهد علی ذلک[۲۸۲۲](۱۳) ولا یحل للشاهد اذا رأی خطه ان یشهد الا ان یذکر الشهادة[۲۸۲۳](۱۴) ولا تُقبل شهادة الاعمٰی.

اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن شریح قال تجوز شهادة الرجل علی الرجل فی الحقوق ،ویقول شریح للشاهد قل اشهدنی ذو عدل** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے کہ یوں کہو کہ مجھ کو عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گواہ بنائے تب بن سکتا ہے۔

[۲۸۲۲](۱۳) اور نہیں حلال ہے گواہ کے لئے اگر وہ اپنا خط دیکھے یہ کہ گواہی دے مگر یہ کہ گواہی یاد ہو۔

تشریح ایک آدمی نے اپنا خط دیکھا جس میں گواہی لکھی ہوئی تھی لیکن گواہی کا پورا واقعہ یاد نہیں ہے تو صرف خط دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں پورا واقعہ یاد آجائے تو اب وہ گواہی دے سکتا ہے۔

وجہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اور نے خط لکھا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ یہ میرا خط ہے۔ اس لئے گواہی یاد ہوئے بغیر خط دیکھ کر گواہی نہ دے (۲) اثر میں ہے۔ **قال سألت الشعبی قلت یشهدنی الرجل علی الرجل بالشهادة فاوتی بکتاب یشبه کتابی و خاتم یشبه خاتمی ولا اذکر فقال الشعبی لا تشهد حتی تذکر** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشاھد یعرف کتابہ ولا یذکرہ، ج ثامن، ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۷ / سنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشھادۃ، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک واقعہ یاد نہ آئے تو خط دیکھ کر گواہی نہ دے۔

[۲۸۲۳](۱۴) اور اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح شہادت شاہد سے مشتق ہے یعنی دیکھ کر گواہی دینا اس لئے جن باتوں میں دیکھ کر گواہی دینا ہوتا ہے اس میں نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ البتہ جن باتوں میں صرف سن کر گواہی دینا ہوتا ہے ان میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ نابینا کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **حدثنا الاسود بن قیس العنزی سمع قومه یقولون، ان علیاً رد شهادة اعمی فی سرقة لم یجزها** (ج) (سنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشھادۃ، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۶ / مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۳۲۴، نمبر ۱۵۳۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سورج کی طرح روشن ہو جائے تب گواہی دو اور نابینا دیکھ نہیں سکتا اس لئے اس کے سامنے سورج کی طرح روشن نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ**

حاشیہ: (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کی گواہی پر گواہی دینا جائز ہے حقوق میں، چنانچہ حضرت شریح گواہوں سے کہتے تھے، کہو مجھ کو عادل نے گواہ بنایا ہے (ب) میں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کوئی آدمی کسی آدمی کی گواہی پر گواہ بناتا ہے۔ پس وہ ایک خط لاتا ہے جو میری تحریر کے مشابہ ہے، اور مہر لاتا ہے جو میرے مہر کے مشابہ ہے۔ اور مجھے یاد نہیں ہے کہ وہ میری تحریر ہے تو حضرت شعبیؒ نے فرمایا گواہی مت دو جب تک کہ یاد نہ آئے (ج) حضرت اسود نے اپنی قوم کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت علیؓ نے نابینا کی ایک چوری کے بارے میں گواہی رد کی، اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

[۲۸۲۴](۱۵) ولا المملوک[۲۸۲۵](۱۶) ولا المحدود فی قذف وان تاب.

قال ذکر عند رسول الله ﷺ الرجل یشهد بشهادة فقال: اما انت یا ابن عباس! فلا تشهد الا علی امر یضئ لک کضیاء هذه الشمس وأومی رسول الله ﷺ بیده الی الشمس (الف)(سنن للبیہقی، باب التحفظ فی الشھادۃ والعلم بھا، ج عاشر،ص ۲۶۳،نمبر ۲۰۵۷۹)اور نابینا کے سامنے سورج کی روشنی کی طرح واضح نہیں ہوگا اس لئے وہ گواہی نہیں دے سکتا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گواہ کی چیز دیکھتے وقت دیکھنے والا ہو چاہے گواہی دیتے وقت نابینا ہو تو مقبول ہے۔ وقال الشعبی تجوز شهادته اذا کان عاقلا، وقال الزهری ارأیت ابن عباس لو شهد علی شهادة اکنت ترده؟ (ب)(بخاری شریف، باب شھادۃ الاعمی ونکاحہ وامرہ وانکاحہ ومبایعتہ وقبولہ فی التاذین وغیرہ ومایعرف بالاصوات،ص ۳۶۳،نمبر ۲۶۵۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ الاعمی، ج ثامن،ص ۳۲۳،نمبر ۱۵۳۷۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے۔

[۲۸۲۴](۱۵)مملوک کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔فقال والله عزوجل یقول واستشهدوا شهیدین من رجالکم (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ) افتجوز شهادة العبید فبین مجاهد ان مطلق الخطاب یتناول الاحرار ۔دوسری روایت میں ہے۔عن علی والحسن والنخعی والزهری ومجاهد وعطاء لاتجوز شهادة العبید (ج)(سنن للبیہقی، باب من رد شھادۃ العبید ومن قبلھا، ج عاشر،ص ۲۷۲،نمبر ۲۰۶۰۸ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ العبد یعتق والنصرانی یسلم والصبی یبلغ، ج ثامن،ص ۳۴۶،نمبر ۱۵۴۸۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

فائدہ بعض اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔وقال انسؓ شهادة العبد جائزة اذا کان عدلا ،واجازه شریح وزرارة ابن اوفی وقال ابن سیرین شهادته جائزة الا العبد لسیده (د)(بخاری شریف، باب شھادۃ الاماء والعبید،ص ۳۶۳،نمبر ۲۶۵۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مملوک کی گواہی جائز ہے۔

[۲۸۲۵](۱۶)اور تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے اگر چہ توبہ کر چکا ہو۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا کہ وہ گواہی دیتا رہتا ہے۔تو آپؐ نے فرمایا تم اے ابن عباس! گواہی مت دو یہاں تک کہ معاملہ اس سورج کی طرح روشن ہو جائے۔اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ کیا(ب)حضرت شعبیؒ نے فرمایا نابینا کی گواہی جائز ہے اگر سمجھدار ہو تو۔حضرت زہریؒ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے اگر ابن عباس گواہی دے تو کیا تم اس کو رد کر دوگے؟(ج)اللہ تعالی کا قول تمہارے مردوں کی گواہی لو تو پوچھا کیا غلام کی گواہی جائز ہے؟ تو حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ قرآن میں مطلق خطاب آزاد کو شامل ہے یعنی غلام کی گواہی جائز نہیں ہے۔دوسری روایت میں ہے حضرت علیؓ،حضرت حسنؒ، حضرت نخعیؒ،حضرت زہریؒ،حضرت مجاہدؒ اور حضرت عطاء غلام کی گواہی جائز قرار نہیں دیتے تھے(د)حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی گواہی جائز ہے مگر غلام اپنے آقا کے لئے گواہی دے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ لا سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی۔اب وہ توبہ بھی کرے تب بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون ٥ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور الرحیم** (الف)(آیت ۴/۵،سورۃ النور ۲۴)اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو(۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قالت :قال رسول الله لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة** (ب)(ترمذی شریف،باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته،ج ۲،ص ۵۵،نمبر ۲۲۹۸رسنن للبیہقی،باب من قال لاتقبل شهادته،ج عاشر،ص ۲۶۱،نمبر ۲۰۵۶۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو تہمت لگانے میں جھٹلائے پھر بھی گواہی مقبول نہیں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **انبأ یونس عن الحسن قالا :لاتقبل شهادته ابدا وتوبته فیما بینه وبین ربه** (ج)(سنن للبیہقی،باب من قال لاتقبل شهادته،ج عاشر،ص ۲۶۲،نمبر ۲۰۵۷۴رمصنف ابن ابی شیبة ۴۷ من قال لاتجوز شهادته اذا تاب،ج رابع،ص ۳۳۰،نمبر ۲۶۰۵۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاذف توبہ کرلے یعنی یوں کہے کہ میں نے فلاں عورت پر زنا کی غلط تہمت لگائی تھی تو اب اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ آیت مذکورہ میں **الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم** (آیت ۵،سورۃ النور ۲۴) میں ہے کہ اگر توبہ کرلے تو اللہ معاف فرمادیں گے۔یعنی گواہی کے قابل ہو جائے گا(۲) بخاری شریف میں آگے یوں ہے۔ **وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته،واجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزیز ... وقال الشعبی وقتادة اذا اکذب نفسه جلد وقبلت شهادته** (د)(بخاری شریف،باب شهادۃ القاذف والسارق والزانی،ص ۳۶۱،نمبر ۲۶۴۸رسنن للبیہقی،باب شهادۃ القاذف،ج عاشر،ص ۲۵۶،نمبر ۲۰۵۴۵رمصنف عبدالرزاق،باب شهادۃ القاذف،ج ثامن،ص ۳۶۲،نمبر ۱۵۵۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت ڈالتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے تو ان کو اسی کوڑے مارو۔اور ان کی کبھی بھی گواہی قبول نہ کرو وہ لوگ فاسق ہیں۔مگر جو اس کے بعد توبہ کرلیا اور اصلاح کرلے تو اللہ معاف کرنے والے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا خیانت کرنے والے مرد، خیانت کرنے والی عورت کی گواہی جائز نہیں ہے۔اور نہ حد لگے ہوئے مرد اور نہ حد لگی ہوئی عورت اور نہ کینے والے کی گواہی جائز ہے (ج) حضرت حسن نے فرمایا محدود کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں ہے اور اس کی توبہ اس کے رب کے ساتھ ہے (د) حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہ پر تہمت کی وجہ سے حد لگائی پھر ان سے توبہ کے لئے کہا اور فرمایا جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول ہوگی۔اور عبداللہ بن عتبہ اور عمر بن عبد العزیز نے اس کی گواہی کی اجازت دی۔حضرت شعبی نے فرمایا اگر اپنے آپ کو جھٹلائے اور حد لگ جائے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲۸۲۶] (۱۷) ولا شهادة الوالد لولده وولدولده ولا شهادة الولد لابويه واجداده

[۲۸۲۷] (۱۸) ولا تُقبل شهادة احدى الزوجين للآخر.

[۲۸۲۶] (۱۷) اور نہ والد کی گواہی اپنے بیٹے کے لئے اور نہ اپنے پوتے کے لئے، اور نہ بچے کی گواہی اپنے والدین کے لئے اور اپنے دادا کے لئے۔

تشریح والداور والدہ کی گواہی اپنے بیٹے اور پوتے کے لئے مقبول نہیں ہے۔اسی طرح لڑکا یا لڑکی اپنے والدین کے لئے یا اپنے دادادادی کے لئے دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ لڑکا اپنے باپ، دادا کی گواہی دے یا باپ، دادا بیٹے یا پوتے کی گواہی دے تو اس میں رعایت کرنے کی تہمت ہے اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فی ولاء ولا قرابة،قال الفزاری القانع التابع (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شہادتہ، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کی گواہی مقبول نہیں۔اورلوگوں کی آپس میں قرابت ہے اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ گھر کے قانع یعنی گھر والے جس کی کفالت کرتے ہوں اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور باپ بیٹے کی کفالت کرتا ہے۔اسی طرح بوڑھاپے میں بیٹا باپ کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے(۳) اثر میں ہے۔عن ابراهيم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده ،والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته، والعبد لسيده،والسيد لعبده،والشريک لشريكه فی الشیء اذا كان بينهما ،واما فيما سوی ذلک فشهادته جائزة (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولدلوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ دادا کے لئے مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۲۷] (۱۸) اور نہیں قبول کی جائے گی میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے۔

تشریح بیوی شوہر کے لئے گواہی دے یا شوہر بیوی کے لئے گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ (۱) یہاں بھی تعلق ہے اس لئے شبہ ہوگا کہ حمایت میں گواہی دے رہا ہے اس لئے مقبول نہیں ہے(۲) اوپر ترمذی شریف کی حدیث گزری جس میں تھا' ولا قرابة ' کہ قریب خاص کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس لئے بھی مقبول نہیں ہوگی (۳) اور یہ اثر بھی گزرا۔والمرأة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا خیانت کرنے والے کی گواہی جائز نہیں...نہ گھر کے غلام کی اور نہ ولاء میں شریک کی اور نہ قرابت والوں کی۔حضرت فزاری نے فرمایا قانع سے مراد نوکر اور تابع ہے(ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔والد کی اپنے بچوں کے لئے،اور بچے کی والد کی لئے، عورت کی شوہر کے لئے،اور شوہر کی بیوی کے لئے،اور غلام اپنے آقا کے لئے،اور آقا کی اپنے غلام کے لئے،اور شریک کی شریک کے لئے جس مال میں دونوں شریک ہیں۔بہرحال ان کے علاوہ تو اس کی شہادت جائز ہے۔

[۲۸۲۸](۱۹) ولا شهادة المولی لعبده ولا لمکاتبه.

لزوجها والزوج لامرأته (مصنف عبدالرزاق، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۲۸۵۱)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔

وجہ اس لئے کہ دونوں حقیقت میں نسبی اعتبار سے الگ الگ ہیں۔ اور جو نفقہ ادا کرتا ہے وہ جماع کی مزدوری ہے اس لئے گواہی دے سکتے ہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سمعت شریحا اجاز لامرأة شهادة ابیها وزوجها، فقال له الرجل انه ابوها وزوجها ،فقال له شریح فمن شهد للمرأة الا ابوها وزوجها** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخیه والابن لابیه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۳ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔

[۲۸۲۸] (۱۹) اور آقا کی گواہی اپنے غلام کے لئے اور اپنے مکاتب کے لئے مقبول نہیں ہے۔

وجہ یہاں بھی آقا اپنے غلام کی کفالت کرتا ہے اور مکاتب بھی ابھی غلام کے درجے میں ہے تو گویا یہ **قانع لاهل البیت** ہو گیا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخیه ورد شهادة القانع لاهل البیت واجازها لغیرهم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب من ترد شهادته ،ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ جسکی کفالت کرتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔ اور غلام اور مکاتب کی آقا کفالت کرتا ہے اسلئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) اثر میں ہے۔ **وقال ابن سیرین شهادته جائزة الا العبد لسیده** (ج) (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید، ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹) (۳) اوپر اثر بھی گزرا۔ **اربعة لاتجوز شهادتهم ... والعبد لسیده والسید لعبده** (د) (مصنف، عبدالرزاق، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کے لئے اور آقا غلام کے لئے گواہی نہیں دے سکتے (۴) یوں بھی غلام کا مال آقا کا مال ہے اس لئے گویا کہ اپنے مال ہی کے لئے گواہی دیتا ہے اس لئے جائز نہیں۔ اور مکاتب غلام کے درجے میں ہے اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ **قال ابراهیم اذا کان یسعی فهو منزلة العبد یقول لا تجوز شهادته** (ہ) (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة المکاتب والذی یسعی، ج ثامن، ص ۳۴۵، نمبر ۱۵۴۷۸ر ۱۵۴۷۹)

حاشیہ : (الف) حضرت شریحؒ نے عورت کے لئے اس کے باپ اور شوہر کی گواہی جائز قرار دی۔ پس لوگوں نے کہا یہ اس کے باپ اور اس کے شوہر ہیں۔ حضرت شریحؒ نے فرمایا عورت کے لئے کون گواہی دے گا سوائے اس کے باپ اور شوہر کے؟ (ب) حضورؐ نے رد کیا خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی کو۔ اور بھائی سے کینہ رکھنے والے کی گاہی کو۔ اور رد کیا نوکر کی گواہی اور ان کے علاوہ کی اجازت دی (ج) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ گواہی جائز ہے مگر غلام کی آقا کے لئے جائز نہیں (د) چار کی گواہی جائز نہیں... غلام کی آقا کے لئے اور آقا کی اپنے غلام کے لئے (ہ) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اگر غلام سعایت کر رہا ہو تو وہ بھی غلام کی طرح ہے اس کی گواہی جائز نہیں ہے۔

[۲۸۲۹](۲۰) ولا شهادة الشریک لشریکه فیما هو من شرکتهما[۲۸۳۰](۲۱) وتُقبل شهادة الرجل لاخیه وعمه[۲۸۳۱](۲۲) ولا تُقبل شهادة مخنَّث ولا نائحة ولا

[۲۸۲۹](۲۰)اور نہ شریک کی گواہی شریک کے لئے جس چیز میں دونوں کی شرکت ہے۔

تشریح جس معاملے میں دونوں کی شرکت ہے اس معاملے میں ایک شریک کی گواہی دوسرے کے لئے مقبول نہیں ہے۔

وجہ یہاں بھی تہمت ہے کہ اپنے ہی مال کے لئے رعایت کر کے گواہی دے رہا ہے(۲) حدیث گزری۔ عن عمر بن شعیبؓ ان رسول اللہ علیہ السلام رد شهادة الخائن والخائنة (الف) (ابوداؤد شریف، باب من ترد شهادته، ج ۲،ص ۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ر ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸)اس حدیث میں ہے کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اور شریک کے بارے میں شبہ ہوسکتا ہے کہ خیانت کے ساتھ گواہی دے۔اس لئے اس کی گواہی اس مال میں صحیح نہیں جس میں شریک ہے۔ باقی دوسرے معاملے میں شریک کے بارے میں گواہی دے سکتا ہے(۳)اثر بھی گزرا۔ عن ابراهیم قال اربعة لاتجوز شهادتهم... والشریک لشریکه فی الشیء اذا کان بینهما، واما فیما سوی ذلک فشهادته جائزة (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخیه، والابن لابیه، والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱)اس اثر میں ہے کہ شریک کی گواہی شریک کے لئے مال شرکت میں مقبول نہیں ہے۔

اصول ان سب گواہی میں یہ اصول ہے کہ جہاں رعایت کرنے یا خیانت کرنے کا شبہ ہے وہاں گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۳۰](۲۱)اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی کے لئے اور چچا کے لئے قبول کی جائے گی۔

وجہ بھائی اور چچا کی کفالت بھائی اور بھتیجے کے ذمے نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کی رہائش الگ الگ ہے۔اس لئے قانع اہل بیت نہیں ہوئے۔اس لئے ان کی گواہی مقبول ہے(۲)اثر میں ہے۔ان شریحا کان یجیز شهادة الاخ لاخیه اذا کان عدلا (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی شهادة الاخ لاخیه، ج عاشر، ص ۳۴۱، نمبر ۲۰۸۶۷ر مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخیه والابن لابیه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۳۴۳، نمبر ۱۵۴۶۶ر مصنف ابن ابی شیبة، ۲۲۵ فی شهادة الاخ لاخیه، ج رابع، ص ۴۳۳، نمبر ۲۱۷۸۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھائی کی گواہی بھائی کے لئے جائز ہے اور چچا تو اس سے دور کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے بھی گواہی جائز ہوگی۔

[۲۸۳۱](۲۲)اور نہیں قبول کی جائے گی گواہی مخنث کی اور نہ رونے والے کی، اور نہ گانے والی کی، اور نہ لہو ولعب کے طور پر ہمیشہ شراب پینے والے کی، اور نہ اس کی جو پرندہ بازی کرے۔

تشریح مخنث کہتے ہیں جو مرد عورت کی طرح کرتا ہو۔اگر اتنا ہی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے لیکن اگر لواطت کرواتا ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔کیونکہ وہ اس گناہ کی وجہ سے فاسق ہوگیا۔اور آیت کی وجہ سے فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے رد کیا خائن کی گواہی کو اور خائنہ عورت کی گواہی کو (ب) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے...شریک کی گواہی شرکت کی چیز میں، بہر حال ان کے علاوہ میں تو اس کی گواہی جائز ہے (ج) حضرت شریح جائز قرار دیتے تھے بھائی کی گواہی کو بھائی کے لئے جبکہ عادل ہو۔

مغنيّة ولا مدمن الشُرب على اللهو ولا من يلعب بالطيور.

وجہ آیت میں ہے۔ واشهدوا ذوا عدل منكم واقيموا الشهادة لله (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی مقبول ہے فاسق کی نہیں۔ اس لئے جو لوگ مسلسل گناہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو گئے اور ابھی بھی اس گناہ کے عادی ہیں اس سے توبہ نہیں کی ہے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۲) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایها لذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (الف) (آیت ۶، سورۃ حجرات ۴۹) اس آیت میں ہے کہ فاسق کوئی خبر لائے تو اس پر یقین مت کرو۔ اس کی پوری تفتیش کرو کیونکہ فاسق جھوٹ بول سکتا ہے۔ اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے (۳) عادل کی تعریف یہ ہے۔ قلت لابرهيم ماالعدل من المسلمين؟ قال الذين لم تظهر لهم ريبة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لایقبل متھم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، ج ثامن، ص ۳۱۹، نمبر ۱۵۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو گناہ کر کے مشکوک ہو چکا ہے وہ عادل نہیں رہا۔

مخنث گنہگار ہے اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لعن النبی ﷺ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء، وقال اخرجوهم من بيوتكم واخرج عمرؓ فلانا (ج) (بخاری شریف، باب فی اہل المعاصی والمخنثین، ص ۱۰۱۰، نمبر ۶۸۳۴) اس حدیث میں مخنث پر لعنت کی ہے اور اس کو گھروں سے نکالنے کا حکم دیا ہے اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔

اور لواطت کرتا ہو اس سے گنہگار ہونے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به (د) (ابوداؤد شریف، باب فیمن عمل عمل قوم لوط، ص ۲۶۵، نمبر ۴۴۶۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی حد اللوطی، ص ۲۷۰، نمبر ۱۴۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لواطت کرنے والے اور کرانے والے دونوں قتل کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں۔ اس لئے یہ فاسق ہوئے اور ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

نوٹ اگر لواطت نہ کرواتا ہو، صرف عورتوں کی طرح چال ڈھال ہوگئی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ کیونکہ وہ گناہ کبیرہ میں مبتلا نہیں ہے۔

نائحہ : غم اور مصیبت کی وجہ سے فطری طور پر روئے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، اس کی گواہی مقبول ہے۔ یہاں نائحہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو پیشہ ور رونے والی ہو کہ غم وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ کرایہ پر نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ ایسی نوحہ خوانی گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے ان کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ اور گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ نوحہ حرام ہونے کی دلیل یہ ہے۔ عن ابی سعيد الخدری قال لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة (ہ) (ابوداؤد شریف، باب فی النوح، ج ۲، ص ۱۷۴، نمبر ۳۱۲۸ رمسلم شریف، باب التشدید فی النیاحۃ، ص ۳۰۳، نمبر ۹۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ گناہ کبیرہ ہے اس لئے نوحہ کرنے والیوں کی گواہی مقبول نہیں جب تک کہ اس سے توبہ نہ

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی وضاحت طلب کرو۔ کیونکہ نادانی میں کسی قوم سے جھگڑ نہ پڑو۔ پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو (ب) میں نے حضرت ابراہیمؒ سے پوچھا کہ مسلمانوں کا عدل کیا ہے؟ فرمایا جس کے بارے میں شک ظاہر نہ ہو (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آپؐ نے مخنث مرد پر لعنت فرمائی اور جو عورتیں مرد بنتی ہیں۔ اور فرمایا ان کو گھروں سے نکال دو، اور فلاں کو نکالا اور حضرت عمرؓ نے فلاں کو نکالا (د) آپؐ نے فرمایا جس کو قوم لوط کا کام کرتے پاؤ اس کے کرنے والے اور کرانے والے کو قتل کر دو (ہ) آپؐ نے لعنت فرمائی نوحہ کرنے والی عورت پر اور اس کو سننے والی پر۔

کرے۔

مغنیہ : کبھی کبھار گیت گالیا یا شعر کہہ لیا اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔ یہاں مغنیہ سے مراد ہے جو گانے کا پیشہ بنا لیا ہو۔ اور ناچ گانے کی دعوت دیتی ہو۔ اس کی عدالت ساقط ہوگی کیونکہ ایسا گانا گناہ کبیرہ ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین** (آیت ۶، سورۃ لقمان ۳۱) اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ **ھو واللہ الغناء** (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یوتی علیہ ویأتی لہ ویکون منسوبا الیہ مشھورا بہ معروفا او المرأۃ، ج عاشر، ص ۳۷۷، نمبر ۲۱۰۰۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ گانا حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل** (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یؤتی علیہ ویأتی لہ الخ، ج عاشر، ص ۳۷۸، نمبر ۲۱۰۰۸ / ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ الغناء، ص، نمبر ۴۹۲۷) (۳) ترمذی شریف میں ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ قال اخذ النبی ﷺ بید عبد الرحمن بن عوف ... ولکن عن صوتین احمقین فاجرین صوت عند مصیبۃ خمش وجوہ وشق جیوب ورنۃ شیطان** (ج) ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، ص ۱۹۵، نمبر ۱۰۰۵) اس حدیث میں رنۃ الشیطان سے مراد گانا گانا ہے۔ اس لئے یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کا پیشہ بنانے سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

مدمن الشرب : جو شراب پیتا ہو اور توبہ کرنے کی نیت نہ ہو اس کو مدمن الشرب شراب میں دھت کہتے ہیں۔ شراب پینا گناہ کبیرہ ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوا لعلکم تفلحون** (د) (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں شراب پینا حرام قرار دیا گیا ہے (۱) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مؤمن** (ہ) (بخاری شریف، باب الزنا وشرب الخمر، ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب پینے سے مؤمن باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

اگر شراب پینے سے توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجہ : اثر میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال کنت مع عمر بن الخطاب فی حج ... فامر الناس ان یجالسوہ ویوا کلوہ وان تاب فاقبلوا شھادتہ وحملہ واعطاہ مأتی درھم فاخبر عمرؓ ان شھادتہ تسقط بشرب الخمر وانہ اذا تاب حینئذ تقبل شھادتہ** (و) (سنن للبیہقی، باب شھادۃ اہل الاشربۃ، ج عاشر، ص ۳۶۲، نمبر ۲۰۹۴۸) اس اثر میں ہے کہ شراب پینے سے توبہ کرے تو

حاشیہ : (الف) لوگوں میں سے وہ ہیں جو کھیل کی چیزیں خریدتا ہے تاکہ نادانی میں اللہ کے راستے سے گمراہ کر سکے اور اس کو مذاق کی چیز بنا سکے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں خدا کی قسم لھو الحدیث سے گانا مراد ہے (ب) آپؐ نے فرمایا غناء دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ جیسے پانی سبزیوں کو پیدا کرتا ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا لیکن میں دو فاجر احمق آوازوں سے روکا گیا ہوں (۱) مصیبت کے وقت آواز نکالنا، چہرے پر مارنا، دامن پھاڑنا (۲) شیطان کی گنگناہٹ (د) شراب، جوا، بت اور قسمت کا تیر ناپاک ہے شیطان کا عمل ہیں۔ اس سے پرہیز کیا کرو شاید کہ کامیاب ہو جاؤ گے (ہ) آپؐ نے فرمایا زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا اور شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا (و) میں حضرت عمرؓ کے ساتھ حج میں تھا... لوگوں کو حکم دیا کہ شرابی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۸۳۲](۲۳) ولا من يُغَنِّي للناس ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد ولا من

اس کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

لامن یلعب بالطیور : پرندوں کو سکھانے اور کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔ یہاں مراد ہے کہ پرندے کے ذریعہ سے بازی لگاتا ہے۔اس لئے یہ ایک قسم کا جوا ہے۔اور اوپر آیت میں گزرا کہ جوا حرام ہے۔ یا ایها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون (الف) (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں میسر اور ازلام سے مراد جوا ہے جو حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان نبی الله ﷺ نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی السکر، ص ۱۶۲، نمبر ۳۶۸۵) اس حدیث میں المیسر یعنی جوا حرام قرار دیا۔اس لئے پرندے کے ذریعہ جو جوا کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مسلسل گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے عدالت ساقط ہوگئی۔اور آیت مذکورہ کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

لغت : مخنث : خنثی سے مشتق ہے، جو عورتوں کی طرح حرکت کرے۔نائحہ : سینہ پیٹ کر رونے والی۔مدمن : شراب میں دھت ہو۔ اللھو : کھیل کود۔

[۲۸۳۲](۲۳) اور نہ اس کی گواہی جو لوگوں کے لئے گاتا ہو، اور نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے جس سے حد متعلق ہوتی ہو۔اور نہ وہ جو بغیر لنگی کے حمام میں داخل ہوتا ہو۔

تشریح جو لوگوں کے لئے گاتا ہو اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ یہ بھی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے۔اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے (۲) یہ حدیث بھی ہے۔ سمعت عبد الله يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الغناء ينبت النفاق فى القلب (ج) ابوداؤد شریف، باب فی الغناء، ص ۳۲۶، نمبر ۴۹۲۷)

ایسا کبیرہ گناہ کرنے کا عادی ہے جس پر حد ہے، مثلا چوری، ڈاکہ زنی کی تو اس سے حد لازم ہوتی ہے۔اس لئے چور اور ڈاکہ زنوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ اس سے عدالت ساقط ہوگئی اور آیت کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

لا یدخل الحمام بغیر ازار : اگر غسل خانہ بند ہو اور ایک آدمی ننگا غسل کرے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔لیکن ایسا غسل خانہ ہو جس میں

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کے ساتھ بیٹھو، اس کے ساتھ کھانا کھاؤ، اگر وہ توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول کرو۔اس کو سوارہ دی اور اس کو دوسو درہم دیا۔حضرت عمرؓ نے خبر دی کہ شراب پینے سے اس کی گواہی ساقط ہو جاتی ہے۔اور اگر توبہ کرے تو اس وقت اس کی گواہی مقبول ہوگی (الف) اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت کا تیر ناپاک ہیں، شیطان کا عمل ہے۔اس سے پرہیز کرو، شاید کامیاب ہو جاؤ گے (ب) آپؐ نے منع کیا شراب سے اور جوئے سے اور شطرنج سے اور چینائی شراب سے (ج) آپؐ نے فرمایا غناء دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

یدخل الحمام بغیر ازار [۲۸۳۳] (۲۴)و یأکل الربوا ولا المُقامر بالنرد و الشطرنج.

بہت سے لوگ ایک ساتھ نہاتے ہوں۔ جیسے انگلینڈ میں سویمنگ پول ہوتا ہے جس کو حمام کہتے ہیں۔اس میں بالکل ننگا داخل ہو تو چونکہ بغیر ستر کے سب کے سامنے داخل ہوا،اور سب کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے اس لئے اس گناہ کبیرہ کی وجہ سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔ستر کھولنے کی حرمت اس آیت میں ہے۔**یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد** (الف)(آیت ۳۱،سورۃ الاعراف ۷)اس آیت میں ہے کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرو یعنی کپڑا پہنو(۲) حدیث میں ہے۔ **ثم اردف رسول اللہ ﷺ علیا فامرہ ان یوذن ببراءۃ قال ابو ھریرۃ فاذن معنا علیؓ فی اھل منی یوم النحر، لایحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان** (ب) (بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ،ص ۵۳،نمبر ۳۶۹)اس حدیث میں ننگا رہنے سے منع فرمایا(۳) ایک اور حدیث ہے۔**عن ابی سعید الخدری انہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اشتمال الصماء، وان یحتبی الرجل فی ثوب واحد لیس علی فرجہ منہ شیء** (ج)(بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ،ص ۵۳،نمبر ۳۶۷)اس حدیث میں بھی ستر کھولنے سے منع فرمایا۔اس لئے عام لوگوں کے سامنے غسل خانہ میں ستر کھولنے سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔اور اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۳](۲۴)اور نہ اس کی گواہی جو سود کھائے اور نہ جو نرد اور شطرنج کھیلے۔

تشریح جو سود کھاتا ہو اور اس میں مشہور ہو وہ فاسق ہو گیا۔اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ سود کھانا حرام ہے۔**الذین یأکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا** (د)(آیت ۲۷۵،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں سود حرام قرار دیا ہے۔اس لئے اس کے کھانے والے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ولا المقامر بالنرد : نرد ایک قسم کا کھیل ہے۔اگر اس سے جوا کھیلے تو حرام ہے۔اور جوا کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔**انما الخمر المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون** (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵)اور اگر جوئے کے بغیر نرد کھیلے تب بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ قال من لعب بالنرد شیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ** (ہ)(مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر، ج ۲،ص ۲۴۰،نمبر ۲۲۶۰ رابوداؤد شریف، باب فی النھی عن اللعب بالنرد،ص

حاشیہ : (الف) اے بنی آدم نماز کے وقت زینت اختیار کرو (ب) حضورؐ نے حضرت علیؓ کو پیچھے بٹھایا اور ان کو حکم دیا کہ برائت کا اعلان کرے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمارے ساتھ اہل منی میں دسویں ذی الحجہ کو اعلان فرماتے تھے کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔اور نہ ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے (ج) آپؐ نے منع فرمایا لپیٹ کر چادر اوڑھنے سے،اور آدمی اس طرح ایک کپڑے میں لپٹے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی چیز نہ ہو (د) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں کھڑے نہیں ہوں گے مگر ایسا جیسا کہ شیطان نے خبط الحواس بنا دیا ہو۔یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو صرف سود کی طرح ہے۔حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام (ہ) آپؐ نے فرمایا کوئی نرد شیر کھیلے تو گویا کہ اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت میں اور اس کے خون میں رنگ رہا ہے۔

[۲۸۳۴](۲۵) ولا من یفعل الافعال المُستخفَّة کالبول علی الطریق والاکل علی

۳۲۷،نمبر۴۹۳۹)اس حدیث میں ہے کہ نردشیر سے جو کھیلے گویا کہ اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں رنگا۔اس لئے اس کے کھیلنے والوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

والشطرنج : یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے اگر اس میں جوا نہ ہوا ہو اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں تو بعض حضرات نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **انبأ الشافعی قال کان محمدبن سیرین وھشام بن عروۃ یلعبان بالشطرنج استدبارا** (الف) (سنن للبیھقی، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج،ج عاشر،ص ۳۵۷،نمبر ۲۰۹۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھلینا جائز ہے۔کیونکہ اس کھیل میں دماغ تازہ ہوتا ہے بشرطیکہ نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں اور جوا نہ ہوا ہو۔

اور اگر اس میں اتنی مشغولیت ہے کہ نماز اور دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو پھر عدالت ساقط ہوگی اور گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجہ اثر میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ **عن علی انہ یقول الشطرنج ھو میسر الاعاجم** (ب) دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ انہ سئل عن الشطرنج فقال ھو شر من النرد** (ج) (سنن للبیھقی، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج،ج عاشر،ص ۳۵۸، نمبر ۲۰۹۲۸/۲۰۹۳۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھلینا جائز نہیں ہے۔اس لئے یوں کہا جائے کہ اس سے دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو کھیلنے والے کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور فاسق ہونے کی بنا پر گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۴](۲۵) اور نہ اس کی گواہی جو حقیر کام کرتا ہو جیسے راستے پر پیشاب کرنا اور راستے پر کھانا۔

تشریح جو حقیر کام کرنے کا عادی ہو وہ جھوٹ بولنے سے بھی عار محسوس نہیں کرے گا۔اس لئے ایسے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ظنین یعنی دین میں متہم آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ **عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودۃ ولا ذی غمر لاحنة ولا مجرب شھادۃ ولا القانع اھل البیت لھم ولا ظنین فی ولاء ولا قرابة** (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شھادتہ،ج ۲،ص ۵۵،نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے ولا ظنین یعنی اس کی گواہی مقبول نہیں جو دین میں متہم ہو۔چنانچہ اس کی تفسیر حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال بعث رسول اللہ منادیا فی السوق انہ لا تجوز شھادۃ خصم ولا ظنین. قیل وما الظنین ؟قال المتھم فی دینہ**۔دوسری روایت میں ہے۔**ولا مریب** (ہ)

حاشیہ : (الف) ہمیں حضرت امام شافعیؒ نے خبر دی کہ محمد ابن سیرین اور ہشام بن عروۃ کبھی کبھی شطرنج کھیلتے تھے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا شطرنج عجمیوں کا جوا ہے (ج) حضرت ابن عمرؓ سے شطرنج کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ نرد سے بھی برا ہے (د) حضورؐ نے فرمایا خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے اور نہ حد لگے ہوئے مرد کی اور نہ حد لگی ہوئی عورت کی اور نہ بھائی سے کینہ رکھنے والے کی اور نہ شہادت کی مشق کئے ہوئے کی اور گھر کے نوکر کی اور نہ دین میں متہم کی اور نہ قرابت والے کی (ہ) حضورؐ نے بازار میں اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ خصم کی گواہی مقبول نہیں اور ظنین کی۔پوچھا گیا کہ ظنین کیا ہے؟ فرمایا جو دین میں متہم ہو۔ دوسری روایت میں ہے مریب کی یعنی جس کی دینداری میں شک ہو۔

الطريق[۲۸۳۵](۲۶) ولا تقبل شهادة من يظهر سبَّ السلف[۲۸۳۶](۲۷) وتقبل

(مصنف عبدالرزاق، باب لایقبل متہم ولا جار الی نفسہ ولاظنین، ج ثامن، ص۳۲۰/۳۲۲، نمبر ۱۵۳۶۵/۱۵۳۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جو دین میں متہم ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

نوٹ جس معاشرے میں تھوڑا بہت راستے پر کھانا معیوب نہیں ہے اس کے کھانے سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔

[۲۸۳۵](۲۶) اس آدمی کی گواہی مقبول نہیں جو سلف کو گالیاں دیتا ہو۔

تشریح جو سلف صالحین کو برا بھلا کہتا ہو یا گالیاں دیتا ہو وہ فاسق ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) جو سلف کا احترام نہ کرتا ہو وہ عموما جھوٹ بولنے میں عار محسوس نہیں کرتا اس لئے بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر** (الف) (بخاری شریف، باب ما ینہی من السباب واللعن، ص۸۹۳، نمبر ۶۰۴۴ / مسلم شریف، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، ص ۵۸، نمبر ۶۴، کتاب الایمان) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ اس لئے سلف صالحین کو گالی دیتا رہتا ہو تو بدرجۂ اولی فسق ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

[۲۸۳۶](۲۷) اور قبول کی جائے گی اہل ہواء کی گواہی سوائے خطابیہ کے۔

تشریح اہل ہواء سے مراد وہ تمام جماعتیں ہیں جو اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہوں جیسے شیعہ، رافضی وغیرہ۔ وہ مسلمان ہیں اگر چہ ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہے۔ اس لئے ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف قبول کی جائے گی۔

وجہ **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدودا فى فرية** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لاتجاوز شہادتہ اذا تاب، ج رابع، ص۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰ / دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سب کے سب عادل ہیں اس لئے چاہے تھوڑا بہت اختلاف ہو سچ بولنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف مقبول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعۃ سے کینہ ہوگا اور کینہ کی وجہ سے جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں اس لئے مقبول نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ کسی آدمی سے کینہ ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذى الغمر على اخيه ... وقال ابو داؤد ،الغمر الحقد والشحناء** (ج) (ابو داؤد شریف، باب من ترد شہادتہ، ص۱۵۱، نمبر ۳۶۰۰ / ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن لا تجوز شہادتہ، ج ۲، ص ۵۵، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ غمر والے یعنی کینے والے کی گواہی مقبول نہیں۔ اور دوسرے فرقے والوں کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر تہمت زنا میں حد لگائے ہوئے (ج) آپؐ نے رد کی خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی اور بھائی کے بارے میں کینہ رکھنے والے کی گواہی... حضرت امام ابو داؤدؒ نے فرمایا غمر کا معنی کینہ ہے۔

شھاد ۃ اھل الھواء الا الخطابیۃ[۲۸۳۷](۲۸) وتُقبل شھادۃ اھل الذمۃ بعضھم علی بعض وان اختلف مِلَلُھم.

چونکہ اہل سنت کے خلاف کینہ ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

الا الخطابیۃ : یہ رافضیوں کا غالی فرقہ ہے۔ یہ ابی خطاب محمد بن وہب الاجدع کی طرف منسوب ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے مذہب کے علاوہ پر جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ مذہب کو چھپانے یا بچانے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ تو چونکہ جھوٹ بولنے کا شبہ ہے اس لئے اس کی گواہی دوسرے مذہب والے کے خلاف مقبول نہیں ہے۔

لغت اہل الھواء : خواہش والے، یہاں مراد ہے اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ کے مذاہب

[۲۸۳۷](۲۸) ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض کے خلاف جائز ہے چاہے وہ آپس میں مختلف ہوں۔

تشریح یہودی یا نصرانی جو دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہوں ان کو ذمی کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں تو جائز ہے۔

وجہ نصرانی نصرانی کے خلاف گواہی دے تو دونوں ایک مذہب کے ہوئے اس لئے جائز ہے۔ اور نصرانی یہودی کے خلاف گواہی دے تب بھی جائز ہے کیونکہ دونوں ذمی ہیں۔ اور گویا کہ غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے ایک مذہب ہوئے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہؓ ان رسول اللہ ﷺ اجاز شھادۃ اھل الکتاب بعضھم علی بعض** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب شھادۃ اہل الکتاب بعضھم علی بعض، ص ۳۴۰، نمبر ۲۳۷۴ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض وشھادۃ المسلم علیھم، ج ثامن، ص ۳۵۷، نمبر ۱۵۵۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب جو ذمی ہوتے ہیں بعض کی گواہی بعض کے خلاف جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذمی میں بھی ایک مذہب والے کی گواہی دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ (۱) پیچھے گزر چکا ہے کہ جن کے درمیان کینہ ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔ اور یہود اور نصاری کے درمیان دائمی کینہ ہے اس لئے یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف مقبول نہیں۔ آپس کی دشمنی کی دلیل یہ آیت ہے۔ **فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ** (ب) (آیت ۱۴، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ اس کے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ اس لئے ایک ملت کی گواہی دوسری ملت کے لئے مقبول نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لایتوارث اھل ملتین شیء ولا تجوز شھادۃ ملۃ علی ملۃ الا ملۃ محمد فانھا علی غیرھم** (ج) (سنن للبیہقی، باب من رد شھادۃ اہل الذمۃ، ج عاشر، ص ۲۷۴، نمبر ۲۰۶۱۶ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض عشھادۃ المسلم علیھم، ج ثامن، ص ۳۵۶، نمبر ۱۵۵۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے خلاف گواہی نہ دے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جائز قرار دی اہل کتاب کی گواہی بعض کی بعض پر (ب) ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک دشمنی اور بغض بھڑکا دی (ج) آپؐ نے فرمایا دو ملت والے ایک دوسرے کے کچھ بھی وارث نہیں ہوں گے۔ اور کسی ملت کی گواہی کسی دوسری ملت پر جائز نہیں سوائے ملت محمد کی اس لئے کہ وہ اس کے غیر پر بھی جائز ہے۔

[۲۸۳۸](۲۹) ولاتُقبل شهادة الحربی علی الذمی [۲۸۳۹] (۳۰)وان کانت الحسنات اغلب من السیئات والرجل ممن یجتنب الکبائر قبلت شهادته وان اَلَمَّ

[۲۸۳۸] (۲۹) حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ ذمی سے مراد مستامن ہے یعنی وہ حربی جو امن لیکر دار الاسلام آیا ہو۔ یا دوسری شکل یہ ہے کہ ذمی کسی کام کے لئے دار الحرب گیا اور کوئی بات ہوگئی اب حربی ذمی کے خلاف گواہی دے رہا ہے تو یہ گواہی مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ حربی کا درجہ کم ہے اور ذمی دار الاسلام میں رہنے کی وجہ سے اعلی ہے۔ اس لئے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف مقبول نہیں ہے (۲) اوپر حدیث گزری کہ ایک ملت کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول نہیں۔ اس لئے ذمی اور حربی کے بارے میں اس پر عمل کیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ **کان شریح یجیز شهادة کل ملتها ولا یجیز شهادة الیهودی علی النصرانی ولا النصرانی علی الیهودی الا المسلمین فانه کان یجیز شهادتهم علی الملل کلها** (الف) (سنن للبیہقی، باب من اجاز شهادة اہل الذمة علی الوصیة فی السفر عند عدم من شهد علیها من المسلمین، ج عاشر، ص ۲۷۹، نمبر ۲۰۶۲۸ ر مصنف عبد الرزاق، باب شهادة اہل الملل بعضهم علی بعض وشهادة المسلم علیهم، ج ثامن، ص ۳۵۷، نمبر ۱۵۵۲۸) اس اثر میں ہے کہ یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ جب ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی تو اسی پر قیاس کر کے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

[۲۸۳۹] (۳۰) اگر اچھائیاں برائیاں پر غالب ہوں اور آدمی گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگر چہ گناہ صغیرہ کر لیتا ہو۔

تشریح کسی آدمی کے اچھے اعمال غالب ہوں اور برے اعمال کم ہوں اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو چاہے صغیرہ گناہ کر لیتا ہو پھر بھی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ تمام گناہ صغیرہ سے پرہیز کرنا تو آدمی کے لئے مشکل ہے اس لئے یہ قید لگائیں کہ بالکل گناہ صغیرہ نہ کرے تو گواہ کے لئے کوئی آدمی نہیں ملے گا۔ اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اچھائیاں غالب ہو اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو۔ گواہی دینے کے لئے اتنا کافی ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ کر لیا لیکن بعد میں اس سے توبہ کر لی تب بھی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ **وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته ... وقال الشعبی وقتادة اذا اکذب نفسه جلد وقبلت شهادته** (ب) (بخاری شریف، باب شهادة القاذف والسارق والزانی،

حاشیہ : (الف) حضرت شریح جائز قرار دیتے تھے ایک ملت کی گواہی دوسری ملت پر اور نہیں جائز قرار دیتے تھے یہودی کی گواہی نصرانی پر اور نہ نصرانی کی گواہی یہودی پر مگر مسلمان کی گواہی پس وہ ان کی گواہی تمام مذاہب پر جائز قرار دیتے تھے (ب) حضرت عمرؓ نے کوڑے لگائے ابو بکرہ اور شبل بن معبد اور نافع پر حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے۔ پھر اس سے توبہ کرنے کے لئے کہا اور فرمایا جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول کی جائے گی... حضرت شعبی اور قتادہ نے فرمایا اگر اپنے آپ کو جھٹلائے تو حد لگے گی اور اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

بمعصية [۲۸۴۰](۳۱) وتُقبل شهادة الاقلف والخصی وولد الزنا و شهادة الخنثیٰ

ص۳۶۱،نمبر ۲۶۴۸)اس اثر میں ہے کہ گناہ کبیرہ کر کے توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

اور ظاہری طور پر اچھے اعمال کرتے ہوں تو گواہی مقبول ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **سمعت عمرؓ بن الخطاب یقول ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عهد رسول الله ﷺ وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الآن بما ظهر لنا من اعمالکم، فمن اظهر لنا خیرا امناه وقربناه ولیس الینا من سریرته شیء،الله یحاسب فی سریرته ومن اظهر لنا سوءً ا لم نامنه ولم نصدقه ،وان قال ان سریرته حسنة (الف)** (بخاری شریف، باب الشهداء والعدول،ص۳۵۰،نمبر۲۶۴۱)اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ظاہری طور پر اچھے اعمال نظر آتے ہوں تو اس پر اعتماد کریں گے اور اس کو قریب کریں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

لغت الم بمعصية : اگر گناہ کرے،اس سے مراد گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا ہے

[۲۸۴۰](۳۱)اور قبول کی جائے گی غیر ختنہ والے کی گواہی اور خصی کی گواہی اور ولد الزنا کی گواہی اور خنثی کی گواہی بھی جائز ہے۔

تشریح جس آدمی کا ختنہ نہ ہوا ہو اس کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ چونکہ ختنہ نہ کرنے سے عدالت ساقط نہیں ہوئی اور نہ فاسق ہوا۔اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

خصی : جس آدمی کا خصیہ نکال لیا گیا ہو اس کو خصی کہتے ہیں۔اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجہ خصیہ نکال لینے کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوئی اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی (۲)اثر میں ہے۔ **عن ابن سیرین ان عمرؓ اجاز شهادة علقمة الخصی علی ابن مظعون (ب)** (ابن ابی شیبۃ ۵۶۳، فی شھادۃ الخصی ،جلد خامس،ص۹،نمبر۲۳۲۰۹ر سنن للبیھقی ، باب من وجد منہ ریح شراب اولقی سکران، ج ثامن،ص۵۴۹،نمبر۱۷۵۱۷)اثر میں ہے کہ علقمہ خصی کی گواہی کی وجہ سے حد شرب جاری کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ خصی کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ گناہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لڑکے کا گناہ نہیں ہے۔اس لئے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اور اس کی گواہی مقبول ہوگی (۲) **انس بن مالک ان النبی ﷺ قال المؤمنون شهداء الله فی الارض وروینا عن عطاء والشعبی انهما قالا :تجوز شهادة ولد الزنا (ب)** (سنن للبیھقی ، باب زھادۃ ولد الزنا۔ج عاشر،ص۴۲۱،نمبر۲۱۱۸۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولد الزنا کی گواہی جائز ہے۔

حاشیہ : (الف)حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ وحی کے ذریعہ پکڑے جاتے تھے۔اور وحی منقطع ہوگئی۔اور ہم اب تم کو پکڑیں گے ظاہری اعمال سے۔اگر تم میں سے کوئی خیر کا اظہار کرے تو اس کو امن دیں گے اور اس کو قریب کرلیں گے۔اور اندرونی معاملے کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔اندرونی معاملہ کا حساب اللہ کرے گا۔اور ہمارے سامنے جو برائی کا اظہار کرے گا ہم اس کو امن نہیں دیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے اگر چہ اس کا اندرونی معاملہ اچھا ہی کیوں نہ ہو (ب) حضرت عمرؓ نے علقمہ خصی کی گواہی جائز قرار دی ابن مظعون پر (ب) آپؐ نے فرمایا مومن اللہ کا گواہ ہے زمین میں۔حضرت عطاءؒ اور شعبیؒ نے فرمایا کہ ولد الزنا کی گواہی جائز ہے۔

جائزة[۲۸۴۱](۳۲) واذا وافقت الشهادة الدعوی قُبلت وان خالفتها لم تُقبل[۲۸۴۲] (۳۳) ویعتبر اتفاق الشاهدین فی اللفظ والمعنی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فان شهد احدهما بالف والآخر بالفین لم تُقبل شهادتهما عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی گواہی مقبول نہیں۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ولد الزنا شر الثلاثة(الف)(مستدرک للحاکم، کتاب العتق، ج ثانی، ص ۲۳۴، نمبر ۲۸۵۳)اس حدیث میں ولد الزنا کو شریر کہا گیا ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں۔

شہادۃ الخنثی جائزۃ : جو نہ عورت ہو اور نہ مرد بلکہ دونوں کے درمیان ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ جب مرد کی گواہی مقبول ہے اور عورت کی گواہی مقبول ہے تو دونوں کے درمیان کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔البتہ اس کے عورت ہونے کا بھی شبہ ہے اس لئے حدود اور قصاص میں اس کی گواہی قبول نہ کرے تو اچھا ہے۔

[۲۸۴۱](۳۲)اگر شہادت دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی اور اس کے مخالف ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح شہادت دعوی کی تائید کے لئے ہوتی ہے اس لئے جو دعوی ہو گواہی کے ذریعہ اسی کی تائید ہو تو گواہی مقبول ہوگی ورنہ رد کردی جائے گی۔مثلا مدعی کہتا ہے کہ میری گائے چرائی گئی ہے اور گواہ گواہی دے رہا ہے کہ اس کی بھینس چوری ہوئی ہے تو دعوی کچھ اور ہے اور گواہ کی گواہی کچھ اور ہے۔اس لئے گواہ کی گواہی رد کردی جائے گی۔

[۲۸۴۲](۳۳)اعتبار کیا جائے گا دونوں گواہوں کا متفق ہونا لفظ اور معنی میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔پس اگر ایک گواہ گواہی دے ایک ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو دونوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک،اور فرمایا صاحبینؒ نے قبول کی جائے گی ایک ہزار پر۔

تشریح ایک آدمی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر دو ہزار درہم ہیں۔ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ دو ہزار ہیں۔تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک ہزار کا بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں کی گواہی رد ہو جائے گی۔

وجہ ایک ہزار اگرچہ دو ہزار میں داخل ہے اس لئے دوسرے گواہ نے دو ہزار کی گواہی دی تو معنوی طور پر گویا کہ ایک ہزار کی بھی گواہی دی اس لئے ایک ہزار پر دو گواہ ہو گئے۔لیکن لفظی طور پر ایک ہزار اور دو ہزار الگ الگ الفاظ ہیں اس لئے لفظی طور پر دونوں گواہوں کے اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے دونوں گواہ رد ہو جائیں گے۔کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ معنی کے ساتھ الفاظ میں بھی دونوں گواہ متفق ہوں۔

فائدہ صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہزار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ لفظ کے اعتبار سے مختلف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔کیونکہ دو ہزار کی گواہی میں ایک ہزار داخل

حاشیہ : (الف)ولد الزنا تین میں کے برے ہیں۔

محمد رحمهما الله تعالی تقبل بالف[۲۸۴۳](۳۴) وان شهد احدهما بالف والآخر بالف وخمس مائة والمدعی یدعی الفا وخمس مائة قبلت شهادتهما بالف[۲۸۴۴] (۳۵) واذا شهدا بالف وقال احدهما قضاہ منها خمس مائة قُبلت شهادتهما بالف ولم یسمع قوله انه قضاہ منها خمس مائة الا ان یشهد معه الآخر.

ہے(۲)اثر میں ہے۔ عن شریح فی شاهدین یختلفان فشهد احدهما علی عشرین والآخر علی عشرة قال یوخذ بالعشرة (الف)(مصنف ابن ابی شیبة،۸۳فی الشاهدین یختلفان،ج رابع،ص۳۳۵،نمبر۲۰۷۱۱/۲۰۷۱۳)اس اثر میں عشرۃ اور عشرین لفظ کے اعتبار سے متفق نہیں ہیں صرف معنی کے اعتبار سے متفق ہیں پھر بھی دس درہم کا فیصلہ کیا۔

[۲۸۴۳](۳۴)اور اگر ان میں سے ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو کی اور مدعی دعوی کرتا ہے ایک ہزار پانچ سو کا تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی ایک ہزار پر۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر ایک ہزار پانچ سو درہم ہیں۔اس پر ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک ہزار پانچ سو ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ لفظ کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔اور دوسرا گواہ الگ سے پانچ سو کی گواہی دے رہا ہے۔اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔کیونکہ معنی کے اعتبار سے اور لفظ کے اعتبار سے بھی دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔

اصول دونوں گواہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے متفق ہوں تو گواہی مقبول ہوگی۔صاحبینؒ کے نزدیک صرف معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ متفق ہوں تب بھی گواہی مقبول ہوگی۔

[۲۸۴۴](۳۵)اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی ہزار کی،اور ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ادا کر دیا ہے اس میں سے پانچ سو تو دونوں کی گواہی ہزار کی قبول کی جائے گی۔اور نہیں سنی جائے گی اس کی بات کہ اس میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے۔مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرے گواہی دیں۔

تشریح دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر ایک ہزار درہم ہے۔بعد میں ان میں سے ایک نے یہ بھی گواہی دی،لیکن فلاں نے ایک ہزار میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا اور پانچ سو درہم کی ادائیگی پر کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور نہ پانچ سو درہم کم ہوگا۔

وجہ ایک ہزار پر دو گواہ ہیں۔اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ ہوگا۔اور اس میں سے پانچ سو ادا کرنے پر صرف ایک گواہ ہے۔اس لئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ہاں اس گواہ کے ساتھ دوسرا گواہ بھی ہو جائے تو چونکہ اب دو گواہ ہو گئے اس لئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ کیا جائے گا(۲)واستشهدوا شهیدین من رجالکم (آیت ۲۸۲،سورۃ البقرۃ ۲)یعنی دو گواہ پورے نہیں ہوئے۔

حاشیہ : (الف)حضرت شریح نے فرمایا دو گواہ اختلاف کریں،ایک گواہی دے بیس کی اور دوسرا گواہی دے دس کی؟ فرمایا دس کو لیا جائے گا۔

[۲۸۴۵] (۳۶) وینبغی للشاھد اذا علم ذلک ان لا یشھد بالف حتی یقر المدعی انه قبض خمس مائة [۲۸۴۶] (۳۷) واذا شھد شاھدان ان زیدا قتل یوم النحر بمکة وشھد آخران انه قتل یوم النحر بالکوفة واجتمعوا عند الحاکم لم یقبل الشھادتین [۲۸۴۷] (۳۸) فان سبقت احدٰیھما وقضی بھا ثم حضرت الاُخری لم تقبل الشھادة.

[۲۸۴۵] (۳۶) اور مناسب ہے گواہ کے لئے کہ اگر ادا کرنے کو جانے تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرے کہ اس نے پانچ سو پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح دو گواہوں میں سے ایک جانتا تھا کہ ایک ہزار میں سے پانچ سو مدعی کو ادا کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر ایک گواہی کی وجہ سے ادا کرنے کی بات نہیں چلے گی۔ تو ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ جب تک پانچ سو وصول کرنے کا لوگوں کے سامنے اقرار نہ کرے ایک ہزار پر گواہی نہ دے تا کہ مدعی علیہ کو صرف پانچ سو ہی ادا کرنا پڑے۔

[۲۸۴۶] (۳۷) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید قتل کیا گیا ہے بقر عید کے دن مکے میں اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ وہ قتل کیا گیا ہے بقر عید کے دن کوفے میں۔ اور سب حاکم کے پاس جمع ہو گئے تو دونوں گواہیاں قبول نہیں کی جائیں گی۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فیصلہ سے پہلے گواہوں میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گاہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا ہے۔ ابھی اس پر فیصلہ بھی نہیں کیا گیا تھا کہ دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو کوفے میں قتل کیا گیا ہے۔ اب ایک ہی آدمی ایک ہی تاریخ میں دو مختلف جگہوں پر قتل کیا جائے اور دونوں جگہیں اتنی دور ہیں کہ دونوں جگہوں پر ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے دونوں قسم کے گواہ مردود ہو جائیں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم فی اربعة شھدوا علی امرأة بالزنا ثم اختلفوا فی الموضع، فقال بعضھم بالکوفة وقال بعضھم بالبصرة قال یدراء عنھم جمیع ا (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب شھادة اربعة علی امرأة بالزنا واختلافھم فی الموضع، ج سابع ،ص ۳۳۴، نمبر ۱۳۳۸۰) اس اثر میں ہے کہ جگہ کے اختلاف کی وجہ سے گواہی رد ہو گئی ہے۔

[۲۸۴۷] (۳۸) پس اگر دو میں سے ایک کی گواہی پہلے ہو گئی اور اس کا فیصلہ ہو گیا پھر دوسرے حاضر ہوئے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

تشریح دو آدمیوں نے پہلے گواہی دی کہ مکہ میں قتل کیا گیا ہے۔ اور اس پر فیصلہ کر دیا گیا۔ بعد میں دو گواہ آئے اور گواہی دی کہ اس کو بصرہ میں قتل کیا ہے تو چونکہ پہلی گواہی پر فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلے فیصلہ کو توڑا نہیں جائے گا۔

وجہ پہلی گواہی کو ترجیح ہو گئی ہے کہ اس پر فیصلہ ہو گیا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلی گواہی توڑی نہیں جائے گی (۲) حدیث مرسل

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا چار آدمیوں نے ایک عورت پر زنا کی گواہی دی، پھر جگہ کے بارے میں اختلاف کیا۔ پس بعض نے کہا کوفہ میں زنا کیا اور بعض نے کہا بصرہ میں تو سب سے حد ساقط ہو جائے گی۔

[۲۸۴۸] (۳۹) ولا یسمع القاضی الشھادۃ علی جرح ولا نفی ولا یحکم بذلک الا ما

میں ہے۔ **عن ابن المسیب قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شھد الرجل بشھادتین قبلت الاولی وترکت الآخرۃ، وانزل منزلۃ الغلام** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشھد بشھادۃ ثم یشھد بخلافھا، ج ثامن، ص۳۵۲، نمبر۱۵۵۰۸) اس حدیث مرسل میں ہے کہ آدمی نے دومرتبہ گواہی دی تو پہلی گواہی مقبول ہوگی اور دوسری رد کردی جائے گی۔ اور پہلے پر فیصلہ ہوگیا تو بدرجۂ اولی وہ مقبول ہوگی اور دوسری گواہی مردود ہوگی (۳) اثر میں ہے۔ **عن الثوری فی رجل اشھد علی شھادتہ رجلا فقضی القاضی بشھادتہ ثم جاء الشاھد الذی شھد علی شھادتہ فقال لم اشھد بشیء قال یقول اذا قضی القاضی مضی الحکم** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشاھد یرجع عن شھادتہ او یشھد ثم یجحد، ج ثامن، ص۳۵۳، نمبر۱۵۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ پہلی گواہی پر قاضی کا فیصلہ ہوگیا اب اس کو دوسری گواہی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

[۲۸۴۸] (۳۹) اور قاضی نہ سنے گواہی جرح پر اور نہ اس کا حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہوجائے۔

تشریح مدعی علیہ مدعی کے گواہ کے بارے میں یوں گواہی دلوائے کہ یہ گواہ فاسق ہیں۔ اور فاسق ہونے کا کوئی سبب بیان نہ کرے کہ شراب پینے کی وجہ سے یا چوری کرنے کی وجہ سے فاسق ہوگئے ہیں۔ تو ایسے جرح کے سلسلے میں قاضی کوئی توجہ نہ دے، نہ نفی کرے اور نہ اثبات کرے اور نہ فسق کے نفی یا اثبات کا فیصلہ کرے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے کہ مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں۔ **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدودا فی فریۃ** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لا تجوز شھادتہ اذا تاب، ج رابع، ص۳۳۰، نمبر۲۰۶۵۰ ر دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعری، جلد رابع، ص۱۳۲، نمبر۴۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر تمام مسلمان عادل ہیں۔ اس لئے صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں گواہ فاسق ہے اور اس کا سبب نہ بتانا کہ حقوق اللہ یا حقوق العباد توڑنے کی وجہ سے فاسق ہے اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اور مدعی کے گواہ مقبول شمار کئے جائیں گے (۲) اگر اسباب بتائے بغیر کہے کہ یہ گواہ فاسق ہیں تو ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ فسق سے توبہ کرچکا ہو اور ابھی عادل بن کر گواہی دینے پیش ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے قاضی ان کی گواہی رد نہیں کرسکتا۔

الا ما استحق علیہ : اس کا مطلب یہ ہے کہ جرح مقید کرے تو قاضی اس کی طرف توجہ دیگا۔ مثلا کہے کہ اس نے شراب پیا ہے اور اس پر حد لگانے کا مطالبہ کرے اور اس پر دو گواہ لائے جس کی وجہ سے مدعی کے گواہوں پر حد لگ جائے۔ چونکہ حقوق اللہ توڑنے میں حد لگ گئی اس لئے اب فاسق ہوگیا۔ اس لئے مدعی کے اس گواہ کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ اس صورت میں شراب پینا سبب بتلا کر فسق کا دعوی کیا جو جرح مقید ہے اس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر آدمی دو طرح کی گواہی دے تو پہلی قبول کی جائے گی اور بعد والی چھوڑ دی جائے گی۔ اور اس کو بچے کی گواہی کے درجے میں اتار دی جائے گی (ب) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کسی آدمی نے اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنایا، پس قاضی نے اس کی گواہی پر فیصلہ کردیا، پھر وہ گواہ آیا جس نے اپنی گواہی پر گواہ بنایا تھا اور کہا کہ میں نے کوئی گواہ نہیں بنایا ہے۔ فرمایا کرتے تھے قاضی نے جب فیصلہ کردیا تو حکم نافذ ہوگیا۔ (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر تہمت میں حد لگی ہو۔

استحق علیہ[۲۸۴۹](۴۰) ولا یجوز للشاھد ان یشھد بشیء لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی فانہ یسعہ ان یشھد بھذہ الاشیاء اذا اخبرہ

لئے قاضی اس پر توجہ بھی دے گا اور گواہوں کے رد کا فیصلہ بھی کرے گا۔ یہ جرح قاضی کے لئے قابل سماعت ہے۔

حقوق العباد میں جرح مقید کی مثال : مدعی علیہ نے دعوی کیا کہ میں نے مدعی کے گواہ کو سو درہم دیئے ہیں اور اس پر اتفاق ہوا تھا کہ وہ میرے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ اس کے باوجود گواہی دیدی۔ اس لئے مجھے سو درہم واپس دلوائے جائیں۔ اور ان دونوں باتوں پر مدعی علیہ نے گواہ پیش کر دیئے۔ چونکہ رقم واپس کرنے کا مطالبہ ہے اس لئے قاضی کو گواہی کی بنیاد پر رقم واپس کروانے کا حق ہے۔ اور چونکہ رشوت ثابت ہو جائے گی، اس لئے مدعی کے گواہ فاسق کے زمرے میں آجائیں گے اور ان کی گواہی رد ہو جائے گی۔ رقم واپس کروانے کا مطالبہ بندے کی جانب سے ہے اس لئے یہ حقوق العباد میں جرح مقید کی مثال ہوئی۔

لغت الا ما استحق علیہ : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے گواہوں پر اللہ کے حقوق توڑنے مثلا زنا کرنے، شراب پینے یا چوری کرنے کو ثابت کر دیا جائے۔ یا بندے کے حقوق دبانے کو ثابت کر دے تو قاضی اس جرح کو سنے گا اور فسق کی نفی یا اثبات کا فیصلہ بھی کرے گا۔

[۲۸۴۹](۴۰) اور گواہوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر دیکھے گواہی دے مگر نسب کی اور موت اور نکاح اور دخول اور قاضی کی ولایت کی۔ اس لئے کہ اس کو گنجائش ہے کہ ان چیزوں کی گواہی دے اگر اس کو کوئی اعتماد والا آدمی خبر دیدے۔

تشریح اوپر آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ کسی چیز کو دیکھے پھر اس کے ہونے کی گواہی دے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں اور زمانہ دراز کے بعد اس کی گواہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے اصل حقیقت کو دیکھنے والے گواہ موجود نہیں ہوتے۔ اس لئے لوگوں سے سن کر اور علامات کے ذریعہ یقین کر کے ان کی گواہی دینا جائز ہے۔ مثلا نسب، بچہ پیدا ہوتے وقت ایک دائی اور ایک دو عورتیں ہوتی ہیں۔ پھر زمانہ دراز کے بعد کبھی گواہی دینے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ ایسی صورت میں گواہ سنتے آئے ہیں کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے اس نے پیدا ہوتے وقت نہیں دیکھا ہے پھر بھی سن کر گواہی دینا جائز ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔

موت : موت کے وقت بھی ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ پھر لوگوں سے سن کر یقین کرتے ہیں کہ فلاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر زمانہ دراز کے بعد سنی سنائی پر گواہی دیتے ہیں کہ فلاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے موت کا بغیر معائنہ کئے ہوئے صرف سن کر گواہی دینا جائز ہے۔

نکاح / دخول : ولایت قاضی کا بھی یہی حال ہے کہ نکاح کے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں پھر میاں بیوی کو ساتھ رہتے ہوئے دیکھتے ہیں تو گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ دخول کے وقت تو کوئی نہیں ہوتا صرف قرینے سے گواہی دیتے ہیں کہ بیوی سے دخول ہو گیا ہے۔ ولایت قاضی کا بھی یہی حال ہے کہ قاضی بناتے وقت ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ پھر لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ مجلس قضا کے عہدے پر بیٹھا ہے اور فیصلہ کرتا ہے اس لئے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ یہ قاضی ہے۔

 حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچپنے میں حضرت ثوبیہ سے دودھ پیا جبکہ آپ کو یاد بھی نہیں ہوگا لیکن بعد میں سن کر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اور

بها من یثق به[٢٨٥٠](٤١) والشهادة علی الشهادة جائزة فی کل حق لایسقط بالشبهة

ابوسلمہ کو حضرت ثوبیہؓ نے دودھ پلایا ہے۔وقال النبی ﷺ ارضعتنی وابا سلمة ثوبیة (الف) دوسری روایت میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال النبی ﷺ فی بنت حمزةؓ لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب،ھی ابنة اخی من الرضاعة (ب) (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم،ص ۳۶۰،نمبر ۲۶۴۴/۲۶۴۵) اس حدیث میں آپ نے رضاعت کی خبر دی ہے۔آپؐ نے بچپنے میں دودھ پیا ہے جو یاد نہیں ہوگا۔اس لئے سن کر خبر دی کہ حضرت حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی گواہی دیکھے بغیر سن کر دے سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔وقال الشعبی او ابن سیرین وعطاء وقتادة السمع شهادة وكان الحسن يقول لم يشهدونی علی شیء ولكن سمعت كذا وكذا (ج) (بخاری شریف، باب شہادۃ المختبی ،ص ۳۵۹،نمبر ۲۶۳۸/مصنف عبد الرزاق ، باب السمع شہادۃ وشہادۃ المتقی ، ج ثامن ،ص ۳۵۵،نمبر ۱۵۵۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی سن کر گواہی دے سکتا ہے۔

اور علامت کے ذریعہ گواہی دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔سألت انس بن مالکؓ ... فقال رسول اللهؐ ابصروها فان جاءت به ابیض سبطا قضیء العینین فهو لهلال بن امية وان جائت به اكحل جعد احمش الساقين فهو لشريك بن سحماء.قال فانبأت انها جاءت به اكحل جعد حمش الساقين (د) (مسلم شریف، باب کتاب اللعان،ص،نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث میں آپؐ نے بچے کی علامت بتائی کہ گورے رنگ کے ہو تو ہلال بن امیہ کا ہے اور گھنگھریالے بال والا ہو تو شریک بن شحماء کا بچہ ہے۔ اس حدیث میں علامت کے ذریعہ نسب کا فیصلہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ دیکھ کر نہیں بلکہ علامت کو دیکھ کر بھی گواہی دی جا سکتی ہے۔

اصول جن باتوں کے دیکھنے میں ایک دو آدمی ہوتے ہیں اور زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھار گواہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سن کر گواہی دینا جائز ہے۔جیسے نسب،موت،نکاح،دخول،ولایت قاضی وغیرہ۔

[۲۸۵۰](۴۱) گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر اس حق میں جو شبہ سے ساقط نہ ہوتا ہے،اور نہ قبول کی جائے گی حدود اور قصاص میں۔

تشریح اصل گواہ وہ کسی مجبوری کی بنا پر دوسرے آدمی کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے ،ایسا کرنا ایسے حقوق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہوتے ہوں۔اس لئے حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ جائز نہیں ہے۔کیونکہ وہ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

وجہ شہادت پر شہادت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ تسمعون ویسمع منکم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مجھ کو اور ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا (ب) آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے بارے میں فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔رضاعت سے وہ حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے (ج) حضرت عطاء اور قتادہ نے فرمایا سننا بھی شہادت ہے۔اور حضرت حسن فرماتے تھے مجھ کو کسی چیز پر گواہ نہیں بنایا لیکن میں نے ایسا ایسا سنا ہے (د) آپؐ نے فرمایا اس کو دیکھو اگر سفید بچہ پیدا ہوا خراب آنکھ والا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے۔اور اگر سرگیں آنکھ والا ہو، پتلی پنڈلی والا ہو تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔فرمایا مجھے خبر ہوئی کہ سرگیں آنکھ اور پتلی پنڈلی والا پیدا ہوا۔

ولا تُقبل فی الحدود والقصاص[۲۸۵۱](۴۲) ویجوز شھادۃ شاھدین علی شھادۃ شاھدین ولاتُقبل شھادۃ واحد علی شھادۃ واحد.

ویسمع ممن یسمع منکم (الف)(ابوداؤدشریف، باب فضل نشر العلم،ص۱۵۹،نمبر ۳۶۵۹)اس حدیث میں ہے کہ حدیث جولوگ سنیں گے وہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے اور دوسرے لوگ ان سے سنیں گے۔جب حدیث میں سماعت در سماعت ہوسکتی ہے تو گواہی میں بھی ہوسکتی ہے (۲)اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض مرتبہ اصل گواہ اتنا بیمار ہوتا ہے کہ مجلس قضاء میں نہیں جاسکتا اس لئے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ مقبول نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حد اور قصاص شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔اور فرع گواہی میں شبہ ہوتا ہے اس لئے شہادت پرشہادت جائز نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔**عن مسروق وشریح انھما قالا لا تجوز شھادۃ علی شھادۃ فی حدولا یکفل فی حد (ب)**(سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الشھادۃ علی الشھادۃ فی حدود اللہ، ج عاشر،ص۴۲۳،نمبر ۲۱۱۸۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷فی الشھادۃ علی الشھادۃ فی حد، ج خامس، ص ۵۴۸،نمبر ۲۸۹۰۱ رمصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۹،نمبر ۱۵۴۵۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حدود اور قصاص میں شہادت پر شہادت جائز نہیں ہے۔

[۲۸۵۱] (۴۲) جائز ہے دو گواہوں کا گواہی دینا دو گواہوں کی گواہی پر۔اور نہیں قبول کی جائے گی ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر۔

تشریح شہادت پرشہادت کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک اصل گواہ دو آدمیوں کو گواہ بنائے اور دوسرا اصل گواہ بھی دو آدمیوں کو گواہ بنائے، اس طرح فرع گواہ چار ہو جائیں گے۔لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک اصل گواہ نے جن دو گواہوں کو گواہ بنایا ان ہی کو دوسرا اصل بھی اپنی گواہی پر گواہ بنادے اس طرح فرع گواہ بھی دو رہیں گے۔پہلے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ اور دوسرے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ۔البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک اصل ایک ہی فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن اسمعیل الا زرق عن الشعبی قالا لا تجوز شھادۃ الشاھد علی الشاھد حتی یکونا اثنین (ج)** (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی عدد شھود الفرع، ج عاشر،ص۴۲۴،نمبر ۲۱۱۹۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۸۰فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص۵۵۴،نمبر ۲۳۰۷۰ رمصنف عبدالرزاق، باب شھادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص۳۳۹،نمبر ۱۵۴۵۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک اصل گواہ پر دو فرع گواہ چاہئے (۲)اصل کی گواہی منتقل کرنا ہے اس لئے آیت **واستشھدوا شھیدین من رجالکم** (آیت ۲۸۲،سورۃ البقرۃ ۲) کے اعتبار سے دو گواہ چاہئے۔

فائدہ امام شافعیؒ اوپر کے اثر کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ ہر اصل گواہ کے لئے دو الگ الگ فرع گواہ ہوں۔اس اعتبار سے دو اصل گواہ کے لئے چار الگ الگ فرع گواہ ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آج تم سن رہے ہو اور تم سے لوگ سنیں گے۔اور جنہوں نے تم سے سنا ہے ان سے لوگ سنیں گے (ب) حضرت مسروق اور شریح نے فرمایا حد میں نہ شہادت پر شہادت جائز ہے اور نہ کفالت لینا جائز ہے (ج) حضرت شعبیؒ نے فرمایا شہادۃ علی الشہادۃ جائز نہیں جب تک کہ دو گواہ نہ ہو جائیں۔

[۲۸۵۲](۴۳) وصفة الاشھاد ان یقول شاھد الاصل لشاھد الفرع اِشھدْ علی شھادتی اَنّی اشھد ان فلان بن فلان اقرَّ عندی بکذاو اشھدنی علی نفسہ وان لم یقل اشھدنی علی نفسہ جاز[۲۸۵۳](۴۴) ویقول شاھد الفرع عند الاداء اشھد ان فلانااشھدنی علی شھادتہ انہ یشھد ان فلانا اقرَّ عندہ بکذا[۲۸۵۴](۴۵) وقال لی اِشھدْ علی شھادتی

[۲۸۵۲](۴۳) گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ سے کہے، میری گواہی پر گواہ بن جاؤ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں ابن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے۔ اور اگر اشھدنی علی نفسہ نہیں کہا تب بھی جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل گواہ جب تک باضابطہ طور پر فرع کو اپنی گواہی کا گواہ نہیں بنائے گا تو وہ گواہ نہیں بن سکے گا۔ صرف گواہی دیتے ہوئے سن لینے سے گواہ نہیں بن سکے گا۔ مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ، اصل گواہ فرع گواہ سے باضابطہ کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ بنو اس بات کا کہ فلاں نے فلاں کا اتنے روپے کا میرے سامنے اقرار کیا ہے۔ اور مجھے اقرار پر گواہ بھی بنایا ہے، تاہم اگر یوں نہ کہے کہ مجھے اپنے اقرار پر گواہ بھی بنایا ہے تب بھی فرع کو گواہ بنانا درست ہو جائے گا۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن شریح قال: تجوز شھادة الرجل علی الرجل فی الحقوق، ویقول شریح للشاھد قل: اشھدنی ذو عدل** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شھادة الرجل علی الرجل، ج ثامن ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے۔ قل اشھدنی ذو عدل، جس سے معلوم ہوا کہ فرع گواہ گواہی دیتے وقت۔ کہے گا کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر باضابطہ گواہ بنائے تب فرع گواہ بن سکے گا۔

[۲۸۵۳](۴۴) فرع گواہ ادائیگی کے وقت کہے گا فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے اس کے پاس اتنے کا اقرار کیا ہے۔

تشریح فرع گواہ گواہی دیتے وقت یوں نہیں کہے گا کہ میں اصل گواہ ہوں بلکہ باضابطہ کہے گا میں فرع گواہ ہوں اور اصل گواہ نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے اس بات کا کہ اس کے سامنے فلاں نے اتنی رقم کا اقرار کیا ہے۔

[۲۸۵۴](۴۵) اور مجھ کو کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ بن جاؤ۔ اس لئے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔

تشریح فرع گواہ قاضی کے سامنے کہے گا کہ مجھے اصل گواہ نے کہا تھا کہ میری اس گواہی پر گواہ بنو۔ چونکہ میں اس کی گواہی پر گواہ بن چکا ہوں اس لئے میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

وجہ اوپر اثر میں گزرا کہ قاضی شریح فرع گواہ سے کہلواتے تھے کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ **عن شریح قال ... قل اشھدنی ذو عدل** (مصنف عبد الرزاق، باب شھادة الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷) اس اثر میں ہے کہ فرع گواہ اقرار کرے کہ مجھ کو

حاشیہ : (الف) حضرت شریح نے فرمایا شہادة علی الشہادة حقوق میں جائز ہے۔ حضرت شریح گواہ سے فرماتے تھے، کہو مجھ کو عادل نے گواہ بنایا ہے۔

بذلک فانا اشھد بذلک[۲۸۵۵](۴۶) ولا تقبل شھادۃ شھود الفرع الا ان یموت شھود الاصل او یغیبوا مسیرۃ ثلثۃ ایام فصاعدا او یمرضوا مرضا لایستطیعون معہ حضور مجلس الحاکم[۲۸۵۶](۴۷) فان عدّل شھود الاصل شھود الفرع جاز وان سکتوا عن

اصل گواہ نے گواہ بنایا ہے(۲) اثر میں ہے۔ عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن زکوان،شھدت شریحا یقول: اجیز شھادۃ الشاھد علی الشاھد اذا شھد علیھما (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۸۰ فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع ،ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ گواہ بنائے تو گواہ بن سکتا ہے۔

[۲۸۵۵](۴۶) اور نہیں قبول کی جائے گی فرع گواہوں کی گواہی مگر یہ کہ اصل گواہ مرجائیں، یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہو جائیں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکیں۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہی کے لئے اصل گواہ ضروری ہے۔ فرع گواہ مجبوری کے درجے میں مہیا کئے جائیں گے۔ اس لئے اصل گواہ مرجائیں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہو جائیں کہ مجلس قضا میں حاضر ہونا مشکل ہو تب فرع گواہ بنانا جائز ہوگا۔ اور وہ گواہی دے سکے گا۔

وجہ فرع گواہ اصل کی مجبوری کے بعد ہے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح انہ کان لایجیز شھادۃ الشاھد مادام حیا ولو کان بالیمین (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۸۰ فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع ،ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۹) اس اثر میں ہے کہ اصل گواہ کو ایسی مجبوری ہو جائے جس سے مجلس قضاء میں حاضر ہونا ناممکن ہو تب فرع گواہ کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲۸۵۶](۴۷) اگر فرع گواہ اصل گواہوں کو عادل بتائے تو جائز ہے۔ اور اگر ان کو عادل کہنے سے چپ رہے تب بھی جائز ہے، اب قاضی ان کے حالات پر غور کرے۔

تشریح فرع گواہ قاضی کے سامنے یہ کہے کہ جنہوں نے ہمیں گواہ بنائے ہیں وہ عادل لوگ ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اگر فرع گواہ ان کے تزکیہ اور تعدیل سے چپ رہیں تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس صورت میں قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اصل گواہوں کے بارے میں حالات کی تفتیش کرے کہ وہ لوگ عادل ہیں یا نہیں۔

وجہ فرع گواہ بھی انسان ہیں اس لئے ان کو کسی کی تعدیل اور تزکیہ کرنے کا حق ہے۔ اس لئے وہ اصل گواہوں کی تعدیل کر سکتے ہیں۔ اور خاموش رہنا چاہیں تو خاموش بھی رہ سکتے ہیں۔ اگر وہ خاموش رہے تو قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصل گواہ کے حالات کی تحقیق کرے کہ وہ عادل ہیں یا غیر عادل (۲) اثر میں ہے کہ حضرت شریح فرع گواہوں سے گواہی لیتے وقت یہ بھی کہلواتے تھے کہ تم اقرار کرو کہ اصل گواہ عادل

حاشیہ : (الف) میں نے جعد بن زکوان سے کہا حضرت شریح کو کہتے ہوئے سنا ہے، شہادۃ علی الشہادۃ اس وقت جائز ہے جب ان دونوں گواہوں کو اس پر گواہ بنائے (ب) حضرت شریح شہادۃ علی الشہادۃ جائز قرار نہیں دیتے تھے جب تک اصل گواہ زندہ ہو چاہے فرع گواہ قسم کھا کر ہی گواہی کیوں نہ دے۔

تعديلهم جاز وينظر القاضی فی حالهم[۲۸۵۷](۴۸) وان انكر شهود الاصل الشهادة لم تُقبل شهادة شهود الفرع[۲۸۵۸](۴۹) وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالى فی شاهد الزور اُشهِّره فی السوق ولا اُعزِّره.

ہیں۔ تا کہ قاضی صاحب کو اصل گواہوں کے بارے میں اطمینان ہو جائے اثر یہ ہے۔ **ويقول شريح للشاهد قل اشهدني ذو عدل** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الرجل على الرجل، ج ثامن، ص ۳۳۸، نمبر ۱۵۴۴۷)

[۲۸۵۷] (۴۸) اگر اصل گواہوں نے گواہی کا انکار کر دیا تو فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح اصل گواہوں نے کہا کہ میں نے فرع کو اپنا گواہ نہیں بنایا ہے تو چونکہ گواہ بنانا نہیں پایا گیا جو ضروری ہے اس لئے فرع گواہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ اثر میں گزرا۔ **عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن ذكوان شهدت شريحا يقول اجيز شهادة الشاهد على الشاهد اذا شهد عليهما** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ فی شهادة الشاهد علی الشاهد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنائے تب بنے گا ورنہ نہیں۔ اور یہاں اصل نے گواہ بنانے سے انکار کر دیا اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔

عبارت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اصل گواہ نے اس بات کا انکار کر دیا کہ وہ اس بات کا گواہ ہے۔ اس صورت میں اصل گواہی کا انکار ہو گیا اس لئے فرع گواہ بنانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے فرع گواہ خود بخود ساقط ہو جائے گا۔

[۲۸۵۸] (۴۹) امام ابو حنیفہؒ نے جھوٹے گواہ کے سلسلے میں فرمایا میں بازار میں اس کی تشہیر کروں گا اور اس کو سزا نہیں دوں گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ جھوٹے گواہ سے دور رہو اس لئے اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے بارے میں قوم اور بازار میں تشہیر کی جائے تا کہ لوگ اس سے پرہیز کیا کریں۔ آیت میں ہے۔ **فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور** (ج) (آیت ۳۰، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹی گواہی سے دور رہنے کی تاکید کی ہے (۲) اثر میں ہے۔ **ان عمر بن الخطابؓ امر بشاهد الزور ان يسخم وجهه ويلقى فی عنقه عمامته ويطاف به فی القبائل ويقال ان هذا شاهد الزور فلا تقبلوا له شهادة** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص ۳۲۷، نمبر ۱۵۳۹۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵ شاهد الزور ما يصنع به؟، ج رابع، ص ۵۵۰، نمبر ۲۳۰۳۴) اس اثر میں ہے کہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کی گئی ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف تشہیر کی جائے گی۔

حاشیہ: (الف) حضرت شریح گواہ سے یہ کہتے کہو مجھے عادل نے گواہ بنایا ہے (ب) حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ میں نے جعد بن ذکوان سے کہا کہ میں نے حضرت شریح کو کہتے ہوئے سنا کہ میں شہادۃ علی الشہادۃ کو جائز قرار دیتا ہوں اگر ان دونوں کو باضابطہ گواہ بنایا ہو (ج) بت پرستی سے بچو اور جھوٹی گواہی دینے سے بچو (د) حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہوں کے بارے میں حکم دیا کہ اس کا چہرہ کالا کیا جائے اور اس کی گردن میں اس کا عمامہ ڈالا جائے اور قبیلوں میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہ کریں۔

[٢٨٥٩](٥٠) وقالا رحمهما الله تعالی نوجِعُه ضربا ونحبسه.

[٢٨٥٩](٥٠)اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تکلیف دیں گے اور قید کریں گے۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے گواہ کی تعزیر کی جائے گی اور قید بھی کیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن مکحول ان عمر بن الخطاب ضرب شاهد الزور اربعون سوطا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبة شاهد الزور، ج ثامن، ص ٢٧، ٣٢٧، نمبر ١٥٣٩٦ / مصنف ابن ابی شیبة، ٤٦٥، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ٥٥١، نمبر ٢٣٠٤٠)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ جھوٹے گواہ کی تعزیر کی جائے گی۔

حاشیہ : (ہ) حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہوں کو چالیس کوڑے مارے جائیں۔

﴿ کتاب الرجوع عن الشهادة ﴾

[٢٨٦٠](١)اذا رجع الشهود عن شهادتهم قبل الحكم بها سقطت شهادتهم ولا ضمان عليهم[٢٨٦١](٢) فان حكم بشهادتهم ثم رجعوا لم يُفسخ الحكم ووجب عليهم

﴿ کتاب الرجوع عن الشہادۃ ﴾

ضروری نوٹ گواہی دے کراس سے رجوع کرلے اس کو رجوع عن الشہادۃ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **حدثنی عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كنا اصحاب رسول الله ﷺ نتحدث ان الغامدية وماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما او قال لو لم يرجعا بعد اعترافهما لم يطلبهما وانما رجمها عند الرابعة** ۔دوسری روایت میں ہے۔ **حدثنی يزيد بن نعيم بن هزال عن ابيه قال كان ماعز بن مالک يتيما ... ثم اتى النبي ﷺ فذكر له ذلک فقال هلا تركتموه لعله ان يتوب فيتوب الله عليه** (الف)(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص، نمبر ۴۴۳۴/۴۴۱۹)اس حدیث میں ہے کہ حضرت ماعزؓ زنا کے اعتراف کے بعد رجوع کر لیتے تو حد نہ لگتی۔اس سے گواہوں کا رجوع کرنا ثابت ہوا۔

نوٹ اس باب کے اکثر مسائل اس اصول پر ہیں کہ جس نے جس کا جتنا نقصان کیا وہ اتنے کا ذمہ دار ہو گیا۔آیت اور اثر سے اس کی دلیلیں آگے آرہی ہیں۔

[۲۸۶۰](۱)اگر گواہ اپنی گواہی سے فیصلے سے پہلے رجوع کر جائیں تو اس کی شہادت ساقط ہو جائے گی اور ان پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر حدیث گزری۔ **ماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما...لم يطلبهما** (ابوداؤد شریف، نمبر ۴۴۳۴)اس حدیث میں ہے کہ حد کا اقرار کرنے والا فیصلے کے بعد بھی رجوع کر جائے تو ان کی گواہی پر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔کیونکہ دونوں شہادتیں آپس میں متعارض ہو گئیں۔اور چونکہ گواہی سے ابھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے اس لئے اس پر کچھ ضمان بھی لازم نہیں آئے گا(۲)اثر میں ہے۔ **سألت الزهري عن رجل شهد عند الامام فاثبت الامام شهادته ثم دعى لها فبدلها اتجوز شهادته الاولى او الآخرة؟ قال لا شهادة له في الاولى ولا في الآخرة. قال الشيخ وهذا في الرجوع قبل امضاء الحكم بالاولى** (ب)(سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۵، نمبر ۲۱۱۹۵)اس اثر میں ہے کہ فیصلے سے پہلے رجوع کر جائے تو پہلی یا دوسری کسی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۸۶۱](۲)پس اگر ان کی گواہی سے فیصلہ کر دیا پھر وہ رجوع کئے تو فیصلہ فسخ نہیں ہوگا۔اور ان کی شہادت سے جو نقصان ہوا اس کا ضمان لازم

حاشیہ : (الف)عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ہم حضورؐ کے اصحاب حضرت غامدیہ اور حضرت ماعزؓ کے بارے میں باتیں کرتے تھے کہ اگر وہ زنا کے اعتراف سے رجوع کر جاتے یا یوں فرمایا اعتراف کے بعد دوبارہ واپس نہ آتے تو دونوں کو نہ بلاتے کیونکہ چوتھی مرتبہ رجم فرمایا۔دوسری روایت میں ہے پھر لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت ماعزؓ کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ شاید وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالی توبہ قبول فرما لیتے۔(ب)میں نے حضرت زہری سے پوچھا کوئی آدمی امام کے پاس گواہی دے اور امام اس کی گواہی لکھ لے۔پھر دوبارہ بلایا جائے تو گواہی بدل دے تو اس کی پہلی گواہی صحیح مانی جائے گی یا بعد والی؟ فرمایا نہ اس کی پہلی گواہی مانی جائے گی نہ بعد کی۔حضرت شیخ نے فرمایا یہ بات پہلی گواہی پر فیصلے سے پہلے کی بات ہے کہ گواہی کا اعتبار نہیں۔

ضمان ما اتلفوہ بشھادتھم[۲۸۶۲] (۳)ولا یصح الرجوع الا بحضرۃ الحاکم.

ہوگا۔

 گواہوں نے شہادت دی جس کی وجہ سے قاضی نے فیصلہ کر دیا بعد میں گواہ رجوع کر گئے تو اب فیصلہ نہیں توڑا جائے گا۔اوران کی گواہی سے جو کچھ نقصان ہوا اس کا ضمان رجوع کرنے والے گواہوں پر ہوگا۔

وجہ **عن الشعبی ان رجلین شھدا عند علیؓ علی رجل بالسرقۃ فقطع علیؓ یدہ ثم جاء ا بآخر فقالا ھذا ھو السارق لا الاول، ؟ اغرم علیؓ الشاھدین دیۃ ید المقطوع الاول وقال لو اعلم انکما تعمدتما لقطعت ایدیکما ولم یقطع الثانی** (الف) دوسری روایت میں ہے۔**عن الحسن قال اذا شھد شاھدان علی قتل ثم قتل القاتل ثم یرجع احد الشاھدین قتل** (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشھادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۲/۲۱۱۹۳/مصنف عبد الرزاق، باب الشاھد یرجع عن شھادتہ او یشھد ثم یجحد، ج ثامن، ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۶/مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۷۶ الشاھد ان یشھدان ثم یرجع احدھما، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معاملات میں فیصلہ نہیں بدلا جائے گا البتہ گواہوں پر نقصان کا ضمان لازم ہوگا۔اوپر حضرت حسنؒ کے اثر میں قتل کا مطلب یہ ہے کہ رجوع کرنے والا گواہ قتل کیا گیا۔

فیصلہ ہونے کے بعد نہیں ٹوٹے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن الثوری فی رجل اشھد علی شھادتہ رجلا فقضی القاضی بشھادتہ ثم جاء الشاھد الذی شھد علی شھادتہ فقال لم اشھد بشیء قال یقول اذا قضی القاضی مضی الحکم** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الشاھد یرجع عن شھادتہ او یشھد ثم یجحد، ج ثامن، ص ۳۵۳، نمبر ۱۵۵۱۳/مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۷۶ الشاھد یشھدان ثم یرجع احدھما، ج رابع، ص ۵۰۵، نمبر ۲۲۵۵۱/سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشھادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کے بعد توڑا نہیں جائے گا۔

[۲۸۶۲] (۳) رجوع صحیح نہیں ہے مگر حاکم کے سامنے۔

 گواہی سے رجوع کرنا چاہے تو حاکم کے سامنے ہی رجوع کرے گا تو پہلی گواہی سے رجوع سمجھا جائے گا۔عوام کے سامنے رجوع کرنے سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

وجہ پہلی گواہی کے خلاف جو فیصلہ کرے گا وہ قاضی ہی کرے گا اس لئے قاضی کے سامنے رجوع کرنے سے رجوع شمار کیا جائے گا (۲) اثر

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے حضرت علیؓ کے سامنے ایک آدمی پر چوری کی گواہی دی، پس حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹا۔ پھر دوبارہ گواہ آئے اور کہا یہ دوسرا چور ہے پہلا نہیں۔ پس حضرت علیؓ نے دونوں گواہوں کو مقطوع کے ہاتھ کی دیت لازم کی اور فرمایا کہ اگر جانتا کہ تم دونوں نے جان کر ایسا کیا ہے (یعنی جھوٹی گواہی دی ہے) تو تم دونوں کا ہاتھ کاٹتا۔ اور دوسرے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا (ب) حضرت حسنؒ نے فرمایا اگر آدمی کسی کے قتل کی گواہی دے جس کی وجہ سے قاتل قتل کیا گیا پھر دو گواہوں میں سے ایک رجوع کر گیا تو رجوع کرنے والا گواہ قتل کیا جائے گا (ج) حضرت ثوریؒ نے فرمایا کسی نے کسی کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ پس قاضی نے اس کی گواہی پر فیصلہ کر دیا پھر اصل گواہ آیا اور کہا میں نے کسی کو گواہ نہیں بنایا ہے۔ فرمایا کرتے تھے قاضی اگر فیصلہ کر دے تو حکم نافذ ہو جائے گا۔

[۲۸۶۳](۴) واذا شهد شاهدان بمال فحکم الحاکم به ثم رجعا ضمنا المال للمشهود علیه[۲۸۶۴](۵) وان رجع احدهما ضمن النصف.

میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن الشعبی ان رجلین شهدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ یده ثم جاء ا بآخر فقالا هذا هو السارق لا الاول (الف)** (سنن للبیہقی، باب رجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۲) اس اثر میں پہلے گواہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور دوسرے گواہ بھی رجوع کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور حضرت علی قاضی تھے جس سے معلوم ہوا کہ رجوع کے لئے بھی قاضی کے پاس آئے تب رجوع مقبول ہے۔

[۲۸۶۳](۴) اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی۔ پس حاکم نے اس کا فیصلہ کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں مشہود علیہ کے مال کے ضامن ہوں گے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد گواہ رجوع کر جائے تو جو نقصان ہوا ہے گواہ اس کی تلافی کریں گے۔ اس مسئلے میں جس کے خلاف گواہی دی ہے اس کا نقصان کیا ہے اس لئے اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن ابن شبرمة فی رجلین شهدا علی رجل بحق فاخذا منه ثم قالا انما شهدنا علیه بزور یغرمانه فی اموالهما (ب)** (مصنف عبد الرزاق، باب الشاهد یرجع عن شهادته او یشهد ثم یجحد، ج ثامن ص ۳۵۴، نمبر ۱۵۵۱۶ رسنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۴) اس اثر میں ہے کہ گواہوں نے مشہود علیہ کا جو نقصان کیا ہے وہ ادا کرنا ہوگا (۲) اس آیت میں بھی اس قاعدے کا ثبوت ہے کہ جس کا جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی ضمان لازم ہوگا۔ **و کتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص (ج)** (آیت ۴۵، سورة المائدة ۵) اس آیت میں قاتل نے جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی جرمانہ لازم کیا زیادہ نہیں۔

[۲۸۶۴](۵) اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا تو آدھے کا ضامن ہوگا۔

وجہ (۱) دو گواہوں کی گواہی سے نقصان ہوا ہے اس لئے اس پر آدھے کا ضمان ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال اذا شهد شاهدان علی قطع ید فقضی القاضی بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعلیهما الدیة وان رجع احدهما فعلیه نصف الدیة وبه ناخذ (د)** (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشهادة، ج عاشر ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳) اس اثر سے

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا ایک آدمی نے حضرت علیؓ کے سامنے کسی آدمی پر چوری کی گواہی دی۔ پس حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا پھر دوبارہ آیا اور کہا کہ یہ چور ہے پہلا نہیں ہے (ب) حضرت ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی کسی کے خلاف گواہی دے کسی کے حق کی اور اس سے لیا گیا پھر کہا میں نے اس پر جھوٹی گواہی دی تو دونوں کو ان کے مال میں تاوان لازم کیا جائے گا (ج) ہم نے یہودیوں پر فرض کیا جان جان کے بدلے میں اور آنکھ آنکھ کے بدلے میں اور ناک ناک کے بدلے میں اور کان کان کے بدلے میں اور دانت دانت کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور زخموں کا بھی بدلہ ہے (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۸۶۵](۶) وان شهد بالمال ثلثة فرجع احدهم فلا ضمان عليه فان رجع آخر ضمن الراجعان نصف المال[۲۸۶۶](۷) وان شهد رجل وامرأتان فرجعت امرأة ضمنت رُبع الحق[۲۸۶۷](۸) وان رجعتا ضمنتا نصف الحق.

معلوم ہوا کہ ایک گواہ نے رجوع کیا تو آدھے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

[۲۸۶۵](۶) اگر مال کی گواہی تین گواہوں نے دی۔ پس ان میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ پس اگر دوسرے نے بھی رجوع کر لیا تو دونوں رجوع کرنے والے آدھے مال کے ضامن ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں سے مال کا فیصلہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تین آدمیوں نے گواہی دی ہے اس لئے ایک زیادہ ہے۔ دو سے زیادہ گواہ گواہی دے سکتا ہے لیکن اس کا زیادہ اعتبار نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ کتب عبد الرحمن بن اذينة الى شريح فى ناس من الازدادعوا قبل ناس من بنى اسد قال واذا غدا هؤلاء ببينة راح اولئك باكثر منهم قال فكتب اليه ليست من التهاتر والتكاثر فى شىء، الدابة لمن هى فى ايديهم اذا اقاموا البينة ۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ عن حنش عن علیؓ انه لا يرجح بكثرة العدد (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھود بکثرۃ العدد، ج عاشر، ص ۴۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔ اس قاعدے کے بعد مسئلے کی صورت یہ ہے کہ تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ایک آدمی اپنی گواہی سے رجوع کر گیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ اس پر فیصلے کا مدار نہیں تھا۔ بعد میں دوسرا گواہ بھی رجوع کر گیا تو گویا کہ آدھی گواہی رجوع کر گئی اس لئے ان دونوں پر آدھا ضمان لازم ہوگا۔ مثلا بیس درہم کا فیصلہ ہوا تھا تو رجوع کرنے والے دونوں گواہوں پر دس درہم ضمان لازم ہوگا اور ہر ایک کے حصے میں پانچ پانچ درہم آئیں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔

[۲۸۶۶](۷) اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے، پھر رجوع کر گئی ایک عورت تو چوتھائی حق کی ضامن ہوگی۔

وجہ گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لئے ایک مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دو عورتوں نے باقی آدھی دی۔ ان میں سے ایک عورت نے رجوع کیا تو گویا کہ چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا اس لئے اس عورت پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

[۲۸۶۷](۸) اور اگر دونوں عورتیں رجوع کر گئیں تو آدھے کا ضامن ہوگی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی (الف) حضرت عبد الرحمن بن اذینہ نے حضرت شریح کو ازد کے کچھ لوگوں کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے بنی اسد کے کچھ لوگوں کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ لوگ کچھ گواہ لیکر صبح آئے اور شام کو دوسرے لوگ زیادہ گواہ لیکر آئے تو کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں حضرت شریح نے عبد الرحمن کو لکھا کہ گواہ کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جانور اس کا ہوگا جس کے قبضے میں ہے اگر وہ بینہ قائم کردے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کثرت عدد سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔

[۲۸۶۸] (۹) وان شهد رجل وعشر نسوة فرجع ثمان نسوة منهن فلا ضمان عليهن [۲۸۶۹] (۱۰) فان رجعت اخرى كان على النسوة ربع الحق [۲۸۷۰] (۱۱) فان رجع الرجل والنساء فعلى الرجل سدس الحق وعلى النساء خمسة اسداس الحق عند ابی

وجہ دوعورتیں آدھی گواہی کے قائم مقام ہیں اس لئے دونوں نے رجوع کیا تو پورے نقصان کے آدھے کی ذمہ دار ہوں گی (۲) اثر پہلے گزر چکا ہے۔عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضى بذلك ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية ،وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ (الف) (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المسبوط ،اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشہادۃ ،ج عاشر،ص ۲۹۷،نمبر ۱۵۰۴۳) اس اثر میں ہے کہ آدھے گواہ نے رجوع کیا تو اس پر آدھا ضمان لازم ہوگا۔

[۲۸۶۸] (۹) اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی۔ پھر ان میں سے آٹھ عورتیں رجوع کرلیں تو ان عورتوں پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ ایک مرد اور دو عورتیں ابھی باقی ہیں جن پر فیصلے کا مدار ہے۔اس لئے ان رجوع کرنے والی آٹھ عورتوں پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

[۲۸۶۹] (۱۰) پس اگر رجوع کر جائے نویں بھی تو عورتوں پر چوتھائی حق لازم ہوگا۔

تشریح پہلے آٹھ عورتیں رجوع کیں تھیں تو ان پر کچھ لازم نہیں ہوا۔اب نویں عورت بھی رجوع کر گئیں اس لئے ایک مرد اور ایک عورت باقی رہیں۔ایک مرد کی آدھی گواہی اور ایک عورت کی چوتھائی گواہی مجموعہ تین چوتھائی گواہی باقی رہی اور نو عورتوں کو ملا کر چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا۔اس لئے ان سب عورتوں پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

اصول اوپر اثر سے ثابت کیا تھا کہ جو باقی رہا اس کی گواہی کا اعتبار ہے دو کے علاوہ جو رجوع کر گئے ان کا اعتبار نہیں ہے۔

[۲۸۷۰] (۱۱) پس اگر مرد اور عورتیں سب رجوع کر جائیں تو مرد پر حق کا چھٹا لازم ہوگا اور عورتوں پر حق کے پانچ چھٹے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں مرد پر آدھا اور ساری عورتوں پر آدھا۔

تشریح دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس اعتبار سے دس عورتیں پانچ مرد کے قائم مقام ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا کہ چھ مردوں نے مال کی گواہی دی اس لئے جب سب رجوع کر گئے تو مرد پر ایک چھٹا حصہ لازم ہوا اور باقی پانچ چھٹا حصہ دس عورتوں پر لازم ہوگا۔

مثلا : جس مال کی گواہی ایک مرد اور دس عورتوں نے دی اس کی قیمت 48 درہم تھی، اب رجوع کرنے پر مرد پر ایک چھٹا حصہ 48÷6=8 آٹھ درہم لازم ہوگا۔اور دس عورتوں پر پانچ چھٹا حصہ یعنی 40 درہم لازم ہوگا۔اور ہر عورت کے ذمے چار درہم آئے گا۔

وجہ مرد اور عورتیں سب نے مل کر گواہی دی ہیں اس لئے دس عورتیں پانچ مرد ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا چھ مردوں نے گواہی دی اس لئے مرد پر ایک مرد کا ضمان چھٹا حصہ آئے گا اور دس عورتوں پر پانچ مردوں کا ضمان یعنی پانچ چھٹا حصہ آئے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا دو گواہ کسی کے ہاتھ کاٹنے کے لئے گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کردے پھر دونوں گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں پر دیت ہے۔اور اگر ان میں سے ایک رجوع کر جائے تو اس پر آدھی دیت ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقالا علی الرجل النصف وعلی النسوۃ النصف[۲۸۷۱](۱۲) وان شھد شاھدان علی امرأۃ بالنکاح بمقدار مھر مثلھا او اکثر ثم رجعا فلا ضمان علیھما[۲۸۷۲](۱۳) وان شھدا باقل من مھر المثل ثم رجعا لم یضمنا النقصان[۲۸۷۳](۱۴) وکذلک اذا شھدا علی رجل بتزویج امرأۃ بمقدار مھر مثلھا

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مرد پر آدھا ضمان آئے گا اور باقی آدھا سب عورتوں پر آئے گا۔ مثال مذکور میں 48 درہم میں سے آدھا یعنی 24 درہم مرد پر لازم ہوگا اور باقی 24 درہم دس عورتوں پر لازم ہوگا اور ہر عورت پر دو درہم اور چالیس پیسے (2.40) لازم ہوں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مرد کے بغیر صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے اس لئے مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دس عورتوں نے مل کر آدھی گواہی دی اس لئے مرد پر آدھا ضمان لازم ہوگا اور باقی آدھا تمام عورتوں پر لازم ہوگا۔

[۲۸۷۱] (۱۲) اگر دو گواہوں نے کسی عورت پر گواہی دی نکاح کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں یا اس سے زیادہ میں پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ رجوع کرنے کے بعد گواہ نقصان کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہاں مہر مثل یا اس سے زیادہ عورت کو دلوایا ہے اس لئے رجوع کے بعد عورت کا کچھ نقصان نہیں ہوا اس کو توبضعہ کے بدلے مہر مثل مل گیا اگر چہ اس کا بضعہ گیا اس لئے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

اصول گواہ کی گواہی سے نقصان ہوا ہو تو رجوع کرنے پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر نقصان نہ ہوا ہو بلکہ مشہود علیہ کا فائدہ ہوا ہو یا برابر سرابر رہا ہو تو گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

[۲۸۷۲] (۱۳) اگر دونوں نے گواہی دی مہر مثل سے کم کی پھر دونوں رجوع کر جائے تو نقصان کے ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں نے کسی عورت پر گواہی دی کہ مثلا پانچ سو درہم میں نکاح ہوا ہے۔ اور مہر مثل ایک ہزار تھا پھر رجوع کر گئے تو گواہوں پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح کے وقت بضعہ کی قیمت ہے طلاق کے وقت اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مہر متعین ہو جائے تو وہی اصل ہوگا مہر مثل اصل نہیں ہوگا۔ یہاں عورت کو بضعہ کے بدلے مہر مثل سے کم سہی لیکن کچھ نہ کچھ تو مل گیا ہے اس لئے گواہوں نے اس کا کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اصول مہر کچھ بھی متعین ہو جائے تو وہ کافی ہے بشرطیکہ دس درہم سے زیادہ ہو (۲) بضعہ نکاح کے وقت متقوم ہے فسخ کے وقت متقوم نہیں ہے۔

[۲۸۷۳] (۱۴) ایسے ہی اگر گواہی دی مرد پر عورت سے نکاح کرنے کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں۔

تشریح عورت کا مہر مثل مثلا ایک ہزار ہے اور دو گواہوں نے مرد پر گواہی دی کہ ایک ہزار کے بدلے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ شوہر نے عورت سے وطی کی پھر گواہ رجوع کر گئے تو گواہوں پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۴](۱۵) فان شهدا باکثر من مهر المثل ثم رجعا ضمنا الزیادۃ[۲۸۷۵](۱۶) وان شهدا ببیع شیء بمثل القیمۃ او اکثر ثم رجعا لم یضمنا[۲۸۷۶](۱۷) وان کان باقل من

وجہ یہاں شوہر کو ایک ہزار دینا تو پڑا لیکن اس کے بدلے بضعہ ملا جس کا مہر مثل ایک ہزار ہے۔ اس لئے شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہوا اس لئے گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔ باقی رہا کہ مزید سالوں تک بضعہ استعمال نہ کرسکا تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ مہر پہلی مرتبہ وطی کی قیمت شمار کی جاتی ہے۔ اور بعد کی وطی اسی میں تداخل ہوتی جاتی ہے۔

[۲۸۷۴] (۱۵) اور اگر دونوں نے مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر رجوع کر گئے تو زیادتی کے ضامن ہوں گے۔

تشریح مثلا مہر مثل ایک ہزار تھا اور گواہوں نے گواہی دی کہ بارہ سو درہم میں شادی ہوئی تھی۔ شوہر نے بیوی سے وطی کی پھر گواہ رجوع کر گئے تو مہر مثل سے زیادہ جو دو سو درہم ہے اس کے ضامن ہوں گے۔

وجہ بضعہ کی قیمت مہر مثل یعنی ایک ہزار تھی اور گواہوں نے بارہ سو مہر کی گواہی دی۔ اور بعد میں رجوع بھی کر گئے تو گویا کہ گواہوں نے دو سو درہم کا نقصان دیا اس لئے گواہ دو سو درہم کے ضامن ہوں گے۔

اصول گواہ جتنا نقصان دے گا اتنے کا ضامن ہوگا۔ اس کے لئے اثر پہلے گزر چکا ہے (اعلاء السنن، نمبر ۵۰۴۳)

[۲۸۷۵] (۱۶) اگر گواہی دی کسی چیز کے بیچنے کی مثل قیمت میں یا زیادہ میں پھر رجوع کر گئے تو ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح مثلا چیز کی قیمت پانچ درہم تھی اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے یہ چیز پانچ درہم میں یا چھ درہم میں بیچی ہے۔ مشتری کے قبضے کے بعد گواہی سے رجوع کر گئے تو گواہوں پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ جتنے کی چیز تھی اتنی قیمت مل گئی یا اس سے زیادہ مل گئی اس لئے گواہوں نے کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۶] (۱۷) اور اگر قیمت سے کم کی گواہی دی تو دونوں نقصان کے ضامن ہوں گے۔

تشریح مثال مذکور میں چیز کی قیمت پانچ درہم تھی، گواہوں نے گواہی دی کہ چار درہم میں بیچی ہے پھر رجوع کر گئے تو گواہوں نے بائع کے ایک درہم کا نقصان کیا اس لئے گواہ نقصان کے ضامن ہوں گے (۲) اثر اوپر گزرا۔ **عن ابراهیم قال اذا شهد شاهدان علی قطع ید فقضی القاضی بذلک ثم رجعا عن الشهادۃ فعلیهما الدیۃ وان رجع احدهما فعلیه نصف الدیۃ وبه ناخذ (الف)** (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں گواہ رجوع کر کے پوری دیت کا نقصان کیا تو پوری دیت لازم ہوگی اور ایک گواہ نے رجوع کیا اور آدھی دیت کا نقصان کیا تو اس پر آدھی دیت لازم کی گئی۔ اسی پر قیاس کر کے گواہ جتنا نقصان کریں گے ان پر اتنا ہی ضمان لازم ہوگا۔ اس سے زیادہ نہیں (۲) یہ قاعدہ اس آیت سے مستنبط ہے۔ **وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص**

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کردے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

القيمة ضمنا النقصان[۲۸۷۷](۱۸) وان شهدا على رجل انه طلق امرأته قبل الدخول بها ثم رجعا ضمنا نصف المهر[۲۸۷۸](۱۹) وان كان بعد الدخول لم يضمنا[۲۸۷۹] (۲۰) وان شهدا انه اعتق عبده ثم رجعا ضمنا قيمته[۲۸۸۰](۲۱) وان شهد بقصاص ثم

(الف) (آیت ۴۵، سورة المائدة ۵) اس آیت میں ہے کہ قاتل نے جتنا نقصان کیا ہے اتنا ہی اس پر ضمان لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔

[۲۸۷۷] (۱۸) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی پر گواہی دی کہ اس نے بیوی کو وطی سے پہلے طلاق دی ہے پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں آدھے مہر کے ضامن ہوں گے۔

وجہ اگر گواہی دی کہ دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو شوہر پر بغیر بضعہ وصول کئے ہوئے آدھا مہر لازم ہوا ہوگا۔ اس لئے اس کو مفت کی رقم دینی پڑی اور یہ نقصان گواہوں کی وجہ سے ہوا ہے، بعد میں گواہ رجوع کر گئے اس لئے آدھے مہر کا نقصان گواہوں پر لازم ہوگا۔

[۲۸۷۸] (۱۹) اور اگر دخول کے بعد ہے تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح گواہوں نے گواہی دی کہ دخول کے بعد شوہر نے طلاق دی ہے۔ اس کی وجہ سے شوہر پر پورا دینا پڑ گیا۔ بعد میں گواہ رجوع کر گئے تو گواہوں پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔

وجہ دخول کے بعد طلاق کی وجہ سے پورا مہر تو دینا پڑا لیکن اس کے بدلے شوہر بضعہ وصول کر چکا ہے۔ چونکہ مہر بضعہ وصول کرنے کا بدلہ ہے اس لئے گواہوں نے شوہر کا کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے گواہوں پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

[۲۸۷۹] (۲۰) اگر دونوں نے گواہی دی کہ اپنے غلام کو آزاد کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔

تشریح دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنا غلام آزاد کیا ہے جس کی وجہ سے قاضی نے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ بعد میں دونوں گواہ رجوع کر گئے۔ اب غلام تو آزاد ہی رہے گا البتہ اس کی قیمت گواہوں پر لازم ہوگی۔

وجہ کیونکہ گواہوں کی گواہی کی وجہ سے بغیر کسی عوض کے زید کا غلام آزاد ہوا۔ اور زید کو اس کا نقصان ہوا اس لئے گواہوں پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اصول گزر چکا ہے۔

[۲۸۸۰] (۲۱) اگر قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد دونوں رجوع کر گئے تو دونوں دیت کے ضامن ہوں گے۔ لیکن دونوں سے قصاص نہیں لیا جائیگا۔

وجہ دیت تو اس لئے لی جائے گی کہ اس کی گواہی کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے اور بعد میں گواہی سے رجوع کر گئے۔ اور قصاص میں جان کا بدلہ جان اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ اس نے براہ راست قتل نہیں کیا بلکہ قاضی کے سامنے گواہی دی پھر قاضی نے قتل کر دیا اس لئے یہ قتل عمد نہیں ہوا

حاشیہ: (الف) ہم نے یہودیوں پر فرض کیا جان جان کے بدلے میں اور آنکھ آنکھ کے بدلے میں اور ناک ناک کے بدلے میں اور کان کان کے بدلے میں اور دانت دانت کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

رجع بعد القتل ضمنا الدية ولا يُقتصُّ منهما[۲۸۸۱](۲۲) واذا رجع شهود الفرع ضمنوا[۲۸۸۲] (۲۳)وان رجع شهود الاصل وقالوا لم نشهد شهود الفرع على شهادتنا

بلکہ قتل خطاء کے درجے میں ہے۔اور قتل خطا میں دیت لازم ہوتی ہے قصاص لازم نہیں ہوتا۔اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔آیت ہے۔ومن قتل مومنا خطأ فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله (الف)(آیت ۹۲،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ قتل خطاء کی دیت لازم ہوگی۔اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی (۲) اثر گزر گیا۔ عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضي بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ (ب)(ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط،اعلاء السنن،باب الرجوع عن الشھادۃ،ج عاشر،ص ۲۹۷،نمبر ۵۰۴۳)اس اثر میں ہے کہ گواہی سے رجوع کرنے پر دیت لی جائے گی قصاص نہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن الحسن قال اذا شهد شاهدان على قتل ثم قتل القاتل ثم يرجع احد الشاهدين قتل (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشھادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۳)اس اثر میں ہے کہ گواہ کی وجہ سے قتل کیا گیا پھر اس نے رجوع کیا تو خود گواہ قصاصا قتل کیا جائے گا۔اس لئے یہاں بھی گواہ سے قصاص لیا جائے گا۔

[۲۸۸۱](۲۲)اگر فرع گواہ رجوع کر گئے تو ضامن ہوں گے۔

تشریح اصل گواہوں نے فرع کو گواہ بنایا تھا اور انہوں نے ہی مجلس قضا میں گواہی دی تھی جس کی بنا پر فیصلہ ہوا تھا۔اب وہ رجوع کر گئے تو وہ ضامن ہوں گے۔

وجہ مجلس قضا میں فرع نے گواہی دی ہے اور بنیاد فرع کی گواہی ہے اور وہی رجوع کر رہے ہیں اس لئے وہی ضامن ہوں گے،اصل ضامن نہیں ہوں گے۔

[۲۸۸۲](۲۳)اور اگر اصل گواہ رجوع کر گئے اور یوں کہا کہ میں نے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ نہیں بنایا ہے تو اصل پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح اصل گواہ اس طرح اپنی گواہی سے رجوع کرتا ہے کہ میں نے فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہی نہیں ہے تو اصل گواہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

وجہ وہ خود مجلس قضا میں جا کر گواہی نہیں دی ہے۔اس لئے بہت ممکن ہے کہ فرع گواہ جھوٹ بول رہے ہوں اور بغیر گواہ بنائے گواہی دے دی

حاشیہ : (الف) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو مومن غلام آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے اہل کو سپرد کرنا ہے (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے ہاتھ کاٹنے کی گواہی دے اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر گواہی سے رجوع کر جائے تو ان دونوں گواہوں پر دیت لازم ہوگی اور اگر ایک رجوع کرے تو آدھی دیت لازم ہوگی اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں (ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر دو آدمی کسی کے قتل پر گواہی دے پھر قاتل قتل کیا جائے پھر دو میں سے ایک گواہ رجوع کر جائے تو قتل کیا جائے گا۔

فلا ضمان علیهم[۲۸۸۳](۲۴) وان قالوا اشهدناهم وغلطنا ضمنوا [۲۸۸۴](۲۵)وان قال شهود الفرع کذب شهود الاصل او غلطوا فی شهادتهم لم یُلتفت الی ذلک[۲۸۸۵](۲۶) واذا شهد اربعة بالزنا وشاهدان بالاحصان فرجع شهود الاحصان

ہو۔اس لئے اصل گواہ پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور فرع پر بھی ضمان لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ گواہی سے رجوع نہیں کر رہے ہیں۔اور قضا بھی نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہونے کے بعد جلدی ٹوٹتا نہیں ہے۔

[۲۸۸۳](۲۴)اور اگر کہا کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا تھا لیکن غلطی کی تھی تو وہ ضامن ہوں گے۔

تشریح اگر اصول نے یوں کہا کہ ہم نے فروع کو گواہ بنایا تھا لیکن گواہی کے الفاظ میں غلطی کی تھی تو اصل گواہ ضامن ہوں گے۔

وجہ اصل گواہ نے خود اقرار کیا کہ میری غلطی ہے اور فرع گواہوں نے اصل گواہوں کی بات ہی نقل کی ہے اس لئے اصل گواہ ضامن ہوں گے۔اور چونکہ فرع گواہوں نے رجوع نہیں کیا اس لئے وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

اصول یہ مسائل اسی اصول پر ہیں کہ جس نے جتنا نقصان کیا ہے وہی ضامن ہوگا۔

[۲۸۸۴](۲۵)اگر فرع گواہوں نے کہا کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا انہوں نے گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

وجہ فرع گواہوں نے سچ اور صحیح سمجھ کر اصل گواہوں کی گواہی مجلس قضا میں منتقل کی۔اور قاضی کے فیصلے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو ان کی اپنی باتوں میں تضاد ہو گیا۔قضا سے پہلے اس کو صحیح سمجھا اور قضا کے بعد غلط بتا رہے ہیں اس لئے ان کی باتوں کی طرف قاضی توجہ نہیں دیں گے(۲) فیصلے کے بعد فیصلہ ٹوٹے گا نہیں اس لئے اس کی باتوں کی طرف توجہ دے کر فائدہ کیا ہے؟ (۳) فرع گواہ رجوع نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصل پر الزام ڈال رہے ہیں جس پر کوئی گواہ نہیں ہے اس لئے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۲۸۸۵](۲۶)اگر چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی اور دو آدمیوں نے احصان کی پھر احصان کے گواہ رجوع کر گئے تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سزا کا اصل موجب زنا کرنا اور اس کی گواہی ہے نہ کہ محصن ہونا اور اس کی گواہی۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ چار آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں نے زنا کیا ہے۔اور دوسرے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ محصن ہے۔پھر احصان کی گواہی دینے والے رجوع کر گئے تو وہ دیت کے ضامن نہیں ہوں گے۔

وجہ رجم کا مدار زنا کے ثبوت پر ہے اور زنا کا ثبوت پہلے چار گواہوں سے ہوا ہے۔اور ان لوگوں نے رجوع نہیں کیا اس لئے ان لوگوں پر دیت

لم يضمنوا[۲۸۸۶] (۲۷) واذا رجع المُزكّون عن التزكية ضمنوا[۲۸۸۷](۲۸) واذا شهد شاهدان باليمين وشاهدان بوجود الشرط ثم رجعوا فالضمان على شهود اليمين خاصّة.

کا ضمان نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ محصن ہونے کی گواہی نہ دیتے تو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ کوڑے لگائے جاتے۔ احصان کی گواہی دینے کی وجہ سے رجم کیا گیا ہے۔ پھر بھی ان پر دیت لازم اس لئے نہیں ہوگی کہ انہوں نے صرف ایک صفت بیان کی ہے جس کی وجہ سے سزا کی تبدیلی ہوگئی ورنہ اصل سزا زنا کی گواہی دینے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور انہوں نے رجوع نہیں کیا ہے اس لئے محصن ہونے کی گواہی دینے والوں پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

[۲۸۸۶] (۲۷) تزکیہ کرنے والے تزکیہ سے رجوع کر جائیں تو ضامن ہوں گے۔

تشریح چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی۔ پھر قاضی نے گواہوں کی عدالت کی تحقیق کے لئے آدمی بھیجے۔ انہوں نے کہا گواہ عادل ہیں۔ ان کے عادل کہنے کی وجہ سے قاضی نے رجم کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ گواہوں کے عادل ہوئے بغیر رجم کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ تو گویا کہ تزکیہ کرنے والوں پر ایک گونہ رجم کی بنیاد ہے۔ اس لئے جب وہ رجوع کر گئے تو ان پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ گواہی قبول ہی کی جائے گی تزکیہ کرنے والے کے کہنے پر، تو گویا کہ تزکیہ کرنے والے سزا دینے میں شریک ہوئے۔ اور پھر وہ رجوع کر گئے تو ان پر ضمان لازم ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تزکیہ کرنے والے کی حیثیت احصان کی گواہی دینے والے کی طرح ہے۔ اس لئے جس طرح احصان کی گواہی دینے والوں پر ضمان نہیں ہے اسی طرح تزکیہ کرنے والوں پر بھی ضمان نہیں ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ رجم کا مدار گواہوں پر ہے تزکیہ کرنے والوں پر نہیں ہے۔ وہ تو صرف ایک صفت بیان کرنے والے ہیں۔ اس لئے ان پر ضمان نہیں ہے۔

[۲۸۸۷] (۲۸) اگر دو گواہوں نے گواہی دی قسم کھانے کی۔ اور دوسرے دو نے دی شرط کے پائے جانے کی پھر سب رجوع کر گئے تو ضمان صرف قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

تشریح کسی نے قسم کھائی کہ امتحان میں پاس ہوں گا تو دعوت کھلاؤں گا۔ اب اس میں دو باتیں ہیں۔ قسم کھانا اور امتحان میں پاس ہونے کا ثبوت یعنی شرط پائے جانے کا ثبوت۔ شرط پائے جانے پر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی امتحان میں پاس ہو گیا ہے اور قسم کھانے پر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے ایسی قسم کھائی ہے۔ اس لئے سب کے رجوع کرنے پر قسم کے گواہ ضمان کے ذمہ دار ہوں گے۔

وجہ قسم پائے جانے اور کفارہ دینے کا اصل مدار قسم کے گواہ ہیں۔ شرط پائے جانے کے گواہ صرف صفت بتانے کے گواہ ہیں ان پر مدار نہیں ہے۔ اس لئے قسم کھانے کے گواہ ذمہ دار ہوں گے۔

﴿ كعاب آداب القاضى ﴾

[۲۸۸۸](۱)لاتصح ولاية القاضى حتى يجتمع فى المولّٰى شرائط الشهادة ويكون من

﴿ کتاب آداب القاضی ﴾

ضروری نوٹ قاضی کیسے ہواور وہ کس طرح فیصلہ کرے اس کوآداب قاضی کہتے ہیں۔قضا کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون (الف)(آیت ۴۵،سورۃ المائدۃ ۵)دوسری آیت میں ہے۔وداؤد وسليمان اذ يحكمان فى الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين ففهمناها سليمان وكلا اتينا حكما وعلما (ب)(آیت ۷۸/۷۹،سورۃ الانبیاء ۲۱)ان دونوں آیتوں میں فیصلے کرنے کا ثبوت ہے۔حدیث میں ہے۔عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان يبعث معاذا الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لک قضاء ؟ قال اقضى بكتاب الله ،قال فان لم تجد فى كتاب الله ؟ قال فبسنة رسول الله،قال فان لم تجد فى سنة رسول الله ولا فى كتاب الله ؟ قال اجتهد برايى ولا الو،فضرب رسول الله ﷺ صدره فقال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله (ج)(ابوداؤد شریف، باب اجتہاد الرای فی القضاء،ص ۱۴۹،نمبر ۳۵۹۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ،ص ۲۴۷،نمبر ۱۳۲۷/نسائی شریف، باب الحکم باتفاق اھل العلم،ص ۷۳۲،نمبر ۵۳۹۹)اس حدیث میں قضاء کا ثبوت ہے،اور کس ترتیب سے استدلال کرے اس کا بھی ثبوت ہے۔

[۲۸۸۸](۱)نہیں صحیح ہے قاضی بنانا یہاں تک کہ جمع ہوجائے قاضی میں شہادت کی شرطیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو۔

تشریح جس آدمی کو قاضی بنایا جارہا ہو اس میں اجتہاد کی شرطیں موجود ہوں۔مثلا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عادل ہو۔اور اتنا علم ہو کہ جس مسئلے میں کوئی قول نہ ہو تو اس میں اجتہاد کر سکتا ہو۔حد قذف نہ لگی ہو۔

وجہ (۱) قاضی شاہد کی شہادت سے فیصلہ کرے گا تو خود قاضی میں بھی شاہد کی صفتیں ہونی چاہئے (۲) آیت میں ہے۔فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم (د)(آیت ۹۵،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ فیصلہ کرنے والا عادل ہو(۳)اثر میں ہے۔قال عمر بن عبد العزيز لا ينبغى ان يكون قاضيا حتى تكون فيه خمس آيتهن اخطاته كانت فيه خللا،يكون عالما

حاشیہ : (الف)جو اللہ کے اتارے ہوئے احکامات کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا وہ ظالم ہے(ب)حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جب فیصلہ کر رہے تھے کھیتی کے بارے میں جب گھس پڑی اس میں قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔تو ہم نے فیصلہ حضرت سلیمان کو سمجھایا اور دونوں ہی کو علم اور حکمت دیا(ج)حضورؐ نے جب معاذؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو پوچھا جب تمہارے سامنے قضا کا معاملہ پیش آئے تو کیسے فیصلہ کروگے؟فرمایا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔پوچھا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟فرمایا سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا۔پوچھا اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کمی نہیں کروں گا۔تو حضورؐ نے خوشی سے ان کے سینے پر مارا اور فرمایا،الحمد للہ!جس نے رسول اللہ کے قاصد کو ایسی باتوں کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہے(د)جس جانور کو قتل کیا اس کا چوپائے کے ذریعہ برابر بدلہ ہے،اس کا دو عادل آدمی فیصلہ کرے۔

اهل الاجتهاد.

بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص ۲۹۸، نمبر ۱۵۲۸۶) اس اثر میں ہے کہ پانچ باتیں قاضی میں ہوں (۱) شریعتوں کو جاننے والا ہو (۲) اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو (۳) لالچ سے دور ہو (۴) خصم سے بردباری کا معاملہ کرنے والا ہو (۵) دوسرے کی ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔ یہاں الائمۃ لوم کی جمع ہے جس کے معنی ملامت ہے۔

اور قاضی اہل اجتہاد ہو اس کی دلیل اوپر کی حدیث معاذ ہے۔ جس میں ہے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی اہل اجتہاد ہو گا تب ہی تو اجتہاد کر سکے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذ الی الیمن ... فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد برایی ولا آلــو** (ب) (ابوداؤد شریف، باب اجتہاد الرای فی القضاء، ص ۱۴۹، نمبر ۳۵۹۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ص ۲۴۷، نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث میں ہے کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور یہ اسی وقت ہوگا جب قاضی صاحب اجتہاد ہو (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ قال اذا حکم الحاکم فاجتهدثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطأفله اجر** (ج) (مسلم شریف، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ، ص ۷۶، نمبر ۱۷۱۶) اس حدیث میں ہے کہ اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو دو اجر ہیں اور غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔ اور اجتہاد اسی وقت کر سکتا ہے جب قاضی میں صفت اجتہاد ہو۔

فائدہ علماء فرماتے ہیں کہ صفت اجتہاد ہو تو بہتر ہے ورنہ غیر مجتہد کو بھی قاضی بنا سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ دوسروں کے لئے فیصلے کو یا فتوی کو نافذ کرے اور خود اجتہاد نہ کرے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نو عمر تھے اور ابھی ان میں صفت اجتہاد نہیں آئی تھی پھر بھی حضورؐ نے ان کو قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ **عن علی قال بعثنی رسول الله ﷺ الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول الله ﷺ ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء فقال ان الله سیهدی قلبک الخ** (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف القاضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں حضرت علی نو عمر تھے اور صفت اجتہاد نہیں تھی پھر بھی قاضی بنائے گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر صفت اجتہاد کے بھی قاضی بنائے جا سکتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ مناسب نہیں ہے کہ قاضی بنے یہاں تک کہ اس میں پانچ صفتیں ہوں۔ کسی کا نہ ہونا خلل ہے۔ ایک تو ما قبل کی باتوں کو جاننے والا ہو، دوسری اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔ تیسری یہ کہ لالچ نہ ہو، چوتھی یہ مخالف کے ساتھ بردبار ہو، اور پانچویں صفت یہ کہ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو (ب) جب حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو فرمایا اگر سنت رسول اور کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا (ج) آپؐ نے فرمایا جب حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے پھر صحیح پر پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور اگر فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے (د) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ مجھے بھیجتے ہیں حالانکہ میں نو عمر ہوں۔ اور فیصلہ کرنا بھی نہیں جانتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا۔

[۲۸۸۹](۲) ولابأس بالدخول فی القضاء لمن یثق بنفسه انی یؤدی فرضه[۲۸۹۰](۳) ویکره الدخول فیه لمن یخاف العجز عنه ولا یأمن علی نفسه الحیف فیه.

لغت المولی : ولی سے مشتق ہے جس کو قضا سپرد کیا جا رہا ہو۔

[۲۸۸۹](۲) اور کوئی حرج نہیں ہے قضاء میں داخل ہونے میں جس کو اعتماد ہو کہ وہ اپنا فرض پورا کرے گا۔

تشریح جس کو اس بات کا اعتماد ہو کہ میں قضا کے فرائض پورا کرلوں گا تو اس کے لئے قضا میں داخل ہونے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ یہ امر بالمعروف ہے اس لئے اعتماد ہو تو اس کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ میں امور سلطنت نہیں لوں گا تو امت ہلاک ہو جائے گی تو خود سلطنت مانگی۔ **قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** (الف) (آیت ۵۵، سورۂ یوسف ۱۲) اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خود سلطنت مانگی ہے اس لئے اعتماد ہو اور امت کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو قضا مانگ بھی سکتا ہے (۳) قضا ایک فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے انبیاء کو حکم دیا، اس لئے اس میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ آیت میں ہے۔ **یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله** (ب) (آیت ۲۶، سورۃ ص ۳۸) دوسری آیت میں ہے۔ **انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک الله ولا تکن للخائنین خصیما** (ج) (آیت ۱۰۵، سورۃ النساء ۴) ان دونوں آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو صحیح فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ قضا میں داخل ہوئے بغیر نہیں ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس میں داخل ہونے میں حرج نہیں ہے بشرطیکہ حق فیصلہ کرنے کا اعتماد ہو۔ کیونکہ یہ بھی اشارہ ہے کہ خواہش نفس کی اتباع کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔

لغت یثق : اعتماد ہو۔

[۲۸۹۰](۳) اور اس میں داخل ہونا مکروہ ہے اس کے لئے جس کو اس سے عاجز ہونے کا خوف ہو۔ اور اس بات پر اطمینان نہ ہو کہ اپنی ذات پر اس میں ظلم ہو جائے گا۔

تشریح کسی کو یہ خوف ہو کہ میں صحیح فیصلہ کرنے سے عاجز رہوں گا، اور فرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اوپر ظلم ہو جائے تو ایسے آدمی کے لئے قاضی بننا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی طلب القضاء، ص ۱۴۷، نمبر ۳۵۷۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ص ۲۴۷، نمبر ۱۳۲۵) اس

حاشیہ : (الف) حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے زمین کے خزانے کا نگران بنائیں میں حفاظت کرنے والا ہوں اور اس فن کو جانتا بھی ہوں (ب) اے داؤد! میں نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا اس لئے لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ اور خواہش کی اتباع نہ کیجئے کہیں راستے سے بھٹک نہ جائیں (ج) میں آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس علم سے جو آپ کو اللہ نے دیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والے نہ بنیں (د) آپؐ نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

[۲۸۹۱](۴) ولا ینبغی ان یطلب الولایة ولایسألها[۲۸۹۲](۵)ومن قُلِّد فی القضاء

حدیث میں ہے کہ قاضی بنایا گیا تو سمجھو کہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ جس سے معلوم ہو کہ عاجز ہو تو قضاء لینا اچھا نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ **عن ابی ذر ان رسول اللہ ﷺ قال یا ابا ذر ! انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم** (الف) (مسلم شریف، باب کراہۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، ج ۲، ص ۱۲۱، نمبر ۱۸۲۶ر ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا، ص ۴۰، نمبر ۲۸۶۸) اس حدیث میں ہے کہ آدمی قضاء سے عاجز ہو تو قضاء نہ لے (۳) اوپر کی آیت میں بھی ہے کہ اگر خواہش نفس کی اتباع کی تو گمراہ ہو جائے گا۔ اس لئے اگر عاجزی کا خوف ہو تو قضاء نہ لے تاکہ گمراہ نہ ہو۔

[۲۸۹۱](۴) نہ ولایت کی درخواست کرنا مناسب ہے اور نہ اس کا مانگنا۔

تشریح اگر قضاء چلانے کے لئے دوسرا آدمی موجود ہے اور اپنے نہ ہونے سے امت کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے تو اس کی خواہش رکھنا بھی مناسب نہیں اور اس کا مانگنا بھی مناسب نہیں۔

وجہ کسی آدمی کا غلط فیصلہ ہو جائے تو اس کا گناہ قاضی کے سر پر ہے۔ اس لئے بلا وجہ اس مصیبت میں پڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **حدثنی عبد الرحمن بن سمرة قال: قال لی رسول اللہ ﷺ یا عبد الرحمن بن سمرة لا تسأل الامارة فان اعطیتها عن مسألة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسألة اعنت علیها** (ب) (بخاری شریف، باب من سأل الامارۃ وکل الیها، ص ۱۰۵۸، نمبر ۷۱۴۷ر مسلم شریف، باب النهی عن طلب الامارۃ والحرص علیها، ج ۲، ص ۱۲۰، نمبر ۱۶۵۲/۴۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امارت اور قضا نہیں مانگنا چاہئے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابی موسی قال : دخلت علی النبی ﷺ انا ورجلان من بنی عمی، فقال احد الرجلین: یا رسول اللہ ! امرنا علی بعض ما ولاک اللہ عز وجل، وقال الآخر مثل ذلک. فقال: انا واللہ لا نولی علی هذا العمل احدا سأله ولا احدا حرص علیه** (ج) (مسلم شریف، باب النهی عن طلب الامارۃ والحرص علیها، ص ۱۲۰، نمبر ۱۷۳۳ر ۴۷۱۷ر بخاری شریف، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، ص ۱۰۵۸، نمبر ۷۱۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو قضاء مانگے یا اس کی حرص کرے اس کو قضاء نہ دی جائے۔

[۲۸۹۲](۵) جس کو قاضی بنایا گیا اس کو قاضی کا وہ رجسٹر سپرد کیا جائے جو اس سے پہلے قاضی کا تھا۔

تشریح جس کو قاضی بنایا گیا ہو اس کو وہ رجسٹر دیا جائے جو پہلے قاضی کے پاس تھا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اے ابوذر! میں تم کو کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بنو اور یتیم کے مال کا والی نہ بنو (ب) مجھے حضورؐ نے فرمایا اے عبد الرحمن بن سمرۃ! امارت نہ مانگو۔ پس اگر مانگنے سے دی گئی تو تم اس کی طرف سپرد کر دیئے جاؤ گے۔ اور اگر بغیر مانگے دیا گیا تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی (ج) حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک آدمی حضورؐ کے پاس گئے۔ پس دو میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو اللہ نے جس چیز کا والی بنایا ہے اس میں سے بعض پر مجھے امیر بنائے۔ اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا۔ تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم اس کو امیر نہیں بناتا جو اس کو مانگتا ہے۔ اور نہ ایسے کو جو اس کی حرص کرتا ہے۔

سُلِّم الیہ دیوان القاضی الذی کان قبلہ[۲۸۹۳](٦) وینظر فی حال المحبوسین فمن اعترف منھم بحق الزمہ ایاہ[۲۸۹۴](۷) ومن انکر لم یقبل قول المعزول علیہ الا ببینۃ[۲۸۹۵](۸) فان لم تقم البینۃ لم یُعجِّل بتخلیتہ حتی ینادی علیہ ویستظھر فی

وجہ تاکہ رجسٹر میں غور کر کے حقوق والوں کے حقوق ادا کر سکے۔

لغت قلد : مجہول کا صیغہ ہے بنایا جائے، قاضی ہونے کا قلادہ ڈالا جائے۔ یسلم : سپرد کرے۔

[۲۸۹۳](٦) اور قیدیوں کے حالات میں غور کرے، پس جو ان میں سے حق کا اعتراف کرے وہ اس پر لازم کردے۔

تشریح قاضی بننے کے بعد وہ قیدیوں کے حالات کا معائنہ کرے۔ جو قیدی اعتراف کرے کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اس پر وہ حق لازم کردے۔

وجہ جب قیدی نے خود اعتراف کرلیا کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اب گواہی کی بھی ضرورت نہیں ہے اس کا اقرار کرنا کافی ہے۔ اس لئے اس پر فلاں کا حق لازم کردیا جائے گا۔ اس اثر میں ہے۔ **عن ابن سیرین قال اعترف رجل عند شریح بامر ثم انکرہ فقضی علیہ باعترافہ (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب الاعتراف عند القاضی، ج ثامن، ص ۳۰۳، نمبر ۱۵۳۰۱)

لغت محبوس : حبس سے مشتق ہے جس کو حبس کیا گیا ہو تاکہ لگائے گئے الزام کی تحقیق کی جائے۔

[۲۸۹۴](۷) اور اگر کسی نے انکار کیا تو معزول قاضی کا قول مقبول نہیں ہے مگر گواہی کے ساتھ۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی معزول ہونے کے بعد ایک عام آدمی ہو گیا اب وہ قاضی نہیں رہا اس لئے جس طرح عام آدمیوں کی بات گواہی کے ذریعہ قبول کی جاتی ہے اسی طرح معزول قاضی کی بات بھی گواہی کے ذریعہ قبول کی جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے کہ قاضی کے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی ایک عام آدمی کی شہادت کی طرح ان کی شہادت ہے تو معزول ہونے کے بعد بدرجۂ اولی ایک عام آدمی کی طرح ہو جائے گا۔ اثر میں ہے۔ **قال عمرؓ لعبد الرحمن بن عوف لو رأیت رجلا علی حد زنا او سرقۃ وانت امیر ؟ فقال شھادتک شھادۃ رجل من المسلمین قال صدقت (ب)** (بخاری شریف، باب الشہادۃ تکون عند الحاکم فی ولایۃ القضاء، ص ۱۰۶۲، نمبر ۷۱۷۰)

[۲۸۹۵](۸) پس اگر بینہ قائم نہ ہو تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے لئے غور کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح کے سامنے ایک آدمی نے کسی معاملے کا اعتراف کیا پھر اس کا انکار کردیا تو حضرت شریح نے اس کے اعتراف پر فیصلہ کیا (ب) حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے فرمایا اگر کسی آدمی کو حد کا کام کرتے ہوئے دیکھو مثلا زنا یا چوری کا کام اور تم امیر ہو تو تمہاری گواہی عام مسلمان کی گواہی کی طرح ہوگی فرمایا صحیح فرماتے ہیں۔

امره[۲۸۹۶](۹) وینظر فی الودائع وارتفاع الوقوف فیعمل علی حسب ماتقوم به البینة او یعترف به من هو فی یده[۲۸۹۷](۱۰) ولا یقبل قول المعزول الا ان یعترف الذی هو فی یده ان المعزول سلّمها الیه فیقبل قوله فیها[۲۸۹۸](۱۱) ویجلس للحکم جلوسا

تشریح کسی قیدی کے جرم کے سلسلے میں کوئی گواہ قائم نہیں ہوا تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا گواہ کہیں دور ہو۔ بلکہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے واضح ہونے کا انتظار کرے۔ منادی کرنے اور انتظار کرنے کے بعد اگر واضح ہو جائے کہ یہ بری ہے تو چھوڑ دے اور جرم ثابت ہو جائے تو سزا عائد کرے۔

وجہ معزول قاضی نے کسی کو قید کیا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ کوئی وجہ ضرور ہے تب ہی اس کو قید کیا ہے۔ اس لئے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔

لغت تخلیۃ : چھوڑنا، رہا کرنا۔ یستظھر : ظھر سے مشتق ہے، ظاہر ہونے کا انتظار کرنا۔

[۲۸۹۶](۹) اور غور کرے امانتوں میں اور وقف کی آمدنیوں میں اور عمل کرے اس کے مطابق جو بینہ قائم ہو یا جس کے ہاتھ میں ہو وہ اقرار کرے۔

تشریح نئے قاضی کا کام یہ بھی ہے کہ رکھی ہوئی امانت کی چیزوں میں غور کرے کہ کس کی ہے۔ جس کے متعلق بینہ قائم ہو امانت کا مال حقدار تک پہنچائے۔ یا جس کے ہاتھ میں امانت ہو وہ اقرار کرے کہ یہ امانت فلاں کی ہے تو فلاں کو وہ امانت دلوائی جائے۔ اسی طرح وقف کی آمدنی میں غور کرے کہ کتنی آمدنی آرہی ہے اور کہاں کہاں خرچ ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں بھی جس بات پر بینہ قائم ہو اس کو پورا کرے۔ یا جو اقرار کرے کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے اور فلاں کی ہے اس کے مطابق عمل کرے۔

وجہ کوئی فیصلہ کرنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اس پر بینہ قائم ہو یا قبضہ والا اس کا اقرار کرے کہ یہ فلاں کا ہے۔

لغت ودائع : ودیعۃ کی جمع ہے امانت۔ ارتفاع : آمدنی، ارتفاع رفع سے مشتق ہے اٹھنا۔ یہاں آمدنی مراد ہے۔

[۲۸۹۷](۱۰) اور نہیں قبول کیا جائے گا معزول کا قول مگر یہ کہ وہ اعتراف کرے جس کے قبضے میں ہے کہ معزول قاضی نے اس کے سپرد کیا ہے۔ تو اس بارے میں قاضی کی بات مانی جائے گی۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ معزول قاضی ایک عام آدمی کی طرح ہو گیا اس لئے اس کی بات اس وقت تک نہیں مانی جائے گی جب تک کہ قبضہ والا یہ نہ کہے کہ مجھے معزول قاضی نے یہ چیز دی تھی۔

[۲۸۹۸](۱۱) اور فیصلے کے لئے عام طور پر مسجد میں بیٹھے۔

تشریح حاکم مسجد میں ایسی ظاہری جگہ پر فیصلے کے لئے بیٹھے جس سے ہر آنے والے کو پتا چل جائے کہ یہ قاضی صاحب بیٹھے ہیں۔ اور وہاں ہر شخص آسانی سے آسکے۔

ظاهرا فی المسجد[۲۸۹۹] (۱۲) ولا یقبل ھدیۃ الا من ذی رحم محرم منه او ممن

وجہ حضورؐ نے زنا کا فیصلہ مسجد میں کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ فیصلے کے لئے مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال: اتی رجل رسول اللہ ﷺ وھو فی المسجد فناداہ فقال : یا رسول اللہ ! انی زنیت فاعرض عنه الخ (الف) (بخاری شریف، باب من حکم فی المسجد الخ ص ۱۰۶۲، نمبر ۷۱۶۷ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ص ۶۶ نمبر ۱۶۹۲) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔عن سھل اخی بنی ساعدۃ ان رجلا من الانصار جاء الی النبی ﷺ فقال ارأیت رجلا وجد مع امرأته رجلا ایقتله ؟ فتلاعنا فی المسجد وانا شاھد (ب) (بخاری شریف، باب من قضی ولاعن فی المسجد ص ۱۰۶۲، نمبر ۷۱۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔

وجہ وہاں فیصلے کے لئے مشرک آئیں گے جو نجس ہیں وہ مسجد میں کیسے داخل ہوں گے۔حائضہ اور نفساء عورتیں فیصلے کے لئے آئیں گی جو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتیں۔اس لئے مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث ہے اس لئے بیٹھ سکتے ہیں البتہ ایسے لوگوں کے لئے قاضی باہر آجائے۔

اور ایسی جگہ بیٹھے جہاں ہر آدمی آسانی سے فیصلے کے لئے پہنچ سکے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔قال عمرو بن مرۃ لمعاویۃ انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : ما من امام یغلق بابه دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسکنته (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی امام الرعیۃ، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فیصلے چاہنے والوں کے لئے ظاہر مقام پر بیٹھے تاکہ فیصلہ چاہنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

[۲۸۹۹] (۱۲) اور ہدیہ قبول نہ کرے مگر ذی رحم محرم سے یا جن کی قاضی بننے سے پہلے ہدیہ دینے کی عادت تھی۔

تشریح ہدیہ میں رشوت کا بھی خطرہ ہے کہ ہدیہ دیکر غلط فیصلہ نہ کروالے۔اس لئے قاضی ذی رحم محرم سے ہدیہ قبول کرے یا قاضی بننے سے پہلے جن لوگوں کی عادت تھی کہ وہ ہدیہ دیا کرتے تھے انہیں لوگوں سے ہدیہ قبول کرے۔اور اس کا بھی خیال رکھے کہ وہ لوگ بھی کہیں رشوت کے لئے ہدیہ نہیں دے رہے ہوں۔اگر ایسا ہو تو ان کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے۔

وجہ ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شبہ ہو اس کو لینے سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اخبرنا ابو حمید الساعدی قال استعمل النبی ﷺ رجلا من بنی اسد یقال له ابن الاتبیۃ علی صدقۃ .فلما قدم قال : ھذا لکم وھذا اھدی لی فقام النبی ﷺ علی

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔اس نے آواز دے کر کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا، پس آپ نے منہ پھیر لیا (ب) انصار کا ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھے تو اس کو قتل نہ کر دے؟ پھر میاں بیوی دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں وہاں حاضر تھا (ج) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کوئی امام ضرورت والے اور مسکین پر اپنا دروازہ بند کرے گا تو اللہ آسمان کے دروازے اس کے لئے بند کریں گے اور اس کی ضرورت اور مسکنت پوری نہیں کریں گے۔

جرت عادته قبل القضاء بمهاداته [۲۹۰۰] (۱۳) ولا یحضر دعوة الا ان تکون عامة

المنبر... ثم قال: ما بال العامل نبعثه فیأتی فیقول هذا لک وهذا لی؟ فهلا جلس فی بیت ابیه وامه فینظر ایهدی له ام لا؟ الخ (الف) (بخاری شریف، باب ھدایا العمال، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمال اور قاضیوں کے لئے بے وقت ہدیہ لینا اچھا نہیں ہے۔

اور رشوت کے طور پر لے تو حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ الرشوۃ، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت لینا حرام ہے۔

اور جہاں رشوت کا خطرہ نہ ہو اس سے ہدیہ قبول کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة ان الناس کانوا یتحرون بھدایاھم یوم عائشة یبتغون بھا او یبتغون بذلک مرضاۃ رسول اللہ** (ج) (بخاری شریف، باب قبول الہدیۃ، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قریب والوں سے اور جنکی عادت پہلے سے ہدیہ دینے کی ہے اس کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے جب کہ آپ قاضی بھی تھے۔

لغت مھادات : ہدیہ سے مشتق ہے، ہدیہ دینا۔

[۲۹۰۰] (۱۳) اور دعوت میں حاضر نہ ہو مگر یہ کہ عام ہو۔

تشریح خاص طور پر قاضی صاحب کے لئے ہی دعوت کا کھانا بنایا گیا ہو تو ہوسکتا ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کھانا بنایا ہو۔ اس لئے خاص دعوت میں نہ جائیں۔ البتہ کبھی کی عام دعوت ہو اس میں قاضی کی بھی دعوت ہو تو جاسکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **قال البراء بن عازبؓ امرنا النبی ﷺ بسبع ونھانا عن سبع، امرنا بعیادۃ المریض واتباع الجنازۃ وتشمیت العاطس وابرار المقسم ونصر المظلوم وافشاء السلام واجابۃ الداعی** ۔ دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیأتھا** (د) (بخاری شریف، باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ ومن اولم سبعۃ ایام ونحوہ، ص ۷۷۷، نمبر ۵۱۷۵ / ۵۱۷۳ رمسلم شریف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۲) اس

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے بنی اسد کے ایک آدمی کو صدقہ پر عامل بنایا جس کا نام ابن الاتبیہ تھا۔ جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا یہ آپؐ کے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا ہے۔ پس حضورؐ منبر پر کھڑے ہوئے... پھر فرمایا لوگوں کو کیا ہوا کہ میں اس کو صدقہ کے لئے بھیجتا ہوں پس آتا ہے تو کہتا ہے یہ تیرے لئے ہے اور یہ میرے لئے ہے۔ اپنے باپ ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ جاتا پھر دیکھے کہ اس کو ہدیہ دیتا ہے یا نہیں (ب) حضورؐ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کی (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ ہدیہ دینے کے لئے اس کی باری تلاش کرتے تھے، اس سے حضرت عائشہؓ اور حضور کی خوشنودی چاہتے تھے (د) حضورؐ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے روکا۔ ہمیں مریض کی عیادت کا حکم دیا اور جنازے کے پیچھے چلنے کا اور چھینک کا جواب دینے کا اور قسم پوری کرنے کا اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور سلام عام کرنے کا اور دعوت قبول کرنے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر تم کو کوئی آدمی ولیمے میں بلائے تو اس میں شرکت کرنا چاہئے۔

[۲۹۰۱] (۱۴) ویشھد الجنازۃ ویعود المریض [۲۹۰۲] (۱۵) ولا یضیف احد الخصمین دون خصمہ [۲۹۰۳] (۱۶) فاذا حضرا سوّی بینھما فی الجلوس والاقبال ولا

حدیث سے معلوم ہوا کہ عام دعوت جیسے ولیمہ وغیرہ میں قاضی کے لئے شرکت کرنا جائز ہے۔

[۲۹۰۱] (۱۴) جنازے میں حاضر ہو اور بیمار کی عیادت کرے۔

تشریح جنازے میں شرکت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں رشوت کا خطرہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی حقوق ہیں اور حدیث کے اعتبار سے ضروری ہیں اس لئے یہ سب قاضی کریں گے۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی۔امرنا بعیادۃ المریض واتباع الجنازۃ (بخاری شریف، نمبر ۵۱۷۵ رمسلم شریف ۲۱۶۲)

[۲۹۰۲] (۱۵) اور نہ مہمان نوازی کرے خصمین میں تنہا ایک کی۔

تشریح قاضی کے پاس دو آدمیوں کا مقدمہ چل رہا ہو تو ان میں سے ایک کی دعوت کرے اور ایک کی نہ کرے ایسا نہ کرے۔دعوت کرے تو دونوں کی کرے۔

وجہ ایک کی طرف میلان سے شبہ ہوتا ہے کہ فیصلہ میں اس کی رعایت کی جائے گی۔اس لئے ایک کی دعوت کرنا اچھا نہیں (۲) حدیث میں ہے۔عن ام سلمۃؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ من ابتلی بالقضاء بین الناس فلیعدل بینھم فی لحظہ و اشارتہ ومقعدہ (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۱، نمبر ۴۴۲۰ رسنن للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیہ والاستماع منھما حجتہ وحسن الاقبال علیھما، ج عاشر، ص ۲۲۸، نمبر ۲۰۴۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں خصمین کے درمیان لحظے میں۔اشارے اور بٹھانے میں برابری کرے (۳) حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ بن الزبیر قال: قضی رسول اللہ ﷺ ان الخصمین یقعد ان بین یدی الحکم (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف یجلس بین یدی القاضی، ص، نمبر ۳۵۸۸) اس حدیث میں ہے کہ دونوں خصموں کو برابر بٹھائے جس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک کو ترجیح نہ دے (۴) حدیث میں ہے۔عن الحسن قال نزل علی علیؓ رجل وھو بالکوفۃ ثم قدم خصما لہ فقال لہ علیؓ اخصم انت؟ قال نعم ،قال فتحول فان رسول اللہ ﷺ نھانا ان نضیف الخصم الا وخصمہ معہ (ج) (سنن للبیہقی، باب لا ینبغی للقاضی ان یضیف الخصم الا وخصمہ معہ، ج عاشر، ص ۲۳۲، نمبر ۲۰۴۷۰) اس حدیث میں صاف ہے کہ ایک خصم کی دعوت نہ کرے۔

[۲۹۰۳] (۱۶) پس جب دونوں حاضر ہوں تو برابری کرے بیٹھنے میں، متوجہ کرنے میں اور سرگوشی نہ کرے کسی ایک سے اور نہ اس کی طرف

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا لوگوں کے درمیان قضا میں کوئی مبتلا کیا گیا تو ان دونوں کے درمیان دیکھنے میں انصاف کرے اور ان کے اشارے میں اور ان کو بٹھانے میں (ب) آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں خصم کو قاضی کے سامنے بٹھائے (ج) حضرت علیؓ کے پاس ایک مہمان آیا اس وقت وہ کوفہ میں تھے۔پھر اس کا خصم آیا تو اس سے حضرت علیؓ نے پوچھا کیا تم خصم ہو؟ کہا ہاں! کہا اس سے ہٹ جاؤ اس لئے کہ حضورؐ نے ہم کو اس بات سے روکا ہے کہ خصم کی مہمانی کرے ہاں اس کے ساتھ خصم ہو تو ٹھیک ہے۔

یسارٌ احدهما ولایشیرا الیه ولا یلقّنه حجة[٢٩٠۴](١٧) فاذا ثبت الحق عنده وطلب صاحب الحق حبس غریمه لم یعجّل بحبسه وامره بدفع ما علیه فان امتنع حبسه فی کل

اشارہ کرے، نہ کوئی حجت سکھائے۔

تشریح دونوں مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے پاس حاضر ہوں تو قاضی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے محسوس ہو کہ یہ کسی ایک کی طرف مائل ہے۔ اس لئے دونوں کو برابر درجے میں بٹھائے۔ دونوں کی طرف برابر درجے میں متوجہ ہو۔ کسی ایک سے چپکے چپکے بات نہ کرے۔ کسی ایک کی طرف اشارہ نہ کرے۔ کسی ایک کو بچنے کی دلیل نہ بتائے۔

وجہ کیونکہ اس طرح انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہو سکے گا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ام سلمة قال قالت قال رسول الله من ابتلی بالقضاء بین الناس فلیعدل بینهم فی لحظه واشارته ومقعده** (الف) (دار قطنی، نمبر ۴۴۲۰ رسنن للبیہقی، نمبر ۲۰۴۵۷)

لغت سوی : برابری کرے۔ لایسار : سر سے مشتق ہے، سرگوشی نہ کرے۔ ولایلقنه : تلقین سے مشتق ہے، کسی چیز کو بتانا، دلائل سمجھانا

[۲۹۰۴] (۱۷) جب ان کے نزدیک حق ثابت ہو جائے اور حق والا قرض خواہ کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو اس کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے۔ اور اس کو حکم دے ادا کرنے کا جو اس پر ہے۔ پس اگر وہ ادا کرنے سے باز رہے تو اس کو ہر اس قرض میں قید کرے جس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں مال آیا ہو۔ مثلا بیع کا ثمن اور قرض کا بدل۔

تشریح اقرار کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ مدعی علیہ پر حق ہے۔ اور مدعی درخواست کرتا ہے کہ فورا مدعی علیہ کو قید کیا جائے تو قاضی کو چاہئے کہ فورا اس کو قید نہ کرے بلکہ اس کو حکم دے کہ تم مدعی کا حق ادا کرو۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرے تب قاضی کو اختیار ہے کہ اس کو قید کرے۔

وجہ قید کرنا ٹال مٹول کی سزا ہے۔ اور اقرار کرنے والا خود اقرار کرتا ہے کہ اتنی چیز میرے اوپر لازم ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ رقم ساتھ نہ لایا ہو اس لئے ابھی اس کا ٹال مٹول ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے ابھی قید نہ کرے۔ اتنی مہلت ضرور دے جس میں گھر جا کر وہ چیز لا کر مدعی کے حوالے کر سکے۔ ٹال مٹال ظاہر ہو تب ہی قید کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن الشرید عن ابیه عن رسول الله ﷺ قال: لی الواجد یحل عرضه وعقوبته، قال ابن المبارک یحل عرضه یغلظ له وعقوبته یحبس له** (ب) دوسری رویت میں ہے۔ **عن بهر بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمته** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۸، ۳۶۳۰ ربخاری شریف، باب لصاحب الحق مقال، ص ۳۲۳، نمبر ۲۴۰۱، کتاب الاستقراض رالنسائی شریف، باب مطل الغنی، ص ۶۴۵، نمبر ۴۶۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرے تو اس کو حبس یعنی قید کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان قضا میں مبتلا ہو تو وہ دیکھنے میں اشارے میں اور بیٹھنے میں انصاف کرے (ب) آپؐ نے فرمایا جس کے پاس مال ہے پھر بھی ٹال مٹول کرے تو اس کی عزت اور سزا حلال ہے۔ ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ اس کی عزت حلال ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ سختی کرے اور اس کی سزا کا مطلب یہ ہے اس کو قید کرے (ج) آپؐ نے تہمت میں ایک آدمی کو قید کیا۔

دین لزمه بدلا عن مال حصل فی یده کثمن المبیع وبدل القرض[۲۹۰۵](۱۸) او التزمه بعقد کالمهر والکفالة.

نوٹ گواہوں کے ذریعہ کسی پر حق ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کافی دیر سے مدعی علیہ ٹال مٹول کر رہا تھا۔ آخر گواہ کے ذریعہ حق ثابت کیا گیا اس لئے فوراً حبس کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جس کے بدلے میں مدعی علیہ کے ہاتھ میں رقم وغیرہ آئی ہے جیسے بیع کی قیمت کا دعوی ہو تو مدعی علیہ کے ہاتھ میں مبیع آئی ہے جس کی قیمت ادا کرنی ہے یا مہر اس کے بدلے میں بضعہ آیا ہے۔ یا قرض کا مطالبہ ہے کہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں قرض کی رقم آئی ہے۔ ان سب صورتوں میں مدعی کے ہاتھ میں مطالبے کا بدلہ آیا ہوا ہے پھر بھی وہ اس کا عوض نہیں دینا چاہتا۔ ایسی صورتوں میں مدعی علیہ غریب ہو یا مالدار اس کو حبس کیا جائے گا۔

وجہ اس کے ہاتھ میں بدل آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عوض دے سکتا ہے تب ہی تو اس نے مثلاً مبیع خریدا، قرض لیا یا شادی کی (۲) اوپر جو حدیث گزری۔ (**لی الواجد یحل عرضه وعقوبته**) اس میں فرمایا کہ مال پانے والے کے ٹال مٹول کی سزا یہ ہے کہ اس کی عزت بھی حلال ہے یعنی برا بھلا کہہ سکتے ہو اور اس کی سزا بھی حلال ہے یعنی حبس کر سکتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مال پانے والا ہو تو اس کو قید کر سکتے ہو۔ اور اگر ابھی فوری طور پر مال نہیں ملا ہے مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹا جس کی دیت ایک ہزار درہم دینے ہے تو ہاتھ کے بدلے میں قاطع کو بھی کچھ نہیں ملا ہے تو یہ ابھی مال کا پانے والا نہیں ہے اس لئے اس کو ابھی حبس نہیں کریں گے بلکہ تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے پھر بھی ٹال مٹول کر رہا ہے تب حبس کریں گے (۲) اثر میں ہے۔ **عن جابر عن الشعبی قال: الحبس فی الدین حیلة قال وقال جابر کان علیؓ یحبس فی الدین (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۳۰۶، نمبر ۱۵۳۱۲) اس اثر میں ہے کہ دین میں اور قرض میں حبس فرماتے تھے۔ اور اسی میں وہ تمام صورتیں داخل ہوں گی جس میں مدعی علیہ کو بدلہ مل گیا ہو۔

لغت حبس : قید کرے، حبس کرے۔ غریم : مقروض۔

[۲۹۰۵] (۱۸) یا اس کو عقد کے ذریعہ لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالہ۔

تشریح شادی کی جس کی وجہ سے مہر لازم ہوا۔ اگر مہر دینے میں ٹال مٹول ظاہر ہوا تو گواہ کے ذریعہ مالدار ہونا ثابت نہ بھی ہو پھر بھی حبس کیا جا سکے گا۔

وجہ مہر بضعہ کا بدلہ ہے۔ مدعی علیہ کے ہاتھ میں بضعہ آیا جس کے بدلے میں مہر معجل دینا پڑے گا ارنہ دینے پر قید کیا جائے گا (۲) نکاح پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی علیہ کے پاس مال ہے۔ اگر مہر معجل دینے کی بھی استطاعت نہیں تھی تو شادی کا اقدام کیوں کیا؟ اس لئے اس میں ٹال مٹول کرنے پر حبس کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ دین میں قید کرتے تھے۔

[۲۹۰۶](۱۹) ولا یحبسه فیما سوی ذلک اذا قال انی فقیر الا ان یُثبت غریمه ان له مال[۲۹۰۷] (۲۰) ویحبسه شهرین او ثلثة ثم یسأل عنه فان لم یظهر له مال خلّٰی سبیله

نوٹ مہر مؤخر جو بعد میں دینے کا وعدہ ہو اس میں خود عورت نے بعد میں لینے کا وعدہ کیا ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے ٹال مٹول میں حبس نہیں کیا جائے گا۔

کفالہ کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے قرض دینے کا کفیل بن جائے اور مقروض قرض ادا نہ کرے تو کفیل پر قرض ادا کرنا لازم ہو۔ اب کفیل نے کفیل بننے کا اقدام کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس مال ہے تب ہی تو اقدام کیا۔ اس لئے حق ثابت ہونے کے بعد اس کو حبس کیا جا سکتا ہے (۲) کفیل ابھی ادا کرے گا بعد میں جس کا کفیل بنا تھا اس سے وصول کرے گا یہ بھی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہوگا۔ اس لئے اس کو حبس کیا جا سکتا ہے۔ یہ عقد کے ذریعہ اپنے اوپر حق لازم کرنے کی مثال ہے۔

[۲۹۰۶] (۱۹) اور اس کو اس کے علاوہ میں قید نہ کرے اگر وہ کہے کہ میں فقیر ہوں، مگر یہ کہ ثابت کر دے قرض خواہ کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح ایسے حقوق جس میں مدعی علیہ کے پاس اس کا بدل ہاتھ میں نہ آیا ہو جیسے جنایت کی دیت، مثلا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بدلے میں ایک ہزار درہم دینا ہے تو اس صورت میں مجرم کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا صرف جرم کی وجہ سے ایک ہزار درہم دینا پڑ رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مدعی گواہ کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے تب تو حبس کیا جائے گا۔ اور یہ ثابت نہ کر سکے تو حبس نہیں کیا جائے گا۔

وجہ چونکہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں بدلے میں مال نہیں آیا ہے اس لئے اس کے مالدار ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے فوری طور پر قید بھی نہیں کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کے اثر میں تھا اور حدیث میں بھی اشارہ تھا کہ دین کے بدلے میں حبس کرتے تھے اس کے علاوہ میں مالدار ظاہر ہوئے بغیر حبس نہیں کرتے تھے۔ وقال جابر کان علیؓ یحبس فی الدین (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۳۰۶، نمبر ۱۵۳۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دین میں حبس کرے۔ اور اوپر کی حدیث، لی الواجد یحل عرضه وعقوبته (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الدین ھل تحبس بہ، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۸) سے معلوم ہوا کہ جو مال پائے اس کی سزا حلال ہے یعنی قید کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ چونکہ ابھی مال نہیں پا رہا ہے اس لئے فوری طور پر اس کو قید کرنا اچھا نہیں ہے جب تک گواہ کے ذریعہ اس کی مالداری ثابت نہ ہو جائے۔

[۲۹۰۷] (۲۰) اس کو قید کر سکتے ہیں دو مہینے یا تین مہینے تک پھر اس کے مال کے بارے میں تحقیق کرے، پس اگر اس کا مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے۔

تشریح قید کی مدت حالات اور آدمی کے حسب حال ہے۔ البتہ اندازہ نہ ہو تو دو تین ماہ حبس کرے۔ اس کے درمیان میں اس کے مال کی تحقیق

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ قرض میں قید کرتے تھے (ب) جس کے پاس مال ہے اس کے ٹال مٹول کرنے والے کی عزت اور سزا بھی حلال ہے۔

[٢٩٠٨] (٢١) ولا یحول بینه وبین غرمائه [٢٩٠٩] (٢٢) ویُحبس الرجل فی نفقة زوجته [٢٩١٠] (٢٣) ولا یُحبس الوالد فی دین ولده الا اذا امتنع من الانفاق علیه

کرتا ہے۔اگراس کے مال کا پتانہ چلےتواس کورہا کردے۔

وجہ حبس کیا تھا مال کی تحقیق کے لئے۔اوراتنی لمبی مدت مال کی تحقیق کے لئے کافی ہےاس لئے اس مدت میں بھی مال کا پتانہ چلےتواب قید میں رکھناظلم ہےاس لئے رہا کردے۔اوراگراس سے پہلے ثابت ہوجائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہےتواس سے پہلے بھی رہا کردے(۲) حدیث میں ہے۔**عن بھز بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ حبس رجلا فی تھمة ثم خلی عنه** (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحبس فی التھمة، ص ۲۶۱، نمبر ۱۴۱۷رابوداؤدشریف، باب فی الدین ھل یحبس به، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۳۰ر ۳۶۳۱رنسائی شریف، باب امتحان السارق بالضرب والحبس، ص ۶۷۲، نمبر ۴۸۸۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کچھ دنوں تک قید رکھے پھر اس کوآزاد کردے۔

[۲۹۰۸] (۲۱)اورحائل نہ ہواس کےاوراس کےقرض خواہوں کےدرمیان۔

تشریح مقروض کوقید سےتو نکال دےگالیکن قرض خواہ کوکہاجائےگا کہ مقروض کے پیچھےلگارہے۔جب اس کے پاس رقم آئےقرض خواہ اس سےاپناحق وصول کرلے۔قاضی مقروض اورقرض خواہ کےدرمیان حائل نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **اخبرنا هرماس بن حبیب عن ابیه عن جده قال: اتیت النبی ﷺ بغریم لی فقال لی الزمه ثم قال لی یا اخا بنی تمیم ماترید ان تفعل باسیرک؟** (ب)(ابوداؤدشریف،باب فی الدین ھل یحبس، ج ۲، ص ۱۵۵، نمبر ۳۶۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقروض کے پیچھے قرضخواہ کولگنے کی اجازت دے۔

لغت غرماء : غریم کی جمع ہےقرض خواہ۔ یحول : حائل ہونا۔

[۲۹۰۹] (۲۲) آدمی بیوی کے نفقے میں قید کیا جائےگا۔

وجہ قاضی نے بیوی کا نفقہ متعین کردیا ہو یامیاں بیوی کے درمیان کسی مقدار پر صلح ہوگئی ہو پھر وہ نفقہ ادانہ کرےتواس پر شوہر کوحبس کیاجائے گا۔کیونکہ قاضی کے متعین کرنے کے بعد یاصلح ہونے کے بعد یہ نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہوگیا۔اوردین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کے بعد حبس کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ اگر قاضی نے متعین نہ کیا ہوتواتنی جلدی حبس نہیں کیاجائےگا۔

[۲۹۱۰] (۲۳)اوروالدقید نہیں کئے جائیں گےاپنی اولاد کے دین میں،مگر جبکہ رک جائےاس پر خرچ کرنے سے۔

تشریح والد پر بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی کا قرض ہوتواس کی وجہ سے والد یادادایانانا قید نہیں کئے جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے تہمت میں ایک آدمی کو قید کیا پھراس کوچھوڑ دیا(ب) میں حضورؐ کے پاس ایک مقروض لیکر آیا تو مجھ سے فرمایااس کو پکڑے رہو۔پھر مجھ سے کہااے بنی تمیم کے بھائی اپنے قیدی کوکیا کروگے؟

[۲۹۱۱] (۲۴) ویجوز قضاء المرأة فی کل شیء الا فی الحدود والقصاص [۲۹۱۲] (۲۵) ویقبل کتاب القاضی الی القاضی فی الحقوق اذا شهد به عنده.

وجہ ان لوگوں کا مال والد کا مال ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال: جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاج مالی فقال انت ومالک لابیک وقال رسول اللہ ﷺ ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم (الف) (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولدہ، ص ۳۲۸، نمبر ۲۲۹۲) اس حدیث میں ہے کہ اولاد کا مال باپ کا ہے اس لئے ان لوگوں کا جو قرض باپ یا دادا پر ہے وہ قرض کے بجائے احسان ہے۔ اس لئے ان قرضوں کی وجہ سے قید نہیں کئے جائیں گے (۲) آیت میں ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور قید کرنا احسان اور احترام کے خلاف ہے اس لئے بھی قید نہیں کئے جائیں گے۔ آیت یہ ہے۔ وصاحبھما فی الدنیا معروفا (آیت ۱۵، سورۂ لقمان ۳۱) اس آیت میں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ احترام کا معاملہ کرو۔

لیکن اگر اولاد کو کھانے کا خرچ نہ دے اور اولاد کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو والد قید کئے جائیں گے تا کہ نفقہ دے اور اولاد ہلاک نہ ہوں (۲) آیت میں ہے کہ اولاد کا نفقہ واجب ہے۔ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف (ب) (آیت ۲۳۳، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن وأتمروا بینکم بمعروف (آیت ۶، سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے اس لئے نفقہ دینے میں کوتاہی کرے تو قید کیا جا سکتا ہے۔

[۲۹۱۱] (۲۴) اور جائز ہے عورت کو قاضی ہونا ہر معاملے میں سوائے حدود اور قصاص کے۔

تشریح عورت ہر چیز کی قاضی بن سکتی ہے البتہ حدود اور قصاص کا قاضی نہیں بن سکتی۔

وجہ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے تو اس کا فیصلہ کیا کرے گی (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ عن الزهری قال: مضت السنة من رسول اللہ ﷺ والخلیفتین من بعدہ الا تجوز شهادة النساء فی الحدود (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شهادة النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، ۲۸۷۰۵ / مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ، ج ثامن، ص ۳۳۰، نمبر ۱۵۴۱۲ / سنن للبیہقی، باب شهادة فی الطلاق والرجعة ومافی معناهما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس میں ہے کہ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں تو اس معاملے کا قاضی بننا کیسے درست ہوگا؟ اس لئے کہ قاضی تو گواہوں کی گواہی لیکر فیصلہ کرتا ہے۔

﴿ کتاب القاضی الی القاضی ﴾

[۲۹۱۲] (۲۵) ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حقوق میں مقبول ہے جب خط کی گواہی اس کے سامنے دے۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرے والد میرے مال کا ضرورت مند ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے۔ اور حضورؐ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری پاک کمائی ہے اس لئے اپنے مال سے کھاؤ (ب) والد پر اولاد کی روزی ہے اور کپڑا ہے مناسب انداز سے (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا حضورؐ کے زمانے سے اور دونوں خلیفہ کے زمانے سے سنت جاری ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں جائز نہیں ہے۔

[۲۹۱۳] (۲۶) فان شهدوا علی خصم حاضر حکم بالشهادۃ و کتب بحکمه.

تشریح حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں ان میں ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف خط لکھے اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دے کہ واقعی یہ خط فلاں قاضی کا ہے تو وہ خط مقبول ہے۔ اور جس قاضی کی طرف یہ خط لکھا ہے اس کو اختیار ہے کہ اس خط کے مطابق عمل کرے۔

وجہ کتاب القاضی الی القاضی کی دلیل کے لئے یہ حدیث ہے۔ ان عبد اللہ بن سہل و محیصۃ خرجا الی خیبر ... فکتب رسول اللہ ﷺ الیھم به فکتب ماقتلناہ (الف) (بخاری شریف، باب کتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی الی امناءہ، ص ۱۰۶۷، نمبر ۷۱۹۲) اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت عبد اللہ بن سہل کے قتل پر یہود کو خط لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حاکم اپنے عمال کو خط لکھ سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ وقد کتب عمر الی عاملہ فی الحدود وقال ابراھیم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم وکان الشعبی یجیز الکتاب المختوم بما فیه من القاضی (ب) (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم وما یجوز من ذلک وما یضیق علیہ، وکتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی الی القاضی، ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر مکتوب الیہ قاضی کاتب قاضی کا خط اور مہر پہچانتا ہو تو وہ جائز ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

مکتوب الیہ قاضی جانتا ہو کہ یہ کاتب قاضی کا خط ہے یا کاتب قاضی کی مہر ہے یا کاتب قاضی کے بارے میں مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دے کہ یہ فلاں کا خط ہے تب اس کے لئے عمل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ قال ابراھیم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم (ج) (۲) حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک قال لما اراد النبی ﷺ ان یکتب الی الروم قالوا انھم لا یقرؤن کتابا الا مختوما فاتخذ النبی ﷺ خاتما من فضۃ کانی انظر الی وبیضه ونقشه محمد رسول اللہ (د) (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس حدیث میں ہے کہ مہر بنائے کیونکہ مہر سے مکتوب الیہ قاضی جان سکتا ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے (۳) اگر کسی قرینے سے یقین نہ ہو کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے تو مکتوب الیہ قاضی کیسے اس پر عمل کرے گا۔

[۲۹۱۳] (۲۶) پس اگر گواہی دی مدعی علیہ کے سامنے تو گواہی پر حکم لگادے اور اپنا فیصلہ بھی لکھے۔

تشریح مدعی علیہ مجلس قضا میں حاضر ہے ایسی صورت میں گواہی دی گئی تو گواہی پر حکم لگائے اور قاضی اپنا فیصلہ بھی لکھے گا۔

وجہ مدعی علیہ غائب ہو تو فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اگر مدعی علیہ حاضر ہو تو فیصلہ کرے گا۔ اس کے بعد کسی اور ضرورت مثلا سزا دینے کے لئے دوسرے قاضی کو بھیجنا پڑے تو بھیج دے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے یہودیوں کو خط لکھا پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ان کو قتل نہیں کیا (ب) حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو حدود کے بارے میں لکھا۔ فرمایا کہ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ کتاب القاضی الی القاضی جائز ہے اگر خط کی تحریر اور مہر پہچانتا ہو۔ حضرت شعبی ایسے خط کو جس پر قاضی کی جانب سے مہر لگی ہوئی ہو جائز قرار دیتے تھے (ج) حضرت ابراہیم نخعیؒ جائز قرار دیتے تھے کتاب القاضی الی القاضی کو اگر تحریر اور مہر پہچانتا ہو (د) جب حضورؐ نے اہل روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ وہ مہر کے بغیر خط نہیں پڑھتے، تو آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی اس کی چمک ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

[۲۹۱۴] (۲۷) وان شهدوا بغیر حضرة خصمه لم یحکم و کتب بالشهادة لیحکم بها المکتوب الیه[۲۹۱۵] (۲۸) ولا یقبل الکتاب الا بشهادة رجلین او رجل وامرأتین.

[۲۹۱۴] (۲۷) اور اگر گواہی دی مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں تو فیصلہ نہ کرے بلکہ گواہی لکھ لے تا کہ مکتوب علیہ قاضی اس کا فیصلہ کرے۔

تشریح ایسی صورت ہے کہ گواہ حضرات ایک قاضی کے خطے میں ہیں اور مدعی علیہ دوسرے قاضی کے خطے میں ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنا مشکل ہے ایسی صورت میں جس قاضی کے سامنے گواہ پیش ہوئے وہ قاضی گواہی لکھ لے۔ لیکن فیصلہ نہ کرے کیونکہ مدعی علیہ غائب ہو تو فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ گواہی مکتوب الیہ قاضی کو بھیج دے تا کہ وہ فیصلہ کرے اور مدعی علیہ پر نافذ کرے۔

وجہ غائب مدعی علیہ پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کے خلاف فیصلہ نہ ہوسکتا ہو۔ اس لئے مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو تب فیصلہ کرے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو فرمایا کہ مدعی علیہ کی بات سن لو پھر فیصلہ کیا کرو۔ عن علیؓ قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الیمن قاضیا ... فقال ان اللہ سیهدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان یتبین لک القضاء (الف) (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لایقضی بین الخصمین حتی یسمع کلاھما، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کی بات سنو تب فیصلہ کرو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو (۳) اثر میں ہے۔ قال سمعت شریحا یقول لا یقضی علی غائب (ب) (مصنف عبد الرزاق، بالایقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۳۰۴، نمبر ۱۵۳۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے۔ اس لئے صرف شہادت لکھ کر دوسرے قاضی کو بھیج دے تا کہ وہ فیصلہ کرے۔

فائدہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کو حاضر کرنا مشکل ہو تو غائب مدعی علیہ کے خلاف بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشةؓ ان هندا قالت للنبی ﷺ ان ابا سفیان رجل شحیح واحتاج ان اخذ من ماله، قال ﷺ خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (ج) (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۸۰) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے اس کے باوجود حضورؐ نے اس کے مال سے مناسب نفقہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قضا علی الغائب جائز ہے۔

[۲۹۱۵] (۲۸) اور نہ قبول کرے خط مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا.. اللہ تیرے دل کو ہدایت دیں گے اور تمہاری زبان کو ثابت رکھیں گے جب تمہارے سامنے دونوں خصم بیٹھیں تو جب تک دوسرے فریق سے بات سن نہ لو فیصلہ نہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ صورت زیادہ مناسب ہے کہ تمہارے سامنے قضا واضح ہو جائے (ب) حضرت شریحؒ فرماتے تھے غائب پر فیصلہ نہ کریں (ج) حضرت ہند نے حضورؐ سے کہا ابو سفیان بخیل آدمی ہیں۔ اور مجھے ان کا مال لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو کیا میں لوں؟ آپؐ نے فرمایا تم کو اور تمہاری اولاد کو مناسب انداز میں جتنا کافی ہو اتنا لے لو۔

[۲۹۱۶](۲۹) ویجب ان یقرأ الکتاب علیھم لیعرفوا مافیه ثم یختمه ویُسلّمه الیھم.

تشریح: مکتوب علیہ قاضی کے سامنے دومرد یا ایک مرد اور دوعورتیں گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تب مکتوب الیہ قاضی اس کو قبول کرے۔

وجہ: یہ خط حقیقت میں نقل شہادت کے درجے میں ہے اور اوپر گزرا کہ نقل شہادت کے لے دو گواہی چاہئے اس لئے خط کے لئے بھی دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی چاہئے (۲) اثر میں ہے۔ **واول من سأل علی کتاب القاضی البینة ابن ابی لیلی وسوار بن عبد اللہ** (الف) (بخاری شریف، باب الشھادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر میں ہے کہ ابن ابی لیلی اور سوار بن عبد اللہ نے کتاب القاضی الی القاضی پر گواہ مانگا (۲) اور نقل گواہی پر دو گواہ چاہئے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الشعبی قالا لاتجوز شھادة الشاھد علی الشاھد حتی یکونا اثنین** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد شھود الفرع، ج عاشر ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۱ رمصنف ابن ابی شیبة، ۴۸۰ فی شھادة الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شھادة علی الشھادة کے لئے دو گواہ چاہئے۔ اور کتاب القاضی الی القاضی بھی ایک قسم کی نقل شہادت ہے اس لئے اس خط پر بھی دو گواہ چاہئے (۳) ایک کی تحریر دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے بھی یقین ہو جائے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اشتباہ باقی نہ رہے اس لئے بھی گواہی چاہئے۔

[۲۹۱۶] (۲۹) اور واجب ہے کہ گواہوں کے سامنے خط پڑھے تاکہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا ہے، پھر اس پر مہر لگائے اور گواہوں کے سپرد کرے۔

تشریح: کاتب قاضی پر ضروری ہے کہ لے جانے والے گواہوں کے سامنے خط پڑھے تاکہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دینے میں آسانی ہو۔ پھر خط پر مہر لگا کر گواہوں کے حوالے کرے تاکہ مکتوب الیہ قاضی کو خط دے سکے۔

وجہ: گواہوں کے سامنے تو اس لئے پڑھے کہ وہ یاد رکھے کہ خط میں مضمون کیا ہے تاکہ مکتوب الیہ قاضی کے سامنے اس کی گواہی دے سکے تاکہ خط کا مضمون اور گواہی ایک طرح کے ہوں (۲) اثر میں ہے۔ **وکرہ الحسن وابو قلابة ان یشھد علی وصیة حتی یعلم ما فیھا لانه لایدری لعل فیھا جورا** (ج) (بخاری شریف، باب الشھادة علی الخط المختوم الخ ص ۱۰۶۰، نمبر ۷۱۶۲ رسنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءة الکتاب والاشھاد علیه وختمه لئلا یزور علیه، ج عاشر ص ۲۱۹، نمبر ۲۰۴۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک جان نہ لے کہ خط میں کیا ہے گواہی نہ دے (۳) **عن ابراھیم فی الرجل یختم علی وصیته وقال اشھدوا علی ما فیھا قال لایجوز حتی یقرأھا او تقرأ علیه فیقر بما فیھا** (د) سنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءة الکتب والاشھاد علیه وختمه لئلا یزور علیه، ج عاشر ص ۲۲۰، نمبر ۲۰۴۲۰) اس اثر

حاشیہ: (الف) کتاب القاضی پر سب سے پہلے ابن ابی لیلی اور سوار بن عبد اللہ نے بینہ مانگا (ب) حضرت شعبیؒ نے فرمایا شہادۃ علی الشہادۃ جائز ہے یہاں تک کہ دو شاہد ہوں (ج) حضرت حسن اور ابوقلابہ نے ناپسند فرمایا کہ کسی کی وصیت پر گواہی دے یہاں تک کہ جان لے کہ اس میں کیا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں ظلم ہو (د) حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی آدمی اپنی وصیت پر مہر لگائے۔ فرمایا اس میں کیا ہے، اس پر گواہ بناؤ، فرمایا نہیں جائز ہے یہاں تک کہ اس کو پڑھے یا اس پر پڑھائے اور جو کچھ اس میں ہے ثابت کرے۔

[۲۹۱۷](۳۰) واذا وصل الی القاضی لم یقبله الا بحضرة الخصم [۲۹۱۸](۳۱) فاذا سلّمه الشهود الیه نظر الی ختمه فاذا شهدوا انه کتاب فلان القاضی سلّمه الینا فی مجلس حکمه وقضائه وقرأه علینا وختمه فتحه القاضی وقرأه علی الخصم والزمه مافیه.

سے بھی معلوم ہوا کہ گواہ کو علم ہو کہ خط میں کیا ہے تا کہ جھوٹ گواہی نہ دے سکے۔

اور خط پر مہر لگائے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ عن انس بن مالک قال لما اراد النبی ﷺ ان یکتب الی الروم قالوا انهم لایقرؤن کتابا الا مختوما فاتخذ النبی ﷺ خاتما من فضة کانی انظر الی وبیضه ونقشه محمد رسول الله (الف) (بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ ،ص ۱۰۶۰،۷۱۶۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مہر بنوائی تا کہ خط پر مہر لگائی جا سکے (۲) مہر لگانے سے خط میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرسکتا اس لئے بھی مہر لگائے۔

[۲۹۱۷](۳۰) جب خط قاضی کے پاس پہنچے تو اس کو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کے سامنے۔

تشریح مکتوب الیہ قاضی کے سامنے خط پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر وہ فیصلہ کرے اور مدعی علیہ پر نافذ کرے۔ اور نافذ کرنا اس وقت ہوسکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو۔ اس لئے مدعی علیہ کی حاضری میں خط قبول کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو آپؐ نے فرمایا۔ فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان تبین لک القضاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ حاضر ہو تب اس کے سامنے فیصلہ کرے۔

[۲۹۱۸](۳۱) جب گواہ خط قاضی کو دے تو وہ اس کی مہر دیکھے۔ پس اگر گواہوں نے گواہی دی کہ وہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اپنی مجلس قضا میں ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے پڑھا ہے تو قاضی اس کو کھولے اور اس کو مدعی علیہ پر پڑھے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

تشریح جب گواہ مکتوب علیہ قاضی کو خط سپرد کرے تو قاضی پہلے اس کی مہر کو دیکھے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ مہر ٹوٹی ہوئی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خط کسی نے کھولا ہے اور مضمون میں کمی زیادتی کی ہے۔ اس لئے پہلے مہر کو دیکھے کہ وہ سلامت ہے یا نہیں۔ پھر گواہ یہ گواہی دے کہ فلاں قاضی نے اپنی مجلس قضا میں یہ خط لکھا ہے اور ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے اس کو پڑھا ہے پھر مہر لگائی ہے۔ اتنی باتوں کے بعد مکتوب الیہ قاضی خط کو کھولے اور مدعی علیہ کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

وجہ یہ سب شرطیں اس لئے ہیں کہ اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔ پھر اس خط کا مقصد یہ ہے کہ مدعی علیہ پر وہ بات

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اہل روم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا وہ لوگ خط نہیں پڑھتے ہیں مگر مہر لگا یا ہو۔ تو حضورؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی، ابھی بھی اس کی چمک میری نظر کے سامنے ہے اور اس کا نقش 'محمد رسول اللہ' تھا (ب) آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا جب تمہارے سامنے دونوں فریق بیٹھیں تو نہ فیصلہ کرو یہاں تک کہ دوسرے سے سن لو جیسا کہ پہلے سے بات سنی۔ اس لئے کہ یہ زیادہ اچھا ہے کہ تیرے سامنے قضا واضح ہو جائے۔

[۲۹۱۹](۳۲) ولا یقبل کتاب القاضی الی قاضی فی الحدود والقصاص [۲۹۲۰] (۳۳) ولیس للقاضی ان یستخلف علی القضاء الا ان یفوّض الیه ذلک[۲۹۲۱](۳۴) واذا رفع الی القاضی حکم حاکم امضاه الا ان یخالف الکتاب او السنة او الاجماع او

لازم کردی جائے جو اس خط میں ہے۔اس لئے مکتوب الیہ قاضی اس بات کو مدعی علیہ پر لازم کریں گے۔

[۲۹۱۹](۳۲) قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود اور قصاص میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ (۱) حدود اور قصاص کے بارے میں یہ ہے کہ حتی الامکان ان کو ساقط کرو۔اور کتاب القاضی الی القاضی سے اور مضبوط ہوگا اس لئے کتاب القاضی الی القاضی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود، ص ۲۶۴، نمبر ۱۴۲۴ دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۶۸، نمبر ۳۰۷۵) (۲) دوسری بات یہ ہے کہ حدود اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اور کتاب القاضی الی القاضی میں شبہ ہوتا اس لئے بھی یہ حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہوگا (۳) اثر میں ہے۔**وقال بعض الناس کتاب الحاکم جائز الا فی الحدود** (ب) (بخاری شریف، باب الشہادة علی الخط المختوم الخ، ص ۱۶۰، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ حدود میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں ہے۔

[۲۹۲۰](۳۳) قاضی کا حق نہیں ہے کہ قاضی پر خلیفہ بنائے مگر یہ کہ اس کی طرف یہ سونپے۔

تشریح قاضی اپنی جگہ پر کسی کو قاضی بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا، ہاں امیر المومنین نے ان کو اختیار دیا ہو کہ وہ اپنی جگہ قاضی بنائیں تو اب بنا سکتے ہیں۔

وجہ قاضی بنانا امیر المومنین کا کام ہے اس لئے وہی قاضی بنائیں گے۔یا اس کی اجازت سے قاضی بنا سکیں گے (۲) جس طرح قاضی کسی کو حد جاری کرنے کا حکم دے تو وہ حد جاری کر سکتا ہے اسی طرح امیر قاضی کو قاضی بنانے کا اختیار دے تو وہ قاضی بنا سکتا ہے۔حد جاری کرنے کے اختیار کی حدیث یہ ہے۔**عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال: واغد یا انیس الی امرأة ھذا فان اعترفت فارجمھا** (ج) (بخاری شریف، باب الوکالة فی الحدود، ص ۳۱۱، نمبر ۲۳۱۴) اس حدیث میں آپؐ نے حضرت انیسؓ کو رجم کرنے کا اختیار دیا تو وہ رجم کر سکے۔

لغت **یفوض** : سپرد کرے۔

[۲۹۲۱](۳۴) اگر لایا جائے قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم تو اس کو نافذ کر دے مگر یہ کہ قرآن کریم یا سنت یا اجماع کا مخالف ہو یا قول بغیر دلیل کے ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود دفع کرو اگر اس کے لئے کوئی راستہ نکلے تو راستہ چھوڑ دو۔اس لئے کہ امام معافی میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے (ب) بعض حضرات نے فرمایا حاکم کا خط جائز ہے مگر حدود میں (ج) آپؐ نے فرمایا اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو۔

یکون قولا لادلیل علیه.

تشریح اس میں دو مسئلے ہیں۔ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ پہلے قاضی کا فیصلہ قرآن،حدیث اور اجماع کے خلاف نہ ہوتو مکتوب الیہ قاضی اس کو نافذ کرے گا۔اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن،حدیث اور اجماع کے خلاف ہوتو اس فیصلے کو رد کر دے۔

وجہ (۱) جب شریعت کے موافق ہے تو رد کرنے سے کیا فائدہ۔کیونکہ پہلے قاضی کا بھی اجتہاد ہے اور اس قاضی کا بھی اجتہاد ہے۔اور پہلے قاضی کے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ بھی ہو چکا ہے اس لئے اس کو توڑنا اچھا نہیں ہے،نافذ کر دے(۲) اثر میں ہے۔**حدثنا عبید اللہ بن محرز جئت بکتاب من موسی بن انس قاضی البصرة واقمت عندہ البینة ان لی عند فلان کذا وکذا وھو بالکوفة وجئت بہ القاسم بن عبد الرحمن فاجازہ** (الف)(بخاری شریف،باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ،ص ۱۰۶۰،نمبر ۷۱۶۲)اس اثر میں قاسم بن عبدالرحمٰن نے حضرت موسیٰ بن انس کے فیصلے کو نافذ فرمایا(۳) اثر میں ہے۔**عن ابن سیرین قال سمعت شریحا یقول انی لا ارد قضاء کان قبلی** (ب)(مصنف عبدالرزاق،باب ھل یرد قضاء القاضی؟اور یرجع عن قضاۃ،ج ثامن،ص ۳۰۲،نمبر ۱۵۲۹۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت نہ ہوتو ماقبل قاضی کے فیصلے کو رد نہیں کرنا چاہئے۔

اور قرآن،حدیث یا اجماع کے خلاف ہوتو اس کو رد کر دے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ من احدث فی امرنا ھذا مالیس فیہ فھو رد** (ج)(بخاری شریف،باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود،ص ۴۳۷،نمبر ۲۶۹۷/ابو داؤد شریف،باب فی لزوم السنۃ،ج ۲،ص ۲۸۴،نمبر ۴۶۰۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نہ ہوتو مردود ہے۔اسی باب میں ایک دیہاتی کے بیٹے کے زنا کا واقعہ ہے۔لوگوں نے ان کے لئے رجم کا فیصلہ کیا تو آپؐ نے اس کو رد فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے بیٹے پر سو کوڑے ہیں کیونکہ وہ محصن نہیں ہے۔(۳) حدیث میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے سلسلے میں قتل کا فیصلہ فرمایا جو شریعت کے خلاف تھا تو حضورؐ نے اس کو رد فرمایا اور اس سے براءت ظاہر کی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابن عمرؓ بعث النبی ﷺ خالداً ... فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال اللھم انی ابراء الیک مما صنع خالد بن الولید مرتین** (د)(بخاری شریف،باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اہل العلم فھو رد،ص ۱۰۶۶،نمبر ۷۱۸۹)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خلاف شریعت فیصلہ ہوتو اس کو رد کیا جائے گا اور نافذ نہیں کیا جائے گا(۴) اثر میں اس کی صراحت ہے۔**عن الثوری قال اذا قضی القاضی بخلاف کتاب اللہ او سنة نبی اللہ او شیء مجتمع علیہ ،فان القاضی بعدہ یردہ ، فان کان شیئا برای الناس لم یردہ ویحمل ذلک ما تحمل** (ہ)(مصنف عبدالرزاق،باب ھل یرد قضاء القاضی او یرجع عن قضاۃ،ج ثامن،ص ۳۰۲،نمبر ۱۵۲۹۸)اس اثر

حاشیہ : (الف) عبیداللہ بن محرز کہتے ہیں کہ بصرہ کے قاضی موسیٰ بن انس کا خط لیکر میں آیا اور اس کے پاس بینہ قائم کیا کہ میرا فلاں کے پاس اتنا اتنا ہے۔اور وہ آدمی کوفہ میں ہے۔اور اس خط کو لیکر قاسم بن عبدالرحمٰن کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جائز قرار دیا(ب) حضرت شریح کہا کرتے تھے کہ میں پہلے لوگوں کے فیصلے کو رد نہیں کروں گا(ج) آپؐ نے فرمایا میرے اس معاملے میں جس نے نئی بات پیدا کی وہ رد ہے(د) آپؐ نے حضرت خالد کو بھیجا...پس حضورؐ کے سامنے خالد کے قتل کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ جو کچھ خالد نے کیا اس سے میں بری ہوں۔یہ دو مرتبہ فرمایا(ہ) اگر قاضی کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۹۲۲] (۳۵) ولا يقضى القاضى على غائب الا ان يحضر من يقوم مقامه.

سے بھی معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف ہو تو رد کر دیا جائے گا۔

[۲۹۲۲] (۳۵) قاضی غائب پر فیصلہ نہ کرے مگر یہ کہ اس کا کوئی قائم مقام حاضر ہو۔

تشریح پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ مدعی علیہ غائب ہو تو اس پر فیصلہ نہ کیا جائے۔ ہاں! اس کا کوئی قائم مقام موجود ہو، مثلا اس کا وکیل موجود ہو یا وصی موجود ہو یا ایسا سبب ہو جو غائب پر بھی لگتا ہو اور حاضر پر بھی لگتا ہو یا بار بار خبر دینے کے باوجود حاضر نہ ہوتا ہو، مثلا عورت غائب شوہر پر نفقہ کا دعوی کر رہی ہو اور شوہر زمانے سے غائب ہو اور عورت کے لئے نفقے کی کوئی صورت نہ ہو تو غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن علیؓ ... فقال ان الله سيهدى قلبك ويثبت لسانك فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الاول فانه احرى ان يتبين لك القضاء** (الف) (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۱۴۸، نمبر ۳۵۸۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لایقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کی بات بھی سنو تب فیصلہ کرو۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو یا اس کا قائم مقام حاضر ہو اور اپنی بات سنا سکے (۳) اثر میں ہے۔ **سمعت شريحا يقول لايقضى على غائب** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لا یقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۳۰۴، نمبر ۱۵۳۰۶)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ مجلس قضا سے غائب ہو یا شہر سے غائب ہو یا شہر میں چھپ گیا ہو تو غائب مدعی علیہ پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ اگر ایسا نہ کریں تو مدعی کا حق ضائع ہوگا اور مدعی علیہ خواہ مخواہ ٹال مٹول کرتا رہے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ ان هندا قالت للنبى ﷺ ان ابا سفيان رجل شحيح واحتاج ان آخذ من ماله ، قال ﷺ خذى مايكفيك وولدك بالمعروف** (ج) (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص ۱۰۶۴، نمبر ۷۱۸۰ / مسلم شریف، باب قضیۃ ہند، ج ۲، ص ۷۵، نمبر ۱۷۱۴) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے پھر بھی ان کے مال سے نفقہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) سنت رسولؐ کے خلاف یا کسی اجماع کے خلاف تو اس کے بعد کا قاضی اس کو رد کر دے گا۔ اور اگر لوگوں کی رائے سے ہو تو رد نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ اس نے کہا اس کو جاری رکھے گا۔ کیونکہ وہ شریعت کے خلاف نہیں ہے (الف) آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا آپ کے دل کو اللہ ہدایت دے گا اور زبان کو ثابت رکھے گا۔ پس جب دونوں فریق تمہارے سامنے بیٹھیں تو اس وقت فیصلہ نہ کریں جب تک دوسرے کی بات نہ سن لیں۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے سامنے قضا واضح ہو جائے (ب) حضرت شریحؒ فرماتے تھے کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے (ج) حضرت ہند نے حضورؐ سے کہا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہیں اور مجھے اس کا مال لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا لے لوں؟ آپؐ نے فرمایا اتنا لو جتنا مناسب انداز میں تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو۔

[۲۹۲۳] (۳۶) واذا حکّم رجلان رجلا بینهما ورضیا بحکمه جاز اذا کان بصفة الحاکم [۲۹۲۴] (۳۷) ولا یجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی والمحدود فی القذف

﴿حکم پنچ بنانے کا بیان﴾

[۲۹۲۳] (۳۶) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کو پنچ بنایا تاکہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے اور دونوں اس کے فیصلے پر راضی ہوں تو جائز ہے جبکہ وہ حاکم کی صفت پر ہو۔

تشریح مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے قاضی کے بجائے کسی آدمی کو درمیان میں حکم اور فیصل چن لئے، اور حکم میں وہ صفات ہیں جو قاضی میں ہوا کرتے ہیں۔ مثلا مسلمان ہے، آزاد ہے، عاقل اور بالغ ہے، محدود فی القذف نہیں ہے اور عادل ہے تو ایسے آدمی کو حکم بنانا درست ہے۔ اور وہ جو فیصلہ کردے اس کو مان لینا چاہئے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بنو قریظہ کے یہود نے حضورؐ کے بجائے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا اور انہوں نے جو فیصلہ فرمایا وہ دونوں فریقوں کو ماننا پڑا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عائشةؓ قالت اصیب سعد یوم الخندق ... فاشار الی بنی قریظة فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا علی حکمه فرد الحکم الی سعد، قال فانی احکم فیهم الخ (الف) (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة ومحاصرته ایاهم، کتاب المغازی، ص ۵۹۰، نمبر ۴۱۲۲ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم، ص ۹۵، نمبر ۱۷۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس میں کسی کو پنچ بنانا جائز ہے۔

البتہ حکم بنانے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں حکم بنائیں تب فیصلہ کر سکیں گے، کیونکہ یہ امیر کی جانب سے قاضی نہیں ہے کہ دونوں پر قضاء کا اختیار رکھتا ہو۔ اس لئے دونوں کے ماننے سے ہوگا، اور دونوں میں سے ایک کے نہ ماننے سے حکم نہیں بن سکے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حکم میں قاضی کی صفت ہو۔

وجہ کیونکہ یہ گواہوں سے گواہی لیکر فیصلہ کریں گے تو گواہوں میں جو صفتیں ہوں کم از کم پنچ میں بھی وہ صفتیں ہوں تاکہ وہ فیصلہ کر سکے۔

[۲۹۲۴] (۳۷) اور نہیں جائز ہے کافر کو اور غلام کو اور ذمی کو اور تہمت میں حد لگے ہوئے کو اور فاسق کو اور بچے کو پنچ بنانا۔

تشریح ان چھ قسم کے آدمیوں کو حکم بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں قاضی کی صفت پورے طور پر نہیں پائی جاتی، مثلا کافر کے بارے میں آیت ہے کہ اس کو مسلمان پر اختیار نہیں۔

وجہ آیت یہ ہے۔ ولن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا (ب) (آیت ۱۴۱، سورة النساء ۴) (۲) اثر میں ہے کہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی شہادت مقبول نہیں تو اس کی قضا کیسے مقبول ہوگی۔ عن ابراهیم عن شریح قال: لا تجوز شهادة الیهودی والنصرانی الا فی سفر، ولا تجوز الا علی وصیة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۵۵ ما تجوز فیه شهادة الیهودی والنصرانی، ج رابع،

حاشیہ: (الف) حضرت سعدؓ کو غزوۂ خندق میں تیر لگا... پس انہوں نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ پس وہ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور حضرت سعدؓ کے فیصلے پر اتفاق کیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا میں بنو قریضہ کے لئے اللہ کا فیصلہ کروں گا (ب) اللہ نے کافر کا مومن پر کوئی راستہ نہیں بنایا (ج) یہودی اور (باقی اگلے صفحہ پر)

والفاسق والصبی [۲۹۲۵] (۳۸) ولکل واحد من المُحکّمین ان یرجع مالم یحکم علیھما.

ص ۴۹۵، نمبر ۲۲۴۳۹ / مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ اہل الکفر علی اہل الاسلام، ج ثامن، ص ۳۶۰، نمبر ۱۵۵۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گواہی بھی جائز نہیں ہے۔ ذمی بھی اسی میں داخل ہے کہ اس کو حکم بنانا بھی جائز نہیں۔

غلام کو حکم بنانا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہے تو دوسرے پر فیصلے کا اختیار کیسے ملے گا (۲) اس کو تو گواہی دینے کی بھی اجازت نہیں ہے فیصلہ کیسے کرے گا۔ اثر میں ہے۔ **روی عن علیؓ والحسنؒ والنخعیؒ والزھریؒ ومجاھدؒ وعطاءؒ لا تجوز شھادۃ العبید** (الف) (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلھا، ج عاشر، ص ۲۷۲، نمبر ۲۰۶۰۸) اس اثر میں ہے کہ غلام کی گواہی درست نہیں۔ اس لئے اس کو حکم بنانا بھی درست نہیں ہے۔

محدود فی القذف کو بھی حکم بنانا درست نہیں ہے۔

وجہ: آیت میں ہے۔ **ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون** (ب) (آیت ۴، سورۃ النور ۲۴) اس کی جب گواہی مقبول نہیں تو یہ گواہ سے گواہی لیکر فیصلہ کیسے کرے گا۔

فاسق کو حکم بنانا بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ وہ عادل نہیں ہے۔ تاہم اگر فاسق کو حکم بنا دیا تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

وجہ: حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی وہ حکم تھا اور اس کے فیصلے نافذ ہوتے تھے۔ اس لئے فاسق کو قاضی یا حکم بنا دیا اور اس نے فیصلہ کر دیا تو نافذ ہو جائے گا۔

بچے اور مجنون کو تو عقل ہی نہیں ہے ان کو حکم کیسے بنائے گا۔ اس کی تو گواہی بھی مقبول نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ **ارسل الی ابن عباس ... یسالہ عن شھادۃ الصبیان فقال: لا اری ان تجوز شھادتھم** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الصبیان، ج ثامن، ص ۳۴۸، نمبر ۱۵۴۹۴) اس اثر میں ہے کہ بچے کی گواہی مقبول نہیں تو اس کو حکم بنانا کیسے درست ہوگا۔

[۲۹۲۵] (۳۸) حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ رجوع کریں جب تک کہ ان پر فیصلہ نہ کیا ہو۔

تشریح: جن لوگوں نے حکم بنایا تھا ان کو یہ اختیار ہے کہ جب تک پنچ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس سے پہلے پہلے حکم بنانا واپس لے لیں۔ اگر انہوں نے واپس لے لیا تو یہ حکم برقرار نہیں رہے گا۔ اور نہ اب اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

وجہ: دونوں کے حکم بنانے سے حکم بنا تھا اس لئے فیصلہ سے پہلے حکم کا انکار کر دے تو وہ انکار کر سکتے ہیں۔ یہ امیر المومنین کی جانب سے حکم نہیں تھا کہ ہمیشہ رہے۔

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) نصرانی کی گواہی جائز نہیں ہے مگر سفر میں اور نہیں جائز ہے مگر وصیت میں (الف) حضرت علیؓ، حسنؒ، نخعیؒ، زہریؒ، مجاہدؒ، اور عطاءؒ نے فرمایا کہ غلام کی گواہی جائز نہیں ہے (ب) حد قذف والے کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، وہ فاسق ہیں (ج) حضرت ابن عباسؓ کو بچوں کی گواہی کے بارے میں پوچھا، فرمایا ان کی گواہی جائز نہیں سمجھتا۔

[۲۹۲۶](۳۹) واذا حكم عليهما لزمها[۲۹۲۷](۴۰) واذا رُفع حكمه الى القاضى فواقف مذهبه امضاه وان خالفه ابطله.

[۲۹۲۶](۳۹) اوراگر دونوں پر فیصلہ کر دیا تو دونوں کو لازم ہو جائے گا۔

تشریح حکم نے فیصلہ کر دیا تو اب دونوں کو ماننا ضروری ہے۔

وجہ کیونکہ دونوں نے حکم مانا تھا (۲) بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مانا پھر انہوں نے جو فیصلہ فرمایا تو وہ بنو قریظہ کو ماننا پڑا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشةؓ قالت اصيب سعد يوم الخندق ... فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا على حكمه فرد الحكم الى سعد. قال فانى احكم فيهم ان تقتل المقاتلة وان تسبى النساء والذرية وان تقسم اموالهم** (الف) (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم کتاب المغازی، ص ۵۹۰، نمبر ۴۱۲۲ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العہد وجواز انزال اہل الحصن علی حکم حاکم عدل اہل للحکم۔ ج ۲، ص ۹۵، نمبر ۱۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے جو فیصلہ فرمایا یہود کو وہ ماننا پڑا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم فیصلہ کر دے تو دونوں فریقوں کو ماننا پڑے گا (۲) ایک حدیث میں ہے۔ **عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ من دعى الى حكم من الحكام فلم يجب فهو ظالم، هذا مرسل** (ب) (سنن للبیہقی، باب من دعی حکم حاکم، ج عاشر، ص ۲۳۶، نمبر ۲۰۴۸۵) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ فیصلہ ہو جائے پھر اس کو قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔

[۲۹۲۷](۴۰) اگر اس کا فیصلہ قاضی کے پاس لایا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کو نافذ کر دے گا اور اس کے مخالف ہو تو باطل کر دے۔

تشریح پنچ کا فیصلہ قاضیٔ وقت کے پاس لے جایا گیا۔ پس اگر وہ فیصلہ قاضی کے مذہب اور صواب دید کے مطابق ہو تو قاضی اس کو نافذ کر دے۔ اور اگر وہ ان کی صواب دید کے مخالف ہو یا شریعت کے مخالف ہو تو اس کو رد کر دے اور اپنا فیصلہ نافذ کرے۔

وجہ چونکہ یہ باضابطہ قاضی نہیں ہے اس لئے اس کے فیصلے میں وہ قوت نہیں ہے۔ اس لئے قاضی کے اختیار میں ہے۔ البتہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کے توڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اس کو نافذ کر دے۔ اور مذہب کے مخالف ہو تو رد کر دے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الشورى قال اذا قضى القاضى بخلاف كتاب الله او سنة نبى الله او شىء مجتمع عليه، فان القاضى بعده يرده، فان كان شيئا براى الناس لم يرده ويحمل ذلك ما تحمل** (ج) اور دوسری اثر میں ہے۔ **سمعت شريحا يقول انى**

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سعد کو غزوۂ خندق میں تیر لگا... یہودی حضورؐ کے پاس آئے اور اس کے حکم پر متفق ہوئے۔ پس اس فیصلے کو حضرت سعدؓ کی طرف منتقل کیا۔ پس حضرت سعدؓ نے فرمایا میں یہودی کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ جنگ کرنے والے مردوں کو قتل کیا جائے۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے اور ان کا مال تقسیم کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کو حاکم کے فیصلے کی طرف بلائے اور وہ قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے (ج) حضرت ثوریؒ نے فرمایا اگر قاضی نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے خلاف فیصلہ کیا تو بعد کے قاضی اس کو رد کر دے۔ اور کچھ فیصلہ لوگوں کی رائے سے ہو جو خلاف شریعت نہ ہو تو اس کو رد نہ کرے۔ اور اس کو اپنے محور پر رہنے دے۔

[۲۹۲۸](۴۱) ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص[۲۹۲۹](۴۲) وان حکّماه فی دم الخطأ فقضی الحاکم علی العاقلة بالدیة لم ینفذ حکمه[۲۹۳۰](۴۳) ویجوز ان یسمع البینة ویقضی بالنکول[۲۹۳۱](۴۴) وحکم الحاکم لابویه وولده وزوجته باطل.

لا ارد قضاء کان قبلی (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یرد قضاء القاضی اویرجع عن قضاۂ، ج ثامن، ص ۳۰۲، نمبر ۱۵۲۹۸/۱۵۲۹۷) اس اثر میں ہے کہ شریعت کے موافق ہوتو نافذ کرے اور مخالف ہوتو رد کرے، اسی پر حکم کے فیصلے کو قیاس کیا جائے گا۔

[۲۹۲۸](۴۱) حدود اور قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدود اور قصاص کا معاملہ اہم ہے۔ یہ فیصلے صرف قاضی کی عدالت سے ہوتے ہیں اس لئے ان میں حکم بنا کر فیصلہ کرنا درست نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ قال سفیان اذا حکم رجلان حکما فقضی بینهما فقضاء ه جائز الا فی الحدود (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ہل یقضی الرجل بین الرجلین ولم یول؟ وکیف ان فعل، ج ثامن، ص ۳۰۱، نمبر ۱۵۲۹۴) اس اثر میں ہے کہ حدود اور قصاص میں حکم نہ بنائے۔ البتہ معاملات میں بنا سکتا ہے۔

[۲۹۲۹](۴۲) اگر دونوں نے حکم بنایا قتل خطا کے دم میں، پس حکم نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

تشریح قتل خطا قصاص کے احکامات میں سے ہے۔ اس لئے اس میں قاضی کا فیصلہ چلے گا۔ اس میں حکم نہیں بنانا چاہئے۔ اس صورت میں اگر چہ دیت یعنی مدعی علیہ پر مال کا فیصلہ کیا ہے، تاہم یہ قصاص کے احکامات میں سے ہے اس لئے حکم کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا کہ حدود کے علاوہ میں حکم بنا سکتا ہے۔ اور قصاص بھی حدود میں داخل ہے۔

[۲۹۳۰](۴۳) حکم کے لئے جائز ہے کہ گواہوں کی بات سنے اور قسم کھانے سے انکار سے بھی فیصلہ کرے۔

تشریح فیصلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو گواہوں کی گواہی سنے اور اس پر فیصلہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے، اب وہ مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہے، وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو حکم مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔ جس طرح قاضی کو دونوں اختیار ہیں پنچ کو بھی دونوں طریقوں سے فیصلے کا اختیار ہے۔ اور ایک تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مدعی علیہ حق کا اقرار کرے تب بھی فیصلہ کر سکتا ہے، پنچ کو اس کا بھی اختیار ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پنچ بہت سے معاملات میں قاضی کی طرح ہے۔

لغت النکول : قسم کھانے سے انکار کرنے کو نکول کہتے ہیں۔

[۲۹۳۱](۴۴) حاکم کا فیصلہ اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنی بیوی کے لئے باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کے فیصلے کو میں رد نہیں کروں گا (ب) حضرت سفیان نے فرمایا اگر دو فریقوں نے کسی کو حکم بنایا اور انہوں نے ان دونوں کے درمیان کوئی فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ جائز ہے مگر حدود میں حکم کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔

تشریح حاکم چاہے قاضی ہو یا پنچ ہو اپنے والدین کے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا اپنی بیوی کے لئے فیصلہ کرے تو وہ باطل ہے۔البتہ ان کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا۔

وجہ یہ لوگ قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے شبہ ہے کہ ان کی رعایت کر کے فیصلہ کیا ہوگا۔اس لئے ان کے حق میں فیصلہ باطل ہے (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ امیر المومنین تھے اس زمانے میں کسی پر ان کا حق تھا تو خود فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ حضرت زید بن ثابتؓ کو فیصلے کا حکم بنایا۔اثر یہ ہے۔ سمعت الشعبی قال: کان بین عمرؓ و ابیؓ خصومة فقال عمرؓ اجعل بینی و بینک رجلا قال فجعلا بینهما زید بن ثابت قال فاتوه قال فقال عمرؓ اتیناک لتحکم بیننا الخ (الف) سنن للبیہقی، باب القاضی لا یحکم لنفسہ، ج عاشر، ص ۲۴۳، نمبر ۲۰۵۱۰) اس اثر میں ہے کہ قاضی اپنے معاملے کا فیصلہ خود نہ کرے۔کیونکہ تہمت ہوگی۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے قریبی رشتہ دار کا بھی فیصلہ نہ کرے کیونکہ رعایت کرنے کی تہمت ہوگی (۳) ان لوگوں کے لئے گواہی جائز نہیں ہے تو فیصلہ کیسے جائز ہوگا۔اثر میں ہے۔عن ابراهیم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده، والمرأة لزوجها والزوج لامرأته، والعبد لسیده والسید لعبده، والشریک لشریکه فی الشیء اذا کان بینهما، واما فیما سوی ذلک فشهادته جائزة (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الاخ لاخیه والابن لابیه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۳۴۴، نمبر ۱۵۴۷۶ / مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة والولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس اثر میں ہے کہ والدین اور بچے اور بیوی کے لئے گواہی جائز نہیں تو ان کے حق میں فیصلہ کیسے جائز ہوگا؟

حاشیہ : (الف) حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد اور حضرت عمرؓ کے درمیان کوئی جھگڑا تھا، پس حضرت عمرؓ نے کہا میرے اور آپ کے درمیان کسی کو حکم بنائے۔پس دونوں نے زید بن ثابتؓ کو حکم بنایا، پس وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں (ب) حضرت ابراہیم نے فرمایا چار آدمیوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔والد کی گواہی اپنی اولاد کے لئے، اور اولاد کی والد کے لئے، اور عورت کی شوہر کے لئے، اور شوہر کی بیوی کے لئے، اور غلام کی آقا کے لئے اور آقا کی اپنے غلام کے لئے، اور شریک کی کسی چیز میں شریک کے لئے جبکہ وہ چیز دونوں کے درمیان میں ہو۔اور ان کے علاوہ کی گواہی جائز ہے۔

﴿ کتاب القسمة ﴾

[۲۹۳۲](۱) ینبغی للامام ان ینصب قاسما یرزقه من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر

﴿ کتاب القسمة ﴾

ضروری نوٹ کسی مال یا جائداد کو تقسیم کرنے کو 'قسمة' کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ واذا حضر القسمة اولوا القربی والیتمٰی والمساکین فارزقوھم منه وقولوا لھم قولا معروفا (الف) (آیت ۸، سورۃ النساء۴) اس آیت میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (۲) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو چھتیس ٹکڑوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ حدیث یہ ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ لما ظھر علی خیبر قسمھا علی ستة وثلاثین سھما جمع کل سھم مائة سھم فکان لرسول اللہ ﷺ وللمسلمین النصف من ذلک وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ج۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث میں خیبر کی زمین کی تقسیم کا تذکرہ ہے (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمائی۔ عن عبایة بن رفاعة بن رافع بن خدیج عن جدہ قال کنا مع النبی ﷺ بذی الحلیفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعیر (ج) (بخاری شریف، باب قسمة الغنم، ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشترکہ مال کو تقسیم کرنا جائز ہے۔

نوٹ کتاب القسمة کے بہت سے مسائل اصول پر متفرع ہیں اس لئے وہاں حدیث یا قول صحابی کم ہے۔

[۲۹۳۲] (۱) امام کے لئے مناسب ہے کہ وہ تقسیم کرنے والا مقرر کرے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو۔ تا کہ وہ لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے تقسیم کرے۔

تشریح لوگوں کے اموال اور وراثت کو تقسیم کرنا بھی ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس لئے قاضی کی طرح قاسم بھی امام مقرر کرے۔ اور جس طرح قاضی کی تنخواہ بیت المال سے دی جاتی ہے قاسم کی تنخواہ بھی بیت المال سے مقرر کرے تا کہ لوگوں کے اموال کو بلا اجرت تقسیم کر سکے۔

وجہ اثر میں ہے۔ ولم یر ابن سیسین باجر القسام بأسا، وقال السحت الرشوة فی الحکم وکانوا یعطون علی الخرص (د) (بخاری شریف، باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب بفاتحة الکتاب، کتاب الاجارة، ص ۳۰۴، نمبر ۲۲۷۶ رمصنف عبد الرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمة الاموال، ج ثامن، ص ۱۱۵، نمبر ۱۴۵۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اجرت دے کر قاسم متعین کرنا جائز ہے (۳) اوپر ابوداؤد کی حدیث گزری جس میں تھا۔ وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) اگر تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو ان کو کچھ رزق دو اور ان کو مناسب بات کہو (ب) حضورؐ نے جب خیبر کو فتح کیا تو اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمائی۔ ہر حصے میں سو حصے تھے، پس حضور اور مسلمانوں کے لئے آدھا آدھا تھا اور باقی آدھا الگ کیا جو وفود آئے اس کے لئے، اور مسلمانوں کے معاملے کے لئے اور لوگوں کے حادثوں کے لئے (ج) ہم حضورؐ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے... پھر مال غنیمت تقسیم کی تو دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر کیا (د) تقسیم کرنے والے کو اجرت دینے میں ابن سیرین نے کوئی حرج نہیں سمجھا... اور فرمایا کرتے تھے، سحت وہ رشوت ہے جو فیصلے کے لئے ہو جو پھل کا اندازہ کرنے کیلئے دیا کرتے تھے۔

اجرة[۲۹۳۳] (۲) فان لم یفعل نصب قاسما یقسم بالاجرة[۲۹۳۴] (۳) ویجب ان

شریف، نمبر۳۰۱۲) اس حدیث میں ہے کہ خیبر کا آدھا حصہ نوائب الناس کے لئے رکھا گیا تھا۔ اور اموال تقسیم کرنا ایک بہت بڑا کام ہے اور نوائب الناس میں داخل ہے۔ اس لئے اس کے لئے بھی اجرت مقرر کی جاسکتی ہے (۳) اثر میں ہے۔ **ان عمرؓ رزق شریحا و سلمان بن ربیعة الباهلی علی القضاء** (الف) مصنف عبد الرزاق، باب جعل یؤخذ علی القضاء رزق، ج ثامن، ص ۲۹۷، نمبر ۱۵۲۸۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ قاضی کی طرح قاسم کو بھی روزی دی جاسکتی ہے (۴) اثر میں ہے۔ **فسیأکل آل ابی بکر من هذا المال و احترف للمسلمین فیه** (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یکرہ للقاضی من الشراء والبیع الخ، ج عاشر، ص ۱۸۳، نمبر ۲۰۲۸۸)

[۲۹۳۳] (۲) اور اگر یہ نہ کر سکے تو مقرر کرے تقسیم کرنے والے کو جو اجرت لیکر تقسیم کرے۔

تشریح اگر قاضی بیت المال سے اجرت دے کر قاسم مقرر نہ کر سکے تو ایسے قاسم کو مقرر کرے جو تقسیم کرنے والوں سے اجرت لیکر تقسیم کرے۔

وجہ تھوڑا بہت تقسیم کرنا ہو تو مفت تقسیم کر دے گا لیکن کسی کو بار بار یہ کام پیش آئے تو مفت تقسیم نہیں کرے گا۔ اس لئے تقسیم کروانے والوں سے اجرت لے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مناسب اجرت لے۔ اجرت لینے کی دلیل اوپر گزر چکی ہے (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۲۸۱)

[۲۹۳۴] (۳) اور ضروری ہے کہ قاسم عادل ہو، امین ہو اور تقسیم کو جاننے والا ہو۔

وجہ عادل نہیں ہوگا تو تقسیم میں ظلم کرے گا اس لئے تقسیم کرنے والے کا عادل ہونا ضروری ہے (۲) آیت میں ہے۔ **فجزاء مثل قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم** (ج) (آیت ۹۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ عادل آدمی فیصلہ کرے اس لئے تقسیم کرنے والا بھی عادل ہو۔

امین ہو اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ان خیر من استأجرت القوی الامین** (د) (آیت ۲۶، سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو تقسیم کرنے کے لئے اجرت پر لے تو وہ امین ہو۔ کیونکہ امین نہیں ہوگا تو تقسیم صحیح نہیں کرے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مال میں خیانت کرے۔

اور تقسیم کرنے کا علم ہو اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر وراثت کا علم نہ ہو یا تقسیم کرنے کا علم نہ ہو تو کیسے تقسیم کرے گا (۲) اثر میں ہے۔ **قال عمر بن عبد العزیز لا ینبغی ان یکون قاضیا حتی تکون فیه خمس آیتهن اخطأته کانت فیه خللا یکون عالما بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم، ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة** (ہ) (مصنف عبد الرزاق، باب

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت شریحؒ اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو قضا پر وظیفہ دیا (ب) آل ابو بکر مسلمان کے اس مال سے کھائیں گے اور مسلمان کے لئے کام کریں گے (ج) جیسا جانور شکار کیا اسی کے مثل پالتو جانور کا فیصلہ کیا جائے گا اور دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں گے (د) بہترین آدمی جس کو آپ اجرت پر لیں وہ ہے جو طاقتور اور امین ہو (ہ) حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا قاضی بننا مناسب نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں پانچ صفتیں ہوں۔ اور کسی ایک کی کمی بہت بڑی کمی ہوگی۔ ایک تو یہ کہ ما قبل کی باتوں کو جاننے والا ہو۔ دوسری یہ کہ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔ تیسری یہ کہ لالچ سے دور ہو۔ چوتھی یہ کہ جھگڑے والے کے ساتھ بردبار ہو۔ اور پانچویں یہ کہ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔

یکون عدلا مامونا عالما بالقسمة[۲۹۳۵](۴) ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحد [۲۹۳۶](۵) ولا یترک القُسَّام یشترکون[۲۹۳۷](۶) واجرة القُسّام علی عدد رؤسهم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا رحمهما الله تعالی علی قدر الاَنصباء.

کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص ۲۹۸، نمبر ۱۵۲۸۶) اس اثر میں ہے کہ ماقبل کے علوم کو جاننے والا تب قاضی بنایا جائے۔ اور اسی پر قیاس کر کے کہا جائے گا کہ تقسیم کا علم ہو تو قاسم بنایا جائے۔

[۲۹۳۵] (۴) قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے۔

وجہ اگر کام بہت ہوا اور قاسم ایک ہی ہو تو لوگوں کو ایک قاسم سے خدمت لینے میں دقت ہوگی۔ اس لئے ایک قاسم سے تقسیم کرنے پر مجبور نہ کرے (۲) ایک قاسم زیادہ اجرت طلب کرے گا جو عوام کے لئے نقصان دہ چیز ہے اس لئے ایک قاسم پر مجبور نہ کرے (۳) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن موسی بن طریف عن ابیه قال مر علیؓ برجل یحسب بین قوم باجر فقال له علیؓ انما تأکل سحتا** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمة الاموال، ج ثامن، ص ۱۱۵، نمبر ۱۴۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے قاسم سے اجرت دے کر حساب کرواتے اور تقسیم کرواتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک قاسم متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔

[۲۹۳۶] (۵) قاسموں کو شرکت میں کام کرنے کے لئے نہ چھوڑے۔

تشریح چار پانچ قاسم ملکر اپنی کمپنی بنالیں اور شرکت میں کام کریں ایسا نہ کرنے دیں بلکہ ہر قاسم اپنا الگ الگ اجرت پر کام کرے۔

وجہ الگ الگ کام کریں گے تو آگے بڑھ کر کام کرنے اور مزدوری حاصل کرنے کے لئے سستے میں کام کریں گے جس سے عوام کو فائدہ ہوگا۔ اور کمپنی بنا کر کام کریں گے تو ایک ریٹ ہوگا اور مہنگے داموں میں کام کریں گے۔ اس لئے قاضی کو چاہئے کہ کمپنی بنانے نہ دیں اور ملکر شرکت میں کام کرنے نہ دیں۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ ہر وہ کام جس سے عوام کو نقصان ہوتا ہو اس کے روکنے کی کوشش کرے۔

[۲۹۳۷] (۶) اور قاسموں کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور حصے کے حساب سے ہے صاحبینؒ کے نزدیک۔

تشریح امام صاحب فرماتے ہیں جتنے لوگ حصہ دار ہیں قاسم کی اجرت ہر ایک پر برابر ہوگی چاہے اس کو حصہ کم ملے یا زیادہ۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ قاسم کو ہر ایک کا حساب کرنا ہوگا اور ہر ایک کا حصہ دوسرے سے متمیز کرنا ہوگا۔ اور اس میں ہر ایک کے لئے برابر محنت کرنی پڑے گی اس لئے تمام حصہ داروں پر برابر اجرت ہوگی۔ مثلا زید مرا اور اس کی وراثت ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان تقسیم کرنی ہے اور قاسم کی اجرت تیس درہم ہے تو ہر ایک پر دس دس درہم لازم ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کا ایک آدمی پر گزر ہوا، وہ اجرت لیکر قوم کے درمیان حساب کر رہا تھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ سود کھا رہا ہے۔

[۲۹۳۸](۷) واذا حضر الشركاء عند القاضي وفي ايديهم دار وضيعة وادّعوا انهم ورثوها عن فلان لم يقسّمها القاضي عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى حتى يقيموا البينة

صاحبین کے نزدیک جس کو جتنا حصہ ملے گا اسی حساب سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ مثال مذکور میں بیوی کو شوہر کا آٹھواں ملے گا اس لئے تیس درہم کا آٹھواں ۳۰÷۸=۳.۷۵ (تین درہم پچھتر پیسے بیوی پر اجرت ہوگی۔ اور بیٹے کو بیوی کے وراثت لینے کے بعد بیٹی کا دوگنا ملے گا اس لئے بیٹے کو تیس درہم میں سے ۱۷.۵۰ (سترہ درہم پچاس پیسے اور بیٹی کو ایک گنا ملے گا اس لئے بیٹی کو ۸.۷۵ (آٹھ درہم پچھتر پیسے اجرت لازم ہوگی۔ حساب کلکیولیٹر پر کرلیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس کو جتنا حصہ ملے گا اس اعتبار سے قاسم کو محنت کرنی پڑے گی اس لئے حصے ہی کے اعتبار سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔

لغت انصباء : نصیب کی جمع ہے حصہ۔

[۲۹۳۸] (۷) اگر شریک لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضے میں گھر ہو یا زمین ہو اور دعوی کریں کہ ہم ان کے وارث ہیں فلاں سے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کے مرنے پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کردے ان کے اعتراف کرنے پر۔

تشریح کچھ لوگ قاضی کے پاس آکر یوں کہے کہ یہ زمین ہے یا یہ گھر ہے یہ فلاں آدمی کا تھا، اب وہ مرگیا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں۔ اس کو ہمارے درمیان تقسیم کردیں تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لئے اس وقت تک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ فلاں آدمی کے مرنے پر گواہ قائم نہ کریں۔ اور اس بات پر بھی گواہ قائم کریں کہ ہم ہی لوگ وارث ہیں ہمارے علاوہ اور کوئی وارث نہیں۔ ان دونوں باتوں پر گواہ قائم کرے تب ان کے درمیان گھر یا زمین تقسیم کردے۔

وجہ زمین خود محفوظ ہے، زمانۂ دراز کے بعد بھی اس میں کوئی زیادہ خامی نہیں آتی اور یہی حال گھر کا ہے۔ اس لئے سال چھ مہینے تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے بینہ قائم کروا کر پوری تحقیق کر لینی چاہئے (۲) جب تک مال تقسیم نہیں ہوا ہے تو یہ میت کا مال شمار کیا جاتا ہے اس لئے تقسیم کرنا گویا کہ میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے۔ اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے گواہ چاہئے۔ اس لئے بھی گواہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ فلاں مرچکا ہے اور یہ بھی کہ ان کے علاوہ وارث نہیں ہے۔ ورنہ ابھی تقسیم کردیں اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہو جائے تو قضا توڑنا پڑے گا اس لئے گواہ قائم کرے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کردے۔

وجہ کیونکہ مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں۔ اثر میں ہے۔ کتب عمر بن الخطابؓ الی ابی موسی الاشعری ... المسلمون عدول بعضهم علی بعض (الف) (دار قطنی، باب کتاب عمرؓ الی موسی الاشعری، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) جب مسلمان ظاہری طور پر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسی اشعریؓ کو خط لکھا اس میں لکھا... مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں۔

علی موته وعدد ورثته وقالا رحمهما الله تعالی یُقسّمها باعترافهم[۲۹۳۹](۸) ویذکر فی کتاب القسمة انها قسمها بقولهم[۲۹۴۰](۹) وان کان المال المشترک مما سوی العقار وادّعوا انه میراث قسمه فی قولهم جمیعا[۲۹۴۱](۱۰) وان ادّعوا فی العقار انهم اشتروه قسّمه بینهم[۲۹۴۲](۱۱)وان ادّعوا الملک ولم یذکروا کیف انتقل الیهم

عادل ہیں اوران کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے اس لئے جب وہ کہتے ہیں کہ تقسیم کردیں تو تقسیم کرسکتے ہیں۔اور بعد میں وارث ظاہر ہوئے تو دوبارہ صحیح تقسیم کردی جائے گی (۲) جیسے منقولی جائداد کو بغیر بینہ قائم کئے تقسیم کردیتے ہیں۔

[۲۹۳۹](۸) کتاب القسمۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تقسیم کردے ان کے اقرار پر۔

تشریح کتاب القاضی میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ اگر وارثین خود اقرار کریں کہ ہمارا مورث مرگیا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو ان کے اقرار کی وجہ سے زمین اور گھر بھی تقسیم کردیا جائے گا۔

[۲۹۴۰](۹) اور اگر مال مشترک زمین کے علاوہ ہو اور وہ دعوی کریں کہ ان کی میراث ہے تو سب کے قول میں یہ ہے کہ اس کو تقسیم کردے۔

تشریح مشترک مال ہے اور زمین اور گھر کے علاوہ وہ مال ہے، ورثہ کہتے ہیں کہ وہ مال فلاں مورث سے ہم کو ملا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو چاہے مورث کے مرنے پر اور وارث کی تعداد پر گواہ نہ پیش کریں پھر بھی امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ تینوں امام یہ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کردے۔

وجہ زمین اور گھر کے علاوہ جو منقولی جائداد ہے وہ جلدی میں خراب ہوسکتی ہے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کردے تاکہ ہر وارث اپنے اپنے حصے کی حفاظت کرتا رہے۔اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہوگا تو دوبارہ صحیح تقسیم کردی جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ منقولی جائداد خراب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے حفاظت کے لئے جلدی تقسیم کردے۔

لغت : العقار : زمین

[۲۹۴۱](۱۰) اگر دعوی کرنے زمین کے بارے میں کہ انہوں نے خریدی ہے تو اس کے درمیان تقسیم کردے۔

تشریح کچھ آدمی قاضی کے سامنے دعوی کرتے ہیں کہ یہ زمین ہے جس کو ہم لوگوں نے خریدی ہے تو بغیر کسی مزید بینہ کے قاضی ان کے درمیان تقسیم کردے۔

وجہ یہاں میت کے خلاف فیصلہ نہیں ہے اور نہ مزید کسی وارث کے ظاہر ہونے کا خدشہ ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں نے خریدی ہے اس لئے ان کے درمیان تقسیم کردے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی دوسرے کے خلاف فیصلہ صادر نہ ہوتا ہو تو مزید گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

[۲۹۴۲](۱۱) اور اگر ملکیت کا دعوی کریں اور یہ نہ بیان کریں کہ کیسے ان کی طرف منتقل ہوئی تو ان کے درمیان تقسیم کردے۔

قسّمه بینهم[۲۹۴۳](۱۲) واذا کان کل واحد من الشرکاء ینتفع بنصیبه قسم بطلب احدهم[۲۹۴۴](۱۳) وان کان احدهم ینتفع والآخر یستضرُّ لقلة نصیبه فان طلب

تشریح کچھ لوگ قاضی کے پاس آکر یہ کہیں کہ یہ چیز ہماری ملکیت ہے اس کو تقسیم کردیں، لیکن یہ نہ بتائے کہ ان لوگوں کی ملکیت کیسے ہوئی، خریدنے کی وجہ سے یا وراثت کی وجہ سے۔ پھر بھی قاضی کو اختیار ہے کہ اس چیز کو ان کے درمیان تقسیم کردے۔

وجہ جب ان کے قبضے میں ہے تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ان کی ہی ملکیت ہے اس لئے تقسیم کرسکتا ہے (۲) اس میں قضا علی الغیر نہیں ہے اس لئے گواہی کی اور اس تحقیق کی کہ کس طرح اس کی ملکیت ہوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اس کو تقسیم کردے۔

[۲۹۴۳] (۱۲) اگر شریک میں سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہو اپنے حصے سے تو ان میں سے ایک کے طلب کرنے سے تقسیم کردی جائے گی۔

تشریح مثلا شرکت میں دو گھوڑے ہیں۔ تقسیم کرکے دونوں کو دینے سے ہر ایک اپنے اپنے گھوڑے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ایسی صورت میں ایک شریک بھی تقسیم کا مطالبہ کرے گا تو تقسیم کردی جائے گی۔

وجہ تقسیم کرنے سے کسی کو نقصان نہیں ہے اس لئے تقسیم کردے۔

[۲۹۴۴] (۱۳) اور اگر ایک فائدہ اٹھائے اور دوسرا نقصان اپنا حصہ کم ہونے کی وجہ سے، پس اگر زائد حصے والا طلب کرے تو تقسیم کردی جائے گی۔ اور اگر کم والا طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا دو آدمیوں کے درمیان تین بیل ہیں۔ ایک کا حصہ دوگنا ہے جس کی وجہ سے دو بیل مل جائیں گے اور ہل چلا سکے گا۔ اور دوسرے کا حصہ ایک گنا ہے جس کی وجہ سے اس کو ایک بیل ملے گا اور ایک بیل سے ہل نہیں چلا سکے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد بڑا حصہ دار اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکے گا اور چھوٹا حصہ دار اپنے حصے سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ ایسی صورت میں بڑا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم کی جائے گی۔ اور چھوٹا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

وجہ بڑا حصہ دار جب تقسیم کا مطالبہ کررہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقسیم کردیں تاکہ میں اپنے حصے سے آزادگی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکوں اور جب چاہوں دو بیل سے ہل چلالوں، چاہے دوسرے کو نقصان ہو جائے۔ کیونکہ میں نے دوسرے کو ہمیشہ فائدہ دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس لئے اس کے کہنے پر تقسیم کردی جائے گی۔

اور کم حصہ دار جب مطالبہ کررہا ہے کہ تقسیم کردیں اور بڑا حصہ دار خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے نقصان ہوتا ہے تو ہونے دو میں اپنے فائدے کے حق میں متعنت اور متشدد ہوں۔ اس لئے اس کے نقصان ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی اس کے کہنے پر تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ کیونکہ قاضی کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو اس کو نقصان نہ کرنے دے۔ البتہ کوئی اور فائدہ ہو مثلا اپنے حصے کو مناسب قیمت میں بیچ کر فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسی صورت میں قاضی تقسیم کردے۔

اصول یہ مسئلہ دو اصولوں پر متفرع ہے (۱) کوئی آدمی اپنا فائدہ ملحوظ رکھنا چاہے، اس سے دوسرے کو نقصان ہو جائے تو اس کو اجازت ہوگی بشرطیکہ خواہ مخواہ دوسرے کو نقصان دینا مقصود نہ ہو (۲) اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اس کو

صاحب الكثير قسم وان طلب صاحب القليل لم يقسم[۲۹۴۵] (۱۴) وان كان كل واحد منهما يستضرُّ لم يقسمها الا بتراضيهما[۲۹۴۶] (۱۵) ويقسم العروض اذا كانت

نقصان سے بچائے، اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لاضرر ولاضرار (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ، ص ۳۳۵، نمبر ۲۳۴۱ / دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۶۴، نمبر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ کسی کو نقصان دے اور نہ نقصان اٹھائے۔

لغت یستضر : ضر سے مشتق ہے، نقصان اٹھائے۔

[۲۹۴۵] (۱۴) اور اگر دونوں میں سے ہر ایک کو نقصان ہو تو اس کو تقسیم نہ کرے مگر دونوں کی رضامندی سے۔

تشریح کوئی ایسی چیز ہے جس کو تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو نقصان ہوگا تو دونوں راضی ہوں تو تقسیم کر دے۔ اور ایک حصہ دار کہے اور دوسرا نہ کہے تو تقسیم نہ کرے۔ مثلا ایک چکی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ اس کو تقسیم کرنے کے بعد کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، دونوں کو نقصان ہوگا۔ اس لئے دونوں اس نقصان پر راضی ہوں تو تقسیم کر دی جائے گی۔

وجہ یہاں دونوں کو نقصان ہے اس لئے دونوں کی رضامندی سے تقسیم کر دیں گے۔ قاعدہ وہی ہے **لا ضرر ولا ضرار** (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ **عن محمد بن ابی بکر یعنی ابن حزم عن ابیه عن النبی ﷺ قال لا تعضية على اهل الميراث الا ما حمل القسم ،يقول لا يعضى على الوارث ... قال ابو عبيد قوله لا تعضية في ميراث يعني ان يموت الميت ويدع شيئا ان قسم بين ورثته اذا اراد بعضهم القسمة كان في ذلك ضرر عليه او على بعضهم يقول فلا يقسم والتعضية التفريق** (ب) (سنن للبیہقی، باب مالا یحتمل القسمۃ، ج عاشر، ص ۲۲۵، نمبر ۲۰۴۴۶ / ۲۰۴۴۷) اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر تقسیم سے نقصان ہوتا ہو تو دونوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔

[۲۹۴۶] (۱۵) تقسیم کر دے سامان جبکہ ایک ہی قسم کا ہو، اور دو جنسوں کو تقسیم نہ کرے بعض کو بعض میں مگر دونوں کی رضامندی سے۔

تشریح اگر سامان ایک ہی قسم کا ہو مثلا چالیس کیلو گیہوں ہو تو بغیر دونوں کی رضامندی کے بھی تقسیم کر دے۔ اور دونوں حصہ داروں کو بیس بیس کیلو گیہوں دیدے۔

وجہ تمام گیہوں ہی ہیں اور ایک ہی جنس کا سامان ہے، اور گیہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور وزن میں دونوں کو برابر یعنی بیس بیس کیلو دیا گیا ہے اس لئے کسی کو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے ایک راضی نہ بھی ہو تو قاضی جبرا تقسیم کر دے۔

لیکن اگر دو جنس کے سامان ہوں مثلا دس کپڑے ہیں اور چالیس کیلو گیہوں ہے۔ اب بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک حصے دار کو کپڑے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان دو (ب) آپؐ نے فرمایا اہل میراث پر تفریق نہیں ہے۔ البتہ جو تقسیم میں ہو جائے وہی۔ حضرت ابو عبید اللہ لاتعضیۃ فی میراث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ آدمی مرے اور کچھ وراثت چھوڑے۔ اب بعض وارث تقسیم چاہتے ہیں لیکن اس سے ورثہ کا نقصان ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم نہ کریں تو تقسیم نہ کی جائے۔ تعضیۃ کا معنی تقسیم کرنا ہے۔

من صنف واحد ولا يقسم الجنسان بعضها فی بعض الا بتراضيهما [۲۹۴۷](۱۶)وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالی لايقسم الرقيق ولا الجواهر وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالی يقسم الرقيق[۲۹۴۸](۱۷) ولا يقسم حمام ولا بئر ولا رحی الا ان يتراضی

دیدے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے ایسا نہیں کر سکتا۔ بلکہ یوں کر سکتا ہے کہ پانچ کپڑے ایک کو اور پانچ کپڑے دوسرے کو، اسی طرح بیس کیلو گیہوں ایک کو اور بیس کیلو گیہوں دوسرے کو دے۔ ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو ایسا کر سکتا ہے کہ ایک کو دس کپڑے دے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے۔

وجہ ایک حصے دار کو کپڑا دینا اور دوسرے کو گیہوں دینا یہ علیحدہ کرنا اور تمیز کرنا نہیں ہے بلکہ کپڑے کے بدلے گیہوں کو تبدیل کرنا اور گویا کہ بیچنا ہے۔ اور تبدیل کرنے اور بیچنے کے لئے دونوں کی رضا مندی چاہئے۔ اس لئے یہاں دونوں کی رضا مندی چاہئے۔

اصول جہاں افراز اور تمیز ہو وہاں دونوں کی رضا مندی ضروری نہیں صرف ایک کے مطالبے پر تقسیم کر دی جائے گی۔ اور جہاں تبدیل ہو وہاں دونوں کی رضا مندی ضروری ہے۔

[۲۹۴۷] (۱۶) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام اور جوہر تقسیم نہ کرے، اور امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا تقسیم کیا جائے گا غلام کو۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مثلا اگر دو غلام ہوں تو بغیر رضا مندی کے دو حصہ داروں کو ایک ایک غلام تقسیم کر کے نہ دے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ غلام ظاہری اعتبار سے ایک جیسے ہوں لیکن باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلا ایک ہوشیار ہے دوسرا غبی ہے۔ ایک پڑھا لکھا ہے دوسرا جاہل ہے جس کی وجہ سے دونوں کی قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغیر دونوں کی رضا مندی کے ایک ایک غلام تقسیم نہ کرے۔ البتہ دونوں کی قیمت لگا کر توافق کر دے۔ یہی حال جواہر کا ہے۔ اس لئے کہ دو جواہر ظاہری طور پر ایک طرح کے ہوں پھر بھی باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ اور دونوں کی قیمت میں بہت تفاوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغیر حصہ داروں کی رضا مندی کے ایک ایک کر کے تقسیم نہ کرے۔ البتہ سب کی قیمت لگا کر توافق کرے۔

اصول امام اعظمؒ کے نزدیک انسان اور جواہر میں باطنی خوبی کا اعتبار ہے۔

فائدہ امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ غلاموں کو بغیر حصہ داروں کی رضا مندی کے بھی تقسیم کر سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر دو غلام ایک طرح ہوں اتنا ہی کافی ہے کہ دونوں کو ایک ایک غلام دے دیا جائے۔ باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے، اور اس کی وجہ سے قیمت میں جو تفاوت ہوگا اس کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔ جس طرح دو بکریاں ہوں تو دونوں کو ایک ایک بکری دے دی جاتی ہے اور بکری کی باطنی خوبی ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔

اصول صاحبینؒ کے نزدیک یہ اصول یہ ہے کہ ظاہری موافقت کافی ہے باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے ورنہ تقسیم کرنا مشکل ہوگا۔

[۲۹۴۸] (۱۷) اور نہیں تقسیم کیا جائے گا حمام اور نہ کنواں اور نہ پن چکی۔

الشركاء[۲۹۴۹](۱۸) واذا حضروا رثان عند القاضی واقاما البینة علی الوفاة وعدد الورثة والدار فی ایدیهم ومعهم وارث غائب قسمها القاضی بطلب الحاضرین وینصب

تشریح ایسی چیز جو ایک ہی ہو اور تقسیم کرنے کے بعد کسی کے لئے قابل استفادہ نہ رہے جیسے غسل خانہ، کنواں، پن چکی، ان چیزوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں تو استفادے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔ اس لئے شرکاء کی رضا مندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔ البتہ ایک شکل ہے کہ اس کی قیمت لگا کر کسی ایک کو دیدے اور اس سے آدھی قیمت وصول کرلے۔

وجہ قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال من اعتق شرکا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیه قیمة عدل فاعطی شرکائه حصصهم وعتق علیه العبد** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء، ص ۳۴۲، نمبر ۲۵۲۲ر مسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد، ص ۴۹۱، نمبر ۱۵۰۱) اس حدیث میں ہے کہ غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر حصہ داروں کو قیمت دی جائے گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاں پوری چیز تقسیم نہیں ہو سکتی ہو وہاں چیز کی قیمت لگا کر حصہ داروں کو دو اور توافق پیدا کر دو۔

اصول جہاں تقسیم کرنے میں دونوں کو نقصان ہو وہاں دونوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کی جائے گی۔

لغت حمام : غسل خانہ، بئر : کنواں، رحی : پن چکی، جس سے پانی نکالتے ہیں۔

[۲۹۴۹] (۱۸) اور دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہوں اور وفات پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر اور مکان ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ غائب وارث ہو پھر بھی قاضی حاضرین کی طلب پر تقسیم کر دے۔ اور غائب کے لئے ایک وکیل مقرر کر دے جو اس کے حصے پر قبضہ کرے۔

تشریح دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہو کر دو بات کرے۔ ایک تو مورث کی وفات پر بینہ قائم کرے کہ واقعی وہ مر چکا ہے۔ دوسری بات یہ کرے کہ ورثہ کی کل تعداد کتنی ہے اس پر گواہی قائم کرے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ گھر مطالبہ کرنے والوں کے قبضے میں ہو۔ اس صورت میں وارث غائب ہو پھر بھی قاضی گھر تقسیم کر دے گا اور جو وارث غائب ہو اس کے لئے وکیل مقرر کرے تاکہ وہ غائب کے حصے پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے اور جب غائب آجائے تو اس کے حوالے کر دے۔

وجہ ان چار شقوں کی وجوبات یہ ہیں (۱) تقسیم کا مطالبہ کرنے والے دو آدمی اس لئے ہوں کہ وہ دو گواہ کے درجے میں ہو جائیں گے اور یقین کیا جا سکے گا کہ واقعی مورث مر چکا ہے۔ اور ورثہ کی تعداد اتنی ہی ہے۔ اور اگر مطالبہ کرنے والا ایک آدمی ہو تو یقین نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مورث کی موت ہو چکی ہے۔ اور ورثہ کی تعداد اتنی ہی ہے۔ کیونکہ شہادت کی تعداد ایک نہیں ہوتی دو ہوتی ہے (۲) ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ کے درجے میں ہوگا۔ میت جو غائب ہے اس غائب کے خلاف فیصلہ نہیں ہوگا کیونکہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی مشترک غلام آزاد کرے اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ غلام کی قیمت ہو جائے تو اس پر غلام کی عادل قیمت لگائی جائے گی۔ اور اس کے شریکوں کو ان کے حصے دیئے جائیں گے۔ اور پورا غلام آزاد کرنے والے پر آزاد ہوگا۔

للغائب و کیلا یقبض نصیبه[۲۹۵۰](۱۹) وان کانوا مشتریین لم یقسم مع غیبة احدهم.

دوسرا آدمی مدعیٰ علیہ حاضر کے درجے میں ہو جائے گا۔

گھر مطالبہ کرنے والوں کے قبضہ میں ہو تب تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ ہونا اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ مورث مرا ہے اور یہ لوگ واقعی اس گھر کے وارث ہیں۔ کیونکہ غائب وارث کا قبضہ ہو تو شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا گھر ہے جس کے بارے میں قاضی صاحب کو چکما دے کر اپنے لئے تقسیم کروانا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ گھر مطالبہ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے اس لئے قرینہ یہی ہے کہ گھر ان ہی کے مورث کا ہے۔

غائب کے لئے وکیل متعین کرے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غائب کی امانت ہے اس لئے اس کی حفاظت کرنا اور اس تک پہنچانا قاضی کا کام ہے (۲) آیت میں موجود ہے۔ **ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ** (الف) (آیت ۵۸، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ امانت والوں کو امانت پہنچاؤ۔ اور یہ بھی ہے کہ صحیح فیصلہ کیا کرو۔ اور یہ امانت اسی صورت میں پہنچے گی کہ غائب کے لئے وکیل متعین کیا جائے۔

اس طرح فیصلہ کرنے اور تقسیم کرنے میں حاضرین کا فائدہ ہے کہ ان کو جلدی حق مل گیا اور غائب کا بھی فائدہ ہے کہ وکیل کے ذریعہ اس کا حق محفوظ ہو گیا۔

اصول یہ تین مسئلے اس اصول پر متفرع ہیں کہ قرینے سے معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ سچ بول رہے ہیں اور حق مطالبہ ہے تو مال تقسیم کر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

[۲۹۵۰] (۱۹) اور اگر وہ خریدنے والے تھے تو ان میں سے ایک کی غیر حاضری میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا تین آدمیوں نے مل کر ایک گھر خریدا۔ پھر دو آدمی ملکر قاضی کے پاس آئے کہ مجھے تقسیم کر کے دیں۔ اور ایک خریدار غائب ہے تو قاضی گھر تقسیم نہ کرے۔

وجہ وراثت کی شکل میں مال میت کا تھا جب تک تقسیم کر کے نہ دیں، وارثین اس کی حفاظت میں لاپرواہی کریں گے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کر کے دینا ضروری ہے۔ اور خریدے ہوئے مال کی ضیاع کا خریدار کو فکر ہے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کرنا ضروری نہیں جب تک کہ غائب نہ آجائے (۲) غائب کا اپنا لگایا ہوا مال ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ حصہ لگایا ہو اور حاضرین چکما دے کر زیادہ لے لینا چاہتا ہو اس لئے غائب کی حاضری کے بعد پتا چلے گا کہ اس کا حصہ کتنا ہے۔ اس لئے اس کی حاضری کے بغیر تقسیم نہ کرے (۳) یہ نکتہ بھی ہے کہ مورث دنیا سے جا چکا ہے اس لئے وارث اس کی جانب سے خصم ہوں گے اس لئے قضا علی الغائب نہیں ہو گا۔ اور خریدنے کی شکل میں غائب آدمی دنیا

حاشیہ : (الف) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت والے کو امانت پہنچاؤ، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتے ہیں۔

[۲۹۵۱](۲۰) وان كان العقار في يد الوارث الغائب او شيء منه لم يقسم [۲۹۵۲] (۲۱) وان حضر وارث واحد لم يقسم[۲۹۵۳](۲۲) واذا كانت دور مشتركة في مصر

میں موجود ہے اس لئے اس کی جگہ کوئی خصم نہیں بن سکے گا۔ اس لئے اس کی غیوبت میں فیصلہ کریں تو قضا علی الغائب ہوگا جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ایک آدمی بھی غائب ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

[۲۹۵۱](۲۰) اگر زمین غائب وارث کے قبضے میں ہو یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

وجه جب پوری زمین یا اس کا کچھ حصہ غائب وارث کے قبضے میں ہو تو یہ قرینہ ہے کہ یہ زمین حاضر آدمیوں کی نہیں ہے۔ اگر یہ وارث ہوتے یا اس کی زمین ہوتی تو زمین اس کے قبضے میں ہونی چاہئے۔ لیکن ان کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے تقسیم بھی نہیں ہوگی (۲) دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر تقسیم کرتے ہیں تو قضا علی الغائب ہوگی جو جائز نہیں۔ اس لئے بھی تقسیم نہیں کی جائے گی۔

[۲۹۵۲](۲۱) اگر ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا تین وارث تھے ان میں سے صرف ایک حاضر ہوا اور تقسیم کا مطالبہ کیا تو مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وجه ایک آدمی شہادت کی تعداد پوری نہیں کرتا اس لئے اس کی بات نہیں سنی جائے گی (۲) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مورث تو ہے نہیں اس لئے قاضی کے یہاں مدعی اور دوسرا مدعی علیہ چاہئے۔ اگر دونوں ہوتے تو ایک کو مدعی مانتا اور دوسرے کو مورث کی جانب سے وکیل مان کر حاضر مدعی علیہ مان لیا جاتا اور فیصلہ ہو جاتا تا کہ غائب پر فیصلہ نہ ہو۔ اور یہاں ایک ہی مطالبہ کرنے والا ہے اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ مدعی مانیں گے۔ لیکن مدعی علیہ حاضر نہیں ہے اس لئے نہ فیصلہ ہوگا اور نہ مال تقسیم ہوگی۔

اصول اصول گزر چکا ہے کہ سچ بولنے کا قرینہ ہو اور قضا کی کاروائی کے مطابق ہو تو تقسیم ہوگی ورنہ نہیں۔

[۲۹۵۳](۲۲) اگر ایک ہی شہر میں کئی گھر مشترک ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مناسب ہو ان کے لئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا تو تقسیم کر دی جائے۔

تشریح مثلا تین گھر ہیں۔ ایک کی قیمت پندرہ ہزار درہم جو مسجد کے قریب ہے۔ دوسرے کی قیمت دس ہزار درہم جو گاؤں کی مشرقی جانب ہے۔ اور تیسرا گھر پانچ ہزار درہم کا ہے جو گاؤں سے تھوڑا دور ہے۔ البتہ تینوں مکان کمرے اور ساخت کے اعتبار سے قریب قریب ہیں۔ اور تین حصے دار ہیں۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکان علیحدہ علیحدہ تقسیم ہوں گے یعنی مسجد والے مکان میں بھی تینوں کا حصہ ہوگا اور مشرقی گھر میں بھی تینوں کا اور گاؤں سے جو دور ہے اس میں بھی تینوں کا حصہ ہوگا۔ اور تینوں مکانوں کی قیمت لگا کر توافق کریں گے۔ مثلا جس کو گاؤں سے دور والا مکان ملے گا جس کی قیمت صرف پانچ ہزار ہے اس کو مکان کے علاوہ پانچ ہزار درہم بھی دلوایا جائے گا۔ اور جو آدمی مسجد کے قریب والا مکان لے گا جس کی قیمت پندرہ ہزار ہے وہ پانچ ہزار درہم گاؤں سے دور والے کو دے تا کہ توافق ہو جائے۔ ایسا نہیں کیا جائے گا کہ تینوں کو ایک ایک مکان ظاہری برابری کی بنیاد پر تقسیم کر دے۔

 وہ فرماتے ہیں کہ مکان کے محل وقوع کی وجہ سے قیمت میں فرق پڑتا ہے۔ مثلا پڑوسی اچھے ہوں۔ مسجد قریب ہو تو مکان کی قیمت بڑھ جاتی

واحد قسمت کل دار علی حدتها فی قول ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالی ان کان الاصلح لهم قسمة بعضها فی بعض قسمها[۲۹۵۴](۲۳) وان کانت دار وضیعة او دار وحانوت قسم کل واحدة علی حدته [۲۹۵۵] (۲۴) وینبغی للقاسم ان یصوّر

ہے۔اوراس کے خلاف ہوتو مکان کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔اس لئے ظاہری برابری کے علاوہ باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔اوراس کے اعتبار سے قیمت لگے گی۔

اصول حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا، ہاں! تینوں حصے دار ایک ایک مکان لینے پر راضی ہوتو اس طرح بھی تقسیم کر دے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑ دے۔اگران کے لئے یہی مناسب ہو کہ تینوں کو ایک ایک مکان دیدے اور اوپر سے کوئی رقم نہ دے تو قاضی کو اس کا بھی اختیار ہے چاہے حصہ دار اس پر راضی نہ ہوں۔اوراس کا بھی اختیار ہے کہ ہر ہر مکان میں تینوں کا حصہ ڈالے، پھر ہر مکان کی قیمت لگا کر توافق کرے۔

اصول صاحبینؒ کے نزدیک ظاہری برابری کو ملحوظ رکھا جائے گا باطنی خوبیوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۲۹۵۴] (۲۳) اگر مکان اور زمین ہوں یا مکان اور دکان ہوں تو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرے۔

تشریح مثلا دو حصے دار ہیں اور مالیت میں ایک مکان اور زمین ہے۔تو مکان میں بھی دونوں کو حصہ دیں اور زمین میں بھی دونوں کو حصہ دیں۔ ہاں! اگر ایک آدمی صرف مکان لینے پر اور دوسرا آدمی صرف زمین لینے پر راضی ہو جائے تو ٹھیک ہے۔

وجہ مکان الگ جنس ہے اور زمین الگ جنس ہے اور دونوں کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہے اس لئے بالاتفاق مکان میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا اور زمین میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا۔اور یہ گویا کہ تبدیل اور خرید ہوگی۔اس لئے دونوں کی قیمت لگا کر توافق کیا جائے گا۔مثلا مکان کی قیمت دس ہزار ہے اور زمین کی قیمت پانچ ہزار ہے۔تو مکان لینے والے پر زمین لینے والے کو ڈھائی ہزار دینا ہوگا۔یہی حال مکان اور دکان کا ہے کہ دونوں دو جنس ہیں۔ **عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده قال كنا مع النبی ﷺ بذی الحليفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعير** (الف) (بخاری شریف، باب قسمة الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸) اس حدیث میں بکری الگ جنس ہے اور اونٹ الگ جنس ہے اس لئے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر کیا۔پس کسی کو ایک اونٹ دیا تو اس سے توافق کرنے کے لئے دوسرے کو دس بکریاں دی۔اسی طرح مکان اور دکان کا حال ہوگا۔

[۲۹۵۵] (۲۴) تقسیم کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ جس کو تقسیم کرے اس کا نقشہ بنائے اور برابر کر کے ناپ لے اور عمارت کی قیمت لگالے، اور ہر ایک کا حصہ جدا کر لے باقی سے اس کے راستے اور نالی کے ساتھ، تا کہ ایک کے حصے کا دوسرے سے تعلق باقی نہ رہے۔پھر ان کا

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ ذی الحلیفہ میں تھے... پھر تقسیم فرمائی اور دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر فرمایا۔

مایقسمه ویعدله ویذرعه ویقوّم البناء ویفرز کل نصیب عن الباقی بطریقه وشربه حتی لایکون لنصیب بعضهم بنصیب الآخر تعلقٌ ثم یکتب اسامیهم و یجعلها قرعة [۲۹۵۶] (۲۵) ثم یلقب نصیبا بالاول والذی یلیه بالثانی والذی یلیه بالثالث وعلی هذا ثم یخرج

نام لکھ لے اور اس کا قرعہ بنالے۔

تشریح بہت سی چیزوں کو تقسیم کرنا ہے اس لئے ان کو صحیح تقسیم کرے۔ اور سہولت ہو تو اس کے لئے یہ طریقہ بہتر ہے کہ جن چیزوں کو تقسیم کرنا ہے ان کا پورا نقشہ بنالے، زمین وغیرہ ہو تو اس کی پیائش کرے اور ہر ٹکڑے کو برابر ناپ لے۔ عمارت ہو تو اس کی قیمت لگائے اور مکان اور زمین کے ہر حصے کو اس کے راستے اور نالی کے ساتھ الگ الگ کرے تاکہ گھر سے نکلنے میں یا زمین کو سیراب کرنے میں دوسرے سے کوئی تعلق نہ رہے اور آگے چلکر جھگڑا نہ پڑے۔ پھر ہر ایک حصے کا نام لکھ لے اور اس کا قرعہ بنالے تاکہ قرعہ ڈالنے میں آسانی ہو۔

وجہ حدیث میں ہے حضورؐ نے خیبر کی زمین کا چھتیس سو ٹکڑے فرمائے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن بشیر بن یسار مولی الانصار عن رجال من اصحاب النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ لما ظهر علی خیبر قسمها علی ستة وثلاثین سهما جمع کل سهم مائة سهم الخ (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین کے چھتیس حصے کئے اور ہر حصے کے ساتھ ایک سو حصے تھے جس کا مجموعہ چھتیس سو حصے ہوئے۔ اور ان میں سے آدھے کو پندرہ سو مجاہدین پر تقسیم فرمایا جس میں سے پیدل کو ایک حصہ اور گھوڑے سوار کو دو حصے عنایت فرمایا، مجموعہ اٹھارہ سو حصے ہوئے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح زمین کے حصے بنائے۔

لغت شرب : پانی جانے کی نالی، نصیب : حصہ۔

[۲۹۵۶] (۲۵) اور ایک حصے کا نام پہلے رکھے اور جو اس سے متصل ہو اس کا دوسرا اور جو اس کے متصل ہے تیسرا اسی طرح لکھتے جاؤ، پھر قرعہ نکالے، پس جسکا نام پہلے نکلے اس کے لئے پہلا حصہ اور جس کا نام دوسرے مرتبہ میں نکلے اس کے لئے دوسرا حصہ۔

تشریح جتنے حصے ہوں سب پر نمبر لگائے ایک، دو، تین، چار کر کے۔ پھر قرعہ نکالے جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ دیدے۔ جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اس کو دوسرا حصہ دے۔ جس کا نام تیسری مرتبہ میں نکلے اس کو تیسرا حصہ دے اسی طرح کرتا چلا جائے۔

وجہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن ایسا اس لئے کرے تاکہ حصے دار یہ نہ کہے کہ قاضی نے فلاں کی طرفداری کی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے تھے اور جس کا نام نکلتا تھا ان کو ساتھ لے جاتے تھے۔ عن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان اذا سافر اقرع بین نسائه (ب) (ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعة) دوسری روایت میں ہے کہ غلام کی تقسیم قرعہ سے کی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جب خیبر پر فتح پائی تو اس کو چھتیس ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹکڑے میں سو حصے تھے (ب) آپؐ جب سفر فرماتے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔

القرعة فمن خرج اسمه اولا فله السهم الاول ومن خرج ثانیا فله السهم الثانی [۲۹۵۷] (۲۶) ولا یُدخل فی القسمة الدراهم والدنانیر الا بتراضیهم[۲۹۵۸] (۲۷) فان قسم

عن عمران بن حصین ان رجلا کان له ستة مملوکین لیس له مال غیرهم فاعتقهم عند موته فجزاء هم رسول الله ﷺ فاعتق اثنین وارق اربعة (الف) (ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعۃ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۳۴۷/۲۳۴۵ بخاری شریف، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ص ۳۳۹، نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان قلب کے لئے قرعہ سے نام نکالا جا سکتا ہے۔

لغت السھم : حصہ

[۲۹۵۷] (۲۶) اور تقسیم میں داخل نہیں ہوں گے دراہم اور دینار مگر حصہ داروں کی رضامندی سے۔

تشریح مثلا ایک مکان ہے اور دس ہزار درہم ہے اور دو حصے دار ہیں۔ اس لئے مکان میں دونوں کو آدھا آدھا حصہ ملنا چاہئے اور درہم میں بھی آدھا آدھا یعنی پانچ پانچ ہزار ملنا چاہئے۔ لیکن ایک حصے دار کو مکان میں سے آدھا سے زیادہ دیدے اور اس کے بدلے دوسرے حصے دار کو پانچ ہزار درہم کے بجائے سات ہزار درہم دیدے تاکہ یہ دو ہزار مکان کی زیادتی کے بدلے میں ہو جائے تو یہ دونوں کی رضامندی کے بغیر قاضی نہیں کر سکتا۔ ہاں دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے۔

وجہ مکان الگ جنس ہے اور درہم دینار الگ جنس ہیں۔ اس لئے مکان کے ایک حصے کے بدلے میں درہم دے یہ تبدیل اور خریدنا ہے۔ تمیز اور افراز نہیں ہے۔ اور بیع اور تبدیل کے لئے دونوں کی رضامندی چاہئے۔ اس لئے یہاں بھی دونوں کی رضامندی چاہئے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مکان اہم ہوتا ہے اس طرح کا مکان پھر نہیں مل سکتا اس لئے جس کو مکان کا حصہ زیادہ دیا جائے گا وہ خوش ہوگا اور دوسرا افسوس کرے گا۔ اور بعض مرتبہ درہم کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس سے فوری طور پر کچھ خرید سکتا ہے اس لئے جس کو درہم ملے گا وہ خوش ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت حال میں تبدیل کے لئے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ البتہ مکان کا بعض حصہ ایسا ہو کہ اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے، لازمی طور پر ایک کو زیادہ دینا پڑ رہا ہے تو ایسی مجبوری کے درجے میں قاضی کو اختیار ہے کہ ایک کو مکان زیادہ دیدے اور اس کے بدلے میں دوسرے کو درہم یا دینار زیادہ دیدے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **سمعت النعمان بن بشیرؓ عن النبی ﷺ قال مثل القائم علی حدود الله والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها** (ب) (بخاری شریف، باب ہل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ص ۳۳۹، نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث میں سب کو کشتی کے اوپر کے حصے نہیں دیئے اور نہ سب کو کشتی کے نیچے کے حصے دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے درجے میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔

[۲۹۵۸] (۲۷) پس اگر مکان تقسیم کر دیا گیا ورثہ کے درمیان اور ان میں سے ایک کی نالی پڑ جائے دوسرے کی ملکیت میں یا راستہ ہو جائے

حاشیہ : (الف) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے چھ غلام تھے اور ان کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا اور انہوں نے موت کے وقت ان سبھوں کو آزاد کر دیا تو حضورؐ نے ان کا حصہ کیا اور دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام برقرار رکھا (ب) آپؐ نے فرمایا جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور جو اللہ کی حدود میں واقع ہے ایسا ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں قرعہ ڈالا پس بعض کو اوپر کا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا حصہ۔

بینهم ولاحدهم مسیل فی ملک الآخر او طریق لم یشترط فی القسمة فان امکن صرف الطریق والمسیل عنه فلیس له ان یستطرق ویسیل فی نصیب الآخر وان لم یکن فُسخت القسمة[۲۹۵۹](۲۸) واذا کان سفل لا علوَ له او عُلو لا سفلَ له او سفل له علو قوّم کل

جس کی تقسیم میں شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ پس اگر راستہ اور نالی کا اس سے پھیرنا ممکن ہو تو حصہ دار کے لئے جائز نہیں ہے کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے۔کے حصے میں۔اور اگر اس سے ہٹانا ممکن نہ ہو تو تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح: تقسیم کا قاعدہ یہ ہے کہ مکان کے ساتھ نکلنے کا راستہ بھی دوسرے حصے داروں کے راستے سے بالکل جدا ہو۔اسی طرح زمین کی تقسیم کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی پلانے کی نالی دوسرے حصہ داروں سے جدا ہو۔اور اگر مجبوری ہو تو تقسیم کے وقت ہی شرط لگادے کہ یہ مکان والا فلاں کے راستے سے گزرے گا یا یہ زمین والا فلاں کی نالی سے پانی پلائے گا۔تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔لیکن ایسی کوئی شرط نہیں لگائی پھر بھی ایک آدمی کی نالی دوسرے کے حصے سے گزر رہی ہے یا ایک آدمی کا راستہ دوسرے کے حصے میں ہو کر جاتا ہے۔پس اگر نالی مالک زمین کے حصے سے گزرنے کا امکان ہو اور گزر سکتی ہو تو دوسرے کی زمین سے نہ گزارے بلکہ اپنے حصے میں نالی کھودے اور وہاں سے پانی پلائے۔اسی طرح اپنے حصے میں راستہ نکالے اور اس پر چلے تاکہ آگے چل کر جھگڑا نہ پڑے۔لیکن اگر اپنی زمین سے نالی نہ نکال سکتا ہو یا اپنے حصے میں سے راستہ نہ نکال سکتا ہو تو یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔قاسم دوبارہ اس طرح تقسیم کرے کہ اپنی زمین میں نالی اور راستہ بن سکے۔

وجہ: بغیر شرط اور بغیر رضامندی کے ایک کا حصہ دوسرے میں چلا جائے اچھی بات نہیں ہے،جھگڑے کا باعث ہے(۲) لاضرر ولا ضرار کے خلاف ہے کیونکہ اس تقسیم سے دوسرے فریق کو ہمیشہ نقصان ہوتا رہے گا (۳) آیت میں ایسی تقسیم کو برا فیصلہ کہا گیا ہے۔آیت یہ ہے۔ **وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصیبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشرکائنا فما کان لشرکائهم فلا یصل الی الله وما کان لله فهو یصل الی شرکائهم ساء ما یحکمون** (الف)(آیت ۱۳۶،سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں کفار اللہ کا حصہ بتوں کو دیتے تھے تو اللہ نے فرمایا یہ کیسا برا فیصلہ ہے۔یہاں بھی ایک آدمی کے حصے میں دوسرے کا راستہ نکالا گیا یہ بھی فیصلہ اچھا نہیں ہے اس لئے ایسی تقسیم ٹوٹ جائے گی۔دوبارہ ایسی تقسیم کرے کہ ایک کا راستہ یا نالی دوسرے کی زمین میں نہ ہو۔

لغت: مسیل : سیل سے مشتق ہے،پانی پلانے کی نالی،اسی سے ہے یسیل ،پانی بہے۔

[۲۹۵۹](۲۸) اور اگر نچلا مکان ہو جس کا بالا خانہ نہ ہو،اور بالا خانہ ہو جس کا نچلا مکان نہ ہو۔اور نچلا مکان ہو جس کا بالا خانہ بھی ہو تو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائے اور تقسیم کرے قیمت کے ذریعہ،اور اعتبار نہیں ہوگا اس کے علاوہ کا۔

تشریح: بالا خانے کی قیمت نچلے مکان سے کم ہوتی ہے۔کیونکہ نیچے کے مکان میں اصطبل بنا سکتے ہیں ،دوکان بنا سکتے ہیں،بغیر سیڑھی کے

حاشیہ : (الف) اللہ نے جو کھیتی اور چوپایہ دیا اس میں سے حصہ کرتے ہیں اپنے گمان سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے۔پس جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہو وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے ہو وہ ان کے شرکاء تک پہنچتا ہے۔یہ بہت برا فیصلہ ہے۔

واحد على حدته وقسم بالقيمة ولا يعتبر بغير ذلك[۲۹۶۰](۲۹) واذا اختلف

کمرے میں جاسکتے ہیں۔اور اگر دیوار گر جائے تو پھر بھی زمین باقی رہتی ہے۔جبکہ بالا خانے میں اصطبل نہیں بنا سکتے، دوکان بنانا بھی مشکل ہے، بغیر سیڑھی کے کمرے میں نہیں جا سکتے۔اور اگر دیوار گر جائے تو بالا خانے کی زمین بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔اس لئے بالا خانے کی قیمت کم ہے اور نچلے مکان کی قیمت زیادہ ہے۔بغیر حصہ داروں کی رضا مندی کے ایک کو بالا خانہ دے دینا اور دوسرے کو اتنا ہی لمبا چوڑا نچلا مکان دے دینا درست نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ لگائیں اور اس سے توافق کریں۔

وجہ ایسے موقع پر قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال من اعتق شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه فی ماله فان لم يكن له مال قوم المملوك قيمة عدل ثم استسعی غير مشقوق عليه** (الف)(بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمۃ عدل،ص ۳۳۹،نمبر ۲۴۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت لگا کر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ بھی ہے کہ بالا خانے کی قیمت نچلے مکان سے آدھی ہونی چاہئے۔چنانچہ اگر کسی کو نچلا مکان دس گز دیا تو دوسرے کو صرف بالا خانہ دینا ہو تو بیس گز دیں تب دونوں کے حصے برابر ہوں گے۔

اصول وہ باطنی خوبیوں کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں مکان ہیں اس لئے ایک جنس ہی ہیں۔اس لئے بالا خانہ اور نیچے کا مکان برابر ہوں گے۔اس لئے اگر نیچے کا مکان کسی حصے دار کو دس گز والا دیا تو اوپر والے کو بھی دس گز والا دیں تب بھی برابر شمار کیا جائے گا۔

وجہ دونوں رہائش کے اعتبار سے برابر ہیں اس لئے گز سے برابر کر دینا کافی ہے۔

اصول پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ صرف ظاہری برابری کافی سمجھتے ہیں کما قال فی الھدایۃ، کتاب القسمۃ، ص ۴۱۸)

لغت سفل : نیچے کا مکان، علو : دوسری منزل کا مکان، بالا خانہ۔

[۲۹۶۰](۲۹) اگر اختلاف کیا تقسیم کرانے والوں نے، پس گواہی دی تقسیم کرنے والوں نے تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح جن لوگوں نے تقسیم کروایا تھا انہوں نے اختلاف کیا کہ ہم نے اپنے حصوں پر قبضہ نہیں کیا ہے۔اور تقسیم کرنے والے دو قاسم نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا ہے۔تو تقسیم کرنے والوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ یہاں دو نکتے ہیں اس لئے دونوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ایک نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرنے والے گواہی دے کر دبے زبان اپنا مطلب بھی نکال رہے ہیں کہ ہم نے تقسیم کا کام کیا ہے اس لئے ہم لوگ اجرت کے مستحق ہیں، اور داد کے مستحق ہیں۔اس اعتبار سے یہ لوگ اپنے لئے گواہی دے رہے ہیں۔اور اپنے لئے گواہی مقبول نہیں اس لئے قاسم کی گواہی مقبول نہیں ہونی چاہئے۔اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرانے والوں کے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ ان لوگوں نے واقعی اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کیا ہے اس اعتبار سے دوسرے کے خلاف گواہی ہوئی

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو اس کے مال میں اس کا چھٹکارا دلوانا ہے۔پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی انصاف والی قیمت لگائی جائے گی۔پھر وہ سعایت کر کے ادا کرے گا جو اس پر مشقت نہ ہو۔

المتقاسمون فشهدالقاسمان قُبلت شهادتهما [۲۹۶۱] (۳۰) وان ادّعی احدهم الغلط وزعم انه مما اصابه شیء فی ید صاحبه وقد اشهد علی نفسه بالاستیفاء لم یصدق علی ذلک الا ببینة[۲۹۶۲](۳۱) وان قال استوفیتُ حقی ثم قال اخذتُ بعضه فالقول قول

،اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے۔ کیونکہ اپنے لئے گواہی نہیں دی۔ اور یہی نکتہ راجح ہے اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی، کیونکہ گواہی دینے کا اصل مقصد یہی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل مقصد دوسرے کے خلاف گواہی دینی ہو لیکن پس پردہ اپنے لئے بھی گواہی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔گواہی قبول کر لی جائے گی۔

[۲۹۶۱] (۳۰) حصے دار میں سے ایک نے دعوی کیا غلطی کا اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضے میں ہے اور اپنی ذات پر گواہی دی وصول کرنے کی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ۔

تشریح ایک حصے دار دعوی کرتا ہے کہ قاسم نے تقسیم صحیح نہیں کی اور میرا کچھ حصہ فلاں حصے دار کے قبضے میں چلا گیا، ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اپنا حصہ وصول کر لیا۔ تو یہاں اس کے باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم کرنے کی خامی پر گواہی دلوائے تب اس کی بات مانی جائے گی۔

وجہ جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنا حصہ وصول کر لیا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ وصول کرتے وقت سمجھتا تھا کہ قاسم نے صحیح تقسیم کی ہے تب ہی تو حصہ وصول کرتے وقت کچھ نہیں بولا اور تقسیم کے صحیح ہونے کو تسلیم کر لیا۔ اب بعد میں کہتا ہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور میرا کچھ حصہ دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس کی باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم صحیح نہ ہونے پر دو گواہ پیش کرے گا تب اس کی بات مانی جائے گی اور تقسیم توڑ کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ ہاں! حصہ وصول کرنے سے پہلے کہتا کہ یہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی تو بغیر بینہ کے بھی اس کی بات مان لی جاتی۔

اصول مدعی کی بات میں تضاد ہو تو بینہ کے بغیر بات نہیں مانی جاےء گی۔

لغت استیفاء : وفی سے مشتق ہے، وصول کرنا۔

[۲۹۶۲] (۳۱) اور اگر کہے کہ میں نے اپنا حق لے لیا ہے، پھر کہے کہ میں نے اس کا کچھ حصہ لیا ہے تو مدمقابل کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

وجہ یہاں بھی مدعی کے قول میں تضاد ہے۔ پہلے کہتا ہے کہ اپنا حق لے لیا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ پورا حق لے لیا۔ اور پورا حق لینے کا اقرار کر لے پھر بعد میں کہے کہ بعض حق لیا ہے تو یہ تضاد ہے اس لئے بعض ہی لینے پر بینہ قائم کرنا چاہئے۔ اور اس کے پاس صرف بعض ہی لینے پر بینہ قائم نہیں ہے اس لئے مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی (۲) حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔ کتب ابن عباسؓ الیّ ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیه (الف) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے مجھے یہ بات لکھی کہ حضورؐ نے مدعی علیہ پر قسم کے ذریعہ فیصلہ کیا۔

خصمه مع یمینه[۲۹۶۳](۳۲) وان قال اصابنی الی موضع کذا فلم یسلمه الیَّ ولم یشهد علی نفسه بالاستیفاء و کذَّبه شریکه تحالفا وفُسخت القسمة[۲۹۶۴](۳۳) وان استحق بعض نصیب احدهما بعینه لم تُفسخ القسمة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی و

باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود، ص ۳۶۶، نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔

لغت فالقول قول خصمہ مع یمینہ : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تب مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

[۲۹۶۳] (۳۲) اور اگر کہا کہ مجھ کو فلاں جگہ تک پہنچانا چاہئے اور اس نے مجھ کو وہاں جا کر سپرد نہیں کیا اور اپنی ذات پر وصول کرنے کی گواہی نہیں دی۔ اور اس کے شریک نے جھٹلایا تو دونوں قسم کھائیں گے تو تقسیم توڑ دی جائے گی۔

تشریح شریک میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک پہنچانے کا وعدہ تھا لیکن وہاں تک نہیں پہنچایا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں نے اپنا حق ابھی تک وصول نہیں کیا ہے اور اس کے اوپر حق وصول کرنے کی گواہی نہیں دی۔ اور اس کا شریک اس کی تکذیب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں جگہ تک اس کا حصہ پہنچا دیا گیا ہے۔ یا یوں کہا کہ فلاں جگہ تک پہنچانے کا وعدہ نہیں تھا۔ اور دونوں کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں پھر تقسیم توڑ دی جائے اور دوبارہ تقسیم کرے۔

وجہ جب مدعی نے حصہ وصول کرنے کا اقرار نہیں کیا تو شروع سے تقسیم کو تسلیم ہی نہیں کیا اس لئے مدعی کی بات میں تضاد نہیں ہے اس لئے تقسیم توڑ دی جائے گی اور دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ رہ گئی بات فلاں جگہ تک حصہ پہنچانے کی تو اس میں دونوں مدعی اور دونوں مدعی علیہ ہیں۔ اور کسی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے دونوں قسمیں کھائیں اور تقسیم توڑ دیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی کی بات میں تضاد نہ ہو اور کسی حرکت سے تقسیم کو تسلیم نہ کیا ہو تو تقسیم توڑی جا سکتی ہے۔

لغت اصاب الی موضع : مجھ کو فلاں جگہ تک پہنچائے، یا فلاں جگہ پر ملے۔

[۲۹۶۴] (۳۳) اگر دونوں میں سے ایک کا خاص حصہ مستحق نکل جائے تو تقسیم نہیں ٹوٹے گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور رجوع کرے گا اس حصے کا اپنے شریک کے حصے سے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح مثلا ایک ہزار مالیت کی چیز تھی جس میں زید اور خالد حصے دار تھے۔ دونوں نے پانچ پانچ سو کی مالیت تقسیم کر کے لے لی۔ بعد میں زید کے حصے سے کسی خاص چیز میں دو سو مالیت کی چیز عمر کی نکل گئی اور عمر نے دو سو مالیت کی چیز لے لی۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس خاص جگہ میں کسی کے حصے نکلنے سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی اور دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ زید کو یہ حق ہوگا کہ دو سو میں سے ایک سو اس کا گیا اور ایک سو شریک یعنی خالد کے حصے میں گیا اس لئے ایک سو کی مالیت خالد سے وصول کرے۔

وجہ خاص چیز میں کسی کا حصہ نکلا ہے تو اس خاص چیز کی قیمت لگا کر شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

رجع بحصة ذلک من نصیب شریکه وقال ابو یوسفؒ تُفسخ القسمة.

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی اب دوبارہ تقسیم کرائے۔

وجہ زید نے تقسیم کے وقت سمجھا تھا کہ یہ پورا حصہ میرا ہے۔اب عمر کے لینے کی وجہ سے وہ حصہ چھوٹا ہو گیا جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کو نقصان ہو۔اور خالد سے جو حصہ ملے گا وہ دوسری جگہ سے ملیگا جس پر ممکن ہے کہ گھاٹا ہو اس لئے اس عدم رضامندی کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

﴿کتاب الاکراہ﴾

[۲۹۶۵](۱)الاکراہ یثبت حکمه اذا حصل ممن یقدر علی ایقاع ما توعد به سلطانا کان

﴿کتاب الاکراہ﴾

ضروری نوٹ کسی آدمی پر زبردستی کر کے کسی کام کے کروانے کو اکراہ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**من کفر بالله من بعد ایمانه الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان** (الف)(آیت ۱۰۶،سورۃ النحل ۱۶) دوسری آیت میں ہے۔**لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا ومن یکرھھن فان الله من بعد اکراھھن غفور رحیم** (ب)(آیت ۳۳،سورۃ النور ۲۴) ان دونوں آیتوں میں اکراہ کا تذکرہ ہے۔

[۲۹۶۵](۱) اکراہ کا حکم ثابت ہوتا ہے جب حاصل ہوا ہو ایسے آدمی سے جو دھمکی کے واقع کرنے پر قدرت رکھتا ہو، بادشاہ ہو یا چور۔

تشریح ایک بچہ مارنے کی دھمکی دے تو اس سے اکراہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا آدمی دھمکی دے جو اس کے کرنے پر قادر ہو، جیسے بادشاہ دھمکی دے کہ مار ڈالوں گا یا چور دھمکی دے کہ بیوی کو طلاق نہیں دے گا تو ہاتھ کاٹ ڈالوں گا تو اس سے اکراہ ثابت ہوگا۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے کہ آقا باندی کو زنا کرنے پر مجبور کرے تو وہ اکراہ ہوگا۔**ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** (ج)(آیت ۳۳،سورۃ النور ۲۴) اثر میں ہے۔**قال عمرؓ لیس الرجل بامین علی نفسه اذا جوعت او ثقت او ضربت** (د) دوسری روایت میں ہے۔**عن شریح قال الحبس کره والضرب کره والقید کره والوعید کره** (ہ)(سنن للبیہقی، باب ما یکون اکراھا، ج سابع، ص ۵۸۸، نمبر ۱۵۱۰۷/۱۵۱۰۸/مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص ۴۱۱، نمبر ۱۱۴۲۴/۱۱۴۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قید کرنا، مارنا، حبس کرنا اور دھمکی دینا سب اکراہ کی صورتیں ہیں۔یا باندھ دے، یا بھوکا رکھے یا مارے یہ بھی اکراہ کی صورتیں ہیں۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ اکراہ صرف بادشاہ سے ہو سکتا ہے۔کیونکہ اسی کو قوت مانعہ ہے۔البتہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے زمانے میں چوروں میں اتنی جرأت نہیں تھی اس لئے انہوں نے یہ فرمایا۔بعد میں حالات کی وجہ سے یہ جرأت پیدا ہوگئی اس لئے چور بھی طاقتور ہو تو اکراہ کر سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن الشعبی فی الرجل یکره علی امر من امر العتاق او الطلاق قال : اذا اکرھه السلطان جاز، واذا اکرھته اللصوص لم یجز** (و)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من کان یری طلاق المکرہ جائزا، ج

حاشیہ : (الف) جس نے ایمان کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا، مگر یہ کہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو (ب) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہو تا کہ تم دنیوی زندگی کے سامان کو تلاش کرو۔اور جو باندیوں کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کی مجبوری کی وجہ سے معاف کرنے والا ہے (ج) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہو (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا آدمی اپنی ذات پر امن والا نہیں ہے اگر اس کو بھوکا رکھا جائے یا باندھا جائے یا مارا جائے (ہ) حضرت شریح نے فرمایا جیل کرنا بھی مجبور کرنا ہے اور بیڑی لگانا بھی مجبور کرنا ہے اور دھمکی دینا بھی مجبور کرنا ہے (و) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی آزاد کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔فرماتے ہیں کہ اگر اس کو بادشاہ مجبور کرے تو جائز ہے اور اگر اس کو چور مجبور کرے تو جائز نہیں یعنی (باقی اگلے صفحہ پر)

او لصًّا [۲۹۶۶](۲)واذا اُکرہ الرجل علی بیع مالہ او علی شراء سلعۃ او علی ان یقرَّ لرجل بالف درھم او یُواجر دارہ واُکرہ علی ذلک بالقتل او بالضرب الشدید او

رابع، ص ۸۶، نمبر ۱۸۰۴۰ مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الاکراہ، ج سادس، ص ۴۱۰، نمبر ۱۱۴۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف بادشاہ ہی کی جانب سے اکراہ ہوسکتا ہے۔

لغت توعد : وعد سے مشتق ہے، دھمکی دے، لص : چور۔

[۲۹۶۶] (۲) اگر کسی آدمی کو مجبور کیا گیا اپنے مال کے بیچنے پر یا سامان خریدنے پر یا کسی آدمی کے لئے ہزار درہم کے اقرار کرنے پر یا اپنے گھر کو اجرت پر رکھنے پر یا مجبور کیا اس کو اس پر قتل کی دھمکی دے کر یا سخت مار کی یا قید کرنے کی، پس بیچ دیا یا خرید ا تو اس کو اختیار ہے چاہے بیع باقی رکھے اور چاہے اس کو فسخ کردے اور مبیع واپس لے لے۔

تشریح کسی آدمی کو مجبور کیا کہ وہ اپنا مال بیچ دے۔ یا کوئی سامان خریدے۔ یا کسی آدمی کے لئے ہزار درہم کا اقرار کرے۔ یا اپنے گھر کو اجرت پر رکھے۔ اور مجبور بھی کیا قتل کرنے کی دھمکی دے کر یا سخت مار کی دھمکی دے کر یا قید کرنے کی دھمکی دے کر۔ اس نے ان مجبوریوں کی وجہ سے سامان بیچ دیا یا خرید لیا تو یہ خریدنا پکا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے تو بیع اور شراء اور اجرت برقرار رکھے یا چاہے توڑ دے اور مبیع واپس لے لے اور اجرت کی چیز واپس لے لے۔

وجہ ان مسائل کا قاعدہ یہ ہے کہ جو عقد ایسا ہو کہ زبان سے نکلتے ہی جاری ہو جاتا ہو چاہے خوشی سے زبان سے نکالے یا مذاق سے نکالے یا کسی کے مجبور کرنے سے نکالے۔ ایسے عقود مجبور کرنے سے بھی کرے تو واقع ہو جائیں گے اور دوبارہ توڑ بھی نہیں سکتا۔ جیسے نکاح، طلاق، رجعت، آزاد کرنا۔ یہ سب کام کسی کے مجبور کرنے سے کیا تب بھی واقع ہو جائیں گے۔ مثلا کسی کے مجبور کرنے سے طلاق دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا کسی کے مجبور کرنے سے نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا۔ یا کسی کے مجبور کرنے سے رجعت کی تو رجعت ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مذاق سے بھی بولے تو رجعت ہو جاتی ہے، طلاق پڑ جاتی ہے اور نکاح ہو جاتا ہے اور آزادگی بھی واقع ہو جاتی ہے۔

وجہ پہلے کتاب الطلاق میں دلائل گزر چکے ہیں۔

اور ایسے عقد جو زبان سے نکلتے ہی واقع نہیں ہوتا بلکہ راضی خوشی سے عقد کرے تب عقد ہوتا ہے اور بعد میں فسخ کرے تو فسخ بھی ہو جاتا ہے۔ ایسا عقد مجبور اور اکراہ کر کے کرائے تو عقد تو ہو جائے گا لیکن عقد کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو اس کو توڑ دے۔ متن کے چاروں عقد ایسے ہی ہیں۔ مثلا مجبور کر کے بیع کروایا تو بائع کو اختیار ہوگا چاہے بیع برقرار رکھے چاہے بیع توڑ کر مبیع واپس کرے۔ مجبور کر کے کوئی سامان خریدوا دیا تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے بیع برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کردے اور اپنا ثمن واپس لے لے۔ مجبور کر کے اقرار کروایا تو اس کو اختیار ہے چاہے اقرار پر برقرار رہے چاہے انکار کردے۔ مجبور کر کے گھر کو اجرت پر دلوایا تو اس کو اختیار ہے کہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اس کو مجبوری شمار نہیں کریں گے۔

بالحبس فباع او اشتری فهو بالخیار ان شاء امضی البیع وان شاء فسخه ورجع بالمبیع [۲۹۶۷](۳) فان کان قبض الثمن طوعا فقد اجاز البیع وان کان قبضه مُکرها فلیس باجازة وعلیه ردّه ان کان قائما فی یده.

اجرت برقرار رکھے اور چاہے تو اجرت توڑ دے۔ کیونکہ یہ عقد رضامندی کے بغیر نہیں ہوئے (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔یا ایها الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم (الف) (آیت ۲۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ تجارت رضامندی سے ہو تو واقع ہوگی اور رضامندی سے نہ ہو تو وہ مال باطل کے درجے میں ہے اس کا کھانا حرام ہے۔اور زبردستی کر کے بیع وشراء کروایا تو رضامندی نہیں ہوئی اس لئے عقد تو ہو جائے گا لیکن اس کو برقرار رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو عقد رضامندی سے کرنے کا ہے اس میں زبردستی کرے تو عقد ہو جائے گا لیکن لازم نہیں ہوگا۔عقد ہو اس لئے جائے گا کہ عاقل بالغ آدمی نے ایجاب اور قبول کیا ہے۔

ایسے مواقع کے لئے تھوڑی بہت دھمکی سے اکراہ نہیں سمجھیں گے۔ہاں! نہ کرنے پر قتل کی دھمکی ہو، بے تحاشہ مار کی دھمکی ہو یا بہت دنوں تک قید کی دھمکی ہو تو اس کو اکراہ سمجھیں گے۔

وجہ اس کے لئے اثر گزر چکا ہے۔عن شریح قال الحبس کره، والضرب کره والقید کره والوعید کره (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یکون اکراھا، ج سابع، ص ۵۸۸، نمبر ۱۵۱۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص ۴۱۱، نمبر ۱۱۴۲۳)

لغت سلعة : سامان، الحبس : قید، یواجر : اجرت پر دینا۔

[۲۹۶۷] (۳) پس اگر بائع نے ثمن پر بخوشی قبضہ کیا تو گویا کہ بیع کو جائز قرار دے دیا، اور اگر زبردستی میں قبضہ کیا تو یہ اجازت نہیں ہوگی۔اور اس پر اس کا لوٹانا ہوگا اگر اس کے پاس موجود ہو۔

تشریح بائع نے بیع مجبور کرنے کی وجہ سے کی۔اب ثمن پر قبضہ کرنے کا مرحلہ آیا تو دیکھا جائے گا کہ خوشی سے ثمن پر قبضہ کرتا ہے یا مجبوری کے درجے میں، اگر مجبور کرنے کی وجہ سے کی تب تو بیع ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ بیع بھی اکراہ سے کیا اور ثمن پر قبضہ بھی اکراہ سے کیا۔اس صورت میں اگر ثمن اس کے پاس موجود ہو تو واپس کر دے۔اور اگر ثمن پر قبضہ خوشی سے کیا تو یہ اجازت سمجھی جائے گی اور بیع کرتے وقت اگر چہ مجبوری تھی لیکن ابھی اجازت ہوگئی اس لئے اب بیع درست ہو جائے گی۔ کیونکہ اب رضامندی ہوگئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بعد میں بھی رضامندی ہو جائے تو کافی ہے۔

لغت طوعا : خوشی سے۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! تم تمہارا مال آپس میں باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ہاں! مگر یہ کہ تمہاری رضامندی سے باہم تجارت ہو (ب) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ جیل کرنا اکراہ ہے۔اور مارنا اکراہ ہے اور بیڑی لگانا اکراہ ہے اور دھمکی دینا اکراہ ہے۔

[۲۹۶۸](۴) وان هلك المبيع في يد المشرى وهو غير مكره ضمن قيمته وللمكره ان يُضمِّن المكره ان شاء[۲۹۶۹](۵) ومن أكره على ان ياكل الميتة او يشرب الخمر فاُكره على ذلك بحبس او بضرب او قيد لم يحل له الا ان يُكره بما يخاف منه على

[۲۹۶۸](۴) اگر مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے اور وہ مجبور کیا ہوا نہیں تھا تو اس کی قیمت کا ضامن ہو جائے گا۔ اور مجبور کئے ہوئے کو حق ہے کہ وہ ضامن بنائے مجبور کرنے والے کو اگر چاہے۔

تشریح بائع کو کسی نے مجبور کر کے بیع کرایا۔ البتہ مشتری کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے خوشی سے خریدا تھا۔ مشتری کو چاہئے کہ بیع توڑ دے اور مبیع بائع کی طرف واپس کر دے۔ لیکن ایسا نہیں کرنے پایا کہ مبیع مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی۔ اب بائع کو دو اختیار ہیں۔ یا مشتری کو مبیع کی قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ اصل ہلاک تو اسی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ جس نے مجبور کیا تھا اس کو ضامن بنائے۔ کیونکہ اس کے مجبور کرنے کی وجہ سے مبیع مشتری کے ہاتھ میں گئی ہے۔ اس لئے اس کو بھی ضامن بنا سکتا ہے۔

وجہ ضائع کرنے والا ضامن ہو اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ومن قتل مأمنا خطأً فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله (الف) (آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں جس نے قتل کیا اس پر دیت لازم ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ ضائع کرنے والا ضامن ہوگا۔

اور جو ضائع ہونے کا سبب بنے اس پر بھی ضمان آ سکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال من اعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم العبد عليه قيمة عدل فاعطى شركائه حصصهم وعتق عليه العبد (ب) (بخاری شریف، اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامۃ بین الشرکاء، ص، نمبر ۲۵۲۲) اس حدیث میں شریک کے آزاد کرنے سے دوسرے شریک کو نقصان ہوا تو حضورؐ نے یوں فرمایا کہ دوسرے شریک کے حصے کی قیمت آزاد کرنے والا ادا کرے اور یہ حصہ بھی اسی کی جانب سے آزاد ہو جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس کے سبب سے نقصان ہوا ہو اس پر ضمان لازم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں مجبور کرنے والے کے سبب سے ضائع ہوا ہے اس لئے مجبور کرنے والے سے بھی بائع ضمان لے سکتا ہے۔

[۲۹۶۹](۵) اگر مجبور کیا اس بات پر کہ مردار کھائے یا شراب پیئے، اور اس پر مجبور کیا گیا حبس کرنے، یا مارنے، یا قید کرنے سے تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگا مگر یہ کہ مجبور کرے ایسی دھمکی سے جس سے خوف ہو جان پر یا اس کے عضو پر۔ پس جب اس کا خوف ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اقدام کرے اس چیز پر جس پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ دھمکی پر صبر کرے۔

تشریح حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کیا گیا۔ مثلا یہ کہ مردار کھانے پر یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا تو اگر قید کرنے یا تھوڑا بہت مارنے کی دھمکی

حاشیہ: (الف) کسی نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو اس کے بدلے میں مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے وارث کو ادا کرنا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام کو آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ غلام کی قیمت تک پہنچ سکتا ہو تو غلام کی انصاف ور قیمت لگائی جائے گی اور اس کے شرکاء کو ان کے حصے دیئے جائیں گے اور پورا غلام اس پر آزاد ہو جائے گا۔

نفسه او على عضو من اعضائه فاذا خاف ذلك وَسِعَه ان يُقدم على ما أُكره عليه ولا يسعه ان يصبر على ما تُوُعِّد به[۲۹۷۰](٦) فان صبر حتى اوقعوا به ولم يأكل فهو آثم .

دی گئی تو اس سے ان چیزوں کے کھانے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ہاں! قتل کرنے کی دھمکی ہو یا کسی عضو کو کاٹ لینے کی دھمکی ہو اور ظن غالب ہو کہ ایسا کر ہی ڈالے گا تب اس کے لئے گنجائش ہے کہ مردار کھالے یا شراب پی لے۔اب اس کے لئے اپنی جان دینا یا عضو کٹوانا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان چیزوں کی حرمت شدیدہ ہے اس لئے شدید دھمکی ہو تب ہی حلال ہوگی ورنہ نہیں۔آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔**انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم** (الف) (آیت ۱۷۳،سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔اور مجبوری کی تفسیر یہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ ہو اور بھوک سے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو تب کھانے کی گنجائش ہے (۲) دوسری آیت میں اس کی وضاحت ہے۔**حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير ... فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم** (ب) (آیت ۳،سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ مخمصۃ میں ہو یعنی پیٹ اتنا خالی ہو کہ جان جانے کا خطرہ ہو تب جائز ہے۔اس حال میں بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھا کر گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔اس لئے جان جانے کا یا عضو جانے کا خطرہ ہو تب کھانے کی گنجائش ہے۔

لغت یقدم : اقدام کرے،اس کام کو کرلے، توعد : وعد سے مشتق ہے،دھمکی دے۔

[۲۹۷۰](٦) پس اگر صبر کرے یہاں تک کہ کر گزرے اس کے ساتھ پھر بھی نہ کھائے تو وہ گنہگار ہوگا۔

تشریح قتل کرنے کی یا عضو کاٹنے کی دھمکی دی پھر بھی اس نے نہ مردار کھایا نہ شراب پیا۔آخر مجبور کرنے والے نے قتل کر دیا یا عضو کاٹ دیا تو نہ کھانے والا گنہگار ہوگا۔

وجہ اوپر کی آیت میں ہے کہ **فلا اثم عليه**، کہ ایسی صورت میں مردار کھالیا یا شراب پی لی تو اس پر گناہ نہیں ہے تو گویا کہ وہ چیز اس کے لئے حلال ہو گئی۔اب حلال چیز نہ کھائے اور جان دیدے یا عضو کٹوادے تو اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔بلا وجہ جان دینے یا عضو کٹوانے سے گنہگار ہوگا۔اس لئے صبر کرنے کی گنجائش نہیں کھالینا ضروری ہے۔گناہ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔**وانفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة** (ج) (آیت ۱۹۵،سورۃ البقرۃ) اس آیت میں ہے کہ جان کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔جس سے معلوم ہوا کہ حلال چیز کو نہ کھا کر اپنی جان دینا یا عضو کٹوانا گناہ کا کام ہے۔اور قتل کی دھمکی کی وجہ سے یہ حرام چیزیں اس کے لئے حلال ہو گئی تھیں۔

لغت اوقعوا : وقع سے مشتق ہے،اس میں واقع کر دیا،اس کام کو کر دیا جس کی دھمکی دیا کرتا تھا، آثم : گنہگار۔

حاشیہ : (الف) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔پس جو مجبور ہو گیا تو لذت تلاش کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے زیادہ کھانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں (ب) تم پر حرام کیا گیا ہے مردہ،خون اور سور کا گوشت...پس مخمصے میں مجبور ہو جائے تو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا ہے (ج) اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

[۲۹۷۱](۷) واذا اکرہ علی الکفر باللہ تعالی او بسبِّ النبی علیہ السلم بقید او حبس او ضرب لم یکن ذلک اکراھا حتی یکرہ بامر یخاف منہ علی نفسہ او علی عضو من

[۲۹۷۱](۷) اگر مجبور کیا گیا اللہ کے ساتھ کفر کرنے یا حضورؐ کو گالی دینے پر قید یا حبس یا مارنے سے تو یہ اکراہ نہیں ہے یہاں تک کہ مجبور کرے ایسی دھمکی سے کہ خوف ہو اپنی جان پر یا کسی عضو پر۔ پس جب یہ اندیشہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ بات ظاہر کرے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور توریہ کرے۔

تشریح اس مسئلے کا مطالبہ پہلے مسئلے سے سنگین ہے۔ پہلے مسئلے میں حرام چیز کھانے کا مطالبہ تھا۔ اس میں تو ایمان سے ہی ہاتھ دھونے کا مطالبہ ہے۔ مجبور کرنے والا اللہ کے ساتھ کفر کرنے یا حضورؐ کو برا بھلا کہنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس لئے مارنے یا قید کرنے سے اکراہ شمار نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ قتل کی دھمکی ہو یا کسی عضو کے کاٹنے کی دھمکی ہو تو اکراہ ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس کو گنجائش ہے کہ کلمۂ کفر زبان سے کہدے لیکن دل ایمان سے لبریز رہے۔ اگر دل سے کفر کر لیا یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ دے لیکن دل حضورؐ کی عظمت سے لبریز رہے۔ اگر دل سے کفر کر لیا یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ دیا تو ایمان جاتا رہے گا۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم** (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ جو مجبور کیا گیا اور وہ کلمۂ کفر بول دے بشرطیکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ دل سے کفر کا یقین کر لے تو وہ کافر ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم ہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو کفار نے پکڑا اور کفر کہلوایا اور حضورؐ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہلوایا۔ لیکن ان کا دل ایمان کے ساتھ لبریز تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے، دوبارہ ایسا موقع آئے تو ایسے ہی کر لینا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر عن ابیہ قال اخذ المشرکون عمار بن یاسر فلم یترکوہ حتی سب النبی ﷺ وذکر آلھتھم بخیر ثم ترکوہ فلما اتی رسول اللہ ﷺ قال ماورائک ؟قال شر یا رسول اللہ ماترکت حتی نلت منک وذکرت آلھتھم بخیر قال: کیف تجد قلبک ؟ قال مطمئن بالایمان قال عادوا فعد** (ب) (مستدرک للحاکم، تفسیر سورۃ النحل ۱۶، ج ثانی، ص ۳۹۸، نمبر ۳۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت مجبور کر دیا جائے، دل ایمان سے لبریز ہو تو توریہ کے طور پر کفر بول سکتا ہے یا حضورؐ کو برا بھلا کہہ سکتا ہے۔

حاشیہ: (الف) کسی نے ایمان کے بعد کفر کیا مگر جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جس کا کفر کے ساتھ شرح صدر ہو تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس پر دردناک عذاب ہوگا (ب) عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ ان کو مشرکین نے پکڑا اور حضورؐ کو گالی دیئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا پھر ان کو چھوڑا۔ پس جب وہ حضورؐ کے پاس آئے تو پوچھا کہ پیچھے کیا ہوا؟ کہا یا رسول اللہ! شر ہو گیا۔ اس وقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک آپ کو برا بھلا نہیں کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہیں کہا۔ آپؐ نے پوچھا، اس وقت آپ کے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کہا ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ آپؐ نے فرمایا پھر کبھی ایسا موقع آجائے تو ایسا ہی کر لینا۔

اعضائه فاذا خاف علی ذلک وَسِعَه ان یُظهر ما امروه به ویُورِّی[۲۹۷۲](۸) فاذا اظهر ذلک وقلبه مطمئن بالایمان فلا اثم علیه وان صبر حتی قُتل ولم یُظهر الکفر کان ماجورا[۲۹۷۳](۹) وان اُکره علی اتلاف مال مسلم بامر یخاف منه علی نفسه او علی

لغت سب : گالی برا بھلا کہنا، وسعہ : اس کو گنجائش ہے، اس کے لئے جائز ہے، یوری : توریہ سے مشتق ہے، ایسا جملہ کہنا جس سے مخاطب اپنے مطلب کی بات سمجھے حالانکہ قائل اس کا مطلب کچھ اور لیا ہے۔

[۲۹۷۲](۸) پس اگر یہ ظاہر کردے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ قتل کیا گیا اور کفر ظاہر نہیں کیا تو اس کو اجر ملے گا۔

تشریح دل ایمان سے لبریز ہو اور ڈر سے کفر بول دے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر آیت گزری اور حدیث بھی گزری کہ دل ایمان سے لبریز ہو تو آپؐ نے فرمایا کہ دوبارہ ایسا موقع آئے تو دوبارہ ایسا ہی کر لینا یعنی کفر بول دینا۔ اور آیت میں تھا کہ، الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گناہ نہیں ہوگا۔

اور اگر کفر نہیں بولا اور قتل کر دیا گیا تو ثواب ملے گا، گنہگار نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اس دھمکی کے باوجود کفر بکنا حلال نہیں ہوا اسی لئے فرمایا کہ توریہ سے کام لے۔ چونکہ حلال نہیں ہوا اس لئے اگر قتل کیا گیا تو ثواب ملے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن خباب بن الارت قال شکونا الی رسول الله ﷺ وهو متوسد بردة له فی ظل الکعبة فقلنا الا تستنصر لنا ؟ الا تدعولنا؟ فقال قد کان من قبلکم یوخذ الرجل فیحفر له فی الارض فیجعل فیها فیجاء بالمنشار فیوضع علی رأسه فیجعل نصفین ویمشط بامشاط الحدید من دون لحمه وعظمه فما یصده ذلک عن دینه** (الف) (بخاری شریف، باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر ص ۱۰۲۶، نمبر ۶۹۴۳) اس حدیث میں ہے کہ سر پر آرا چلایا پھر بھی ایمان سے نہیں ہٹے۔ اور اس کی تعریف حضورؐ نے کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہ بکے اور جان دیدے تو ثواب ہی ملے گا۔

[۲۹۷۳](۹) اگر مجبور کیا گیا مسلمان کے مال کو ضائع کرنے پر ایسی دھمکی سے جس سے اندیشہ ہو جان پر یا کسی عضو پر، اس کے لئے گنجائش ہے کہ یہ کرلے۔ اور مال کے مالک کے لئے جائز ہے کہ مجبور کرنے والے سے تاوان لے لے۔

تشریح یہ اکراہ پہلے دو مسئلوں سے آسان ہے۔ اس میں ہے کہ کسی نے مسلمان کے مال کو ضائع کرنے پر مجبور کیا اور مجبور بھی قتل کرنے کی دھمکی

حاشیہ : (الف) خباب بن ارت فرماتے ہیں کہ آپ کعبہ کے سایہ میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے کہ میں نے حالات کی شکایت کی۔ میں نے کہا کیا آپؐ ہمارے لئے مدد نہیں مانگتے؟ کیا آپؐ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے؟ تو فرمایا تم سے پہلے آدمی پکڑا جاتا تھا، اس کے لئے زمین کھودی جاتی تھی اور اس میں ڈال دیا جاتا تھا۔ پھر آری لائی جاتی تھی اور اس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ اور لوہے کی کنگی سے اس کا گوشت اور ہڈی چھیل لی جاتی تھی پھر بھی دین سے اس کو باز نہیں رکھ سکتا۔

عضو من اعضائه وَسِعَه ان يفعل ذلک ولصاحب المال ان يُضمِّن المكره[۲۹۷۴](۱۰) وان اكره بقتل على قتل غيره لم يسعه ان يقدم عليه ويصبر حتى يقتل فان قتله كان آثما [۲۹۷۵](۱۱)والقصاص على الذى اكرهه ان كان القتل عمدا.

دی یا عضو کاٹنے کی دھمکی دے کر کی۔ایسی صورت میں اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس کے مال کو ضائع کردے اور اپنی جان یا عضو بچالے۔ پھر صاحب مال کو دو اختیار ہیں یا تو ضائع کرنے والے سے ضمان لے لے یا جس نے مجبور کیا ہے اس سے ضمان لے لے۔

وجہ مال ضائع کرنے کی اجازت تو اس لئے ہو جائے گی کہ مجبوری کے موقع پر دوسرے کا مال کھانا حلال ہو جاتا ہے۔اسی طرح حرام چیزوں کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔اس لئے اس کا ضائع کرنا بھی حلال ہو جائے گا (۲) آیت میں ہے۔ **انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه ان الله غفور رحيم** (الف) (آیت ۱۷۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ آدمی مجبور ہو جائے تو حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے اور اس کو استعمال کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔اسی پر قیاس کر کے دوسرے کے مال کو بھی ضائع کرنا حلال ہو جائیگا۔

اور ضائع کرنے والے سے ضمان لے سکتا ہے اور مجبور کرنے والے سے بھی ضمان لے سکتا ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

[۲۹۷۴] (۱۰) اگر مجبور کیا قتل کی دھمکی سے دوسرے کے قتل کرنے پر تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کا اقدام کرے۔اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے، پس اگر اس کو قتل کر دیا تو گنہگار ہوگا۔

تشریح کسی ظالم نے کسی آدمی کو قتل کی دھمکی دی کہ فلاں کو قتل نہیں کرو گے تو تم کو ہی قتل کر دوں گا۔اس قتل کی دھمکی کے باوجود اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ فلاں کو قتل کرے بلکہ صبر کرے اور خود قتل ہو جائے۔اور اگر مجبور نے فلاں کو قتل کر دیا تو یہ گنہگار ہوگا۔

وجہ کسی کو قتل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔یہاں اپنی جان کو بچا کر دوسرے کو قتل کرنا کیسے جائز ہوگا۔دونوں کی جانیں برابر درجے کی محترم ہیں اس لئے اپنی جان بچا کر دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) آیت میں ہے۔ **ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا عظيما** (ب) (آیت ۹۳، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں مومن کو قتل کرنے پر چار قسم کی سزا سنائی گئی ہے۔اس لئے دوسرے کو قتل کرنا حلال نہیں ہوگا۔وہ صبر کرے اور خود قتل ہو جائے۔

لغت آثم : گنہگار۔

[۲۹۷۵] (۱۱) اور قصاص اس پر ہوگا جس نے مجبور کیا اگر قتل عمد ہے۔

تشریح گنہگار قتل کرنے والا بھی ہوگا اور مجبور کرنے والا بھی ہوگا۔البتہ اگر مجبور آدمی نے جان بوجھ کر قتل کیا تو قصاص مجبور آدمی سے نہیں لیا

حاشیہ : (الف) تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور اللہ کے نام کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو وہ سب حرام کیا گیا ہے، پھر جو مجبور ہو جائے بشرطیکہ لذت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں (ب) کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

[۲۹۷۶](۱۲) وان اُکرہ علی طلاق امرأتہ او عتق عبدہ ففعل وقع مااُکرہ علیہ.

جائے گا بلکہ جس نے مجبور کیا ہے اس سے قصاص لیا جائے گا۔

وجہ یہ آدمی حقیقت میں قتل کرنا نہیں چاہتا تھا دوسرے کے مجبور کرنے سے قتل کیا ہے۔اس لئے یہ دھاردار آلے کی طرح ہو گیا۔اور قاعدہ ہے کہ آلہ جو استعمال کرتا ہے اسی پر قصاص ہوتا ہے۔اسی طرح یہاں مجبور کرنے والے پر قصاص ہوگا (۲) اثر میں ہے۔قال سمعت ابا هريرةؓ يقول يقتل الحر الآمر ولا يقتل العبد ارأيت لو ان رجلا ارسل بهدية مع عبده الى رجل من اهداها ؟(الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأمر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع ص ۴۲۶، نمبر ۱۷۸۸۸) اس اثر میں ہے کہ آقا غلام کو قتل کرنے کا حکم دے تو آقا قتل کیا جاتا ہے۔اور یہاں تو مجبور کرنے والے نے پورا ہی مجبور کیا ہے۔اس لئے بدرجۂ اولی مجبور کرنے والا ہی قتل کیا جائے گا۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں خود قاتل قتل کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ اصل قاتل تو یہی ہے (۲) اثر میں ہے۔عن عطاء فی رجل امر رجلا حرا فقتل رجلا قال يقتل القاتل وليس على الامر شيء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأمر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع ص ۴۲۵، نمبر ۱۷۸۸۲) اس اثر میں ہے کہ خود قاتل قتل کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجبور کرنے والا اور جس کو مجبور کیا دونوں قتل کئے جائیں گے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کے دونوں قسم کے آثار ہیں (۲) وہ فرماتے ہیں کہ قاتل تو اس لئے قتل کیا جائے گا کہ اس نے قتل کیا۔اور مجبور کرنے والا اس لئے قتل کیا جائے گا کہ وہ قتل کا سبب بنا ہے۔

[۲۹۷۶] (۱۲) اگر اپنی بیوی کی طلاق پر مجبور کیا یا اپنے غلام کے آزاد کرنے پر اور ایسا کر دیا تو جس بات پر مجبور کیا وہ واقع ہو جائے گی۔

تشریح بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے اس نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔اسی طرح غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا اور اس نے آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اب واپس نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے اصول گزر چکا ہے کہ طلاق، نکاح، رجعت اور آزادگی زبان سے نکلتے ہی واقع ہو جاتی ہے چاہے مذاق میں کہے یا حقیقت میں۔اس لئے مجبور کرنے پر جیسے ہی طلاق کا لفظ یا آزادگی کا لفظ زبان سے نکلا فوراً طلاق واقع ہو جائے گی اور آزادگی بھی واقع ہو جائے گی (۲) حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال ثلاث جدهن جد وهزلهن جد، النكاح والطلاق والرجعة (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق علی الهزل ص ۳۰۵، نمبر ۲۱۹۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجد والهزل فی الطلاق، ص ۲۲۵، نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذاق میں بھی طلاق دیدے تو واقع ہو جاتی ہے۔اور یہاں تو اپنی جان بچانے کے لئے طلاق دے رہا

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ حکم دینے والا آزاد ہو تو قتل کیا جائے گا اور غلام ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا۔اگر کوئی آدمی غلام کے ساتھ ہدیہ بھیجے تو کس کا ہدیہ شمار کیا جاتا ہے؟ یعنی بھیجنے والے کا (ب) حضرت عطاؒ نے فرمایا کسی آدمی نے کسی آزاد آدمی کو قتل کا حکم دیا۔پس اس نے قتل کیا۔فرمایا قاتل قتل کیا جائے گا اور حکم دینے والے پر کچھ نہیں ہے (ج) آپ نے فرمایا تین چیزیں حقیت بھی حقیت ہیں اور مذاق بھی حقیقت ہیں نکاح، طلاق اور رجعت۔

[۲۹۷۷](۱۳) ویرجع علی الذی اکرھہ بقیمة العبد ویرجع بنصف مھر المرأة ان کان

ہے اس لئے واقع ہوجائے گی (۲) اثر میں ہے. عن ابراھیم قال ھو (یعنی طلاق المکرہ) جائز انما ھو شیء افتدی بہ نفسہ (الف) مصنف ابن ابی شیبة، ۴۸ من کان یری طلاق المکرہ جائزا، ج رابع، ص ۸۵، نمبر ۱۸۰۳۵/مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص ۴۱۰، نمبر ۱۱۴۱۹/۱۱۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجبوری میں دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے (۳) اس نے جان اور طلاق میں سے ایک کو اختیار کیا تو گویا کہ اختیار سے ہی طلاق دی اس لئے واقع ہوجائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مجبوری میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ سمعت عائشةؓ تقول : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الطلاق علی غلط، ص ۳۰۵، نمبر ۲۱۹۳/ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص ۲۹۳، نمبر ۲۰۴۶) دوسری روایت میں ہے۔ عن ابی ذر الغفاریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ (ج) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص ۲۹۳، نمبر ۲۰۴۳/بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ، ص ۷۹۳، نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث اور بخاری کے اثر سے معلوم ہوا کہ مجبور کئے ہوئے کی طلاق اور آزادگی واقع نہیں ہوگی۔

[۲۹۷۷] (۱۳) اور جس نے مجبور کیا اس سے غلام کی قیمت لے گا اور بیوی کا آدھا مہر اگر دخول سے پہلے ہو۔

وجہ مجبور آدمی غلام کو آزاد نہیں کرنا چاہتا تھا مجبور کرنے والے کی وجہ سے آزاد کیا ہے اس لئے گویا کہ اس نے نقصان دیا اس لئے غلام کی جو قیمت ہوسکتی ہے وہ مجبور کرنے والے سے وصول کرے۔ اسی طرح وطی سے پہلے طلاق دلوائی جس کی وجہ سے شوہر کو کچھ بھی نہیں ملا اور آدھا مہر دینا پڑا اس لئے یہ نقصان مجبور کرنے والے سے وصول کرے گا۔ کیونکہ اسی کے مجبور کرنے سے یہ نقصان ہوا ہے (۲) اوپر اثر گزر چکا ہے۔ سمعت ابا ھریرة یقول یقتل الحر الآمر ولا یقتل العبد، ارأیت لو ان رجلا ارسل بھدیة مع عبدہ الی رجل، من اھداھا؟ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الذی یأمر عبدہ فیقتل رجلا، ج تاسع، ص ۴۲۶، نمبر ۱۷۸۸۸) اس اثر میں غلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کے حکم دینے والے کو قتل کیا کیونکہ وہی اصل ہے۔ اسی طرح یہاں مجبور کرنے والے سے مہر اور غلام کی قیمت لی جائے گی کیونکہ وہی اصل میں نقصان دینے والا ہے (۳) اور شریک غلام آزاد کردے تو دوسرے شریک کو حق ہے کہ آزاد کرنے والے شریک سے اس کا نقصان وصول کرے کیونکہ وہ نقصان کا سبب بنا ہے۔ تفصیل اس حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال من اعتق شرکا لہ فی عبد فکان لہ مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیہ قیمة عدل فاعطی شرکاءہ حصصھم وعتق علیہ العبد

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا مجبور کی طلاق جائز ہے کیونکہ اس نے اپنی جان کے بدلے میں بیوی کو فدیہ دیا (ب) آپ فرماتے ہیں کہ زبردستی میں طلاق اور آزادگی واقع نہیں ہوتی (ج) آپ نے فرمایا اللہ نے اپنی امت سے خطا اور نسیان معاف کیا اور زبردستی کرے تو وہ بھی معاف فرمایا (د) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حکم دینے والا آزاد ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور غلام ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی غلام کے ساتھ کسی کو ہدیہ بھیجے تو تمہارا کیا خیال ہے کس نے یہ ہدیہ بھیجا؟ یعنی آمر نے ہدیہ بھیجا۔

قبل الدخول[۲۹۷۸](۱۴) وان أُکرہ علی الزنا وجب علیه الحد عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان یکرهه السلطان وقالا رحمهما الله تعالی لایلزمه الحد[۲۹۷۹] (۱۵)واذا أُکرہ علی الردّة لم تبن امرأته منه.

والا فقد عتق منه ما عتق (الف) (بخاری شریف، باب اذا عتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء، ص۳۴۲، نمبر۲۵۲۲) اس حدیث میں آزاد کرنے والے نے نقصان کیا تو اس کا تاوان اسی کو بھرنا پڑا۔

[۲۹۷۸] (۱۴) اگر مجبور کیا زنا پر تو اس پر حد واجب ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ بادشاہ اس کو مجبور کرے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

تشریح عورت سے زبردستی زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہوگی کیونکہ اس سے زبردستی کر سکتا ہے۔ لیکن مرد کو مجبور کیا جس کی وجہ سے زنا کیا تو انتشار آلہ زنا کرنے والے کا ہوا اس لئے اس پر حد واجب ہوگی۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حد لازم نہیں ہوگی۔

وجہ کیونکہ حد شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہاں شبہ ہے کہ خود سے زنا نہیں کیا اس لئے حد واجب نہیں ہوگی (۲) آیت میں ہے۔ ولا تکرهوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوة الدنیا ومن یکرههن فان الله من اکراههن غفور رحیم (ب) (آیت ۳۳، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ مجبوری میں زنا کرایا تو اللہ تعالی معاف کر دیں گے۔ اور جب حد حقوق اللہ ہے اس لئے وہ بھی معاف ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ ان صفیة بنت ابی عبید اخبرته ان عبدا من رقیق الامارة وقع علی ولیدة من الخمس فاستکرهها حتی اقتضها فجلده عمر الحد ونفاه ولم یجلد الولیدة من اجل انه استکرهها (ج) (بخاری شریف، باب اذا استکرهت المرأة علی الزنا فلا حد علیها، ص ۱۰۲۷، نمبر ۶۹۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مجبور کیا گیا اس پر حد نہیں ہے۔

[۲۹۷۹] (۱۵) اگر مجبور کیا مرتد ہونے پر تو اس کی بیوی بائنہ نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر آیت گزری جس سے معلوم ہوا کہ دل سے کفر کا اعتقاد نہیں کیا۔ مجبوری کی وجہ سے صرف زبان سے کلمۂ کفر بولا تو وہ مرتد ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کی بیوی جدا نہیں ہوگی اور نہ نکاح ٹوٹے گا۔ آیت یہ ہے۔ من کفر بالله من بعد ایمانه الا من اکرہ وقلبه

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مشترک غلام آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ غلام کی قیمت تک پہنچ سکتا ہو تو غلام کی انصاف ور قیمت لگائی جائے گی۔ اور اس کے شرکاء کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔ اور مال نہ ہو تو جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد رہے گا (ب) اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہوں تاکہ تم دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرو۔ اور جوان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کو مجبور ہونے کے بعد معاف کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے (ج) صفیہ بنت ابی عبید نے خبر دی کہ امارت کے ایک غلام نے خمس کی باندی پر زبردستی کر کے زنا کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو حد لگائی اور وطن سے باہر کر دیا اور باندی کو حد نہیں لگائی کیونکہ وہ مجبور کی گئی تھی۔

مطمئن بالایمان (الف) (آیت ۱۰۶، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے نکاح نہیں ٹوٹے گا (۳) حضرت عمار بن یاسر والی حدیث جو اوپر گزری اس میں بھی حضورؐ نے فرمایا کہ دوبارہ ایسا کرنا پڑے تو کر لینا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح نہیں ٹوٹے گا (مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ النحل ۱۶)، ج ثانی، ص ۳۸۹، نمبر ۳۳۶۲)

لغت تبن : بان سے مشتق ہے جدا ہونا، نکاح ٹوٹنا۔

حاشیہ : (الف) کسی نے ایمان کے بعد کفر کیا تو بہت برا ہے مگر یہ کہ مجبور کیا گیا ہو اس حال میں کہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔
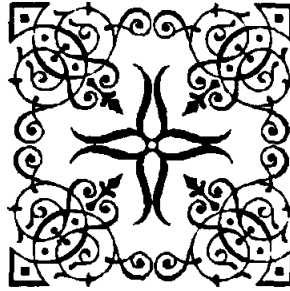
﴿ کتاب السیر ﴾

[۲۹۸۰](۱) الجهاد فرض علی الکفایة اذا قام به فریق من الناس سقط عن الباقین وان لم

﴿ کتاب السیر ﴾

ضروری نوٹ سیر سیرۃ کی جمع ہے۔اس کا ترجمہ ہے عادت، اخلاق۔لیکن اب سیر بولتے ہیں اس بات پر کہ جہاد کب واجب ہوگا۔کس کے ساتھ واجب ہے۔اور جہاد میں کفار کے ساتھ کیا معاملہ کریں اس کو سیر کہتے ہیں۔جہاد کی دو قسمیں ہیں۔جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی۔اگر کافر مسلمان پر حملہ بول دے تو اس کے مقابلے کے لئے نکلنے کو جہاد دفاعی کہتے ہیں۔یہ مرد، عورت، غلام سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔کیونکہ اپنی جان، مال، عزت کو بچانا ضروری ہے۔اور عام حالات میں جب کافر مسلمانوں پر دھاوا نہ بولا ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔کچھ لوگ جہاد کریں تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔جہاد کے ثبوت کے لئے بہت سی آیتیں ہیں۔جہاد دفاعی کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔**انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون** (الف) (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹) دوسری آیت میں ہے۔**یا ایها النبی حرض المومنین علی القتال** الخ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) ایک اور آیت میں ہے۔**یا ایها الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل o الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم** (ب) (آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض ہے (۳) حدیث میں ہے۔**عن انس بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ ... والجهاد ماض منذ بعثنی الله الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

[۲۹۸۰] (۱) جہاد فرض کفایہ ہے اگر قائم کرلیں لوگوں میں سے ایک جماعت تو ساقط ہو جائے گا باقی سے۔اور اگر کوئی بھی قائم نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

وجہ (۱) آیت میں ہے کہ ایک جماعت پر جہاد فرض ہے۔آیت یہ ہے۔**وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون** (د) (آیت ۱۲۲، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت

حاشیہ : (الف) نکلے ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں۔اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (ب) اے ایمان والو تم کو کیا ہو گیا؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو۔کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیوی زندگی سے راضی ہو گئے؟ پس دنیوی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہے۔اگر تم جہاد میں نہیں نکلے تو تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم لے آئے گا (ج) آپؐ نے فرمایا۔۔۔جب سے مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس وقت سے جہاد جاری رہے گا۔یہاں تک کہ میری امت کا آخری آدمی دجال سے قتال کرے گا۔یہ کسی ظالم کے ظلم سے یا عادل کے انصاف سے باطل نہیں ہوگا (د) مومن کے لئے اچھا نہیں ہے کہ سبھی نکل جائیں۔ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے ایک طائفہ تفقہ حاصل کرنے کے لئے نکلیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ واپس لوٹیں، شاید وہ ڈر جائیں۔

یقم به احد اَثِمَ جمیع الناس بترکه[۲۹۸۱](۲) وقتال الکفار واجب وان لم یبدؤنا.

سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اقدامی میں سب پر جہاد فرض عین نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ **سمع جابر بن عبد الله یقول سمعت النبی ﷺ یقول لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة** (الف) (مسلم شریف، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا الخ۔ ص ۸۷، نمبر ۱۵۶/ ابوداؤد شریف، باب فی دوام الجہاد، ص ۳۴۳، نمبر ۲۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ اس ایک جماعت سے اشارہ ہوتا ہے کہ باقی پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے فرض کفایہ ثابت ہوتا ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا هجرة بعد الفتح ولکن جهاد ونیة واذا استنفرتم فانفروا** (ب) (بخاری شریف، باب فضل الجہاد والسیر الخ، ص ۳۹۰، نمبر ۲۷۸۳/ مسلم شریف، باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام والجہاد والخیر الخ، ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۶۴) اس حدیث میں ہے کہ جب امیر بلائے تو جہاد میں جاؤ۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ بلائے اس پر جہاد میں جانا فرض نہیں ہے۔ اس سے بھی عام حالات میں فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۳) سب جہاد کرنے چلے جائیں تو گھر کا کام کون کرے گا اور گاؤں والوں کو کون سمجھائے گا۔ اس لئے بھی جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

[۲۹۸۱] (۲) کفار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ابتدا نہ کریں۔

تشریح کفار جنگ کی ابتدا نہ بھی کریں تب بھی کفر سے قتال واجب ہے۔

وجہ آیت میں ہے۔ **فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حیث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم ولیا ولا نصیرا** (ج) (آیت ۸۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کفر پشت پھیر کر بھاگ جائیں تب بھی ان کو پکڑ واور قتل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ پشت پھیر کر بھاگ گئے تو اب وہ قتال نہیں کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتال نہ کرے تب بھی ان سے جہاد کرنا واجب ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة واعلموا ان الله مع المتقین** (د) (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جس طرح کفار تمہارے ساتھ قتال کرتے رہے تھے تم بھی سب کفار سے قتال کرو۔ اور کفار ابھی ہیں اس لئے قتال بھی کرنا ہوگا چاہے وہ قتال نہ کریں (۳) حدیث میں ہے کہ مدینہ کے یہود نے سازباز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضورؐ اس کی طرف چلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی هریرةؓ انه قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول الله ﷺ فقال انطلقوا الی یهود فخرجنا معه حتی جئناهم فقال رسول الله ﷺ**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہمیشہ ایک جماعت حق کے لئے قتال کرتی رہے گی اور قیامت تک غالب آتی رہے گی (ب) آپؐ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت فرض نہیں ہے لیکن جہاد فرض ہے۔ اور اس کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر جہاد کے لئے بلائے جاؤ تو ضرور جہاد کے لئے جاؤ (ج) اگر پشت پھیر لے تو اس کو پکڑو اور جہاں پاؤ اس کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ بناؤ (د) مشرکین سے پورا پورا جنگ کرو جیسے وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور یقین کرو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

[۲۹۸۲](۳) ولا يجب الجهاد على صبى ولا عبد ولا امرأة ولا اعمٰى ولا مُقعد ولا اقطع

فناداهم فقال يا معشر يهود اسلموا تسلموا ... واني اريد ان اجليكم من هذه الارض (الف)(ابوداؤد شریف، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، ج ۲، ص ۶۶، نمبر ۳۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ انہوں نے ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر قتال شروع کئے بھی جہاد کیا جاسکتا ہے۔

لغت یبدأ : بدء سے مشتق ہے شروع کرنا،

[۲۹۸۲](۳) واجب نہیں ہے جہاد بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر اور نہ نابینا پر اور نہ اپاہج پر اور نہ لولے پر۔

وجہ یہ لوگ جہاد کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں (۲) بچے کے بارے میں بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبى حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص ۲۵۶، نمبر ۴۴۰۳) جب بچوں سے قلم اٹھالیا گیا اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمر نے جہاد میں جانا بھی چاہا تو نہیں جانے دیا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ عرضه يوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم يجزه وعرضه يوم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة فاجازه (ج) (بخاری شریف، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، ص ۵۸۸، نمبر ۴۰۹۷ رابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث میں پندرہ سال سے پہلے بچے کو جہاد میں جانے سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

غلام پر جہاد واجب نہیں ہے۔

وجہ وہ تو آقا کے حکم کے تحت ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر جمعہ میں بھی نہیں جاسکتا تو جہاد میں کیسے جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن الحارث بن عبد الله بن ابى ربيعة ان رسول الله ﷺ كان فى بعض مغازيه فمر باناس من مزينة فاتبعه عبد لامرأة منهم فلما كان فى بعض الطريق سلم عليه فقال فلان؟ قال نعم قال ما شأنک ؟قال اجاهد معک، قال أذنت لک سيدتک ؟قال لا ،قال ارجع اليها فاخبرها فان مثلک مثل عبد لا يصلى ان مت قبل ان ترجع اليها الخ (د)

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ یہود کے پاس چلو۔ ہم آپؐ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ یہود کے پاس آگئے۔ پس حضور کھڑے ہوئے اور ان کو آواز دی، فرمایا اے قوم یہود! اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے... میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس زمین خیبر سے باہر نکال دوں (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک عقل نہ آجائے (ج) حضورؐ کے پاس حضرت ابن عمرؓ کو جنگ احد کے وقت پیش کیا گیا اس وقت وہ چودہ سال کے تھے۔ تو اس کو اجازت نہیں ملی۔ اور غزوۂ خندق کے وقت پیش کیا اس وقت پندرہ سال کے تھے تو ان کو اجازت مل گئی (د) حضورؐ کسی غزوے میں تھے کہ مزینہ کے کچھ آدمیوں پر گزر ہوا تو ایک عورت کا غلام آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ پس راستے کے درمیان اس نے سلام کیا۔ آپؐ نے پوچھا فلاں ہو؟ کہا ہاں! پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ کہا آپؐ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا آپ کی سیدہ نے اجازت دی ہے؟ غلام نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا لوٹ جاؤ۔ اور بتاؤ کہ تم جیسے غلام اگر سیدہ کی طرف لوٹنے سے پہلے مرجائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳/سنن للبیہقی، باب من لا یجب علیہ الجہاد، ج تاسع، ص ۳۹، نمبر ۱۷۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے۔ البتہ آقا کی اجازت سے جا سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہجرت کے لئے بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کہتے تھے تو جہاد کے لئے کیسے کہیں گے۔ **عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی ﷺ علی الھجرۃ ولا یشعر النبی ﷺ انہ عبد فجاء سیدہ یریدہ فقال النبی ﷺ بعنیہ فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدا حتی یسألہ اعبد ھو** (الف) (نسائی شریف، باب بیعۃ الممالیک، ص ۵۸۴، نمبر ۴۱۸۹/ابن ماجہ شریف، باب البیعۃ، ص ۴۱۵، نمبر ۲۸۶۹) جب ہجرت پر بیعت نہیں لیتے تو جہاد پر بیعت کیسے لیں گے۔ اس لئے اس پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے، ہاں! نفیر عام ہو جائے تو اس پر بھی دفاعی جہاد فرض ہوگا۔

عورت پر جہاد فرض نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشۃ ام المومنینؓ قالت استأذنت النبی ﷺ فی الجہاد فقال جہادکن الحج** (ب) (بخاری شریف، باب جہاد النساء، ص، نمبر ۲۸۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے بلکہ اس کا جہاد حج کرنا ہے۔ البتہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہو سکتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **عن الربیع بنت معوذ قالت کنا مع النبی ﷺ نسقی ونداوی الجرحی ونرد القتلی** (ج) (بخاری شریف، باب مداواۃ النساء الجرحی فی الغزو، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مریضوں کو پانی پلاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مقتول کے پاس آ کر تیمارداری کرتی تھیں۔ عورتیں آج بھی ایسا کر سکتی ہیں۔

نابینا، اپاہج اور لولے پر جہاد فرض نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ولرسولہ ما علی المحسنین من سبیل** (د) (آیت ۹۱، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کمزور، بیمار اور جو خرچ کرنے کا مال نہیں رکھتا ہے ان پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جہاد نہیں ہے۔ آیت میں ہے۔ **لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج** (ہ) (آیت ۱۷، سورۃ الفتح ۴۸) دوسری آیت میں ہے۔ **لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم** (و) (آیت ۹۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا کہ جس کو ضرر ہو اور اپاہج ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے۔ **فاتی عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ان بنی ھؤلاء یمنعون ان اخرج معک واللہ**

حاشیہ: (الف) ایک غلام حضورؐ کے پاس آیا اور ہجرت کرنے پر بیعت کی۔ اور حضور کو پتا نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ پھر اس کا مالک اس کو لینے آیا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیچ دو۔ تو آپؐ نے دو کالے غلام کے بدلے اس کو خریدا۔ پھر یہ معلوم کئے بغیر کہ وہ غلام ہے آپؐ نے بیعت نہیں کی (ب) حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے جہاد کے لئے اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کا جہاد حج ہے (ج) ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ ہم عورتیں حضورؐ کے ساتھ جہاد میں تھیں۔ ہم پانی پلاتیں، زخمیوں کی تیمارداری کرتیں اور مقتول کو اپنی جگہ سے منتقل کرتیں۔ (د) کمزوروں پر، بیماروں پر اور لوگوں پر جو خرچ کرنے کے لئے مال نہیں پاتے کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ جہاد نہ کریں۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیر خواہی کرتے ہیں۔ اور اچھے کام کرنے والوں پر کوئی راستہ نہیں ہے یعنی الزام نہیں ہے (ہ) اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ جہاد نہ کریں اور نہ اپاہج پر اور نہ بیمار پر (و) جن کو حرج نہیں ہے وہ بیٹھنے والے مومن اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر نہیں ہو سکتے۔

[۲۹۸۳](۴) فان هجم العدو علی بلد وجب علی جمیع المسلمین الدفع تخرج المرأة بغیر اذن زوجها والعبد بغیر اذن مولی.

انی لارجو ان استشهد فاطأ بعرجتی هذه فی الجنة فقال له رسول الله ﷺ اما انت فقد وضع الله عنک الجهاد (الف)(سنن للبیہقی، باب من اعتذر بالضعف والمرض والزمانة والعذر فی ترک الجهاد، ج تاسع، ص۴۲، نمبر۱۷۸۲۱) اس حدیث میں ہے کہ معذور پر جہاد نہیں ہے۔

لغت تقعد : عقد سے مشتق ہے۔ جو بیٹھا ہوا ہو یعنی اپاہج، اقطع : قطع سے مشتق ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یعنی لولا۔

[۲۹۸۳](۴) پس اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے۔ نکلے گی بیوی اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

تشریح کافر دشمن کسی شہر پر چڑھ آیا، اس وقت اس شہر والوں پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور عام مسلمانوں پر بھی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ اس کے لئے عورت بغیر شوہر کی اجازت کے اور غلام بغیر آقا کی اجازت کے جہاد کے لئے نکل سکتے ہیں۔

وجہ آیت میں نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ یا ایها الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض، ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل○ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما (ب)(آیت ۳۸/۳۹، سورة التوبة ۹) جب جنگ عام ہو جائے ایسے موقع پر نہ نکلنے پر ان آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله (ج)(آیت ۴۱، سورة التوبة ۹)(۳) ایک اور آیت میں ہے۔ ما کان لاهل المدینة ومن حولهم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول الله ولا یرغبوا بانفسهم عن نفسه (د)(آیت ۱۲۰، سورة التوبة ۹) ان آیتوں میں بھی جہاد کے لئے نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے (۴) حدیث میں ہے کہ ہنگامی حالات میں امہات المومنین جہاد کے لئے نکلیں۔ عن انسؓ قال لما کان یوم احد انهزم الناس عن النبی ﷺ قال و لقد رأیت عائشة بنت ابی بکر وام سلیم وانهما لمشمرتان اری خدم سوقهما تنقزان القرب وقال غیره تنقلان القرب علی متونهما ثم

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن جموحؓ حضورؐ کے پاس آکر کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے بیٹے آپؐ کے ساتھ نکلنے سے روکتے ہیں۔ اور میں آپؐ کے ساتھ شہید ہونا چاہتا ہوں تاکہ لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت میں ملوں۔ آپؐ نے فرمایا تم سے اللہ نے جہاد معاف کر دیا ہے (ب) اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا جب تم کو اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کی طرف بوجھل ہوئے جاتے ہو۔ کیا آخرت کے مقابلے پر دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اگر نہ نکلے تو تم کو دردناک عذاب دیں گے (ج) ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں بھی نکلو (یعنی مال ہو تب بھی اور مال نہ ہو تب بھی جہاد میں نکلو) اور مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو (د) اہل مدینہ اور ان کے ارد گرد دیہاتیوں کو کیا ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں پیچھے رہتے ہیں۔ اور خود سے رغبت کا اظہار نہیں کرتے۔

[۲۹۸۴] (۵) واذا دخل المسلمون دار الحرب فحاصروا مدینة او حصنا دعوھم الی

تفرغانه فی افواه القوم ثم ترجعان فتملآنها ثم تجیئان فتفرغانه فی افواه القوم (الف) (بخاری شریف، باب غزو النساء وقتالھن مع الرجال، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۰ رمسلم شریف، باب غزوة النساء مع الرجال، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۱) اس حدیث میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ جہاد میں شریک ہوئیں اور صحابہ کی تیمارداری کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

[۲۹۸۴] (۵) اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں، پس اگر وہ مان لیں تو ان کے قتل کرنے سے رک جائیں۔

تشریح کفار سے قتال کرنے کا مقصد مسلمان بنانا ہے اس لئے اگر وہ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں تو قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاھم** (ب) (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷ رمسند احمد، باب مسند ابن عباس، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (۲) دوسری حدیث میں تفصیل ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن سلیمان بن بریدہ عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... واذا لقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصال او خلال. فایتھن ما اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم ثم ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم... فان ھم ابوا فسلھم الجزیة، فان ھم اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم، فان ھم ابوا فاستعن بالله وقاتلھم** (ج) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیة ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ رابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تب جزیہ کی پیشکش کرو۔ اس کو نہ مانے تب قتال کرو۔ اسلام قبول کرلے تو قتال سے رک جائے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ **عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله. فاذا قالوھا وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وذبحوا ذبیحتنا**

حاشیہ : (الف) جنگ احد کے دن لوگ شکست کھا کر حضورؐ سے پیچھے پیچھے رہ گئے تو حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ وہ کپڑا چڑھائی ہوئی تھیں اور مشکیزے سے زخمیوں کو پانی ڈال رہی تھیں۔ لوگوں نے کہا مشکیزہ اپنے کندھوں پر لا رہی تھیں پھر قوم کے منہ میں ڈالتی تھیں۔ پھر واپس بھر کر لاتی تھیں اور قوم کے منہ میں ڈالتی تھیں (ب) حضورؐ نے اسلام کی دعوت دیئے بغیر کسی قوم سے جنگ نہیں کی (ج) آپ جب کسی کو لشکر پر امیر بناتے... تو فرماتے جب تم مشرک دشمنوں سے مقابلے کے لئے آؤ تو ان کو تین باتوں کی طرف بلاؤ۔ جس بات کو بھی پسند کرلے تو ان سے قبول کرلو۔ اور ان سے جنگ روک لو۔ پھر ان کو اسلام لانے کی دعوت دو پس اگر اس کو پسند کرلے تو ان سے قبول کرلو اور جنگ روک دو۔ اور اگر انکار کردے تو ان سے جزیہ مانگو، پس اگر اس کو پسند کرے تو ان سے قبول کرلو اور جنگ روک دو۔ اور اگر اس سے بھی انکار کردے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے قتال کرو۔

الاسلام فان اجابوهم کفّوا عن قتالهم[۲۹۸۵](٦) وان امتنعوا دعوهم الی اداء الجزیة

فقد حرمت علینا دماؤهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله (الف)(بخاری شریف، باب فضل استقبال القبلة،ص ۵٦، نمبر۳۹۲رمسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ ص ۳۷، نمبر۲۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس لام لے آئے تو اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔

لغت حصن : محفوظ جگہ،قلعہ۔ اجابوا : قبول کرلے۔ کف : رک جائے۔

[۲۹۸۵](٦)اگر وہ رک جائیں تو بلائیں ان کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف،پس اگر وہ دیدیں تو ان کے لئے وہ ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں۔اوران پر وہ ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔

تشریح اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دینے کے لئے کہیں۔اگر وہ جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان کا خون، جان، مال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔اور جو حقوق مسلمانوں کو ملتے ہیں وہی حقوق ان کو بھی ملیں گے۔اور غلطیوں کی جو سزائیں مسلمانوں کو دی جاتی ہیں وہی سزائیں ان کو بھی دی جائیں گی۔گویا کہ معاملات میں وہ مسلمان کی طرح ہو گئے۔

وجہ جزیہ کی طرف بلانے کی دلیل اوپر کی حدیث میں تھی اور یہ بھی ہے کہ وہ جزیہ قبول کرلیں تو ان سے قتال روک دیا جائے گا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ... فان هم ابوا فسلهم الجزیة،فان هم اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم** (ب) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ، ج ۲،ص ۸۲، نمبر۱۷۳۱رابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین،ص ۳٦۱، نمبر۲٦۱۲) اس حدیث میں ہے کہ اسلام نہ لائے تو جزیہ کی طرف بلاؤ۔اور یہ کرلے تو ان سے جنگ روک دو(۲) آیت میں ہے۔**قاتلوا الذین لایؤمنون بالله ولاباليوم الآخر ولا یحرمون ما حرم الله ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون** (ج)(آیت ۲۹،سورة التوبة ۹)اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔

کفار جزیہ دینے لگیں تو اس کا حق مسلمانوں کی طرح ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔قال **علی من کانت له ذمتنا فدمه کدمنا** (د)(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث،ص ۱۰۷، نمبر۳۲٦۷)اس اثر میں ہے کہ جو ہماری ذمیت میں آجائے تو اس کا خون ہمارے خون کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہوں جب تک لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، پس جب کہہ لیں اور ہماری نماز پڑھنے لگیں اور ہمارے قبلے کا استقبال کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ہم پر ان کا خون اور ان کا مال حرام ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور ان کا باقی حساب اللہ پر ہے(ب) سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ...پس اسلام سے انکار کردے تو ان سے جزیہ مانگے۔پس اگر اس کو قبول کرے تو ان سے قبول کرلیں اور ان سے جنگ روک لیں(ج) جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور جو اللہ اور اس کے رسول حرام کرتے ہوں اس کو حرام نہ سمجھتے ہوں۔اور اہل کتاب میں سے جو دین حق کی اتباع نہ کرتے ہوں ان سے اس وقت تک جنگ کرتے رہئے یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں(د) حضرت علیؓ نے فرمایا جو ہمارے ذمی بن گئے ہیں ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہے۔

فان بذلوها فلهم ما للمسلمین وعلیهم ما علیهم [۲۹۸۶](۷) ولا یجوز ان یُقاتل من لم تبلغه دعوة الاسلام الا بعد ان یدعوهم[۲۹۸۷] (۸) ویستحب ان یدعو من بلغته الدعوة الی الاسلام ولا یجب ذلک.

طرح ہوجائے گا یعنی اس کا خون محفوظ ہوجائے گا۔

لغت بذل : خرچ کرے۔

[۲۹۸۶] (۷) اور نہیں جائز ہے کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ کہ اس کو دعوت دے۔

تشریح جن کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دیئے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ جب تک دعوت نہ دے لیتے کفار سے قتال شروع نہ کرتے۔ اس لئے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ تا کہ ان کو بھی پتا چل جائے کہ ہم اسلام کو عام کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مال لوٹنے اور لوگوں کو غلام باندی بنانے کے لئے جہاد نہیں کر رہے ہیں (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ... ثم ادعهم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منهم و کف عنهم** (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) (۳) ایک اور حدیث گزری۔ **عن ابن عباسؓ قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاهم** (ب) (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷/ مسند احمد، باب مسند عبد اللہ ابن عباسؓ، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دینے سے پہلے قتال نہ کرے۔

[۲۹۸۷] (۸) اور مستحب ہے کہ جس کو دعوت پہنچی ہو اس کو بھی دعوت دے اسلام کی لیکن واجب نہیں ہے۔

تشریح جن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو مستحب ہے کہ قتال سے پہلے ان کو دوبارہ دعوت دے۔ لیکن چونکہ دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

وجہ اوپر کی احادیث سے معلوم ہوا کہ دعوت دے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت نہیں دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ جن کو دعوت پہنچ چکی ہو اس کو دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **کتبت الی نافع فکتب الی ان النبی ﷺ اغار علی بنی المصطلق وهم غارون وانعامهم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتهم وسبی ذراریهم واصاب یومئذ جویریة** (ج) (بخاری شریف، باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وجامع وفدی وسبی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا... پھر ان کو اسلام لانے کی دعوت دو، پس اگر پسند کرے تو ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ روک دو (ب) حضورؐ نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دی (ج) حضورؐ نے بنی مصطلق پر رات میں دھاوا بولا کیونکہ وہ بھی دھاوا بولنے والے تھے۔ اور ان کے جانور چشمے پر چر رہے تھے۔ تو ان کے جنگ کرنے والے مردوں کو قتل کیا اور ان کے بچوں کو قید کیا اور اس دن حضرت جویریہؓ قید ہوئیں۔

[۲۹۸۸](۹) فان ابوا استعانوا بالله تعالی علیهم وحاربوهم ونصبوا علیهم المجانیق

الذریۃ، ص ۳۴۵، نمبر ۲۵۴۱) اس حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر غارت گری کی تھی۔

[۲۹۸۸](۹) پس اگر انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں۔ اور ان پر منجنیقین لگائیں اور ان کو جلائیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں اور ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں۔

تشریح جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ اور قتال کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جو اس زمانے میں رائج تھیں۔ مثلا ان پر منجنیق نصب کریں، ان کے گھروں کو آگ لگا دیں، ان پر گرم پانی چھوڑ دیں تا کہ وہ مر جائیں یا مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ ان کے درختوں کو کاٹ دیں۔ اور ان کی کھیتیوں کو اجاڑ دیں تا کہ وہ مجبور ہو جائے۔

وجہ جزیہ نہ دینے پر قتال کریں اس کی دلیل اوپر کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ **عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیه ... فان ابوا فاستعن بالله وقاتلهم** (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ دینے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو اللہ کا نام لیکر قتال شروع کرے۔ اس کے لئے منجنیق یا اس زمانے کا اٹم بم استعمال کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی عبیدؓ ان رسول الله ﷺ حاصر اهل الطائف ونصب علیهم المنجنیق سبعة عشر یوما** (ب) (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر حرق المنازل، ج تاسع، ص ۱۴۴، نمبر ۱۸۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پر منجنیق نصب کرے۔

جلانے کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وهی البویرة فنزل ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین** (ج) (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹/ بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیهم فی دیۃ الرجلین، ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱/ مسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقها، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۱۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے گھروں کو جلا سکتے ہیں۔ اور اس کے درختوں کو کاٹ سکتے ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو۔ اس حدیث میں درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے کی بھی دلیل ہے۔

کفار پر پانی چھوڑے یا اس کا پانی بند کرے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال امرنی رسول الله ﷺ ان اغور ماء آبار بدر** (د) (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر وحرق المنازل، ج تاسع، ص ۱۴۵، نمبر ۱۸۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا پانی بند کرے اور ضرورت پڑے تو گرم پانی اس پر ڈالے تا کہ میدان جنگ سے بھاگ جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت سلیمان کی حدیث میں ہے... پس اگر کفار جزیہ دینے سے بھی انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو (ب) آپؐ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر سترہ دنوں تک منجنیق متعین کئے رکھا (ج) آپؐ نے بنی نضیر کے باغ کو جلایا اور اس کو کاٹا جس کا نام بویرہ تھا۔ جس کی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جو تم تر درخت کاٹو یا اس کو تنے پر چھوڑ دو تو اللہ کے حکم سے ہے۔ اور فاسقوں کو ذلیل کرنے کے لئے ہے (د) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ بدر کے پانی کو نیچے اتار دوں۔

وحرقوهم وارسلوا عليهم الماء وقطعوا اشجارهم وافسدوا زروعهم[۲۹۸۹](۱۰) ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم اسير او تاجر وان تترسوا بصبيان المسلمين او

یہ سب کام ضرورت پڑنے پر کرے ورنہ اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے پھل دار درختوں کو نہ کاٹے اور نہ کھیتیوں کو برباد کرے۔

وجہ حضرت ابو بکرؓ کی وصیت میں ہے۔ **ان ابا بكر لما بعث الجنود نحو الشام يزيد بن ابی سفيان وعمرو بن العاص وشرحبيل بن حسنة ... وان هم ابوا فاستعينوا بالله عليهم فقاتلوهم ان شاء الله ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بيعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم وما حبسوا انفسهم له وستجدون آخرين اتخذوا الشيطان فی رؤوسهم افحاصا فاذا وجدتم اولئک فاضربوا اعناقهم ان شاء الله** (الف) (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق اذا کان الاغلب انها ستصیر دار اسلام او دار عھد، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵ رموطا امام مالک، باب النھی عن قتل النساء والولدان فی الغزو، ص ۴۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت نہ پھل دار درخت کاٹے اور نہ کھیتی اجاڑے۔

لغت مجانیق : منجنیق کی جمع ہے، پچھلے زمانے میں گولہ پھینکنے کا آلہ تھا اس کو میزائل کہنے لگے ہیں۔ ارسل : چھوڑنا، پھینکنا۔

[۲۹۸۹] (۱۰) اور کوئی حرج نہیں ہے ان پر تیر چلانے میں اگر چہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں۔ اور اگر وہ ڈھال کی طرح کرلیں مسلمان کے بچوں کو یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے۔ اور تیر مارنے کا ارادہ کریں کفار کو نہ کہ مسلمانوں کو۔

تشریح مسلمان بچوں کو یا قیدیوں کو کفار نے پکڑ لیا اور ان کو آگے کر دیا تا کہ مسلمانوں کا تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگے اور کفار بچ جائیں، ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر یا بندوق برسائے اور اس میں کفار کو مارنے کا ارادہ کرے۔ تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مر جائیں تو گناہ نہیں ہے کیونکہ ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری کی وجہ سے ان پر تیر لگا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو لیکن وہ درمیان میں آجائیں اور مقتول ہو جائیں تو گناہ نہیں ہے البتہ ارادہ کر کے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن المصعب بن جثامةؓ قال مر بی النبی ﷺ بالابواء او بودان فسئل عن اهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم وذراريهم ؟ قال هم منهم** (ب) (بخاری شریف، باب اہل الدار یبیتون فیصاب

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بکرؓ نے لشکر شام کی طرف بھیجا... اور یہ فرمایا اگر وہ جزیہ سے بھی انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگو اور ان شاء اللہ ان سے جنگ کرو۔ درختوں کو پانی میں نہ ڈباؤ اور نہ اس کو جلاؤ۔ اور نہ جانور کے پاؤں کاٹو اور نہ پھل دار درخت کاٹو۔ اور نہ گرجاؤں کو گراؤ اور نہ بچوں کو قتل کرو۔ اور نہ بوڑھوں کو اور نہ عورتوں کو قتل کرو۔ ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں محبوس کر رکھا ہے ان کو اسی حال پر چھوڑ دو۔ کچھ ایسے لوگ پائیں گے کہ شیطان کو اپنا سردار بنا رکھا ہے۔ ایسے لوگ ملیں تو اگر مناسب ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو (ب) مصعب بن جثامہ فرماتے ہیں کہ مقام ابواء یا مقام باودان میں حضورؐ میرے سامنے سے گزرے تو مشرکین کے گھروں میں جو لوگ عورتیں اور بچے رہتے ہیں ان کے بارے میں پوچھا۔ تو آپؐ نے فرمایا ان کا شمار مشرکین میں سے ہے۔

بالأسارٰی لم یکفوا عن رمیهم ویقصدون بالرمی الکفار دون المسلمین[۲۹۹۰](۱۱) ولا بأس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کانوا عسکرا عظیما یؤمن علیه

الولدان والذراری، ص۴۲۳، نمبر۳۰۱۲) اور طبرانی کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ **انه قال یا رسول الله اطفال المشرکین نصیبهم فی الغارة باللیل قال لا تعمدوا ذلک ولا حرج قال اولادهم منهم** (الف) (کنز العمال، ج ثانی، ص۲۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد اور عورتوں کو ارادہ کر کے مت مارو لیکن درمیان میں ان کو لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اسی پر قیاس کر کے مسلمان بچوں کو اور قیدیوں کو تیر لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ ان کا ارادہ کر کے تیر نہ پھینکے۔

کافروں کی عورتوں اور بچوں کو بلا وجہ قتل کرنا ممنوع ہے اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله ﷺ فنهی رسول الله عن قتل النساء والصبیان** (ب) (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر۳۰۱۵) اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں! عورت حملہ آور ہو تو وہ قتل کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر۹ میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی قول گزرا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ **ولا تقتلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء** (سنن للبیہقی، نمبر۱۸۱۲۵)

لغت تترسوا: ترس سے مشتق ہے ڈھال، الاساری: اسیر کی جمع ہے قیدی، لم یکفو: کف سے مشتق ہے نہ رکے، رمی: تیر پھینکنا۔

[۲۹۹۰](۱۱) اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بڑا لشکر ہو اور ان پر اطمینان ہو۔ اور ان کو لے جانا مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

تشریح لشکر بڑا ہو اور اطمینان ہو کہ ہار نہیں کھائیں گے اور کفار عورتوں کی توہین نہیں کر پائیں گے تو عورتوں اور قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر ہے جس میں خطرہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں عورتوں کی توہین ہوگی یا قرآن کریم کی توہین ہوگی تو ان کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں ہے۔

وجہ احادیث میں دونوں کا ثبوت ہے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو** (ج) (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص۴۱۹، نمبر۲۹۹۰ر مسلم شریف، باب النہی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدیہم، ج ۳، ص ۱۳۱، نمبر ۱۸۶۹) اس حدیث میں قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری حدیث میں وجہ یہ بیان کی کہ دشمن کہیں اس کی توہین نہ کرے۔ **مخافة ان یناله العدو** (مسلم شریف، باب مذکور، نمبر۱۸۶۹ر ۴۸۴۰)

حاشیہ: (الف) پوچھا یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد جنگ میں رات میں ملتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جان کر ان کو مت مارو، اور کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ان کی اولاد مشرک ہی ہیں (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو حضور کی جنگ میں قتل کیا ہوا پایا تو حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا (ج) آپؐ نے دشمن کی زمین میں قرآن لیکر سفر کرنے سے منع فرمایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن قرآن کی توہین کرے۔

ویکرہ اخراج ذلک فی سریۃ لایؤمن علیھا[۲۹۹۱](۱۲) ولا تقاتل المرأۃ الا باذن زوجھا ولا العبد الا باذن سیدہ الا ان یھجم العدو.

اور بڑا لشکر ہو تو لے جانا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمرؓ عن النبی و وقد سافر النبی ﷺ واصحابہ فی ارض العدو وھم یعلمون القرآن** (الف) (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان ہو تو قرآن ساتھ لے جاسکتا ہے۔

اسی پر عورت کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیونکہ وہاں توہین کا خطرہ تھا اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں اس لئے کہ وہ جگہ مدینہ دسے قریب ہے۔

لغت عسکر : لشکر، سریۃ : دستہ، فوج، چھوٹا لشکر، مصاحف : مصحف کی جمع ہے قرآن کریم۔

[۲۹۹۱](۱۲) قتال نہ کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن چڑھ آئے۔

تشریح دشمن چڑھ آئے تب تو اپنی اور قوم کی دفاع کے لئے بغیر شوہر کی اجازت سے عورت قتال کرے گی اور غلام بھی بغیر آقا کی اجازت کے قتال کرے گا۔ البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

وجہ غلام آقا سے اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس کی دلیل پہلے مسئلہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ **عن الحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ ان رسول اللہ ﷺ کان فی بعض مغازیہ فمر باناس من مزینۃ فاتبعہ عبد لامرأۃ منھم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیہ فقال فلان قال نعم! قال ما شانک ؟ قال اجاھد معک قال اذنت لک سیدتک؟ قال لا !قال ارجع الیھا فاخبرھا فان مثلک مثل عبد لایصلی ان مت قبل ان ترجع الیھا** (ب) (مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عورت کے لئے اس مسئلے پر قیاس کرسکتے ہیں۔ **سمعت عبد اللہ بن عمرؓ یقول جاء رجل الی النبی ﷺ یستأذنہ فی الجھاد فقال احی والداک ؟ قال نعم ! قال ففیھما فجاھد** (ج) (بخاری شریف، باب الجہاد باذن الابوین، ص ۴۲۱، نمبر ۳۰۰۴ رمسلم شریف، باب برالوالدین ایھما احق بہ، ج ۲، ص ۳۱۲، نمبر ۲۵۴۹، کتاب البر والصلۃ) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کی اجازت کے بغیر عام حالات میں جہاد میں نہ جائے، کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت بھی عام حالات میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ جائے کیونکہ اس کی خدمت کی

حاشیہ : (الف) حضور اور آپؐ کے اصحاب دشمن کے ملک میں سفر کرتے اور قرآن کو بھی سیکھتے سکھاتے رہتے (ب) آپ کسی غزوہ میں قبیلہ مزینہ کے کچھ لوگوں کے سامنے سے گزرے۔ پس ان میں کسی عورت کا غلام آپؐ کے پیچھے ہولیا اور راستے میں آپ کو سلام کیا تو آپؐ نے پوچھا فلاں ہو؟ کہا ہاں آپؐ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا آپؐ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا تیری سیدہ نے تم کو اجازت دی ہے؟ کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ اور اس کو بتاؤ کہ تم جیسے غلام سیدہ کے پاس واپس لوٹنے سے پہلے مرجائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس جہاد کی اجازت کے لئے آیا تو آپؐ نے پوچھا کیا والدین زندہ ہیں؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا ان کی خدمت کرو یہی تمہارا جہاد ہے۔

[۲۹۹۲](۱۳) وینبغی للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلّوا ولا یمثلوا ولا یقتلوا امرأة ولا

ضرورت ہے۔

[۲۹۹۲](۱۳) مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ دھوکا نہ کریں، خیانت نہ کریں، مثلہ نہ کریں، عورت کو قتل نہ کریں، بچے کو قتل نہ کریں، بالکل بوڑھے کو اندھے کو اپاہج کو قتل نہ کریں مگر یہ کہ ان میں سے کوئی جنگ کے بارے میں صاحب رائے ہو تو قتل کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے دھوکا نہ کرے۔ امانت میں خیانت نہ کرے، قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹے، عورت کو قتل نہ کرے، بچہ، بہت بوڑھا، اندھا اور اپاہج کو قتل نہ کرے، ہاں ان لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہو جو جنگ کے سلسلے میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ یا قتال میں شریک ہو تو کفار، ان کے بچے، بوڑھے، اندھے، عورت اور اپاہج کو قتل کر سکتا ہے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش او سریة اوصاه فی خاصته بتقوی الله عز وجل ومن معه من المسلمین خیرا ثم قال اغزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله اغزوا فلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (الف) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ دھوکا نہ دے، خیانت نہ کرے، مثلہ نہ کرے اور بچے کو قتل نہ کرے۔ اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله ﷺ فنھی رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبیان (ب) (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵/مسلم شریف، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، ص ۸۴، نمبر ۱۷۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اور اسی پر بہت بوڑھے کو قیاس کر لیں۔ ابوداؤد میں شیخ فانی کا لفظ بھی ہے۔ حدثنی انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ قال انطلقوا باسم الله وبالله وعلی ملة رسول الله، ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان الله یحب المحسنین (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴) اس حدیث میں ہے کہ بہت بوڑھے کو بھی قتل نہ کرے۔

البتہ اگر جنگ میں شرکت کرے یا جنگ میں رائے دے تو قتل کر سکتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخھم (د) (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰/

حاشیہ: (الف) حضورؐ جب کسی لشکر یا جماعت پر امیر بناتے تو اپنے بارے میں تقوی اختیار کرنے کی نصیحت کرتے۔ اور جو اس کے ساتھ مسلمان ہیں ان کے بارے میں خیر کرنے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستے میں کافروں کے ساتھ قتال کرو۔ جاؤ غزوہ کرو لیکن خیانت نہ کرنا، غدر نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضورؐ کے بعض غزوے میں مقتول پائی گئی تو حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ کے نام پر جاؤ اور بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ بچے کو نہ چھوٹے کو اور نہ عورت کو قتل کرو۔ خیانت نہ کرو، مال غنیمت کو جمع نہ کرو۔ اصلاح کرو، اور احسان کا معاملہ کرو، اللہ احسان کرنے والے کو پسند کرتے ہیں (د) آپؐ نے فرمایا مشرکین کے شیوخ کو قتل کرو اور ان کے بچوں کو چھوڑ دو۔

صبیا ولا شیخا فانیا ولا اعمیٰ ولا مقعدا الا ان یکون احد هؤلاء ممن یکون له رأی فی الحرب [۲۹۹۳](۱۴) او تکون المرأة مَلِکَة[۲۹۹۴]ً(۱۵) ولایقتلوا مجنونا

ترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کفار کے بوڑھوں کو قتل کرو۔ یہ وہی بوڑھے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں یارائے دیتے ہیں۔ اور عورت جنگ میں شریک ہو تو اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عکرمة ان النبی علیہ السلام رأی امرأة مقتولة بالطائف فقال الم انه عن قتل النساء؟ من صاحب هذه المرأة المقتولة ؟ قال رجل من القوم انا یا رسول الله اردفتها فارادت ان تصرعنی فتقتلنی فامر بها رسول الله علیہ السلام ان تواری (الف) (سنن للبیہقی، باب المرأة تقاتل فتقتل، ج تاسع، ص ۱۳۹، نمبر ۱۸۱۰۵) اس حدیث میں ہے کہ عورت نے مجاہد کو قتل کرنا چاہا تو وہ قتل کر دی گئی (۲) قتل کرنے کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو مجاہدین کے سامنے قتال کرنے آئے یا جوان ہونے کی جہ سے آنے کا امکان ہو وہ قتل کئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام بلاوجہ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

لغت یغدر : غدر سے مشتق ہے، عہد توڑنا، یغلو : غلول سے مشتق ہے خیانت کرنا، لایمثلوا : مثلة سے مشتق ہے ناک، کان وغیرہ اس طرح کاٹ دے کہ آدمی بدنما ہو جائے اس کو مثلہ کہتے ہیں، مقعد : قعد سے مشتق ہے، ہاتھ پاؤں اس طرح کٹا ہوا ہو کہ مجبور ہو کر بیٹھ جائے جس کو اپاہج کہتے ہیں۔

[۲۹۹۳](۱۴) یا یہ کہ عورت رانی ہو۔

تشریح عورت رانی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قتال کرانے کی پوری ذمہ دار یہ عورت ہی ہے اس لئے وہ قتل کی جائے گی۔

وجہ وہی قتال کا سبب ہے (۲) اوپر حدیث گزری۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله علیہ السلام اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے مشرکین کے شیوخ کو قتل کرو، اور رانی تو شیوخ سے بھی بڑا عہدہ رکھتی ہے اس لئے وہ بدرجۂ اولی قتل کی جائے گی (۳) اوپر بھی ایک حدیث گزری کہ ایک عورت نے مجاہد کو قتل کرنے کی کوشش کی تو وہ عورت قتل کی گئی۔ جب رانی فوج کے ذریعہ قتل کروا رہی ہے تو وہ بھی قتل کی جائے گی۔

لغت شرخ : بچہ

[۲۹۹۴](۱۵) اور نہ مجنون کو قتل کرے۔

تشریح جس طرح بچے کو عقل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی۔ اور بچے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک عورت کو طائف میں مقتول دیکھا تو فرمایا کیا تم لوگوں کو عورت کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس مقتولہ عورت کو قتل کرنے والا کون ہے؟ قوم کے ایک آدمی نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! میں نے اس کو سواری کے پیچھے بٹھایا تھا پس اس نے مجھے گرا کر مار دینا چاہا۔ پس حضورؐ نے اس عورت کو دفن کرنے کا حکم دیا (ب) آپؐ نے فرمایا مشرکین کے بوڑھوں کو قتل کرو اور ان کے بچوں کو چھوڑ دو۔

[۲۹۹۵](۱۶) وان رأی الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقا منهم وکان فی ذلک مصلحة للمسلمین فلا بأس به[۲۹۹۶](۱۷) فان صالحهم مدةً ثم رأی ان نقص الصلح

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم** (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ بچوں کو قتل مت کرو اسی پر قیاس کر کے مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

[۲۹۹۵] (۱۶) اگر امام مصلحت سمجھے اس بات پر کہ صلح کرے اہل حرب یا اس کے کسی فریق سے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح اگر مسلمانوں کی بہتری ہو اور امام کفار سے یا اس کے کسی فریق سے مصالحت کرنے میں بہتری سمجھے تو مصالحت کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے لئے بہتری نہ ہو تو مصالحت کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کفار صلح کے لئے مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ **وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله انه هو السمیع العلیم** (الف) (آیت ۶۱، سورة الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو اگر مصلحت ہو تو آپ بھی صلح کے لئے مائل ہو سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے کفار سے صلح حدیبیہ کی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن مسور بن مخرمه ومروان یصدق کل واحد منهما حدیث صاحبه قالا خرج رسول الله ﷺ زمن الحدیبیة ... لایسألوننی خطة یعظمون فیها حرمات الله الا اعطیتهم ایاها. فقال له النبی ﷺ علی ان تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف به ... فلما فرغ من قضیة الکتاب قال رسول الله ﷺ لاصحابه قوموا فانحروا ثم احلقوا** (ب) (بخاری شریف، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وکتابة الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱ رمسلم شریف، باب صلح الحدیبیة، ص ۱۰۴، نمبر ۱۷۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے لئے بہتری دیکھی تو کفار سے صلح حدیبیہ فرمائی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن المسور بن مخرمه ومروان بن الحکم انهم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیهن الناس وعلی ان بیننا عیبة مکفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۶) اس حدیث میں بھی ہے کہ آپؐ نے دس سال تک کے لئے کفار مکہ سے صلح کی۔

[۲۹۹۶] (۱۷) پس اگر کفار سے ایک مدت کے لئے مصالحت کی، پھر دیکھا کہ صلح توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح توڑ دے اور ان سے لڑے۔

حاشیہ: (الف) اگر وہ صلح کے لئے جھکے تو آپ بھی جھکئے۔ اور اللہ پر توکل کرو وہ سننے والا جاننے والا ہے (ب) فرمایا حضورؐ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے ... آپؐ نے فرمایا اللہ کی عزت کے لئے کوئی بات بھی کہیں گے تو میں اس کو کروں گا۔ پس آپؐ نے فرمایا ہمیں بیت اللہ چھوڑ دو ہم اس کا طواف کریں گے ... پس جب پرچہ لکھنے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ساتھیوں سے فرمایا کھڑے ہو اور اونٹ نحر کرو پھر حلق کراؤ (ج) مروان بن حکم فرماتے ہیں کہ حضورؐ دس سال تک جنگ ختم ہونے پر صلح کی تاکہ لوگ اس میں امن سے رہیں اور اس بات پر کہ اس درمیان جنگ بند رہے اور نہ قتل کرے اور نہ قید کرے۔

انفع نبذ الیهم وقاتلهم[۲۹۹۷](۱۸) فان بَدَؤُوا بخیانة قاتلهم ولم ینبذ الیهم اذا کان

تشریح مثلا دو سالوں کے لئے صلح کی تھی لیکن دیکھا کہ صلح توڑ دینا اور قتال کرنا مسلمانوں کے لئے بہتر ہے تو صلح توڑ دے اور قتال کرے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح توڑنے کی اطلاع کفار کو دے پھر قتال کرے۔اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے۔

وجہ اطلاع دیئے بغیر قتال کرے تو یہ غدر اور دھوکا ہے جو جائز نہیں ہے۔اس لئے اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے(۲) آیت میں ہے۔**واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین** (الف) (آیت ۵۸،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ خیانت کا خوف ہو تو اس کو اطلاع دے کر صلح توڑ دو(۲) حدیث میں ہے۔**سمعت سلیم بن عامر یقول کان بین معاویة وبین اهل الروم عهد وکان یسیر فی بلادهم حتی اذا انقضی العهد اغار علیهم فاذا رجل علی دابة او علی فرس وهو یقول الله اکبر وفاء لا غدر ،واذاهو عمرو بن عبسة ،فسأله معاویة عن ذلک فقال سمعت رسول الله ﷺ یقول من کان بینه وبین قوم عهد فلا یحلن عهدا و لا یشدنه حتی یمضی امده او ینبذ الیهم علی سواء ،قال فرجع معاویة بالناس** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الغدر،ص ۲۸۷،نمبر ۱۵۸۰/ابوداؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عھد فیسیر نحوہ ،ج ۲،ص ۲۳،نمبر ۲۷۵۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دشمن سے عہد و پیان ہو تو اس کو توڑنے کے لئے پہلے اس کو اطلاع دے پھر حملہ کرے۔

لغت نبذ الیھم : اس کا اصلی ترجمہ ہے اس کی طرف پھینکنا اور محاوری ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی طرف پھینک دینا یعنی عہد توڑ دینا۔

[۲۹۹۷](۱۸) اور اگر انہوں نے خیانت شروع کی تو ان سے قتال کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں جبکہ ان کے اتفاق سے ہوا ہو۔

تشریح کفار کے ساتھ صلح کا عقد تھا لیکن وہ سب ملکر عہد توڑ دیا اور خیانت کر لیا تو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر قتال کیا جا سکتا ہے۔البتہ اگر کچھ لوگوں نے نقض عہد کیا مثلا کچھ کفار نے اپنے سردار کو پوچھے بغیر دار الاسلام سے چوری کر لی یا کسی کو قتل کر دیا تو یہ تمام کفار کی جانب سے نقض عہد نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ تمام سے بالاتفاق نقض عہد نہ ہو۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔**الذین عاهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة وهم لا یتقون ٥ فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون** (ج) (آیت ۵۶/۵۷،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو بار بار عہد توڑے

حاشیہ : (الف) کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو آمنے سامنے صلح توڑ دو اس لئے کہ اللہ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتے (ب) حضرت سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور اہل روم کے درمیان صلح تھی۔پھر ان کے شہروں کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تا کہ جب عہد ختم ہو جائے تو ان پر حملہ کر دے۔اچانک ایک آدمی گھوڑے پر سوار اللہ اکبر لا غدر کہہ رہے تھے۔وہ عمرو بن عبسہ تھے۔تو حضرت معاویہؓ نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں نے حضور کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے عہد ہو تو عہد نہ توڑے اور نہ اس کو مضبوط کرے یہاں تک کہ عہد کا وقت گزر جائے یا آمنے سامنے صلح توڑ دے۔فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ لوگوں کو لیکر واپس لوٹ گئے (ج) جن سے آپؐ نے عہد کیا پھر اپنے عہد کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور تقوی اختیار نہیں کرتے۔پس اگر ان سے جنگ (باقی اگلے صفحہ پر)

ذلک باتفاقهم [۲۹۹۸](۱۹) واذا خرج عبيدهم الی عسکر المسلمين فهم احرار.

اس کوایسا مارو کہ بعد والے یادرکھیں (۲) حدیث میں ہے کہ کفار مکہ نے عہد توڑا تو اس کو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر چڑھائی کی اور فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔عہد توڑنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔وحديث عروة بمعناه قال ثم ان بنی نفاثة من بنی الديل اغاروا علی بن کعب وهم في المدة التي بين رسول الله ﷺ وبين قريش و کان بنو کعب فی صلح رسول الله ﷺ و کان بنو نفاثة فی صلح قريش فاعانت بنو بکر بنی نفاثة واعانتهم قريش بالسلاح و الرقيق فذکر القصة قال فخرج رکب من بنی کعب حتی اتوا رسول الله ﷺ فذکروا له الذی اصابهم وماکان من قريش عليهم فی ذلک،ثم ذکر قصة خروج رسول الله ﷺ الی مكة (الف) (سنن للبیہقی، باب فتح مکۃ حرمھا اللہ، ج تاسع ،ص۲۰۲،نمبر ۱۸۲۸۱ رمصنف عبد الرزاق، غزوۃ الفتح، ج خامس، ص۳۷۴،نمبر ۹۷۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود نقض عہد کرے تو اس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔اس پر چڑھائی کی جاسکتی ہے (۳) بخاری شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے لئے اتنا چھپ کر چلے کہ اہل مکہ کو بھی اس کی خبر پوری طرح نہیں ہو پائی۔اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔عن هشام عن ابيه قال لما سار رسول الله ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قريشا خرج ابو سفيان بن حرب وحکيم بن حزام وبديل بن ورقاء يلتمسون الخبر عن رسول الله ﷺ فاقبلوا يسيرون حتی اتوا مر الظهران الخ (ب) (بخاری شریف، باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح، ص۷۱۳، نمبر ۴۲۸۰، کتاب المغازی رمسلم شریف، باب فتح مکۃ، ص۱۰۲، نمبر ۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض عہد کی اطلاع کفار مکہ کو نہیں دی۔البتہ شدہ شدہ ان کو کچھ بھنک لگ گئی تھی (۴) جب دشمن نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب ان کو اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے؟

[۲۹۹۸](۱۹) اگر کفار کے غلام مسلمانوں کے لشکر کی طرف آجائے تو وہ آزاد ہیں۔

تشریح اگر کفار کے غلام مسلمان ہو کر مسلمانوں کے لشکر کے پاس آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا، اب وہ غلام نہیں رہے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن علیؓ قال خرج عبدان الی رسول الله ﷺ يعنی يوم الحديبية قبل الصلح فکتب اليه مواليهم فقالوا يا محمدً! والله ما خرجوا اليک رغبة فی دينک و انما خرجوا هربا من الرق ،فقال ناس صدقوا يا رسول الله ردهم اليهم، فغضب رسول الله ﷺ وقال ماأراکم تنتهون يا معشر قريش حتی يبعث الله عليکم من يضرب رقابکم علی هذا وابی ان يردهم وقال هم عتقاء الله عزوجل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی عبید المشرکین یلحقون

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کرتے ہو تو پیچھے سے مارو شاید وہ نصیحت حاصل کریں (الف) بنی دیل نے حملہ کیا بنی کعب پر۔اور وہ اس مدت میں تھے کہ حضورؐ اور قریش کے درمیان صلح تھی۔اور بنو کعب حضور کی صلح میں تھے۔اور بنو نفاثہ قریش کی صلح میں تھے۔اور بنو بکر نے بنو نفاثہ کی مدد کی اور قریش نے ان کی ہتھیار اور غلام سے مدد کی۔پھر قصے کا تذکرہ کیا۔فرماتے ہیں کہ بنو کعب کی ایک جماعت نکلی اور حضورؐ کے پاس آکر مصیبت کا تذکرہ کیا اور قریش نے اس کے خلاف جو کچھ کیا اس کا تذکرہ کیا۔پھر حضورؐ کے مکہ تک نکلنے کا تذکرہ کیا (ب) جب حضورؐ فتح مکہ کے سال نکلے تو یہ بات قریش کو پہنچی۔اس لئے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل حضورؐ کے بارے میں خبر معلوم کرنے کے لئے نکلے، پس حضورؐ چلتے ہوئے مرالظہران تک آئے (ج) صلح حدیبیہ کے دن کچھ غلام صلح سے پہلے حضورؐ کے پاس (باقی اگلے صفحہ پر) حاشیہ

[۲۹۹۹] (۲۰) ولا بأس ان یعلف العسکر فی دار الحرب ویأکلوا ما وجدوہ من الطعام

بالمسلمین فیسلمون، ج ۲، ص ۱۲، نمبر ۲۷۰۰ رترمذی شریف، باب مناقب علیؓ بن ابی طالب، ج ۲، ص ۲۱۲، نمبر ۳۷۱۵، کتاب المناقب) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ آزاد ہیں (۲) وہ اپنے مولی کو نیچا دکھلانے کے لئے آئے ہیں اور اپنی جان بچائی ہے اس لئے ان کی جان اسی شکل میں بچ سکتی ہے اور آقا کو نیچا دکھایا جا سکتا ہے جب وہ آزاد ہو جائیں۔

کفار کی باندی مسلمان لشکر کے پاس آجائے تو وہ بھی آزاد ہو جائے گی۔

وجہ اس کی دلیل اوپر کی احادیث ہیں (۲) اس آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ **یا ایھا الذین آمنوا اذا جاء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن الله اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن** (الف) (آیت ۱۰، سورۃ الممتحنۃ ۶۰) آیت میں ہے کہ مہاجرات مومنہ آجائیں تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو کیونکہ یہ ان کے لئے حلال نہیں رہیں۔ مومنات عورتیں باندی بھی ہو سکتی ہیں اور آزاد بھی۔ پس باندی حلال نہیں رہی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اب کفار کی باندی نہیں رہی آزاد ہو گئی۔ اس لئے اس آیت میں اشارہ ہے کہ کفار کی باندی ہجرت کر کے اسلامی لشکر کے پاس آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گی

[۲۹۹۹] (۲۰) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ لشکر چارہ کھلائیں دار الحرب میں یا کھانے میں جو پائیں اس کو کھائیں اور ایندھن استعمال کریں۔ اور قتال کریں ایسے ہتھیار سے جو پائیں بغیر تقسیم کئے ہوئے۔

تشریح میدان جنگ میں کفار کی کوئی چیز ملے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو بغیر تقسیم کئے اور بغیر اس میں خمس نکالے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مثلا کھانا مل جائے تو اس کو کھا سکتا ہے۔ لکڑی ملے اس کو جلا سکتا ہے، تیل مل جائے تو استعمال کر سکتا ہے یا ہتھیار ملے تو اس سے جنگ کر سکتا ہے۔ البتہ کسی چیز کی کمی ہو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو پانے والا ہی سب نہ لے لے بلکہ مناسب انداز میں تقسیم کر کے لے تاکہ دوسرے ساتھیوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

وجہ یہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور امیر کی جانب سے ایک گونہ ان کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر سے دور میدان جنگ میں ہیں اس لئے ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہم لوگ مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا کرتے تھے۔ **عن ابن عمرؓ قال کنا نصیب فی مغازینا العسل والعنب فنأکله ولا نرفعه** (ب) (بخاری شریف، باب ما یصیب

: (پچھلے صفحہ سے آگے) آئے تو ان کے آقاؤں نے حضور کو لکھا کہ اے محمدؐ! آپؐ کے دین میں رغبت کی وجہ سے نہیں آئے ہیں۔ وہ غلامیت سے بھاگنے کے لئے آئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے بھی تصدیق کی کہ یہ سچ کہتے ہیں غلاموں کو واپس کر دیجئے۔ تو حضورؐ غصے ہوئے اور فرمایا اے معشر قریش! لگتا ہے کہ تم اس وقت تک نہیں رکو گے جب تک اللہ تم پر ایسے لوگوں کو نہ بھیج دیں جو اس پر تمہاری گردنوں کو مارے۔ اور غلاموں کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں (الف) اے ایمان والو! مؤمن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔ اللہ تو پہلے ہی سے ان کا ایمان جانتے ہیں۔ اگر ان کو مومنہ سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ میں شہد اور انگور ملتا تو ہم لوگ اس کو کھاتے لیکن اٹھا کر نہیں رکھتے۔

ویستعملوا الحطب ویدھنوا بالدھن ویقتلوا بما یجدونہ من السلاح کل ذلک بغیر

من الطعام فی ارض الحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۴ر مسلم شریف، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب، ج ۲، ص ۹۷، نمبر ۱۷۷۲ر ابو داؤد شریف، باب فی اباحۃ الطعام بارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز استعمال کر سکتا ہے (۲) ایک حدیث میں ہے کہ ابو جہل ہی کی تلوار سے اس کو مارا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تلوار مل جائے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو استعمال کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **حدثنی ابو عبیدۃ عن ابیہ عن ابیہ قال: مررت فاذا ابو جھل صریع قد ضربت رجلہ فقلت یا عدو اللہ ! یا ابا جھل ! قد اخزی اللہ الآخر، قال ولا اھابہ عند ذلک فقال ابعد من رجل قتلہ قومہ فضربتہ بسیف غیر طائل فلم یغن شیئا حتی سقط سیفہ من یدہ فضربتہ بہ حتی برد** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی السلاح یقاتل بہ فی المعرکۃ، ص ۱۴، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث سے میں ہے کہ حتی سقط من یدہ فضربتہ بہ یعنی ابو جہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گری تو میں نے اسی کی تلوار سے اس کو مارا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقت ضرورت مال غنیمت کا ہتھیار استعمال کر سکتا ہے (۳) **عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت ھل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عھد رسول اللہ ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منہ مقدار ما یکفیہ ثم ینصرف** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی النھی عن النھی اذا کان فی قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق استعمال کرے اور باقی واپس کر دے۔

ضرورت سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کر کے لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ **عن عاصم یعنی ابن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجۃ شدیدۃ وجھد واصابوا غنما فانتھبوھا، فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ ﷺ یمشی علی قوسہ فاکفاء قدورنا بقوسہ ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال: ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ او ان المیتۃ لیست باحل من النھبۃ، شک ھناد** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی النھی عن النھی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۵ر بخاری شریف، باب قسمۃ الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸، کتاب الشرکۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوٹ کھسوٹ کر لینا جائز نہیں ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق دوسرے ساتھیوں کی رعایت کر کے لے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں گزرا تو دیکھا ابو جہل پڑا ہوا ہے اس کے پاؤں کاٹ دیا ہے۔ میں نے کہا اللہ کے دشمن ابو جہل ہو، آخر اللہ نے تم کو ذلیل کر دیا۔ کہنے لگا میں اس وقت اس سے نہیں ڈرتا، کہا اس کے بعد بھی ڈھٹائی ہے کہ اس کو اس کی قوم نے قتل کیا۔ پھر میں چھوٹی سی تلوار سے اس کو مارا لیکن کچھ نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کی تلوار ہاتھ سے گر گئی میں نے اس کی تلوار سے اس کو مارا تو وہ ٹھنڈا ہو گیا (ب) عبد اللہ بن ابی اوفی نے پوچھا کیا آپ لوگ حضورؐ کے زمانے میں کھانے میں خمس نکالتے تھے؟ فرمایا خیبر کے دن غنیمت میں کھانا ملا تو آدمی آتا اور اتنا لیتا جتنا اس کو کافی ہو جاتا پھر چلا جاتا (ج) انصار کے ایک آدمی کہتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔ ہمیں بہت بھوک لگی اور مشقت بھی ہوئی۔ اس دوران بکریاں غنیمت میں ملیں تو لوگوں نے ان کو لوٹ لیا۔ ہماری ہانڈی ابل رہی تھی کہ حضور کمان کے بل چلتے ہوئے آئے۔ پس قوس سے ہماری ہانڈیاں الٹ دی پھر گوشت کو مٹی میں ملا دیا پھر فرمایا لوٹی ہوئی چیز مردہ کی طرح حلال نہیں ہے یا یوں فرمایا مردہ لوٹی ہوئی چیز سے زیادہ حلال نہیں ہے۔ حضرت ہناد کو اس جملے میں شک ہے۔

قسمة[۳۰۰۰](۲۱) ولا یجوز ان یبیعوا من ذلک شیئا ولا یتموّلونه[۳۰۰۱](۲۲) ومن اسلم منهم احرز باسلامه نفسه واولاده الصغار وکل مال هو فی یده او ودیعة فی ید

لغت یعلف : چارہ کھلائے، یدھن : تیل لگائے، سلاح : ہتھیار۔

[۳۰۰۰](۲۱)اور نہیں جائز ہے کہ اس میں سے کچھ بیچے اور نہ ذخیرہ کرے۔

تشریح مال غنیمت کے تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کرسکتا ہے لیکن اس کو بیچے یا اس کو اپنے لئے ذخیرہ کرے اس کی اجازت نہیں ہے۔

وجہ اوپر بتلایا کہ بقدر ضرورت صرف استعمال کرسکتا ہے۔اور جو باقی بچے اس کو مال غنیمت میں واپس کردے۔**عن عبد الله بن ابی اوفی قال قلت هل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منه مقدار ما یکفیه ثم ینصرف** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن النہبی، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴)اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ نہ لے اور ذخیرہ نہ کرے۔اور بیچنا ممنوع ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی سعید الخدریؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم** (ب)(ترمذی شریف، باب فی کراہیۃ بیع المغانم حتی تقسم، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳)اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔

تقسیم سے پہلے اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔**عن عمرؓ بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی عقوبۃ الغال، ج ۲، ص ۱۵، نمبر ۲۷۱۳)اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلا دو اور مارو۔اور اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت لایتمولونہ : تمول سے مشتق ہے، اپنے لئے مال جمع کرنا۔

[۳۰۰۱](۲۲) کفار میں سے جو اسلام لے آئے تو وہ محفوظ کرلے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور اپنی چھوٹی اولاد اور وہ مال جو اس کے قبضے میں ہو یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں امانت ہو۔

تشریح کفار کو غلام بنانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ خود بھی آزاد شمار کیا جائے گا اور اس کی چھوٹی اولاد بھی آزاد شمار کی جائے گی اور قتل سے محفوظ رہیں گے۔اور جو اس کا مال ہے وہ مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو دے دیا جائے گا۔چاہے وہ مال اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان کے پاس امانت ہو۔یا کسی ذمی کے پاس امانت ہو۔البتہ جو مال حربی کے قبضے میں ہو وہ مال غنیمت شمار کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن ابی اوفی نے پوچھا کیا آپ لوگ حضورؐ کے زمانے میں کھانے میں خمس نکالتے تھے؟ فرمایا خیبر کے دن کھانا ملا لوگ آتے اور اپنی اپنی ضرورت کی مقدار لے جاتے پھر واپس ہو جاتے یعنی اس میں خمس نہیں ہے (ب) آپؐ نے غنیمت کے مال کو تقسیم کرنے سے پہلے خریدنے سے روکا (ج) آپؐ نے فرمایا اگر تم کسی آدمی کو پاؤ کہ اس نے غنیمت میں خیانت کی ہے تو اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مارو۔

مسلم او ذمی [۳۰۰۲](۲۳)فان ظهرنا علی الدار فعقاره فیء وزوجته فیء وحملها فیء

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله ﷺ غزا ثقیفا ... یا صخر ! ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماء هم واموالهم فادفع الی المغیرة عمته فدفعها الیه (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ج ۲ ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج)(۲) دوسری حدیث میں ہے۔ان ابا هریرةؓ ... وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لااله الا الله فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی الله (ب)(بخاری شریف، باب وجوب الزکوة ص ۱۸۷، نمبر ۱۳۹۹/مسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ، ص ۶۷، نمبر ۲۰/ابوداؤد شریف، باب علی مایقاتل المشرکون، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۰) ان احادیث میں ہے کہ اسلام لے آئے تو جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہیں اور جو حکم باپ یا ماں کا ہوتا ہے وہی حکم چھوٹی اولاد کا بھی ہوتا ہے۔اس لئے چھوٹی اولاد بھی آزاد ہوگی اور قتل سے محفوظ ہوگی۔

لغت احرز : محفوظ کرلے گا، حرز سے مشتق ہے، ودیعۃ : امانت کی چیز۔

[۳۰۰۲](۲۳) پس اگر ہم غالب آجائیں ان کے گھر پر تو اس کی زمین فیٔ ہوگی اور اس کی بیوی فیٔ ہوگی، اس کا حمل اور اس کی بڑی اولاد فیٔ ہوگی۔

تشریح حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان، اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے، لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔اس کی بیوی اگر ابھی تک حربیہ ہے تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگی۔اس بیوی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ بھی ماں کے تابع ہو کر مال غنیمت میں شمار ہوگا۔اور اس آدمی کی بالغ اولاد بھی مال غنیمت میں شامل رہے گی یہ لوگ محفوظ نہیں ہوں گے۔

وجہ یہ لوگ اور یہ چیزیں مسلمان ہونے والے آدمی کے تابع نہیں ہیں اس لئے اس کے مسلمان ہونے سے یہ چیزیں محفوظ نہیں ہوں گی۔مثلا زمین غیر منقولی چیز ہے اور اگر چہ مسلمان ہونے والے کی ملکیت ہے لیکن دار الحرب ہونے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی حکومت میں ہے۔اور وہ زمین بھی دار الحرب کی زمین شمار کی جاتی ہے اس لئے وہ مال غنیمت ہوگی۔

فائدہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ زمین بھی مسلمان ہونے والے آدمی کی ملکیت ہوگی اور مال غنیمت میں شمار نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی۔اور زمین بھی اس کا مال ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہوگی (۲) حضرت صخر کی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہؓ کی قوم نے ایمان لایا تو پانی کا کنواں واپس کیا، اور کنواں زمین کا حصہ ہے

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے قبیلہ ثقیف سے غزوہ کیا... آپؐ نے فرمایا اے صخر ! قوم اسلام لے آئے تو اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کر لیتی ہے۔اس لئے اس کی پھوپھی واپس دیدو۔تو اس کی پھوپھی اس کو واپس دیدی (ب) آپؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لا الہ کہنے تک جنگ کروں، پھر جب وہ کہہ لیں تو مجھ سے ان کا مال اور جان محفوظ ہو گیا۔مگر کوئی حق ہو تو اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

و اولاده الکبار فیء.

جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے زمین بھی محفوظ ہوگی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله غزا ثقیفا ... یا صخر ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالهم ودماء هم فادفع الی القوم ماء هم ،قال نعم یا نبی الله ! فرأیت وجه رسول الله ﷺ یتغیر عند ذلک حمرة حیاء من اخذه الجاریة واخذه الماء** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) اس حدیث میں پانی کا کنواں واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے دار الحرب کی زمین بھی محفوظ ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ **عن سلیمان بن بریدة عن ابیه عن النبی ﷺ انه کان یقول فی اهل الذمة لهم مااسلموا علیه من اموالهم وعبیدهم ودیارهم وارضهم وماشیتهم ،لیس علیهم فیه الا الصدقة** (ب) (سنن للبیہقی، باب من اسلم علی شیء فھو لہ، ج تاسع، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ذمی کو زمین بھی ملے گی جس پر قیاس کر کے حربی کو بھی زمین ملے گی اگر وہ اسلام لے آئے۔

بیوی اس لئے مال غنیمت میں شمار ہوگی کہ وہ مذہب کے معاملے میں شوہر کے تابع نہیں ہے۔ وہ عاقل بالغ ہے اس لئے اگر وہ بھی ایمان لاتی ہے تو وہ محفوظ ہوگی، اور اگر نہیں لاتی ہے تو وہ کافر رہے گی اور پکڑے جانے کے بعد مال غنیمت میں آکر باندی بنے گی (۲) کوئی مسلمان آدمی یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کرے تو شوہر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان شمار نہیں کی جائے گی اسی طرح شوہر کے اسلام لانے سے بیوی مسلمان شمار نہیں ہوگی۔ اس لئے اس پر غلبہ پانے کے بعد وہ مال غنیمت میں شمار ہوگی (۳) بلکہ شوہر کے اسلام لانے کے بعد اس کا نکاح ہی ٹوٹ جائے گا۔

حربیہ عورت کا حمل بھی فی ہوگا یعنی بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مال کی طرح مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

وجہ حمل ماں کا جز ہے اس لئے ماں مال غنیمت میں ہوگی تو اس کا حمل بھی مال غنیمت میں ہوگا (۲) اثر میں موجود ہے۔ **قال سفیان ونحن لا نأخذ بذلک ،نقول اذا استثنی ما فی بطنها عتقت کلها انما ولدها کعضو منها** (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یعتق امتہ ویستثنی مافی بطنھا والرجل یشتری ابنہ، ج تاسع، ص ۱۷۲، نمبر ۱۶۸۰۰) اس اثر میں ہے کہ بچہ ماں کے عضو کی طرح ہے اس لئے ماں حربیہ ہوگی تو اس کا حمل بھی حربی شمار ہوگا۔

بالغ اولاد ماں باپ کے تحت میں شمار نہیں کی جاتی ہے وہ خود عاقل بالغ ہیں اس لئے اگر وہ حربی ہیں تو حربی ہی شمار کی جائے گی اور باپ کے

حاشیہ : (الف) آپ نے قبیلہ ثقیف سے غزوہ کیا... فرمایا اے صخر! قوم جب اسلام لے آئے تو اپنے مال اور اپنے خون کو محفوظ کر لیتی ہے۔ اس لئے قوم کو اس کا چشمہ دے دو، کہا ہاں! اے اللہ کے نبی! میں نے حضورؐ کے چہرے کو دیکھا کہ حیا سے تبدیل ہو رہا ہے اور باندی اور چشمہ پر قبضہ کرنے سے آپ شرمندگی محسوس کر رہے ہیں (ب) حضورؐ اہل ذمہ کے بارے میں فرماتے تھے جو اموال پر اسلام لایا وہ سارا اس کا ہوگا۔ ان کا مال، غلام، گھر، زمین، چوپایہ ان پر صدقہ کے علاوہ کچھ لازم نہیں ہوگا (ج) حضرت سفیان نے فرمایا کہ ہم اس کو نہیں لیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ پیٹ میں جو حمل ہے اس کو مستثنی کیا تب بھی پوری باندی آزاد ہوگی کیونکہ اس کا بچہ اس کے عضو کی طرح ہے۔

[۳۰۰۳](۲۴) ولا ینبغی ان یباع السلاح من اهل الحرب ولا یجهز الیهم[۳۰۰۴] (۲۵) ولایُفادون بالاُسارٰی عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالی یُفادٰی بهم

اسلام لانے سے اس کو مسلمان نہیں شمار کیا جائے گا۔

لغت فی : مال غنیمت، ظہرنا علی الدار : دارالحرب پر قبضہ ہوگیا، عقار : زمین۔

[۳۰۰۳] (۲۴) مناسب نہیں ہے کہ ہتھیار حربیوں سے بیچے اور نہ اس کو یہ مال بھیجے۔

تشریح جب جنگ چل رہی ہو ایسے حالات میں اہل حرب سے ہتھیار بیچنا مناسب نہیں۔ اسی طرح وہاں ہتھیار بھیجنا بھی مناسب نہیں۔

وجہ اس ہتھیار سے مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس لئے اپنے ہی لوگوں کو نقصان پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ان سے ہتھیار بھی بیچنا مناسب نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصین قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنة (الف) (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عز وجل بہ، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۱) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔ اور حربی سے زیادہ کون فتنہ باز ہوگا۔ اس لئے ان سے بھی ہتھیا بیچنا یا اس کے ملکوں میں ہتھیار بھیجنا جائز نہیں ہوگا (۳) اس اثر میں ہے۔ عن الحسن قال لا یبعث الی اهل الحرب شیء من السلاح والکراع ولا ما یستعان علی السلاح والکراع (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما یکرہ ان یحمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حربیوں کو ہتھیار کے علاوہ دوسرے سامان بھی بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان کا استدلال حضرت ثمامہ بن اثال کے اس قول سے ہے جو لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ سمع اباهریرة قال ... ولا والله لایأتیکم من الیمامة حبة حنطة حتی یأذن فیها النبی ﷺ (ب) (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال، ص ۶۲۷، نمبر ۴۳۷۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی اجازت کے بغیر اہل مکہ کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سامان بھی اہل حرب کو نہ دے (۲) اوپر کا مصنف ابن ابی شیبہ کا اثر نمبر ۳۳۳۶۱ بھی ان کا مستدل ہے۔ کیونکہ اس میں ہے ولا ما یستعان به علی السلاح والکراع یعنی ہتھیار اور جو چیز جنگ میں مددگار ہو وہ بھی نہ دو۔

لغت تجہز : جہیز سے مشتق ہے، کسی چیز کو بھیجنا، السلاح : ہتھیار

[۳۰۰۴] (۲۵) اور نہ فدیہ دے قیدیوں کے بدلے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں رہا کرے۔

تشریح مسلمانوں کے قیدی کفار کے پاس ہیں اور کفار کے قیدی مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اب مسلمان قیدی لے کر کفار قیدی کو رہا کرے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے جنگ کے موقع پر دشمن سے ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا (ب) حضرت ثمامہ نے فرمایا خدا کی قسم یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی مکہ نہیں آئے گا جب تک حضورؐ اجازت نہ دیں۔

اُساری المسلمین.

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کرنا چاہئے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام وقت ایسا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

وجہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ کفار کو مارنا دنیا سے فتنے کو ختم کرنا ہے۔اس لئے مسلمانوں کو بچانے سے زیادہ کفار کو مارنا افضل ہے(۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔**ما كان لنبی ان یكون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرة والله عزیز حكیم** (الف)(آیت ۶۷،سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں ہے کہ نبی ﷺ کے پاس قیدی ہوں اور ان کو مار مار کر ختم نہ کریں ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو مار مار کر ختم کر دینا چاہئے۔اور مسلمان قیدی کے بدلے میں کفار قیدی کو دینا اس کو زندہ رکھنا ہے اس لئے اس کو نہیں دینا چاہئے (۳) دوسری آیت میں ہے۔**واقتلوهم حیث ثقفتموهم** (ب)(آیت ۱۹۱،سورۃ البقرۃ ۲)اور آیت میں ہے۔**فان تولو فخذوهم واقتلوهم حیث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم ولیا ولا نصیرا** (ج)(آیت ۸۹،سورۃ النساء ۴)ان دونوں آیتوں میں ہے کہ کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو۔اس لئے قیدی کو قتل کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔جب قیدیوں کے بدلے رہا نہیں کرسکتے تو مال کے بدلے بھی رہا نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قیدیوں کے بدلے رہا کرسکتے ہیں۔

وجہ ان کے یہاں مسلمانوں کو بچانا کفار کو صاف کرنے سے زیادہ اہم ہے تاکہ مسلمانوں میں بددلی پیدا نہ ہو۔اس لئے مسلمان قیدیوں کے بدلے کفار قیدیوں کو رہا کرسکتے ہیں (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔**فاذا لقیتم الذین كفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها** (د)(آیت ۴،سورۂ محمد ۴۷)اس آیت میں ہے کہ قید کرنے کے بعد یا احسان کرسکتے ہو یا فدیہ میں رہا کرسکتے ہو(۳) حدیث میں ہے کہ حضورؐ دو مسلمان قیدیوں کے بدلے ایک مشرک قیدی کو رہا کیا۔حدیث یہ ہے۔**عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشركین** (ہ) ترمذی شریف،باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء،ص ۲۸۵،نمبر ۱۵۶۸(۴) مسلم شریف میں یوں ہے۔**حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی قال غزونا فزاره وعلینا ابو بكر ... فبعث بها رسول الله ﷺ الی اهل مكة ففدی بها ناسا من المسلمین كانوا اسروا بمكة** (و)(مسلم شریف،باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری،ص ۸۹،نمبر ۱۷۵۵)ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیدی کے بدلے قیدی رہا کرسکتے ہیں۔

لغت یفادو : فدیہ دینا،کسی چیز کے بدلے رہا کرنا، اساری : اسیر کی جمع ہے قیدی۔

حاشیہ : (الف) کسی نبیؐ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہو یہاں تک کہ اس کا خون نہ بہائے،تم دنیوی سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔اللہ غالب ہے حکمت والا ہے(ب) جہاں کہیں پاؤ کفار کو قتل کرو(ج) پس اگر کفار پشت پھیریں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو دوست اور مددگار نہ بناؤ(د) جب کافروں سے مقابلہ پڑے تو گردنوں کو اتنا مارو کہ خون بہادو اور مضبوطی سے باندھو،پھر یا احسان کرو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے(ہ) آپؐ نے دو مسلمانوں کے بدلے میں ایک مشرک کو فدیہ میں دیا۔(و) حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ سے جنگ کی اور ہم پر امیر حضرت ابو بکر تھے... حضورؐ نے مکہ کی طرف بھیجا اور ان مسلمانوں کے بدلے فدیہ دیا جو مکہ میں قید ہوئے تھے۔

[۳۰۰۵](۲۶) ولا یجوز المن علیهم[۳۰۰۶](۲۷) واذا فتح الامام بلدة عنوة فهو بالخیار ان شاء قسمها بین الغانمین وان شاء اقرّاهلها علیها ووضع علیهم الجزیة وعلی

[۳۰۰۵](۲۶) کفار پر احسان کرنا جائز نہیں۔

تشریح بغیر کچھ لئے یوں ہی کفار کے قیدی کو رہا کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اوپر کی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان قیدی کے بدلے کفار قیدی کو رہا کرنا مناسب نہیں ہے تو کچھ لئے بغیر رہا کرنا کیسے جائز ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مصلحت ہو تو کچھ لئے بغیر بھی ان کے قیدی کو چھوڑ سکتے ہیں۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی آیت فاما منا بعد و اما فداء (آیت ۴، سورۂ محمد ۴۷) ہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بعض کفار کو بغیر کچھ لئے بھی رہا کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن انس ان ثمانین رجلا من اھل مکة ھبطوا علی النبی ﷺ واصحابه من جبال التنعیم عند صلواة الفجر لیقتلوھم فاخذھم رسول الله ﷺ سلما فاعتقھم رسول الله ﷺ فانزل الله عزوجل وھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکة الخ (الف) (آیت ۲۴، سورۃ الفتح ۴۸) اور دوسری روایت میں ہے۔ عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه ان النبی ﷺ قال لاساری بدر لو کان مطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی ھؤلاء النتنی لاطلقتھم له (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء، ج ۲، ص ۱۰، نمبر ۲۶۸۸/۲۶۸۹ / بخاری شریف، باب ما من النبی ﷺ علی الاساری من غیر ان یخمس، ص ۴۴۳، نمبر ۳۱۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام مصلحت سمجھے تو بغیر فدیہ لئے بھی کفار کے قیدی کو رہا کر سکتا ہے۔

[۳۰۰۶](۲۷) اگر امام کسی شہر کو طاقت سے فتح کرے تو اس کو اختیار ہے چاہے اس کو غازیوں کے درمیان تقسیم کر دے اور چاہے تو اس کے رہنے والے کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ مقرر کر دے اور اس کی زمین پر خراج مقرر کر دے۔

تشریح کسی شہر کو امام طاقت سے فتح کرے تو ان کو اس کی زمین کے بارے میں دو اختیار ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وہاں کے باشندے کو اس زمین پر برقرار رکھے اور باشندوں پر ذمی ہونے کے اعتبار سے جزیہ مقرر کر دے اور زمین پر خراج مقرر کر دے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ امام کو اس کا اختیار ہے۔ ما افاء الله علی رسوله من اھل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم

حاشیہ : (الف) اہل مکہ میں سے اسی آدمی فجر کی نماز کے وقت جبل تنعیم سے حضورؐ اور ان کے اصحاب پر اترے تا کہ ان کو شہید کرے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پکڑا اور ان کو آزاد کر دیا تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔ وہ اللہ کی ذات ہے جس نے تم سے اس کے ہاتھوں کو روکا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا وادی مکہ میں (ب) آپؐ نے بدر کے قیدیوں سے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا۔

اراضیهم الخراج.

عنه فانتهوا (الف) (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت آیا وہ اللہ اور رسول کا ہے۔ اس لئے اس کی جگہ جو امیر ہے اس کو تقسیم کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی اور اس کو چھتیس حصوں مین تقسیم فرمایا۔ اور پھر یہودوں کو ہی کام کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اور مکہ مکرمہ کو بھی طاقت سے فتح کیا لیکن اس کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔ بعد میں وہ لوگ ایمان لے آئے۔ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی گئی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجاهم الی قصرهم** (ب) اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن سهل بن ابی حثمة قال قسم رسول الله ﷺ خیبر نصفین، نصفا لنوائبه وحاجته ونصفا بین المسلمین قسمها بینهم علی ثمانیة عشر سهما** (ج) اور یہود کو اس زمین پر کام کرنے دیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ قال لما افتتحت خیبر سألت یهود رسول الله ﷺ ان یقرهم علی ان یعملوا علی النصف مما خرج منها فقال رسول الله ﷺ اقرکم فیها علی ذلک ماشئنا** (د) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶ / ۳۰۱۰ / ۳۰۰۸ / بخاری شریف، باب معاملۃ النبی ﷺ اهل خیبر، ص ۶۰۹، نمبر ۴۲۴۸، باب غزوۃ خیبر، ص ۷۰۳، نمبر ۴۱۹۷، کتاب المغازی) ان حدیثوں سے تینوں باتیں ثابت ہوئیں۔

لوگوں کو برقرار رکھے اور خراج لگائے اس کی دلیل اس اثر میں ہے۔ **ان عمر بن الخطاب بعث عثمان بن حنیف فمسح السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر حیث یناله الماء قفیزا و درهما** (ہ) (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) حضرت عمرؓ نے سواد یعنی عراق کی زمین فتح کی اور اس کے لوگوں کو ذمی قرار دیا اور ان پر خراج مقرر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ باشندوں کو بحال رکھ کر خراج مقرر کر سکتے ہیں (۲) **عن عثمان بن ابی سلیمان ان النبی ﷺ بعث خالد بن ولید الی اکید ردومة فاخذوه فاتوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزیة** (و) (سنن للبیہقی، باب من قال توخذ منهم الجزیۃ عربا کان اوعجما، ج تاسع، ص ۳۱۴، نمبر ۱۸۶۴۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جزیہ لے سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ طاقت سے فتح ہوا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان ابن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ غزا غزوة الفتح فی رمضان**

حاشیہ : (الف) اللہ نے اپنے رسول کو گاؤں والوں کی جو مال غنیمت دی وہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، رشتہ داروں کے لئے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ ہو جائے۔ اس لئے رسول جو دے اسے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ (ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی اور زمین اور باغ پر قبضہ کیا اور ان کو ان کے قلعے میں دبکے رہنے پر مجبور کیا (ج) آپؐ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا مصائب اور ضرورتوں کے لئے اور آدھا مسلمانوں کے درمیان اس کو تقسیم کیا اٹھارہ حصوں پر (د) عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو یہودیوں نے حضورؐ سے کہا کہ ان کو وہیں بحال رکھا جائے اس شرط پر کہ وہ آدھی بٹائی پر کام کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا جب تک چاہوں گا خیبر پر بحال رکھوں گا (ہ) حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیف کو بھیجا۔ انہوں نے عراق کی پیمائش کی اور آباد اور غیر آباد جس میں پانی پہنچتا ہو ایک جریب پر ایک قفیز یا ایک درہم (و) آپؐ نے خالد بن ولیدؓ کو اکید ردومہ کی طرف روانہ کیا۔ پس انہوں نے اس کو پکڑ کر لایا تو اس کے خون کو معاف کر دیا اور جزیہ پر صلح کی۔

[۳۰۰۷](۲۸) وھو فی الأسارٰی بالخیار ان شاء قتلھم وان شاء استرقّھم وان شاء

(الف) (بخاری شریف، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، ص۷۱۲، نمبر۴۲۷۵ر مسلم شریف، باب فتح مکۃ، ج۲، ص۱۰۲، نمبر۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ بزور طاقت ہوا۔ اس کے باوجود وہاں کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی (۲) اسی طرح عراق کی زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ امام کو دونوں اختیار ہیں۔

لغت عنوۃ : زبردستی کر کے لینا، غانمین : غانم کی جمع ہے، غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین۔

[۳۰۰۷](۲۸) اور امام کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دے اور چاہے ان کو غلام بنائیں، اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے۔

تشریح جو قیدی میدان جنگ میں ہاتھ آ گئے ان کے بارے میں امام کو تین اختیار ہیں۔ مصلحت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے (۱) اگر بہت شریر ہو تو ان کو قتل کر دے تا کہ اس کی شرارت سے بچ سکے (۲) مناسب سمجھے تو قیدیوں کو غلام بنا کر رکھے (۳) اور مناسب سمجھے تو آزاد چھوڑ دے۔ لیکن ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر رکھے تا کہ خراج اور جزیہ ادا کرتا رہے۔

وجہ احادیث میں تینوں کا ثبوت ہے۔ قیدیوں کو قتل کر دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدریؓ قال لما نزلت بنو قریظۃ علی حکم سعد بعث رسول اللہ ﷺ ... قال انی احکم ان تقتل المقاتلۃ وان تسبی الذریۃ قال لقد حکمت فیھم بحکم الملک** (ب) (بخاری شریف، باب اذا انزل العدو علی حکم رجل، ص ۴۲۷، نمبر۳۰۴۳ر مسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العھد وجواز انزال اھل الحصن علی حکم حاکم عدل اھل للحکم) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ دخل عام الفتح وعلی رأسہ المغفر فلما نزعہ جاء رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال اقتلوہ** (ج) (بخاری شریف، باب قتل الاسیر وقتل الصبر، ص ۴۲۷، نمبر۳۰۴۴ر مسلم شریف، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، ص ۴۳۹، نمبر۱۳۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدی کو مناسب سمجھیں تو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر مناسب سمجھیں تو زندہ رکھ کر قیدی بنا سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر کی حدیث بنی قریظہ میں یہ جملہ گزرا۔ **وان تسبی الذریۃ** (بخاری شریف، نمبر۳۰۴۳ر مسلم شریف، نمبر۱۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی بھی قیدی کو بنا سکتے ہیں۔

احسانا چھوڑ دیں اور ذمی بنا دیں اس کی دلیل یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **سمع ابا ھریرۃ یقول بعث رسول اللہ ﷺ خیلا قبل نجد فجاء ت برجل من حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال ... فقال ماذا عندک یا ثمامۃ فقال عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان تقتل تقتل ذا دم وان کنت ترید المال فسل تعط منہ ما شئت فقال رسول اللہ ﷺ اطلقوا ثمامۃ**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فتح مکہ کا غزوہ رمضان میں کیا (ب) بنو قریظہ حضرت سعدؓ کے حکم پر اترے تو حضورؐ نے بھیجا... حضرت سعدؓ نے فرمایا میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جنگجو قتل کئے جائیں اور ان کی اولاد قید کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا آپ نے فرشتے کا فیصلہ کیا (ج) آپؐ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ آپؐ کے سر پر خود تھا۔ پس جب خود کھولا تو ایک آدمی آیا اور کہا ابن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔

ترکھم احرارا ذمة للمسلمین [۳۰۰۸] (۲۹) ولا یجوز ان یردھم الی دار الحرب [۳۰۰۹] (۳۰) واذا اراد الامام العود الی دار الاسلام ومعه مواش فلم یقدر علی نقلھا

(الف) (مسلم شریف، باب ربط الاسیر وحبسه وجواز المن علیه، ج۲،ص۹۳،نمبر۱۷۶۴) اس حدیث میں حضرت ثمامۃ قیدی کو چھوڑ دیا قتل نہیں کیا۔دوسری حدیث میں ہے۔حدثنی عطیة القرظی قال کنت من سبی بنی قریظة فکانوا ینظرون فمن انبت الشعر قتل ومن لم ینبت لم یقتل فکنت فیمن لم ینبت (ب) (ابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد،ص۲۵۷،نمبر۴۴۰۴، کتاب الحدود) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کے طور پر چھوڑ بھی سکتے ہیں۔(۲) پہلے آیت گزر چکی ہے۔فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا (آیت۴، سورۂ محمد ۴۷) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔

[۳۰۰۸] (۲۹) البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو دار الحرب کی طرف جانے دیں۔

تشریح مسلمان قیدیوں کے بدلے میں نہیں بلکہ یوں ہی کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس جانے دیں یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ پھر تو حربی مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔اس لئے قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے (۲) آیت گزر چکی ہے کہ قیدیوں کو مارو، تو اس کو دار الحرب بھیجنا کیسے درست ہوگا۔ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرة (ج) (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ قیدیوں کو مارو اس لئے اس کو واپس بھیجنا درست نہیں ہوگا (۳) دوسری آیت میں ہے۔فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد (د) (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں بھی ہے کہ حربیوں کو قتل کرو اس لئے واپس بھیجنا اچھا نہیں ہے۔بلکہ اس آیت کی وجہ سے فاما منا بعد واما فداء (آیت ۴ سورۂ محمد ۴۷) والی آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

[۳۰۰۹] (۳۰) اگر امام دار الاسلام کی طرف واپس آنا چاہے اور اس کے پاس مویشی ہو اور اس کو دار الاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کو جلا دے نہ اس کا کونچ کاٹے اور نہ اس کو یوں ہی چھوڑ دے۔

 امام اور مجاہدین دار الحرب سے دار الاسلام جا رہے ہیں ان کے پاس دار الحرب کے کچھ مویشی ہیں اس کو دار السلام نہیں لے جا سکتا تو

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گھوڑ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ کر لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا...آپؐ نے پوچھا ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ یعنی تم کیا چاہتے ہو؟ کہا میرے پاس جو بات تھی وہ کہہ دی کہ اگر انعام کریں گے تو شکر گزار ہوں گا، اور قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے۔اور مال چاہئے تو مانگئے دوں گا۔آپؐ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو (ب) عطیہ قرظی فرماتے ہیں کہ میں بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھا تو وہ اندازہ لگاتے تھے کہ کس کو نیچے کا بال اگا ہے یعنی بالغ ہوا ہے اس کو قتل کرتے تھے۔اور جس کو بال نہیں اگا اس کو قتل نہیں کرتے۔اور میں اس میں تھا جس کو بال نہ اگا ہو (ج) کسی نبی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کے پاس قیدی ہو یہاں تک کہ وہ زمین میں خون بہائے یعنی قیدی کو قتل کرے۔تم دنیوی سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتے ہیں (د) جب اشہر حرم ختم ہو جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، ان کو پکڑو ان کو قید کرو اور ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو۔

الی دار الاسلام ذبحها و حرقها و لا یعقرها و لا یترکها.

اس کو حربیوں کے فائدے کے لئے نہ چھوڑے بلکہ اس کو ذبح کرے اور گوشت کو جلادے تا کہ اس سے حربی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

وجہ کفار کو فائدہ نہ اٹھانے دے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین (الف) (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ کفار کے درختوں کو چھوڑ دو یا کاٹ دو یہ اللہ کے حکم سے ہو اور اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کو شرمندگی ہو (۲) عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وهی البویرة (ب) (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱ رمسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار و تحریقھا، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۱۷۴۶) اس حدیث میں ہے کہ کفار کو مجبور کرنے کے لئے بنی نضیر کا درخت جلایا اور اس کو ویران کیا۔اسی طرح اس کے مویشی کو بھی قابل استفادہ نہ رہنے دیا جائے۔

لیکن اس کو زندہ جلانا جائز نہیں ہے اس لئے ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلادے یا دفن کر دے تا کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال لا تتخذوا شیئا فیه الروح غرضا (ج) (مسلم شریف، باب النھی عن صبر البھائم، ج ۲، ص ۱۵۳، نمبر ۱۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں مارنا چاہئے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس کو زندہ نہیں جلانا چاہئے اور نہ اس کی ٹانگ ہاتھ کاٹ کر چھوڑنا چاہئے۔کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوگی۔البتہ ذبح کرنا جائز ہے اور اس کے بعد گوشت جلانے میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہ چھوڑے یہ مثلہ ہے اور مثلہ ناجائز ہے۔اثر یہ ہے۔ان ابا بکرؓ لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان ... ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمة ولا شجرة تثمر (د) (سنن للبیھقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق الخ، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵) دوسری روایت میں ہے۔ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معه فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل (ہ) (سنن للبیھقی، باب تحریم قتل ما له روح الا بان یذبح فیوکل، ج تاسع، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کر کے اس کو جلائے بغیر ذبح کئے نہ جلائے۔کیونکہ فرمایا کہ ہاتھ اور ٹانگ کاٹ کر چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ لا تذبحوا بعیرًا ولا بقرا الا لمأکل (سنن للبیھقی، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف کھانے کے لئے ذبح کرے یوں ذبح نہ کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کی مویشی کو ذبح نہ کرے یوں ہی چھوڑ دے۔

حاشیہ : (الف) کوئی تر و تازہ درخت کاٹو یا اس کی جڑوں پر چھوڑ دو تو یہ اللہ کے حکم سے کرو تا کہ فاسقین ذلیل ہوں (ب) حضورؐ نے بنی نضیر کے باغوں کو جلایا اور کاٹا جس کا نام بویرہ تھا (ج) آپؐ نے فرمایا جس جانور میں روح ہو اس کو ڈھال کے طور پر مت بناؤ (د) حضرت ابو بکر نے جب لشکر شام کی طرف یزید بن سفیان کو روانہ کیا... نصیحت کی باغوں کو ڈبونا نہیں، اس کو جلانا نہیں، چوپائے کا پاؤں نہیں کاٹنا اور نہ پھل دار درختوں کو کاٹنا (ہ) حضرت ابو بکر نے یزید بن ابو سفیان کو شام کی طرف روانہ کیا تو ان کے ساتھ کچھ دیر تک چلے۔حدیث کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا اونٹ اور گائے کو ذبح نہ کرنا مگر کھانے کے لئے۔

[۳۰۱۰](۳۱) ولا یقسم غنیمة فی دار الحرب حتی یُخرجها الی دار الاسلام.

لغت یعقر : عقر سے مشتق ہے، کونچ کاٹنا یعنی پاؤں پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دینا، مواش : جانور، ماشیة کی جمع ہے۔

[۳۰۱۰](۳۱) دار الحرب میں غنیمت تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام تک نکال لائے۔

تشریح مال غنیمت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں لائے تب اس کو تقسیم کرے اس سے پہلے تقسیم نہ کرے۔

وجہ دار الحرب کے اندر جب تک مال غنیمت ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے اس مال کو واپس لے لیں، چونکہ خطرہ ہے اس لئے مال مکمل طور پر مسلمانوں کا ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان ابھی تقسیم نہ کرے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد مجاہد اس کا مالک ہوگا اس لئے اس کی حفاظت میں لگا رہے گا۔ اور اچانک کوئی جنگ ہوئی تو اس میں تن من دھن سے شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ مال کی حفاظت میں اس کا دل لگا رہے گا۔ اور اگر مال مجموعی طور پر رہے گا تو کچھ جماعت اس کی حفاظت کرے گی اور باقی لوگ جنگ میں کود پڑیں گے۔ اس لئے دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کرے۔ ہاں! اگر فتح کر کے دار الاسلام کے درجے میں لا چکا ہو اور دوبارہ کفار کے حملے کرنیکی امید نہ ہو تو چونکہ دار الاسلام کے درجے میں ہو گیا اس لئے وہاں مال غنیمت تقسیم کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان انسا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حیث قسم غنائم حنین (الف) (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمة فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی گئی اور جعرانہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس وقت دار الاسلام بن چکا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرے (۲) خیبر میں جو مال تقسیم کیا وہ اس لئے کہ خیبر فتح کرنے کے بعد وہ دار الاسلام کے درجے میں ہو چکا تھا۔ اور دوبارہ یہودیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عبارت یوں ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجأهم الی قصرهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ اپنے محل میں بند رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ دار الاسلام کے قریب ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ امام محمد: کی رائے یہ ہے کہ دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز تو ہے لیکن مذکورہ وجوہ کی وجہ سے بہتر نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بنو قریظہ کے مال اور عورتوں کو تقسیم کیا۔ عن ابن عمرؓ ان یهود النضیر وقریظة حاربوا رسول الله ﷺ ... فقتل رجالهم وقسم نساء هم واموالهم واولادهم بین المسلمین (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی خبر النضیر، ص ۶۷، نمبر ۳۰۰۵) اس حدیث میں ہے کہ ان کے مال اور اولاد اور عورتوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جعرانہ سے عمرہ فرمایا جہاں حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی (ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی۔ پس زمین اور باغات پر قبضہ کیا اور ان کو قلعے میں بیٹھنے پر مجبور کیا (ج) قبیلہ نضیر اور قریظہ سے حضورؐ نے جنگ کی... پس ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں، مال اور اولاد کو مسلمانوں میں تقسیم فرمائی۔

[۳۰۱۱] (۳۲) والرِدء والمقاتل فی العسکر سواء.

[۳۰۱۱] (۳۲) مددگار اور قتال کرنے والے لشکر میں برابر ہیں۔

تشریح کچھ مجاہد باضابطہ قتال کریں اور کچھ ان کی مدد کریں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر برابر ہے۔ کمی بیشی نہیں ہوگی۔

وجہ ایسا ہوتا ہے کہ لشکر میں بعض کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اور بعض کا کام اس کی مدد کرنا۔ اس لئے دونوں برابر کے حقدار سمجھے جائیں گے (۲) اثر میں تو یہاں تک ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کوئی لشکر میں شامل ہو جائے تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔ سمعت طارق بن شهاب يقول : ان اهل البصرة غزوا اهل نهاوند فامدوهم باهل الكوفة وعليهم عمار بن ياسر فقدموا عليهم بعد ما ظهروا على العدو فطلب اهل الكوفة الغنيمة واراداهل البصرة ان لا يقسموا لاهل الكوفة من الغنيمة. فقال رجل من بني تميم لعمار بن ياسر ايها الاجدع تريد ان تشاركنا في غنائمنا قال وكانت اذن عمار جدعت مع رسول الله ﷺ فكتبوا الى عمر بن الخطابؓ فكتب اليهم ان الغنيمة لمن شهد الوقعة (الف) (سنن للبیہقی، باب الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۳) اس اثر میں جو لوگ بعد میں لشکر میں شریک ہوئے ان کو بھی مال غنیمت ملا تو جو پہلے سے شریک ہیں البتہ خدمت کر رہے ہیں تو ان کو بھی برابر کا حصہ ملے گا (۳) غزوۂ حنین کے واقعہ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ حضرت عباسؓ حضورؐ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور دوسرے حضرات قتال کر رہے تھے پھر بھی حضرت عباسؓ کو برابر کا حصہ ملا۔ پوری حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال عباسؓ شهدت مع رسول الله ﷺ يوم حنين ... قال عباس وانا آخذ بلجام بغلة رسول الله ﷺ اكفها ارادة ان لاتسرع .اور دوسری روایت کے اخر میں ھے. حدثني اياس بن سلمة هو ابن الاكواع قال غزونا مع رسول الله ﷺ حنينا ... وقسم رسول الله ﷺ غنمائمهم بين المسلمين (ب) (مسلم شریف، باب غزوۃ حنین، ص ۹۹، نمبر ۱۷۷۵ / ۱۷۷۷) اس لئے سب کو حصے برابر ملیں گے (۴) ابوداؤد شریف میں بوڑھے اور جوان، مقاتل اور ردء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور سب کو برابر حصہ دیا گیا۔ عبارت یہ ہے قال : قسمها رسول الله ﷺ بالسواء (ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۹)

لغت الردء : مددگار

حاشیہ : (الف) اہل بصرہ نے اہل نہاوند سے جنگ کی تو ان کو اہل کوفہ کے ذریعہ مدد دی گئی۔ اہل بصرہ کے امیر عمار بن یاسرؓ تھے۔ پس اہل کوفہ دشمن پر غالب ہونے کے بعد شریک ہوئے۔ پس اہل کوفہ نے غنیمت مانگی اور اہل بصرہ نے چاہا کہ اہل کوفہ کے لئے غنیمت تقسیم نہ ہو۔ اس لئے بنی تمیم کے ایک آدمی نے حضرت عمار بن یاسر کو کہا کس لئے تم ہماری غنیمت میں ان کو شریک کرنا چاہتے ہو۔ اور حضرت عمارؓ کا کان حضورؐ کے ساتھ کٹ گیا تھا تو حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مال غنیمت اس سب کو ملے گا جو جنگ میں شریک ہوا (ب) حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ جنگ حنین میں شریک ہوا... حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ اس کو روکتا تھا تاکہ خچر تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس کی غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کی۔

[۳۰۱۲](۳۳) واذا لحقهم المدد فی دار الحرب قبل ان یُخرجوا الغنیمة الی دار الاسلام شارکوهم فیها[۳۰۱۳](۳۴) ولا حقَّ لاهل سوق العسکر فی الغنیمة الا ان

[۳۰۱۲](۳۳) اگران کو مدد لاحق ہوئی دار الحرب میں غنیمت کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے تو وہ اس میں شریک ہوں گے۔

تشریح ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اور اس کو دار الاسلام تک لانے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت اس کی مدد کے لئے مل گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

وجہ اوپر حضرت عمرؓ کا فیصلہ گزر چکا ہے جس میں اہل کوفہ کو اہل بصرہ کے مال غنیمت میں حصہ دلوایا۔ اثر نمبر (سنن للبیہقی، نمبر ۱۷۹۵۳) پہ گزر چکا ہے۔ دوسرا اثر ہے۔ **ان ابا بکر الصدیقؓ بعث عکرمة بن ابی جهل فی خمس مائة من المسلمین مددا لزیاد بن لبید وللمهاجر بن ابی امیة فوافقهم الجند قد افتتحوا النجیر بالیمین فاشرکهم زیاد بن لبید وهو ممن شهد بدرا فی الغنیمة** (الف) (سنن للبیہقی، باب الغنیمة لمن شهد الوقعة، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۲) اس اثر میں بھی ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد پہنچی تو اس کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

نوٹ پہلے گزر چکا ہے کہ دار الحرب سے نکلنے سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت تقسیم کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے مصنف کی عبارت میں یہ ہے کہ مال غنیمت دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی جماعت مدد کے لئے لشکر کے ساتھ مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔ ورنہ اصلی قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے جماعت مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ملے تو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کتب عمرؓ الی سعد یوم القادسیة انی قد بعثت الیک اهل الحجاز واهل الشام فمن ادرک منهم القتال قبل ان یتفقؤا فاسهم لهم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۰۹ فی القوم یجیئون بعد الوقعة هل لهم شیء، ج سادس، ص ۴۹۷، نمبر ۳۳۲۱۱) اس میں جنگ ختم ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو حصہ دلوایا۔

[۳۰۱۳](۳۴) لشکر کے بازار والوں کو حق نہیں ہے غنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح لشکر میں شامل ہیں لیکن ان کا مقصد قتال کرنا نہیں ہے اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے تو ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ اثر میں ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان کو حصہ ملے گا اور یہ لوگ نیت کے اعتبار سے جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ کیسے ملے گا؟ (۲) اثر میں ہے۔ **کتب عمرؓ بن الخطاب ان الغنیمة لمن شهد الوقعة** (ج) (سنن للبیہقی، باب الغنیمة لمن شهد الوقعة، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۴) اس اثر میں ہے کہ غنیمت اس

حاشیہ : (الف) حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عکرمہ کو پانچ سو مجاہد کے ساتھ زیاد بن لبید اور مہاجر بن امیہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر سے اس وقت ملے جب یمن میں نجیر کو فتح کر چکے تھے تو زیاد بن لبید نے ان کو غنیمت میں شریک فرمایا، حضرت زیاد جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ (ب) حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو قادسیہ کے دن لکھا کہ میں اہل حجاز اور اہل شام کو بھیج رہا ہوں۔ ان میں سے جس نے جنگ کو قتل سے پہلے پایا ان کے لئے حصے دو (ج) حضرت عمرؓ نے لکھا کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یقاتلوا[۳۰۱۴](۳۵) واذا اٰمن رجل حرٌّ او امرأة حرَّةٌ کافرا او جماعة او اهل حصن او مدینة صحَّ امانهم ولم یجز لاحد من المسلمین قتلهم الا ان یکون فی ذلک مفسدة

کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہو یا جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل ہوا ہو۔اور یہ لوگ جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا (۲) مسلم بن سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے کہ وہ اجیر تھے تو حصہ نہیں دیا لیکن جب اہل مکہ سے قتال کیا تو حضورؐ نے گھوڑے سوار کا حصہ دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے قتال کرنے سے حصہ ملے گا ورنہ نہیں۔ **حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی ... قال کنت تبیعا لطلحة بن عبید الله،اسقی فرسه واحسه واخدمه واکل من طعامه...** اس لمبی حدیث کے اخیر میں ہے... **ثم اعطانی رسول الله ﷺ سهمین سهم الفارس وسهم الراجل** (الف) (مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا،ص ۱۱۳،نمبر ۱۸۰۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۰۷ من قال للعبید والاجیر سھم ، ج سادس، ص ۴۹۶، نمبر ۳۳۲۰۴)

فائدہ امام شافعیؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں یہ لوگ بھی معرکہ میں شریک ہوئے ہیں اس لئے اوپر کے اثر کی بنیاد پر ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملنا چاہئے۔

لغت اہل السوق : بازار والے، دوکاندار۔

﴿ امان کے احکام ﴾

[۳۰۱۴] (۳۵) اگر امان دیدے آزاد مرد یا آزاد عورت کافر کو یا جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو اس کا امان دینا صحیح ہے۔اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اس کا قتل کرنا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو۔پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے۔

تشریح کسی کافر کو یا کافر کی جماعت کو یا قلعے والے کو یا شہر والے کو آزاد مرد یا آزاد عورت امن دیدے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا۔اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے۔ہاں! اگر اس کو امن دینے میں کوئی خرابی ہے تو امام باضابطہ اس کے امن توڑنے کا اعلان کرے۔پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

وجہ امان دینا ایک قسم کا عہد کرنا ہے کہ تم کو نہیں ماریں گے۔اب اس کے خلاف کرنا قرآن میں مذموم ہے اس لئے یہ نہ کرے۔آیت یہ ہے۔**الذین عاهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة وهم لا یتقون** (ب) (آیت ۵۶،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں عہد توڑنا کفار کی علامت بتائی گئی ہے اس لئے عہد توڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ۔**قال خطبنا علیؓ فقال ما عندنا کتاب نقرؤه الا کتاب الله وما فی هذه الصحیفة ... وذمة المسلمین واحدة فمن اخفر مسلما فعلیه مثل ذلک** (ج)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) غنیمت اس کو ملے گی جو جنگ میں شریک ہوا (الف) حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کا خادم تھا۔ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، اس کو ہنکاتا اور اس کی خدمت کرتا اور ان کے ساتھ ساتھ کھانا کھاتا...پھر مجھ کو حضورؐ نے دو حصے دیئے، ایک حصہ گھوڑے کا ایک حصہ آدمی کا (ب) ان لوگوں میں سے جن سے آپ نے عہد کیا پھر وہ ہر مرتبہ عہد توڑتے ہیں پھر بچتے بھی نہیں (ج) حضرت علیؓ نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا میرے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے...اور مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔جو کوئی مسلمانوں کے ذمے کو توڑے گا تو اس پر (باقی اگلے صفحہ پر)

فینبذ الیھم الامام[۳۰۱۵](۳۶) ولا یجوز امان ذمی ولا اسیر ولاتاجر یدخل علیھم

(بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم ،ص ۵۴۰،نمبر ۳۱۷۲)رمسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ الخ ،ص ۴۴۰،نمبر ۱۳۷۰، کتاب الحج) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری لینے سے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔اس لئے کسی کو توڑنا نہیں چاہئے۔اور عورت کے امان کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ انہ سمع ام ھانی ابنۃ ابی طالب تقول ... فقلت یا رسول اللہ ! زعم ابن امی علیؓ انہ قاتل رجلا قد اجرتہ فلان بن ھبیرۃ ،فقال رسول اللہ ﷺ قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی. قالت ام ھانی ذلک ضحی (الف) (بخاری شریف، باب امان النساء وجوارھن، ص ۵۴۹، نمبر ۳۱۷۱ر ابو داؤد شریف، باب فی امان المرأۃ، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں حضرت ام ھانیؓ نے امن دیا تو حضور کی جانب سے امن مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت امن دے تب بھی سب کی جانب سے امن ہو جائے گا۔

اگر امن برقرار رکھنے میں کوئی فساد ہو تو امام کو چاہئے کہ اعلان کر کے امن توڑے تا کہ وہ غفلت میں نہ رہے اور ہم عہد توڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین (ب) (سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو علی الاعلان اس کا عہد توڑ دو۔اس لئے امام کو فساد کا خطرہ ہو تو علی الاعلان امان کو توڑ دے اور اس کی اطلاع دے۔

لغت اَمَّـن : باب تفعیل سے ہے، امن سے مشتق ہے امن دے، اہل حصن : قلعہ والے، ینبذ الیھم : نبذ سے مشتق ہے پھینکنا، یہاں مراد ہے عہد توڑنا۔

[۳۰۱۵] (۳۶) ذمی کا امان دینا جائز نہیں اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجروں کا جو ان کے یہاں جاتے ہوں۔

تشریح ہمارے دار الاسلام میں کوئی کافر ذمی بن کر رہ رہا ہو وہ کسی حربی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز نہیں ہے۔ ہمارا کوئی قیدی ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دیدے تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔یا مسلمان تجارت کرنے کے لئے دار الحرب جاتا ہو وہ تاجران سے متاثر ہو کر کسی حربی کو امان دے تو اس امان کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ ذمی تو مسلمان نہیں ہے۔اور حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان حربی کو امان دے تو سب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔اس لئے ذمی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔خطبنا علی بن ابی طالب قال ... وذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم. اور اگلی روایت میں یہ زیادتی ہے .فمن اخفر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین. لا یقبل منہ یوم

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) اس کے برابر ہے یعنی گناہ ہے (الف) ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ! میرے ماں شریک بھائی علیؓ ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتا ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے۔ وہ فلاں بن ہبیرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا ام ہانی جس کو تم نے پناہ دیا اس کو میں نے بھی پناہ دیا۔ام ہانی فرماتی تھی کہ یہ چاشت کے وقت فرمایا (ب) جس قوم سے خیانت کا خوف کرتے ہو اس کو آمنے سامنے صلح توڑ دو۔ اللہ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

[۳۰۱۶] (۳۷) ولا یجوز امان العبد عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان یاذن له مولاه

القیامة صرف ولا عدل (الف) (مسلم شریف، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکة، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰ر بخاری شریف، باب ذمة المسلمین وجوارھم واحدة یسعی بھا ادناھم، ص ۴۵۰، نمبر ۳۱۷۲) اس حدیث میں ہے ذمة المسلمین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا امان قابل لحاظ ہے ذمی کا نہیں (۲) ذمی تو یوں بھی بلا وجہ حربی کی رعایت کرے گا اس طرح امان کا خیال رکھیں تو حربی سے جنگ ہی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے بھی ذمی کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

قیدی کے امان کا اس لئے اعتبار نہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں مجبور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حربی کو امان دے دیگا تو پھر جنگ کیسے کریں گے۔ اس لئے قیدی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے تجار جو دار الحرب جاتے ہیں وہ ان سے متاثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امان دیں گے دل کی آزادگی اور دل کی خوشی سے امان نہیں دیں گے۔ اس لئے ان کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

لغت اسیر: قیدی

[۳۰۱۶] (۳۷) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کا امن دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا آقا قتال کرنے کی اجازت دے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح آقا اگر غلام کو جنگ کرنے کی اجازت دی ہو پھر وہ غلام کسی حربی کو امن دے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر جنگ کی اجازت نہ دی ہو تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ جب وہ جنگ نہیں کر سکتا تو امان بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ امن دینا جنگ کے عوارض میں سے ہے۔ اس لئے جب جنگ کا مجاز نہیں تو امان دینے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے (۲) مصنف عبد الرزاق میں ایک لمبا واقعہ ہے جس میں یہ ہے کہ جنگ میں شریک ہونے والے غلام نے امان دیا تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اس کا امن دینا جائز ہے۔ عن فضیل الرقاشی قال ... فقالوا امنتمونا واخرجوا الینا السھم، فیه کتاب امانھم فقلنا ھذا عبد والعبد لا یقدر علی شیء قالوا لا ندری عبدکم من حرکم وقد خرجوا بامان قلنا فارجعوا بامان قالوا لا نرجع الیه ابدا فکتبنا الی عمرؓ بعض قصتھم فکتب عمرؓ ان العبد المسلم من المسلمین امانه امانھم (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الجوار وجوار العبد والمرأة، ج خامس، ص ۲۲۳، نمبر ۹۴۳۶ر سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۰) اس اثر میں ہے کہ العبد لا یقدر علی شیء جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ جانتے تھے کہ غلام امان نہیں دے سکتا ہے۔

حاشیہ: (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا... سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ ادنی آدمی بھی اس کو پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری روایت میں ہے۔ کوئی مسلمان عہد توڑے گا تو اس پر اللہ فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ قیامت کے دن نہ بدلہ قبول کرے گا اور نہ عدل (ب) ان کفار نے کہا تم لوگوں نے ہمیں امن دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے تیر نکالا اس میں امان کا خط تھا۔ ہم نے کہا وہ غلام تھا اور غلام کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا۔ کفار نے کہا ہم تمہارے غلام اور آزاد کو نہیں جانتے۔ اور انہوں نے امان کا خط نکالا تو ہم نے کہا جاؤ امن کے ساتھ۔ انہوں نے کہا ہم کبھی نہیں لوٹیں گے۔ ہم نے حضرت عمرؓ کو بعض باتیں لکھیں تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ غلام بھی مسلمان ہے اس کا امان بھی امان ہے۔

فی القتال وقال ابو یوسف ومحمدرحمهماالله تعالی یصح امانه [۳۰۱۷] (۳۸) واذا غلب الترک علی الروم فسبَوهم واخذوااموالهم ملکوها[۳۰۱۸] (۳۹) وان غلبنا علی

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ غلام جنگ میں شریک تھا اس لئے اس کے امان کو مانا۔ اس لئے جنگ میں شریک ہو تو اس کے امان کو مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جنگ میں شریک ہو یا نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔

وجہ وہ بھی مسلمان ہے اور مسلمان کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا، حدیث گزر چکی، ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم (مسلم شریف، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰) (۲) حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ عن علی بن ابی طالب قال رسول الله ﷺ لیس للعبد من الغنیمة شیء الاخرثیء المتاع وامانه جائز اذا هو اعطی القوم الامان (الف) (سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۲ رمصنف ابن ابی شیبة ۳۴، فی امان المرأة والمملوک، ج سادس، ص ۵۱۴، نمبر ۳۳۳۸۳) اس حدیث میں صراحت ہے کہ غلام چاہے جنگ میں شریک نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا (۳) اوپر حضرت عمرؓ کے اثر میں بھی یہی تھا کہ غلام کے امن کا اعتبار ہے۔

[۳۰۱۷] (۳۸) اگر ترکی لوگ روم والوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور ان کے مال کو لے لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح ترک اور اہل روم سے مراد کافر ہیں۔ یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کے لوگوں کو قید کرلیں اور ان کے مال پر قبضہ کرلیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

وجہ جب مسلمان کے مال پر کافر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں تو کافر کے ملک پر قبضہ کریں گے تو کیوں مالک نہیں ہوں گے؟ (۲) مالک ہونے کی وجہ غلبہ ہونا اور اپنے ملک کے اندر لے جانا ہے اور یہ پایا گیا اس لئے وہ مالک ہو جائیں گے۔

لغت سبو : سبی سے مشتق ہے قید کرنا، ترک : ایک ملک ہے جو پہلے کافر ملک تھا، روم : ترک کے پاس ایک ملک ہے جو ابھی تک کافر ملک ہی ہے۔

[۳۰۱۸] (۳۹) اور ہم ترک پر غالب ہو جائیں تو حلال ہے ہمارے لئے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔

تشریح ہم حملہ کر کے ترک پر غالب ہو گئے تو جو مال ترک والوں نے روم سے لیا تھا وہ سب مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔ اور ترک والوں کے اصلی مال جو کچھ ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔

وجہ جہاد میں غلبہ ہونے کے بعد وہ سب مال غنیمت ہیں اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لئے جہاد میں ترک کا اپنا مال ہو یا روم والوں کے مال پر قبضہ شدہ ہو یعنی حربی کا اپنا مال ہو یا کسی اور حربی پر قبضہ شدہ مال ہو دونوں پر مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی (۲) آیت میں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا غلام کو غنیمت میں کچھ نہیں ملے گا مگر گرا پڑا سامان اور اس کا امان دینا جائز ہے جب وہ قوم کو امان دے۔

الترک حل لنا ما نجده من ذلک[۳۰۱۹](۴۰) واذا غلبوا علی اموالنا واحرزوھا

اس کا ثبوت ہے۔ **ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولہ بین الاغنیاء منکم** (الف) (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ اللہ نے جو فئی یعنی مال غنیمت دیا وہ تم لوگوں کی ملکیت ہے (۳) دوسری آیت میں ہے۔ **فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم** (ب) (آیت ۶۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے جو مال غنیمت تم کو ملا اس کو کھاؤ وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی کے مال پر قبضہ کرنے سے مسلمان مالک ہو جائیں گے (۳) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرمائی (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۰)

[۳۰۱۹] (۴۰) اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں اور اس کو دار الحرب لے کر چلے جائیں تو وہ اس کے مال ہو جائیں گے۔

شرح پہلے بتایا کہ غلبہ کر کے اپنے ملک میں لے جانے سے مالک بن جاتے ہیں اس لئے حربی مالک ہو جائیں گے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا** (ج) (آیت ۸، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔ حالانکہ ان کے پاس مال تھا پھر بھی فقراء کہنا اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے مال پر کفار کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کا مالک بن گئے۔ اسی لئے تو مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن اسامۃ بن زیدؓ انہ قال یا رسول اللہ! این تنزل فی دارک بمکۃ ؟ فقال وھل ترک عقیل من رباع ودور** (د) (بخاری شریف، باب توریث دور مکۃ وبیعھا وشرائھا الخ ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۸۸، کتاب الحج ر مسلم شریف، باب نزول الحاج بمکۃ وتوریث دورھا، ص ۴۳۶، نمبر ۱۳۵۱) اس حدیث میں حضورؐ نے سوال کے طور پر پوچھا کیا عقیل نے کوئی گھر یا زمین کا ٹکڑا ہمارے لئے چھوڑا ہے جہاں میں ٹھہروں؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی زمین اور مکان پر حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے قبضے کے بعد وہ مالک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار ہمارے مالوں کے مالک نہیں بنیں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا غلام دشمن کی طرف بھاگا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس پر غلبہ پایا تو اس غلام کو حضورؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف واپس کر دیا۔ اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کے زمانے میں بھی غلام حضرت

حاشیہ : (الف) اللہ نے اپنے رسولؐ کو اہل قری کے مالوں میں سے دیا وہ اللہ کے لئے، رسول، رشتہ دار اور یتیم اور مسکین اور مسافر کے لئے ہے تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ بن جائے (ب) جو کچھ مال غنیمت آیا اس کو کھاؤ حلال طیب ہے اور اللہ سے تقوی اختیار کرو اللہ معاف کرنے والے ہیں (ج) فقراء مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں اللہ کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ (د) حضرت اسامہ بن زیدؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپؐ مکہ کے گھروں میں کہاں اتریں گے؟ جواب دیا کیا عقیل نے کوئی زمین یا گھر چھوڑا ہے؟

بدارهم ملکوها[۳۰۲۰](۴۱) فان ظهر علیها المسلمون فوجدوها قبل القسمة فهی لهم بغیر شیء وان وجدوها بعد القسمة اخذوها بالقیمة ان احبُّوا.

ابن عمرؓ کی ملکیت رہی، حربی اس کا مالک نہ بن سکا۔ ان غلاما لابن عمرؓ آبق الی العدو فظهر علیه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الی ابن عمرؓ ولم یقسم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المال یصیبه العدو من المسلمین ثم یدرکه صاحبه فی الغنیمة، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۶۹۸ ر بخاری شریف، باب اذا غنم المشرک مال المسلم ثم وجده المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۸) اس حدیث میں غلام حضرت ابن عمرؓ کو واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں بن سکا۔

لغت احرز : جمع کرنا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔

[۳۰۲۰](۴۱) اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور اس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لئے ہوگا بغیر کسی عوض کے، اور اگر اس کو تقسیم کے بعد پایا تو اس کو قیمت سے لے اگر چاہیں۔

تشریح حربیوں نے ہمارے مال پر قبضہ کیا تھا اب مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول کر مال واپس لے لیا تو اگر تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے اس مال کو پالیا تو اس کو مالک لے لے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دے گا۔ اور اگر تقسیم ہو چکا تو جس کے ہاتھ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے۔ اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے۔

وجہ تقسیم ہونے سے پہلے مال غنیمت کا مال ہے کسی مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کو بغیر کسی قیمت سے لے لینے میں حرج نہیں ہے (۲) چونکہ پہلے اس کی چیز تھی اس لئے اس کو ہی دے دی جائے گی (۳) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت تھا۔ عن ابن عمرؓ ان غلاما لابن عمرؓ ابق الی العدو فظهر علیه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الی ابن عمرؓ ولم یقسم (ب) ابوداؤد شریف، باب المال یصیبه العدو من المسلمین، ج ۲، ص ۱۲، نمبر ۲۶۹۸ ر بخاری شریف، اذا غنم المشرک مال المسلم ثم وجده المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۷) اس حدیث میں تقسیم سے پہلے مالک نے مال پایا تو اس کو مالک کی طرف واپس کر دیا گیا۔

اور تقسیم ہو گیا ہو تو قیمت دے کر مالک سے لے۔

وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال فیما احرز العدو فاستنقذه المسلمون منهم او اخذه صاحبه قبل ان یقسم فهو احق، فان وجده وقد قسم، فان شاء اخذه بالثمن (ج) (دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص ۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت سے واپس لے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ کا ایک غلام دشمن کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان اس پر قابض ہوئے تو حضورؐ نے ابن عمرؓ کی طرف لوٹا دیا اور تقسیم نہیں کی (ب) حضرت ابن عمرؓ کا ایک غلام دشمن کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان اس پر قابض ہوئے تو حضورؐ نے اس کو ابن عمرؓ کی طرف لوٹا دیا اور تقسیم نہیں کی (ج) آپؐ نے فرمایا کافر دشمن جو کچھ ہم سے لے لے پھر مسلمان اس سے واپس لوٹا لے یا چیز کا مالک تقسیم ہونے سے پہلے اس کو لے لے تو وہ زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر تقسیم ہونے کے بعد پائے تو چاہے تو قیمت سے لے۔

[۳۰۲۱](۴۲) وان دخل دار الحرب تاجر فاشتری ذلک فاخرجه الی دار الاسلام فمالکه الاول بالخیار ان شاء اخذه بالثمن الذی اشتراه به التاجر وان شاء ترکه

[۳۰۲۲](۴۳) ولایملک علینا اھل الحرب بالغلبة مدبّرینا و امھات اولادنا ومکاتبینا

[۳۰۲۱](۴۲) اگر ہمارا تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دار الاسلام لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اتنی قیمت سے جتنے میں تاجر نے خریدا ہے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح کسی مسلمان کا مال حربی لے گیا تھا، ہمارے مسلمان تاجر نے اس سے خرید کر دار الاسلام لایا تو مالک چاہے تو جتنی قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے اور قیمت نہ دینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ تاجر نے رقم دی ہے اس لئے اس سے مفت لینے میں اس کا گھاٹا ہے جو **لاضرر ولا ضرار** حدیث کے خلاف ہے۔ البتہ جتنی قیمت دی ہے اتنی قیمت دے کر اس کا بھی نقصان نہیں ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے۔ اس لئے قیمت دے کر مال لے ورنہ چھوڑ دے (۲) اوپر کی حدیث میں تھا۔ **فان شاء اخذه بالثمن** (دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع ص ۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس میں بالثمن سے اشارہ ہے کہ جتنی قیمت دی ہے وہ ادا کرے۔ کیونکہ ثمن کہتے ہیں پہلی دی ہوئی قیمت کو، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت دی ہے اتنی ہی دے کر واپس لے۔

[۳۰۲۲](۴۳) اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر غلام اور ام ولد اور ہمارے مکاتب اور ہمارے آزاد کے مالک نہیں ہوں گے۔ اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

تشریح اگر حربیوں نے غلبہ کر کے ہمارے مدبر غلام، ام ولد، ہمارے مکاتب غلام اور ہمارے آزاد پر قبضہ کر لیا تو وہ ان لوگوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ یوں مجبور کر کے رکھیں گے ضرور لیکن جب کبھی ہمارے پاس واپس آئیں گے تو یہ لوگ آزاد شمار کئے جائیں گے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ پرانے مالک کے مدبر، ام ولد اور مکاتب شمار کئے جائیں گے۔

وجہ آزاد مسلمان کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس لئے اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بھی کوئی مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن غلاموں میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے جیسے مدبر غلام، ام ولد کہ یہ دونوں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ مکاتب مال کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے ان غلاموں میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر حربیوں نے قبضہ کر لیا تو وہ ان کے مالک نہیں بنیں گے۔ زبردستی یرغمال بنائے رکھے یہ اور بات ہے (۲) اثر میں ہے۔ **قلت لعطاء نساء حرائر اصابھن العدو فابتاعھن رجل أیصیبھن ؟ قال: لا! ولا یسترقھن ولکن یعطیھن انفسھن بالذی اخذھن به ولا یرد علیھن (الف)** (مصنف ابن ابی

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا آزاد عورتوں کو کافروں نے پکڑ لیا اور اس کو کسی نے خرید لیا تو کیا اس سے جماع کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! وہ باندی نہیں بنائی جا سکتی۔ لیکن ان عورتوں کی اتنی قیمت ادا کرے جتنے میں مشتری نے خریدا ہے۔ یہ قیمت عورتوں پر لازم نہیں ہوگی۔ کیونکہ آزاد ہونے کی وجہ سے وہ اس کی قیمت ہی نہیں ہے۔

واحرارنا ونملک علیهم جمیع ذلک[۳۰۲۳](۴۴) واذا ابق عبد لمسلم فدخل الیهم فاخذوه لم یملکوه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا ملکوه [۳۰۲۴](۴۵) وان ندّالیهم بعیر فاخذوه ملکوه.

شیبة، ۱۵۷الحرائر یسبین ثم یشترین، ج سادس، ص ۵۲۸، نمبر ۳۳۵۰۶) اس اثر میں ہے کہ آزاد عورت کو قید کرے تو اس سے حربی نہ وطی کر سکتا ہے اور نہ اس کو باندی بنا سکتا ہے۔ اور یہی حال ان غلاموں کا ہے جن میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔

[۳۰۲۳] (۴۴) اگر مسلمان کا غلام بھاگ جائے اور دار الحرب میں داخل ہو جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مالک نہیں بنیں گے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک بن جائیں گے۔

وجہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب غلام دار الاسلام سے نکلا تو اب وہ خود اپنی ذات کا مالک بن گیا اس لئے وہ اب آزاد کی طرح ہو گیا۔ اور آزاد کا حربی مالک نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی مالک نہیں ہوگا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **کتب الی عمر بن الخطابؓ فی عبد اسره المشرکون ثم ظهر علیه المسلمون بعد ذلک قال صاحبه احق به مالم یقسم فاذا قسم مضی (الف)** (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۰ فی العبد یاسره المسلمون ثم ظهر علیه العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۰) اس اثر میں ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو دے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا ماک نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی غلام کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ وہ مال کے درجے میں ہے اور مال پر حربی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان کے غلام پر غلبہ ہو جائے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں ہے کہ اگر غلام پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہ تقسیم بھی ہو گیا تو جس کے حصے میں گیا وہ مجاہد اس کا مالک ہو جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک ہو چکا تھا تب ہی تو حربی کے مال پر قبضے کے بعد مسلمان اس کا مالک بن گیا (۳) اثر میں ہے۔ **عن قتادة قال علیؓ هو للمسلمین عامة لانه کان لهم مالا (الف)** (مصنف ابن ابی شیبة ۔۱۳۰ فی العبد یاسره المسلمون ثم ظهر علیه العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۲) اس اثر میں ہے کہ وہ غلام حربی کا مال بن گیا اس لئے اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو تمام مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔

لغت ابق : بھاگ گیا۔

[۳۰۲۴] (۴۵) اگر کوئی اونٹ بدک کر ان کی طرف چلا جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

تشریح جنگ چل رہی تھی ایسی حالت میں اونٹ بدک کر اس کی طرف چلا گیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے لکھا غلام کو مشرک قید کرے پھر اس پر مسلمان قابض ہو جائے؟ جب تک تقسیم نہ ہو مالک اس کا حقدار ہے، جب تقسیم ہو گیا تو جو ہونا تھا ہو گیا (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کفار کا مال عام مسلمانوں کے لئے ہے اس لئے کہ وہ کفار کا مال ہے۔

[۳۰۲۵](۴۶) واذا لم یکن للامام حمولة یحمل علیها الغنائم قسمها بین الغانمین قسمة ایداع لیحملوها الی دار الاسلام ثم یرجعها منهم فیقسمها[۳۰۲۶](۴۷) ولا یجوز بیع الغنائم قبل القسمة فی دار الحرب.

وجہ یہ انسان نہیں ہے مال ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے(۲) حضرت علیؓ کا اثر ابھی گزرا۔قال علیؓ هو للمسلمین عامة لانه کان لهم مالا (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۳۰،نمبر۳۳۳۴۲)(۳) باقی دلائل مسئلہ نمبر۱۴ میں گزر گئے۔

لغت ند : اونٹ کا بدکنا۔

[۳۰۲۵](۴۶) اگر امام کے پاس اتنے جانور نہ ہوں جن پر مال غنیمت لادے تو اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردے امانت کی تقسیم تاکہ اس کو دارالاسلام لے آئیں۔پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کردے۔

تشریح امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لاد کر دارالاسلام لا سکے۔ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تاکہ وہ اپنے جانوروں پر لاد کر دارالاسلام تک لائے۔جب دارالاسلام لے آئے تو امام سب مال کو جمع کرے اور ہر مجاہد کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر کے دے اور مالک بنادے۔

وجہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غنیمت دارالاسلام میں تقسیم کرنا ہے۔اور دارالاسلام تک لانے کے لئے جانور میسر نہیں ہے تو یہی صورت ہو سکتی ہے کہ مجاہدین کو تھوڑا تھوڑا کر کے لانے کے لئے کہے(۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی تو جعرانہ تک مجاہدین ہی، ال غنیمت لائے ہوں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت لانے کے لئے دے۔حدیث یہ ہے۔ ان انسا اخبره قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حیث قسم غنائم حنین (الف) (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمة فی غزوه وسفره، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی۔

لغت حمولة :حمل سے مشتق ہے،سواری، ایداع : ودیعة سے مشتق ہے امانت کے طور پر۔

[۳۰۲۶](۴۷) دارالحرب میں تقسیم سے پہلے غنیمت کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

تشریح دارالحرب میں مال غنیمت جمع ہو گیا ہو اور ابھی تقسیم نہ کی ہو اس سے پہلے عامی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال غنیمت کو بیچے۔البتہ استعمال کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ تقسیم سے پہلے مجاہد مالک نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔ضرورت پڑے تو امام بیچ سکتا ہے(۲) حدیث میں ہے۔عن ابی سعید الخدریؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم (ب) (ترمذی شریف، باب کراهیة بیع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے مقام جعرانہ سے عمرہ کیا جہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی (ب) تقسیم ہونے سے پہلے حضورؐ نے مال غنیمت خریدنے سے روکا۔

[۳۰۲۷] (۴۸) ومن مات من الغانیمن فی در الحرب فلا حق له فی القسمة [۳۰۲۸] (۴۹) ومن مات من الغانمین بعد اخراجها الی دار الاسلام فنصیبه لورثته [۳۰۲۹] (۵۰) ولا بأس بان ینفل الامام فی حال القتال ویحرّض بالنفل علی القتال فیقول من قتل قتیلا

المغانم حتی تقسم ،ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳ ارابوداؤدشریف، باب فی وطء السبایا،ص ۳۰۰، نمبر ۲۱۵۸، کتاب النکاح رسنن للبیہقی، باب بیع السبی وغیرہ فی دارالحرب، ج تاسع ،ص ۲۱۱، نمبر ۱۸۳۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کا بیچنا مجاہد کے لئے جائز نہیں ہے۔

[۳۰۲۷] (۴۸) مجاہد میں سے کوئی دارالحرب میں مرجائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

تشریح اگر جنگ کے درمیان کوئی شہید ہو گیا تو ان کو بالاتفاق حصہ نہیں ملے گا۔اور اگر جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن غنیمت کو دارالاسلام لانے سے پہلے کوئی انتقال کر گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کو بھی غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دارالاسلام میں احراز کے بعد مجاہد غنیمت کا مالک ہوتا ہے۔اس لئے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔جس طرح جنگ کے دوران کوئی شہید ہو جائے اس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دارالاسلام میں مال جمع ہونے کے بعد مجاہد کا حق ہوتا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد جو مجاہد انتقال ہوئے ہیں ان کو بھی غنیمت میں حصہ ملے گا چاہے وہ دارالحرب میں ہی کیوں نہ ہو۔اور دارالاسلام میں مال لانے سے پہلے کیوں نہ ہو۔

وجہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد مجاہدین غنیمت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ان کے یہاں جنگ ختم ہوتے ہی احراز ہو جاتا ہے۔

[۳۰۲۸] (۴۹) اور مجاہدین میں سے کوئی دارالاسلام تک مال لانے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہوا تو اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔اور یہ حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

وجہ دارالاسلام تک آنے کے بعد احراز ہو گیا یعنی مال غنیمت محفوظ ہو گیا اور مجاہدین کا اس میں حق ہو گیا۔اس لئے جو اس کے بعد انتقال کیا وہ اس کا حصہ دار بن گیا۔اور چونکہ وہ انتقال کر چکا ہے اس لئے اس کا حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

لغت نصیب : حصہ

[۳۰۲۹] (۵۰) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتال پر ابھارے۔اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز وسامان اسی کے لئے ہے۔

تشریح مال غنیمت میں حصے کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے۔اور یہ بھی کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و

فلـه سـلبـه [۳۰۳۰] (۵۱) او يـقـول لسرية قد جعلت لكم الربع بعد الخمس [۳۰۳۱] (۵۲) ولا يُنفل بعد احراز الغنيمة الا من الخمس.

سامان اسی کے لئے ہوگا۔

وجہ آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ يا ايها النبي حرض المؤمنين على القتال (الف) (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اے نبی ایمان والوں کو قتال پر ابھاریئے (۲) حدیث میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فله سلبه، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲ / ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸ / مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱ / بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، کتاب فرض الخمس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزید انعام کا وعدہ کرنا جائز ہے۔

لغت حرض : قتال پر ابھارنا، نفل : مزید انعام، سلب : چھینا ہوا مال، سلب سے مشتق ہے چھیننا۔

[۳۰۳۰] (۵۱) یا کہے دستہ سے کہ میں نے تمہارے لئے چوتھائی کی خمس نکالنے کے بعد۔

تشریح بڑے لشکر کے اندر سے کوئی چھوٹا لشکر جس کو دستہ کہتے ہیں وہ کسی جگہ جنگ کے لئے جا رہا ہے اس کی ہمت بڑھانے کے لئے امام کہے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے۔ اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے۔ مثلا بیس اونٹ غنیمت میں لایا اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا جو چار اونٹ ہونگے۔ باقی سولہ اونٹ میں سے چوتھائی یعنی چار اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اور باقی بارہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم کریں گے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن حبيب بن سلمة ان رسول الله ﷺ كان ينفل الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس اذا قفل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فیمن قال الخمس قبل النفل، ص ۲۱، نمبر ۲۷۴۹ / ترمذی شریف، باب فی النفل، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موقع محل کے اعتبار سے امام انعام کا اعلان کر سکتا ہے۔

لغت السریۃ : چھوٹا لشکر، دستہ۔

[۳۰۳۱] (۵۲) اور انعام نہ دے غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے۔

تشریح جنگ ختم ہوگئی۔ لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کر لیا۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دینا ہی ہے تو پورے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا ہے اس میں سے انعام دے۔

حاشیہ : (الف) اے نبی مومنین کو قتال کی ترغیب دیجئے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے کفار کو قتل کیا اور اس پر گواہ ہو تو اس کا سامان قتل کرنے والے کے لئے ہے (ج) آپ خمس نکالنے کے بعد چوتھائی نفل دیتے تھے اور جب واپس لوٹنے کا موقع ہوتا تو خمس کے بعد تہائی نفل دیتے۔

[۳۰۳۲](۵۳) واذا لم یجعل السلب للقاتل فهو من جملة الغنیمة والقاتل وغیره فیه

وجہ مال غنیمت جمع ہونے کے بعد سب مجاہدین کا حق لاحق ہوگیا ہے۔اب اس میں سے کسی کو انعام دینا صحیح نہیں ہے۔اس لئے اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے کسی کو انعام دے۔ہاں! حالت جنگ میں کسی کے لئے انعان کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورے مال غنیمت میں سے دیگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔سمعت عمرو بن عبسة قال صلی بنا رسول الله ﷺ الی بعیر من المغنم فلما سلم اخذ وبرة من جنب البعیر ثم قال ولا یحل لی من غنمائکم مثل هذا الا الخمس والخمس مردود فیکم (الف) (ابوداؤد شریف، باب الامام یستأثر بشیء من الفیء لنفسه، ج ۲،ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۵) اس حدیث میں جب حضور فرماتے ہیں کہ خمس کے علاوہ میں مال غنیمت کا مالک نہیں ہوں۔تو جب مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہوگیا تو اب دوسرے کو انعام کیسے دے سکیں گے (۳) اثر میں ہے کہ حضرت انسؓ کو حضرت عبید اللہ بن ابی بکرۃ مال غنیمت میں سے انعام دینا چاہتے تھے تو انہوں نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے دو۔اثر یہ ہے۔ان انس بن مالک کان مع عبید الله بن ابی بکرة فی غزاة غزاها فاصابوا سبیا فاراد عبید الله ان یعطی انسا من السبی قبل ان یقسم فقال انس لا ولکن اقسم ثم اعطنی من الخمس قال فقال عبید الله لا الا من جمیع الغنائم فابی انس ان یقبل منه وابی عبیدالله ان یعطیه من الخمس شیئا (ب) (طحاوی شریف، باب النفل بعد الفراغ من قتال العدو واحراز الغنیمة ، ج ثانی ،ص ۱۳۳/ مصنف عبد الرزاق ، باب لا نفل الا من الخمس ولا نفل من الذهب والفضة ، ج خامس ،ص ۱۹۲، نمبر ۹۳۴۴) اس اثر میں ہے کہ خمس میں سے انعام دے۔

لغت احراز : مال جمع کرنا۔

[۳۰۳۲] (۵۳) اگر سامان قاتل کے لئے نہیں کیا تو وہ غنیمت میں ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل برابر ہوگا۔

تشریح اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لئے ہوگا۔اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لئے نہیں ہوگا۔اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔اور اس سامان میں قاتل اور غیر قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا۔

وجہ جنگ حنین کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ امام انعام کا اعلان کرے اور قاتل قتل کرنے پر گواہ پیش کرے تب اس کو سلب اور انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی قتادةؓ قال خرجنا مع رسول الله ﷺ عام حنین ... وجلس النبی ﷺ فقال من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟ ثم جلست ثم قال من قتل قتیلا له علیه بینة فله

حاشیہ : (الف) عمر بن عبسہ فرماتے ہیں کہ ہم کو حضورؐ نے مال غنیمت کے اونٹ کی طرف نماز پڑھائی۔جب سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو سے بال پکڑا پھر فرمایا تمہاری غنیمت میں سے میرے لئے اتنا بھی حلال نہیں ہے سوائے خمس کے۔اور خمس بھی تمہارے اوپر واپس کیا جاتا ہے (ب) انس بن مالکؓ عبید اللہ بن بکرۃ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے۔انہوں نے قیدی پایا۔عبید اللہ نے حضرت انس کو کچھ قیدی تقسیم سے پہلے دینا چاہا تو حضرت انسؓ نے فرمایا نہیں۔لیکن تقسیم کرو پھر پانچویں میں سے دو۔تو عبید اللہ نے کہا نہیں۔لیکن تمام مال سے تو حضرت انسؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔اور عبید اللہ خمس میں سے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے۔

سواء [۳۰۳۳](۵۴) والسلب ما علی المقتول من ثیابه وسلاحه ومرکبه.

سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟ (الف) (بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوا کہ امام انعام کا اعلان کرے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا ورنہ نہیں (۲) کیونکہ ابو بکرؓ نے انعام دینے سے انکار فرمایا۔ فقال ابو بکرؓ لا ھا اللہ اذا لایعمد الی اسد من اسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ یعطیک سلبه (ب) (بخاری شریف، نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف، نمبر ۱۷۵۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے عام حالات میں انعام دینے سے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام انعام دینے کا وعدہ کرے گا تو سلب دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

[۳۰۳۳](۵۴) مقتول پر جو اس کا کپڑا ہو، ہتھیار ہو اور سواری ہو وہ سلب ہیں۔

تشریح سلب میں کون کون سے سامان داخل ہیں تو فرماتے ہیں کہ مقتول پر جو کپڑا ہے یا مقتول پر جو ہتھیار ہے اور مقتول جس سواری پر سوار ہے وہ سب سلب میں داخل ہیں۔ امام کے 'من قتل قتیلا فله سلبه' کہنے سے یہ سب سلب میں داخل ہوں گے۔ اور امام پر یہ سب دینا لازم ہوگا۔

وجہ ہتھیار شامل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال نفلنی رسول اللہ ﷺ یوم بدر سیف ابی جھل کان قتله (ج) (ابو داؤد شریف، باب من اجاز علی جریح مثخن ینفل من سلبه، ج ۲، ص ۱۷، نمبر ۲۷۲۲) اس میں ابو جہل کی تلوار نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار سلب میں داخل ہے۔ سوار سلب میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد اللہ قال بعثنا رسول اللہ ﷺ فی سریة فبلغت سھماننا اثنی عشر بعیرا ونفلنا رسول اللہ ﷺ بعیرا بعیرا (د) (ابو داؤد شریف، باب فی النفل للسریة تخرج من العسکر، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۷۴۵) اس حدیث میں اونٹ نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سواری سلب میں داخل ہے۔ کپڑا، لگام، گھوڑے کا زین وغیرہ بھی سلب میں داخل ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان مددیا رافقھم فی غزوة موتة وان رومیا کان یشد علی المسلمین ویغری بھم فتلطف له ذلک المددی فقعد له تحت صخرة فلما مر به عرقب فرسه وخر الرومی فعلاہ بالسیف فقتله فاقبل بفرسه وسیفه وسرجه ولجامه ومنطقته وسلاحه کل ذلک مذھب بالذھب والجوھر الی خالد بن الولید فاخذ منه خالد طائفة ونفله بقیته، فقلت یا خالد ماھذا؟ اما تعلم ان رسول اللہ ﷺ نفل القاتل سلب کله قال بلی ولکنی استکثرته (ہ) (طحاوی شریف، باب الرجل یقتل قتیلا فی دار الحرب ھل یکون له سلبه ام لا؟، ج

حاشیہ: (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ جنگ حنین میں نکلے... حضورؐ بیٹھے اور فرمایا جو مقتول کو قتل کرے اور اس پر بینہ ہو تو اس کا سامان اس کو ملے گا۔ تو میں کھڑا ہوا اور کہا میری کون گواہی دے گا؟ میں پھر بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جو مقتول کو قتل کرے اور اس پر گواہ ہو تو اس کو اس کا سامان ملے گا۔ میں کھڑا ہوا اور کہا میری کون گواہی دیگا؟ (ب) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ کا شیر اللہ کے لئے قتال کرے پھر اس کو مقتول کا سامان دیا جائے (ج) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ کو جنگ بدر کے دن ابو جہل کی تلوار نفل کے طور پر دیا کیونکہ میں نے اس کو قتل کیا تھا (د) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک سریے میں بھیجا تو ہمارے حصوں میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور حضورؐ نے ایک ایک اونٹ نفل دیا (ہ) مددی غزوۂ موتہ میں ان کے ساتھ ہوئے اور رومہ حملہ کر رہے تھے مسلمانوں پر۔ اور ان کو تتر بتر کر رہے تھے تو مددی نے اس کے ساتھ حیلہ کیا اس کے لئے ایک چٹان کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب وہاں سے گزرا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دی۔ پس رومی سر کے بل گرا پس تلوار کے ساتھ اس پر چڑھ گیا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ اس کا گھوڑا اور تلوار اور زین اور لگام اور پٹکا اور ہتھیار سب لیکر (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۰۳۴](۵۵) واذا خرج المسلمون من دار الحرب لم یجز ان یعلفوا من الغنیمة و لایأکلوا منها شیئا ومن فضل معه علف او طعام ردّه الی الغنیمة.

ثانی،ص ۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا، زین، لگام، پٹکا اور ہتھیار وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔البتہ نقدی، سونا، چاندی مقتول کے پاس ہوتو وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔

وجہ: اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔ **فکتب الی عمرؓ ان دع الناس یأکلون ویعلفون فمن باع شیئا بذهب او فضة فقد وجب فیه خمس الله وسهام المسلمین** (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۷، فی الطعام والعلف یوخذ منہ الشیء فی ارض العدو، ج سادس،ص ۵۰۸،نمبر ۳۳۳۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سب مجاہدین کا حق ہے۔

[۳۰۳۴](۵۵) اگر مسلمان دار الحرب سے نکلے تو نہیں جائز ہے کہ چارہ کھلائیں مال غنیمت سے اور نہ اس میں خود کھائیں۔ اور جو اس کے ساتھ چارہ یا کھانا بچ جائے اس کو غنیمت میں واپس کر دے۔

تشریح: جب تک دار الحرب میں رہا مال غنیمت کا کھانا وغیرہ استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن جب دار الحرب سے باہر چلے گئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کر سکتے۔ اب جو باقی بچا ہے اس کو بھی مال غنیمت میں شامل کرے اور امام کے تقسیم کرنے کے بعد اپنے حصے میں کھائے اور چارہ کھلائے۔

وجہ: دار الحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہو گیا اس لئے مجاہدین میں تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ استعمال کرے (۲) دار الحرب سے باہر جانے کے بعد غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری ہے اس لئے اگر ہر ایک کے پاس کھانے پینے کی چیز رہ جائے گی تو مکمل طور پر تقسیم نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ان چیزوں کو غنیمت میں شامل کرنا ضروری ہے (۳) **فقال معاذ غزونا مع رسول الله ﷺ خیبر فاصبنا فیها غنما فقسم فینا رسول الله ﷺ طائفة وجعل بقیتها فی المغنم** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی بیع الطعام اذا فضل عن الناس فی ارض العدو،ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرے اور باقی مال غنیمت میں شامل کرے (۴) اثر میں ہے۔ **ان عبد الله بن عباسؓ لم یر بأسا ان یأکل الرجل طعاما فی ارض الشرک حتی یدخل اهله** (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۲۹ من قال یأکلون من الطعام ولا یحملون ومن رخص فیہ، ج سادس،ص ۵۰۹،نمبر ۳۳۳۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل یعنی دار الاسلام تک کھا سکتا ہے اس کے بعد واپس جمع کر دے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) حضرت خالد کے پاس آئے۔ سب سونے اور جوہر سے مرصع تھے تو خالد نے اس میں کچھ لیا اور باقی نفل دے دی۔ میں نے پوچھا اے خالد! یہ کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ نے قاتل کو سب سامان دیا۔ خالد نے فرمایا ہاں! لیکن یہ بہت زیادہ تھا اس لئے کچھ لے لیا (الف) حضرت عمرؓ نے مجھ کو لکھا کہ لوگوں کو کھانے دو اور چارہ مال غنیمت میں کھلانے دو۔ ہاں! کچھ سونا یا چاندی کے بدلے بیچے تو اس میں سے خمس واجب ہے اور مسلمانوں کا حصہ ہے۔ (ب) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ خیبر کا غزوہ کیا۔ ہم نے اس میں غنیمت حاصل کی تو حضورؐ نے ایک ٹکڑا ہم میں تقسیم کیا اور باقی غنیمت میں حصہ دے دیا (ج) حضرت عبداللہ بن عباس اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی گھر آنے تک دار الحرب کی زمین میں غنیمت میں سے کھائے۔

[۳۰۳۵] (۵۶) ویقسم الامام الغنیمة فیُخرج خمسها ویُقسم الاربعة اخماس بین الغانمین [۳۰۳۶] (۵۷) للفارس سهمان وللراجل سهم عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا

لغت علف : چارہ۔

[۳۰۳۵] (۵۶) امام مال غنیمت تقسیم کرے۔ پس اس میں سے پانچواں حصہ نکالے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے۔

تشریح مال غنیمت میں جو بھی آئے اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالے جو حضورؐ کے زمانے میں پانچ طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ (۱) حضورؐ (۲) ان کے رشتہ دار (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) اور مسافر کے درمیان۔ اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔ مثلا پچیس درہم مال غنیمت میں آیا تو ایک پانچواں حصہ پانچ درہم ہوئے۔ ان پانچ درہم میں سے ایک درہم حضورؐ کے لئے، ایک درہم ان کے رشتہ دار کے لئے، ایک درہم یتیم کے لئے، ایک درہم مسکین کے لئے اور ایک درہم مسافر کے لئے ہوگا، باقی چار حصے یعنی بیس درہم تمام مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم بالله** (الف) (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں پانچویں حصے کو پانچوں طبقوں میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابی العالیة قال کان رسول اللہؐ یوتی بالغنیمة فیقسمها علی خمسة فیکون اربعة لمن شهدها ویأخذ الخمس فیضرب بیده فیه فما اخذ من شیء جعله للکعبة وهو سهم الله الذی سمی ثم یقسم مابقی علی خمسة فیکون سهم لرسول اللهؐ وسهم لذوی القربی وسهم للیتامی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ فی الغنیمة کیف یقسم، ج سادس، ص ۵۰۴، نمبر ۳۳۲۸۷ رمصنف عبد الرزاق، باب الغنیمة والفیء مختلفان، ج خامس، ص ۳۱۰، نمبر ۹۷۱۵) اس اثر سے پتا چلا کہ چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں اور پانچواں حصہ یعنی خمس میں پانچ طبقے شریک ہیں۔

[۳۰۳۶] (۵۷) گھوڑے سوار کے لئے دو حصے اور پیدل والے کے لئے ایک حصہ۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔

تشریح مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو گھوڑ سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا۔ اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے اس کو صرف ایک حصہ ملے گا آدمی کا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے

حاشیہ : (الف) یقین کرو کہ جو کچھ تم نے غنیمت حاصل کی تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر کے لئے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو (ب) حضورؐ کے پاس غنیمت لائی جاتی تو اس کو پانچ حصوں پر تقسیم فرماتے۔ چار حصے ان کے لئے جو جنگ میں شریک ہوتے اور پانچویں حصے پر ہاتھ مارتے اور اس میں سے کچھ کعبہ کے لئے لیتے کہ وہ اللہ کا حصہ ہے جس کا تذکرہ آیت میں ہے پھر باقی کو پانچ حصوں پر تقسیم کرتے تو ایک حصہ حضورؐ کے لئے، دوسرا حصہ حضورؐ کے رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ یتیموں کے لئے اور چوتھا حصہ مسکینوں کے لئے اور پانچواں حصہ مسافر کے لئے۔

للفارس ثلثة اسهم [۳۰۳۷](۵۸)ولا یسهم الا لفرس واحد.

ہے۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔حضورؐ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے آدھا امور مسلمین کے لئے اور آدھا یعنی اٹھارہ سو حصے مجاہدین کے لئے۔اور مجاہدین پندرہ سو تھے۔جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے تو گویا کہ وہ دوگنا ہو کر چھ سو ہو گئے تو بارہ سو پیدل اور چھ سو وہ تو اٹھارہ سو ہوئے۔اور گھوڑسوار کو دو دو حصے دیئے۔حدیث یہ ہے۔**قال قسمت خیبر علی اهل الحدیبیة فقسمها رسول الله ﷺ علی ثمانیة عشر سهما و کان الجیش الفا و خمس مائة فیهم ثلاث مائة فارس،فاعطی الفارس سهمین واعطی الراجل سهما** (الف)(ابوداؤد شریف،باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸،نمبر ۳۰۱۵/دار قطنی،کتاب السیر،ج رابع،ص ۶۱،نمبر ۴۱۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑسوار کو صرف دو حصے ملیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑسوار کے لئے تین حصے ہیں۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ اسهم لرجل ولفرسه ثلاثة اسهم سهما له وسهمین لفرسه** (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی سہمان الخیل،ص ۱۹،نمبر ۲۷۳۳/ترمذی شریف،باب فی سہم الخیل،ص ۲۸۳،نمبر ۱۵۵۴/دار قطنی،کتاب السیر،ج رابع،ص ۵۸،نمبر ۴۱۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مجموعہ تین حصے ہوں گے۔

لغت فارس : فرس سے مشتق ہے گھوڑسوار، سہم : حصہ۔

[۳۰۳۷](۵۸)اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا،

تشریح آدمی دو یا تین گھوڑے لیکر جہاد میں گیا ہو پھر بھی صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا باقی گھوڑوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ ایک آدمی بیک وقت ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کر سکتا ہے۔اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا(۲) کئی گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں تو دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہوگی اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا(۲) حضرت زبیرؓ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لیکر شریک ہوئے تھے اس کے باوجود ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔**عن عبد الله بن الزبیرؓ عن جده انه یقول ضرب رسول الله ﷺ عام خیبر للزبیر بن العوام باربعة اسهم،سهما له وسهما لذی القربی لصفیة بنت عبد المطلب وسهمین لفرسه** (ج)(دار قطنی،کتاب السیر،ج رابع،ص ۶۲،نمبر ۴۱۴۳)اس میں دیکھئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملا ہے۔

حاشیہ : (الف) خیبر کی زمین حضورؐ نے اہل حدیبیہ پر اٹھارہ حصوں میں تقسیم فرمائی اور لشکر ایک ہزار پندرہ سو تھے۔جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے۔پس گھوڑے سوار کو دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ (ب) حضورؐ نے پیدل والے کو ایک حصہ دیا اور گھوڑے سوار کو تین حصے۔ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے (ج) عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خیبر کے دن حضرت زبیرؓ کو چار حصے دیئے۔ایک حصہ ان کے لئے،ایک حضورؐ کے رشتہ دار کا حصہ صفیہؓ کے لئے اور دو حصے ان کے گھوڑے کے لئے۔

[۳۰۳۸](۵۹) والبراذین والعتاق سواء [۳۰۳۹](۶۰) ولا یسهم لراحلة ولا بغل.

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کئی گھوڑے لیکر شریک ہوا ہو تو دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔انه سمع مکحولا یرفعه الی النبی ﷺ یقول لا سهم من الخیل الا لفرسین وان کان معه الف فرس،اذا دخل بها ارض العدو (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل، ج خامس، ص ۱۸۴، نمبر ۹۳۱۶/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۵ فی الرجل یشھد بالفراس لکم یقسم منھا، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بھی گھوڑے لیکر شریک ہوں تو دو گھوڑے کے حصے ملیں گے۔

لغت راجل : پیدل چلنے والا، رجل سے مشتق ہے۔

[۳۰۳۸](۵۹) دیسی گھوڑے اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

تشریح ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئے لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں اس کو براذین یعنی دیسی گھوڑے کہتے ہیں۔اور لمبے قد کے گھوڑے کو عتاق یعنی عربی گھوڑے کہتے ہیں۔چونکہ دونوں ہی گھوڑے ہیں اور دونوں ہی جنگ میں کام آتے ہیں اس لئے دونوں کے حصے برابر ہیں۔کسی کے کم نہیں۔

وجہ اثر میں ہے۔عن الحسن قال البرذون بمنزلة الفرس (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۳ فی البراذین مالھا وکیف یقسم لھا، ج سادس، ص ۴۹۴، نمبر ۳۳۱۷۶/ مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل، ج خامس، ص ۱۸۵، نمبر ۹۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دیسی گھوڑا اور عربی گھوڑا دونوں کے حصے برابر ہیں۔

[۳۰۳۹](۶۰) بوجھ اٹھانے والے اور خچر کے لئے حصے نہیں ہیں۔

تشریح اونٹ وغیرہ جس پر بوجھ لے جایا جاتا ہے اس کو خدمت کے عوض میں کچھ دے سکتے ہیں لیکن گھوڑے کی طرح غنیمت میں باضابطہ حصہ نہیں ہے۔

وجہ آیت میں دشمنوں کو ڈرانے کے لئے گھوڑے پالنے کا حکم دیا ہے۔چونکہ پچھلے زمانے میں گھوڑے ہی سے میدان جنگ جیتتے تھے اس لئے گھوڑے کے لئے حصہ رکھا باقی جانوروں کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں رکھا۔اس آیت میں اس کی ترغیب ہے۔واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو الله وعدوکم (ج)(آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں دشمنوں کو ڈرانے کے لئے گھوڑے پالنے کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے غنیمت میں اس کا حصہ ہے (۲) اثر میں ہے۔عن مکحول قال کانوا لا یسهمون لبغل ولا لبرذون ولا لحمار (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۴ فی البغل ای شیء ھو، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۸۹) اس اثر سے معلوم

حاشیہ : (الف) آپؐ فرماتے ہیں کہ دو ہی گھوڑوں کے حصے ملیں گے چاہے وہ ہزار گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی زمین داخل ہو (ب) حضرت حسن نے فرمایا چھوٹا گھوڑا بھی اونچے گھوڑے کے درجے میں ہے (ج جتنا ہو سکے گھوڑے باندھنے کی قوت اس کو تیار کرو، اس سے اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن کو ڈراؤ (د) حضرت مکحول خچر کے لئے ٹٹو گھوڑے کے لئے اور گدھے کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔

[۳۰۴۰](۶۱) ومن دخل دار الحرب فارسا فنفق فرسه استحق سهم فارس ومن دخل راجلا فاشتری فرسا استحق سهم راجل [۳۰۴۱](۶۲) ولا یسهم لمملوک ولا امرأة ولا ذمی ولا صبی ولکن یرضخ لهم علی حسب مایُری الامام.

ہوا کہ خچر، گدھے اور وہ گھوڑے جو جہاد کے لائق نہیں اس کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں ہے۔

لغت راحلۃ : بوجھ لادنے کے اونٹ، رحل سے مشتق ہے جس پر کجاوہ رکھا جائے، بغل : خچر،

[۳۰۴۰](۶۱) جو دار الحرب میں گھوڑا لیکر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ گھوڑے کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور جو پیدل داخل ہوا پھر گھوڑا خریدا تو وہ پیدل کے حصے کا حقدار ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے وقت گھوڑ سوار تھا تو گھوڑ سوار کا حصہ یعنی دو یا تین حصے ملیں گے۔ اور اس وقت پیدل داخل ہوا بعد میں گھوڑا خریدا تو پیدل کا ہی حصہ ملے گا۔

وجہ امیر داخل ہوتے وقت ہی تحقیق کرتا ہے اور رجسٹر لکھتا ہے کہ یہ کیسے داخل ہو رہا ہے، گھوڑے کے ساتھ یا پیدل۔ اس لئے داخل ہوتے وقت ہی کا اعتبار ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن سلیمان بن موسی فی الامام اذا ادرب قال یکتب الفارس فارسا والراجل راجلا له** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۵۵، الفارس متی یکتب فارسا، ج سادس، ص ۵۲۷، نمبر ۳۳۵۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت کا اعتبار ہے۔

لغت نفق : ہلاک ہوا، خرچ ہوا۔

[۳۰۴۱](۶۲) نہ حصہ لگایا جائے غلام کے لئے اور نہ عورت کے لئے اور نہ ذمی کے لئے اور نہ بچے کے لئے، لیکن کچھ دیدے ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

تشریح مال غنیمت میں جس طرح مرد مجاہد کا باضابطہ حصہ ہوتا ہے اس طرح غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ نہیں ہوگا۔ البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے اتنا ان کو دیدے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **کتب نجدة بن عامر الحروری الی ابن عباس یسأله عن العبد والمرأة یحضران المغنم هل یقسم لهما؟... انک کتبت تسألنی عن المرأة والعبد یحضران المغنم هل یقسم لهما شیء؟ وانه لیس لهما شیء الا ان یحذیا** (ب) (مسلم شریف، باب النساء الغازیات یرضخ لھن ولا یسھم الخ ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۲ / ۴۶۸۶ / ابو داؤد شریف، باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۷۲۸ / ۲۷۳۰ / ترمذی شریف، باب ھل یسھم للعبد، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا گھوڑا سرحد پار کرے پھر مر جائے تو اس کے لئے حصہ ہے (ب) عبد اللہ بن عباس کو پوچھا غلام اور عورت غنیمت میں حاضر ہو تو کیا اس کے لئے تقسیم کی جائے گی... انہوں نے فرمایا تم غلام اور عورت کے بارے میں پوچھتے ہو کہ وہ جنگ میں حاضر ہوں تو ان کے لئے حصہ ہوگا یا نہیں؟ ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہاں! تھوڑا سا دے دو۔

[۳۰۴۲] (۶۳) واما الخمس فیقسم علی ثلثة اسهم سهم للیتامی وسھم للمساکین وسھم لابناء السبیل.

سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ امام کی رائے کے مطابق بطور خدمت کے کچھ دے دیا جائے گا (۲) یہ لوگ جہاد کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے بھی اس کا حصہ باضابطہ نہیں ہوگا۔

ذمی کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ انه قال استعان رسول الله ﷺ بیھود بنی قینقاع فرضخ لھم ولم یسھم لھم (الف) (سنن للبیہقی، باب الرضخ لمن یستعان بہ من اھل الذمۃ علی قتال المشرکین، ج تاسع، ص ۹۲، نمبر ۱۷۹۷۰ ارترمذی شریف، باب ماجاء فی اھل الذمۃ یغزون مع المسلمین ھل یسھم لھم، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مدد کرے تو اس کو بھی باضابطہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بچہ جہاد پورے طور پر نہیں کرسکتا اس لئے اس کو بھی پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اثر میں ہے۔ فسالوا ابا بصرة الغفاری وعقبة بن عامر الجھنی صاحبی رسول الله ﷺ فقالا انظروا فان کانت انبت الشعر فاقسموا له قال فننظر الی بعض القوم فاذا انا قد انبت فقسم لی (ب) (المدونۃ، ج۱، ص۳۹۳ ر اعلاء السنن، نمبر ۳۹۴۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔

لغت یرضخ : تھوڑا سا دینا۔

﴿ خمس تقسیم کرنے کے احکام ﴾

[۳۰۴۲] (۶۳) بہر حال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں۔ ایک حصہ یتیموں کے لئے، ایک حصہ مسکینوں کے لئے، اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں خمس کو بھی پانچوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ لیکن حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد اور آپؐ کے رشتہ داروں کے ختم ہونے کے بعد اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک یتیم دوسرا مسکین اور تیسرا مسافر، باقی حضورؐ اور ان کے رشتہ داروں کے حصے اب ساقط ہوگئے۔

وجہ اثر میں اس کی وضاحت ہے۔ قال سألت الحسن بن محمد بن علی ابن الحنفیة عن قول الله تعالی واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) فقال ھذا مفتاح کلام لِلّٰه تعالی ما فی الدنیا والآخرة، قال اختلف الناس فی ھذین السھمین بعد وفاة رسول الله ﷺ فقال قائلون سھم القربی لقرابة النبی ﷺ وقال قائلون لقرابة الخلیفة وقال قائلون سھم النبی ﷺ للخلیفة من بعده. فاجتمع رأیھم علی ان یجعلوا ھذین السھمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذلک فی خلافة ابی

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے بنی قینقاع کے یہود سے مدد لی اور ان کو کچھ دے دیا لیکن باضابطہ نہیں دیا (ب) لوگوں نے ابو بصرہ اور حضرت عقبہ رسول کے صحابی کو پوچھا تو فرمایا دیکھو اگر مجاہد بالغ ہوا ہو تو اس کو غنیمت میں حصہ دو۔ فرماتے ہیں کہ بعض کو دیکھا حسن اتفاق سے میں بالغ تھا مجھے بھی حصہ ملا۔

[۳۰۴۳](۶۴) ویدخل فقراء ذوی القربیٰ فیهم ویُقدَّمون ولا یدفع الی اغنیائهم شیء.

بکرؓ وعمرؓ (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفئی، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ر مصنف عبدالرزاق، باب ذکر الخمس وسہم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا حصہ اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اس لئے اب صرف تین حصوں میں مال غنیمت تقسیم ہوگا یتیم، مسکین اور مسافر۔ اور حضورؐ کا حصہ امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا (۲) ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال لا یقتسم ورثتی دینارا ماترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (ب) (بخاری شریف، باب نفقۃ نساء النبی ﷺ بعد وفاتہ، ص، نمبر ۳۰۹۶) اس حدیث میں ہے کہ میری بیویوں اور کام کرنے والوں کے خرچ نکالنے کے بعد سب صدقہ ہیں۔ اس لئے جب آپؐ کے رشتہ دار نہ رہے تو آپ کا حصہ صدقہ اور امور مسلمین پر خرچ کیا جائیگا۔

[۳۰۴۳](۶۴) اور رشتہ دار فقراء انہیں میں داخل ہوں گے اور وہ مقدم ہوں گے۔ اور ان کے مالداروں کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔

تشریح حضورؐ کے رشتہ دار اب ساقط ہو گئے اس لئے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ یتیم، مسکین یا مسافر ہو تو ان کو ان تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا بلکہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔ ان کو دینے کے بعد دوسرے یتیم اور مسافر کو دیا جائے گا۔

وجہ ان کے زیادہ حقدار ہونے کی دلیل اس اثر میں ہے۔ سمعت علیا یقول ولانی رسول الله ﷺ خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاة رسول الله ﷺ وحیاة ابی بکرؓ وحیاة عمرؓ فاتی بمال فدعانی فقال خذه فقلت لا اریده فقال خذه فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال (ج) (ابوداؤد شریف، باب بیان مواضع قسم الخمس اسہم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۳) اس اثر میں ہے خذه انتم احق به جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ چونکہ حضورؐ کے رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا اس لئے ان کے مالداروں کو نہیں ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک ابھی بھی حضورؐ کے رشتہ داروں کو مال غنیمت میں حصہ ملیگا۔

وجہ کیونکہ آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حسن بن محمد کو آیت واعلموا انما غنمتم الخ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا فان للہ یعنی اللہ کا حصہ افتتاح کلام کے لئے ہے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد دو حصوں میں اختلاف ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ حصہ حضورؐ کی قرابت کی وجہ سے تھا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ خلیفہ کی قرابت کی وجہ سے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا حضورؐ کا حصہ ان کے بعد خلیفہ کے لئے ہے۔ پھر اس بات پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں حصے گھوڑے کی تیاری میں اور اللہ کے راستے کی تیاری میں رکھیں۔ یہی معاملہ خلافت ابوبکرؓ اور خلافت عمرؓ میں رہا (ب) آپؐ نے فرمایا میری وراثت میں دینار تقسیم نہیں ہوگا۔ میری بیویوں اور گھر والوں کے خرچے کے بعد صدقہ ہے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خمس کا خمس مجھے سپرد کیا تو حضورؐ کے زمانے میں اس کے مقام پر خرچ کیا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کی زندگی میں، پس جب مال آیا تو مجھے بلایا اور کہا کہ یہ لو۔ میں نے کہا کہ مجھے نہیں چاہئے، کہا لو! تم زیادہ حقدار ہو، میں نے کہا اللہ نے اس سے بے نیاز کر دیا ہے تو اس کو بیت المال میں رکھ دیا۔

[۳۰۴۴](۶۵) واما ماذکر الله تعالی فی الخمس فانما هو لافتتاح الکلام تبرُّکا باسمه [۳۰۴۵](۶۶) وسهم النبی علیه السلام سقط بموته کما سقط الصفی[۳۰۴۶](۶۷) و سهم ذوی القربیٰ کانوا یستحقونه فی زمن النبی علیه السلام بالنصرة وبعده بالفقر.

[۳۰۴۴](۶۵) خمس کے بارے میں اللہ کا جو ذکر ہے وہ اس کے نام کے ساتھ کلام کی برکت کے لئے ہے۔

تشریح خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول الخ ہے۔ اس آیت میں اللہ کے لئے بھی خمس میں حصے کا تذکرہ ہے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالی کے لئے پوری دینا ہے اس لئے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ کا نام صرف برکت کے طور پر ہے۔

وجہ اوپر اثر میں گزر چکا ہے۔ سألت الحسن بن محمد عن قول الله تعالی واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول (آیت ۴۱ سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح کلام لِلّٰہ ما فی الدنیا والآخرة (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲) اس اثر میں ہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔

[۳۰۴۵](۶۶) حضورؐ کا حصہ ساقط ہو گیا آپؐ کے پردہ فرمانے سے جیسے صفی ساقط ہو گیا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ حضورؐ کا حصہ ان کے انتقال کے بعد ساقط ہو گیا، حضورؐ کو حق تھا کہ مال غنیمت جمع ہو تو اس میں سے جو آپؐ کو پسند ہو وہ لے لیں۔ لیکن آپؐ کے انتقال کے بعد یہ حق خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اب خلیفہ یا امیر المومنین کو یہ حق نہیں ہے کہ مال غنیمت میں سے جو پسند ہو وہ لے لے۔ بلکہ مال غنیمت میں عام مجاہد کو جو حصہ ملے گا وہی حصہ امیر المومنین قتال میں شرکت کریں گے تو ملے گا۔

وجہ صفی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عامر الشعبی قال کان للنبیؐ سهم یدعی الصفی ان شاء عبدا وان شاء امة وان شاء فرسا یختاره قبل الخمس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی سهم الصفی، ص ۶۴، نمبر ۲۹۹۱ / بخاری شریف، باب غذوۃ خیبر، ص ۶۰۳، نمبر ۴۲۱۱) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ کو صفی کا حق تھا۔ اور کان للنبی سے معلوم ہوا کہ منتخب کرنے کا حق نبوت کی وجہ سے تھا اس لئے اب نبوت نہیں رہی تو یہ حق بھی خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اور اسی نبوت پر قیاس کر کے خمس میں خلیفہ کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ آیت میں للرسول کا لفظ ہے۔ جب بعد میں رسول نہیں رہے تو ان کا حصہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

[۳۰۴۶](۶۷) رشتہ داروں کا حصہ حضورؐ کے زمانے میں مستحق ہوتے تھے مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں آپؐ کے رشتہ داروں کو خمس میں سے ایک حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ آپؐ کی ہر وقت مدد فرماتے تھے۔ لیکن

حاشیہ: (الف) میں نے حضرت حسن بن محمد کو اللہ تعالی کے قول واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ کا نام اور اس کا حصہ بات شروع کرنے کے لئے ہے۔ اللہ کی تو دنیا اور آخرت بھی ہیں (ب) حضرت عامر فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا جو حصہ تھا اس کا نام صفی تھا۔ چاہے وہ غلام منتخب کرے چاہے باندی چاہے گھوڑا خمس نکالنے سے پہلے پسند فرما لے۔

[۳۰۴۷](۶۸) واذا دخل الواحد والاثنان الی دار الحرب مغیرین بغیر اذن الامام

آپ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب رشتہ داری کی بنا پر نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہو تو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ البتہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔ اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔

وجہ تعاون کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما کان یوم خیبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربی فی بنی هاشم وبنی المطلب وترک بنی نوفل وبن عبد شمس، فانطلقت انا وعثمان بن عفان حتی اتینا النبی ﷺ فقلنا یا رسول الله ! هؤلاء بنو هاشم لا ننکر فضلهم للمواضع الذی وضعک الله به منهم، فما بال اخواننا بنی المطلب اعطیتهم وترکتنا وقرابتنا واحدة؟ فقال رسول الله ﷺ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاهلیة ولا اسلام وانما نحن وهم شیء واحد وشبک بین اصابعه صلی الله علیه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں بنو مطلب نے ہماری مدد کی ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے خمس میں ایک حصہ ہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد مدد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر مستدرک للحاکم کا بھی اثر گزرا جس میں تھا کہ اب آپ کے رشتہ داروں کے حصے ساقط ہونے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ عبارت یہ تھی فاجتمع رأیهم علی ان یجعلوا هذین السهمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذالک فی خلافة ابی بکر وعمر (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیئ، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ ر مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربی، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۴۸۲)

[۳۰۴۷] (۶۸) اگر ایک یا دو آدمی دار الحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں بغیر امام کی اجازت کے اور وہ کچھ لے لیں تو خمس نہیں لیا جائیگا۔

تشریح بغیر امام کی اجازت کے ایک دو آدمی لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں اور حربیوں کا کچھ مال لوٹ لائیں تو اس میں سے امام خمس نہیں لے گا۔

وجہ یہ مال غنیمت کا نہیں ہے بلکہ اس طرح کرنا چوری کا مال شمار کیا جائے گا۔ اور چوری کے مال میں خمس نہیں ہے۔ کیونکہ چوری بہر حال مبغوض ہے چاہے حربیوں کے مال کی چوری کیوں نہ ہو (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال ان

حاشیہ : (الف) جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ جب جنگ خیبر کا دن ہوا تو حضورؐ نے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا۔ اور بنو نوفل اور بنو شمس کو چھوڑ دیا تو میں اور حضرت عثمان حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! بنو ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے، کیونکہ آپؐ ان میں پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارے بھائی بنو مطلب کو دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری اور ان کی رشتہ داری ایک درجے کی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہم اور بنو مطلب زمانہ جاہلیت اور اسلام میں الگ نہیں ہوئے، ہم اور وہ ایک چیز ہیں اور حضورؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر تشبیک کی۔

فاخذوا شيئا لم يخمّس[۳۰۴۸](۶۹) وان دخل جماعة لهم منعةٌ فاخذوا شيئا خُمِّسَ

الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غدرة فلا ن بن فلان (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الوفاء بالعہد، ص۴۲۳، نمبر ۲۷۵۶ر بخاری شریف، باب اثم الغادر للبر والفاجر، ص۴۵۲، نمبر ۳۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ اور ایک دو آدمیوں نے گویا کہ چوری کر کے عہد کو توڑا اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

لغت مغیرین : اغار سے مشتق ہے رات کو دھاوا بولنا، غارت گیری کرنا۔

[۳۰۴۸](۶۹) اور اگر قوت والی جماعت داخل ہوئی اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا چاہے امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

تشریح قوت والی جماعت سے مراد مجاہدین کا دستہ ہے غارت گیری کرنے والی جماعت نہیں ہے۔ پس اگر مجاہدین کا دستہ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب چلی جائے اور جہاد کر کے مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس ہے۔

وجہ یہ غارت گیری نہیں ہے بلکہ جہاد ہی ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر ہے۔ کیونکہ یہ دستہ ان لوگوں سے غنیمت حاصل کیا ہے جو حربی ہیں اور جن سے جنگ جاری ہے (۲) اگر چہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیونکہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ حربیوں کو شکست ہو اور جانی اور مالی نقصان ہو۔ اور اس دستے نے وہ کر دیا اس لئے اشارۃ اجازت موجود ہے اس لئے اس سے خمس لیا جائے گا (۳) حدیث میں حضرت سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے اہل مکہ سے حضورؐ کی اجازت کے بغیر جنگ کی ہے۔ اور حضورؐ کے اونٹ کو بھی چھڑایا اور اہل مکہ کے سامان کو بھی مال غنیمت میں حاصل کیا۔ پھر حضورؐ نے ان کو گھوڑ سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عنایت فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام کی مراد سمجھ کر اس کی اجازت کے بغیر کوئی جماعت مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ غنیمت کا مال ہے چوری کا مال نہیں ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی ایاس بن سلمة عن ابيه قال اغار عبد الرحمن ابن عيينة على ابل رسول الله ﷺ ... فاذا نبی الله فی خمس مائة فاعطانی سهم الفارس والراجل (ب)(ابوداؤد شریف، باب السریۃ ترد علی اہل العسکر، ص۴۲، نمبر ۲۷۵۲ر مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا، ج۲، ص۱۱۳، نمبر ۱۸۰۷) اس حدیث میں حضورؐ کی اجازت کے بغیر موقع کا جہاد کیا۔ آپؐ نے اس سے خمس بھی لیا ہوگا۔ اور صحابی کو پیدل اور گھوڑ سوار کے حصے عنایت فرمائے۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال اذا رحلوا باذن الامام اخذ الخمس و كان لهم ما بقی واذا رحلوا بغير اذن الامام فهو اسوة الجيش (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۲ا فی السریۃ تخرج بغیر اذن الامام فتغنم، ج سادس، ص۴۹۹، نمبر ۳۳۲۲۱) اس اثر میں ہے کہ جیش کے برابر ہوگا یعنی خمس لیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دھوکے دینے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں کو دھوکا دینے والا ہے (ب) ایاس بن مسلمہ کے باپ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عیینہ نے حضورؐ کے اونٹ پر دھاوا بولا... حضورؐ کے سامنے پانچ سو اونٹ تھے تو مجھے گھوڑ سوار اور پیدل کا حصہ دیا (ج) حضرت حسن نے فرمایا اگر امام کی اجازت سے کوچ کرے تو خمس لیا جائے گا اور باقی لشکر کا ہوگا۔ اور امام کی اجازت کے بغیر کوچ کرے تو سب لشکر کو جتنا ملے گا اس کو بھی اس میں سے اتنا ہی ملے گا۔

وان لم یأذن لھم الامام[۳۰۴۹](۷۰) واذا دخل المسلم دار الحرب تاجرا فلا یحلّ له ان یتعرض لشیء من اموالھم ولا من دمائھم فان غدر بھم فأخذ شیئا ملکه ملکا محظورا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کا منشا سمجھ کر کام کیا تو خمس لیا جائے گا اور وہ کام جائز ہوگا۔
اور اگر امام دستہ کو خود بھیجے تو اس کے مال غنیمت میں خمس ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ ﷺ قد کان ینفل بعض من یبعث من السرایا لانفسھم خاصة النفل سوی قسم عامة الجیش والخمس واجب فی ذلک کله (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسریۃ یخرج من العسکر، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۷۴۶) اس حدیث میں ہے تمام سریے کی غنیمت میں خمس واجب ہوتا تھا۔

لغت منعة : منع سے مشتق ہے روکنے کی طاقت۔

[۳۰۴۹] (۷۰) اگر مسلمان دار الحرب میں تاجر بن کر داخل ہوا تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ مال یا جان کو چھیڑے۔ پس اگر ان سے غداری کی اور کچھ لے لیا تو اس کا مالک بن جائے گا ممنوع طریقہ پر اور حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح دار الحرب میں تاجر بن کر گیا تو گویا کہ امن لیکر گیا کہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اس لئے اس کو غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے اور نہ حربیوں کی جان اور مال کو نقصان پہنچانا چاہئے۔ اور اگر غدر کر لیا اور ان کے مال کو اٹھا کر دار الاسلام لے آیا تو مالک ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ غدر کے ذریعہ سے مالک ہوا ہے اس لئے ملک محظور ہوگا اور حکم دیا جائے گا کہ اس مال کو صدقہ کر دے۔

وجہ غدر نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... قاتلوا من کفر باللہ اغزوا گلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (ب) (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱ / ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں بھی غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے۔

اور حربیوں کے مال کو غدر کر کے لیا تو ملک محظور ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن المسور بن مخرمة قال خرج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیة فی بضع عشرة مائة من اصحابه ... وکان المغیرة صحب قوما فی الجاھلیة فقتلھم واخذ اموالھم ثم جاء فاسلم فقال النبی ﷺ اما الاسلام فقد قبلنا واما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فیه (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۵ / بخاری شریف، باب الشروط فی الجھاد والمصالحة مع اہل الحرب وکتابة الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱) اس

حاشیہ : (الف) جس کو خاص طور پر بھیجتے تو عام لشکر کے حصے کے علاوہ اس کو نفل دیتے تاہم ان تمام میں خمس واجب ہوتا (ب) آپ جب کسی لشکر پر امیر بناتے ... تو فرماتے جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے اس سے جنگ کرو۔ لیکن خیانت نہ کرو، غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو، اور بچے کو قتل نہ کرو (ج) حضور صلح حدیبیہ کے سال دس سو سے زیادہ صحابہ کے ساتھ نکلے ... حضرت مغیرہؓ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ رہے تھے اور ان کو قتل کر کے مال لیا تھا، پھر آ کر مسلمان ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا بہر حال اسلام تو تمہارا قبول کرتا ہوں، بہر حال مال تو دھوکے کا مال ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ویؤمر ان یتصدّق به[۳۰۵۰](۱۷) واذا دخل الحربی الینا مستامنا لم یمکن له ان یقیم فی دارنا سنةً ویقول له الامام ان اقمتَ تمام السنة وضعتُ علیک الجزیة فان اقام سنة

حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے کافر ساتھیوں کو دھوکا دے کر قتل کیا اور ان کے مالوں کو ساتھ لیکر حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا اسلام تو قبول ہے۔لیکن مال دھوکے کا ہے اس لئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔اور آپؐ نے اس میں سے خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت محظور ہے۔پھر آپؐ نے اس مال کو مالک کے ورثہ کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالک ہو گیا (۲) پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمان حربیوں کے مال کا مالک بن جائے تو وہ مالک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مال غنیمت کے درجے میں ہے۔جس طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک بن جائے تو مالک ہو جاتا ہے (۳) دار الحرب لے جا کر واپس کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اس میں جان کا خطرہ ہے اس لئے بھی مسلمان کو مالک قرار دے دیا جائے گا۔لیکن ملک صحیح نہیں ہے اس لئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت تعرض : عرض سے مشتق ہے چھیڑنا، غدر : دھوکا دینا، محظور : خبیث۔

[۳۰۵۰](۱۷) اگر حربی ہمارے ملک میں امن لے کر آیا تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں ایک سال ٹھہرے۔اور امام اس کو کہے کہ اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا۔پس اگر سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ بھی ذمی ہوگا۔اور اب دار الحرب واپس ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔

تشریح حربی کو دار الاسلام میں زیادہ دیر تک ٹھہرانے سے وہ جاسوسی کر سکتا ہے اور دار الاسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔لیکن آنے جانے کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے تو تجارت بند ہو سکتی ہے اسلئے امن لیکر آ تو سکتا ہے۔لیکن سال بھر تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے پہلے دار الحرب چلا جائے۔اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو اس کو اب ذمی بنا لیا جائے گا اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔اور واپس دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ حربی قلبی اعتبار سے نجس ہے۔اس کا ہمارے یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**یا ایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** (الف) (آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ مشرک ناپاک ہے اس کو مسجد حرام کے قریب نہ ہونے دو۔اس سے معلوم ہوا کہ دار الاسلام میں بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔اس حدیث میں مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم ہے۔**سمع ابن عباسؓ یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... فامرھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب** (ب) (بخاری شریف، باب اخراج الیہودی من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۶۸ رمسلم شریف، باب اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب، ج ۲، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین دار الاسلام میں نہ رہیں (۳) اثر میں ہے۔**ان عمرؓ بن الخطاب ضرب للیھود والنصاری والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلاثۃ ایام یتسوقون بھا ویقضون**

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئے (ب) آپؐ نے صحابہ کو تین باتوں کا حکم دیا۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

اُخذت منه الجزية وصار ذميًّا ولم يترك ان يرجع الى دار الحرب[۳۰۵۱] (۷۲) وان

حوائجهم ولا يقيم احد منهم فوق ثلاث ليال (الف) (سنن للبیہقی، باب الذمی یمر بالحجاز مارا لایقیم ببلد منھا اکثر من ثلاث لیال، ج تاسع، ص ۳۵۳، نمبر ۱۸۷۶۲) اس اثر میں ہے کہ نصاری اور مجوس تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے (۳) اور سال ٹھہرنے پر ذمی بنالیا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن زياد بن حدير قال كتبت الى عمر فى اناس من اهل العرب يدخلون ارضنا ارض الاسلام فيقيمون قال فكتب اليَّ عمرؓ ان اقاموا ستة اشهر فخذ منهم العشر وان اقاموا سنة فخذ منهم نصف العشر (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یؤخذ من الذمی اذا اتجر فی غیر بلدہ والحربی اذا دخل بلاد الاسلام بامان، ج تاسع، ص ۳۵۴، نمبر ۱۸۷۷۱) اس اثر میں ہے کہ اگر حربی سال بھر ٹھہر جائے تو اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم کرو۔ اور بیسواں ذمی سے لیا جاتا ہے۔ اور دسواں حصہ حربی سے لیا جاتا ہے۔ اس لئے سال بھر ٹھہرنے سے بیسواں حصہ اور چھ ماہ ٹھہرنے سے دسواں حصہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ چھ مہینے تک میں حربی رہے گا اور سال بھر رہنے میں ذمی بن جائے گا۔ اور جو ذمی بن جاتا ہے اس کو ہمیشہ دار الاسلام میں رہنا پڑتا ہے۔ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

نوٹ جو ذمی ہوتا ہے اس کے سر پر جزیہ لازم ہوتا ہے جو ہر سال میں ایک دینار ہے۔ اور اس کی تجارت کے مال میں بیسواں حصہ خراج لازم ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تجارت کے مال میں چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہوتی ہے۔

ذمی پر جزیہ لازم کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل حالم يعنى محتلما دينارا او عدله من المعافرى ثياب تكون باليمن (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸ / بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اهل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کے سر پر جزیہ لازم کیا جائے گا۔

[۳۰۵۱] (۷۲) اگر دار الحرب لوٹ گیا اور مسلمان یا ذمی کے پاس امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ قرض چوڑ گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگا۔

تشریح جو حربی دار الاسلام میں آکر ذمی بن گیا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دار الحرب واپس نہ جائے۔ لیکن اگر چلا گیا تو شرط توڑنے کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہوگیا اور اس کا خون مباح ہوگیا۔

وجہ ذمی کو دار الحرب میں گھر بنانے کی اجازت دی جائے تو وہ جاسوسی کرے گا اور ہمارے خلاف تعاون کرے گا اس لئے یا ذمی بن کر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے یہود، نصاری، اور مجوس کے لئے مدینے میں تین دن ٹھہرنے کا متعین کیا کہ وہ خرید وفروخت کریں۔ اور اپنی ضرورت پوری کریں۔ اور ان میں سے کوئی تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں (ب) زیاد بن جدیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اہل حرب کے کچھ لوگ دار الاسلام میں آتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں۔ فرمایا حضرت عمرؓ نے ہمیں جواب دیا اگر وہ چھ مہینے ٹھہریں تو ان سے دسواں حصہ لو۔ اور اگر ایک سال ٹھہریں تو ان سے بیسواں حصہ لو (جو ذمی سے لیا جاتا ہے (ج) حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو ان کو حکم دیا کہ ہر بالغ ذمی سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا لیں جو یمن میں ہوتا ہے۔

عاد الی دار الحرب وترک وديعة عند مسلم او ذمی او دينا فی ذمتهم فقد صار دمه مباحا بالعود [۳۰۵۲](۷۳) وما فی دار الاسلام من ماله علی خطر فان اُسِرَ او ظُهر علی

دارالاسلام میں ہمیشہ رہے یادارالحرب میں رہائش پذیر ہو جائے اور حربی ہو جائے۔ پس اگر وہ حربی ہو گیا تو اس پر حربی کا حکم جاری ہو گا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کرنا حلال ہو گا (۲) شرط کے خلاف کرنے سے مباح الدم ہو جاتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب علی الارض والنخل والجاهم الی قصرهم فصالحوه علی ان لرسول الله ﷺ الصفراء والبيضاء والحلقة ولهم ما حملت ركابهم علی ان لا يكتموا ولا يغيبوا شيئا فان فعلوا فلا ذمة لهم ولا عهد فغيبوا مسكا لحيی بن اخطب ... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقيق وسبی نساء هم وذراريهم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں حی بن اخطب کے مشک کو چھپا کر عہد کی خلاف ورزی کی تو ابن ابی حقیق کو قتل کیا گیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا گیا۔ اسی طرح یہاں ذمی نے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ حربی بن جائے گا اور اس کا خون مباح ہو جائے گا (۳) اثر میں ہے۔ **سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة يوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط عليهم ان لا يأتيهم فيقول لم ارد عونهم فكره قتله الا ببينة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شيئا واحدا مما عليه فقد نقض الصلح** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یأتی المسلم بغیر عہد، ج خامس، ص ۲۹۳، نمبر ۹۶۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ گیا اس لئے وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو دارالحرب بھاگ گیا وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون اور اس کا مال مباح ہو گیا۔

لغت ودیعۃ : امانت۔

[۳۰۵۲] (۷۳) اور جو دارالاسلام میں اس کا مال ہو وہ خطرے میں ہو گیا۔ پس اگر قید کر لیا گیا یا دارالحرب پر غلبہ ہو گیا اور قتل کیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح یہ آدمی حربی ہو گیا اور جنگ کرنے بھی آیا اور وہ قید ہو گیا یا قتل کیا گیا تو اس کا جو کسی کے پاس قرض تھا وہ اس کا ہو جائے گا اور جو مال کسی کے پاس امانت تھا وہ غنیمت میں آ جائے گا۔ اور جو مال دارالاسلام کے ورثہ کے پاس تھا وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

وجہ قرض کا مال قرض والے کے پاس اس لئے رہ جائے گا کہ مال مباح پر جس کا قبضہ ہو جائے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ یہاں قرض والے کا پہلے

حاشیہ : (الف) آپ نے اہل خیبر سے جنگ کی اور زمین اور باغات پر قابض ہو گئے۔ اور ان کو قلعے میں بند رہنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے حضورؐ سے سونا، چاندی اور حلقہ پر صلح کی۔ اور یہودیوں کے لئے وہ ہو گا جو ان کی سواری لے جا سکے اس شرط پر کہ وہ کچھ نہ چھپائیں گے اور نہ کوئی چیز غائب کریں گے۔ اور اگر انہوں نے چھپایا یا غائب کیا تو نہ کوئی ذمہ دار رہے گا اور نہ عہد رہے گا۔ پھر بھی حیی بن اخطب کا مشک غائب کیا... چنانچہ مشک ملا تو ابن ابی الحقیق کو قتل کیا ان کی بیویوں اور اولاد کو قید کیا (ب) حضرت عطاء سے پوچھا کوئی ذمی مشرکین کے درمیان ملے حالانکہ اس پر شرط لگائی گئی تھی کہ ان کے پاس نہ جائے۔ پس ذمی کہتا ہے کہ میں ان کی مدد کے لئے نہیں آیا ہوں۔ تو بغیر گواہی کے حضرت عطاء نے اس کے قتل کو مکروہ قرار دیا۔ ان سے بعض اہل علم نے کہا شرائط میں سے کسی شرط کو توڑا تو صلح ٹوٹ گئی۔

الدار فقتل سقطت دیونه وصارت الودیعة فیئا[۳۰۵۳](۷۴) وما اوجف علیه

سے قبضہ ہے اس لئے قرض والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔اس سے واپس لیکر مال غنیمت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔

عن ابیھا اسمر بن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعته فقال من سبق الی ما لم یسبقه الیه سلم فھو له (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۷۸، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جس کا پہلے قبضہ ہو جائے وہ مال اسی کا ہے۔

اور امانت کا مال کسی کے قبضے میں نہیں ہے وہ تو حقیقت میں حربی ہی کا ہے اس لئے وہ غنیمت میں آکر مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

وجہ اوپر ابن ابی الحقیق والی حدیث میں گزرا کہ عہد توڑنے کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا اور اس کی اولاد اور بیوی قید کر لی گئی۔ **عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اھل خیبر فغلب علی الارض والنخل ... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقیق وسبی نساء ھم وذراریھم** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں ہے کہ عہد توڑنے والے کا مال غنیمت ہوگا۔ کیونکہ یہودیوں کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی چیز چھپائے نہیں۔ اور ابن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب کا مشک چھپایا اور عہد توڑا اس لئے وہ قتل کیا گیا۔

اور اگر یہ ذمی جو حربی بنا تھا خود مرا تو اس کا قرض کا مال اور امانت کا مال اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

وجہ کیونکہ وہ میدان میں جنگ کے لئے نہیں آیا یا اس کے ملک پر غلبہ نہیں ہوا تو اس کا مال غنیمت نہیں ہوا بلکہ اس کی ملکیت بحال رہی۔ اس لئے اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

لغت اسرو : قید کیا گیا، مشتق ہے اسیر سے، فیئا : مال غنیمت۔

[۳۰۵۳] (۷۴) مسلمانوں نے جو کچھ اہل حرب کا مال لیا بغیر قتال کے تو وہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ خراج کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔

تشریح اگر حربیوں سے قتال کر کے مال لیا تو یہ مال غنیمت ہے۔ اس میں سے پانچواں خمس نکال کر اس کو مساکین، یتیم اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ اس کی دلیل اوپر گزر چکی۔

اور قتال کے بغیر صرف رعب سے وہ لوگ جھک گئے اور صلح کر لی تو اس مال کو فئی کہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہیں کریں گے۔ بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

وجہ مال غنیمت اور مال فئی کا فرق اس اثر میں مذکور ہے۔ **عن الثوری قال الفیئ والغنیمة مختلفان، اما الغنیمة فما اخذ**

حاشیہ : (الف) اسمر ابن مضرس فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اور اس سے بیعت کی تو فرمایا جہاں مسلمان نہ پہنچا ہو وہاں کوئی پہنچ جائے تو وہ چیز اس کی ہے (ب) آپؐ نے اہل خیبر سے جنگ کی، پس زمین اور باغات پر قابض ہو گئے... تو لوگوں نے مشک پایا اس لئے ابن ابی الحقیق کو قتل کیا، ان کی بیویاں اور بچے قید کئے گئے۔

المسلمون من اموال اهل الحرب بغیر قتال یُصرف فی مصالح المسلمین کما یُصرف الخراج .

المسلمون فصار فی ایدیهم من الکفار والخمس فی ذلک الی الامیر ،یضعه حیث ما امر الله ،والاربعة الاخماس الباقیة للذین غنموا الغنیمة،والفیئ ماوقع من صلح بین الامام والکفار فی اعناقهم وارضهم وزرعهم وفیما صولحوا علیه مما لم یأخذه المسلمون عنوة،ولم یحوزوه ولم یقهروه علیه حتی وقع فیه بینهم صلح،قال فذلک الصلح الی الامام یضعه حیث امر الله (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الغنیمۃ والفیٔ مختلفان، ج خامس، ص ۳۱۰، نمبر ۹۷۱۵) اس اثر میں مال غنیمت اور مال فیٔ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور بتایا کہ صلح کے مال کو مال فیٔ کہتے ہیں۔

مال فیٔ کو امورالمسلمین میں خرچ کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (ب) (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے۔اللہ نے جوفیٔ دیا وہ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ اس میں خمس بھی نہیں ہے۔اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ امت کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کی تائید ہے۔عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ایماقریة افتتحها الله ورسوله فهی لله ولرسوله ،وایما قریة افتتحها المسلمون عنوة فخمسها لله ولرسوله وبقیتها لم قاتل علیها (ج) (سنن للبیہقی، باب من رای قسمۃ الاراضی المغنومۃ ومن لم یرھا، ج تاسع، ص ۲۳۴، نمبر ۱۸۳۹۳) اس حدیث میں ہے جس کو مجاہدین نے فتح کیا اس میں مجاہدین کے چار حصے ہیں، اور جس کو مجاہدین نے فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے رعب سے دشمن نے صلح کر لی وہ سب مال نوائب المسلمین کے لئے ہوگا اور اس کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران علی الفیئ حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب یودونها الی المسلمین (د) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ج ۲، ص ۴۷، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ اہل نجران سے جو صلح ہوئی تھی اس مال میں خمس نہیں لیا جاتا تھا۔اور نہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا تھا۔بلکہ پورا مال مسلمانوں کے کام آتا تھا۔

لغت اوجف : گھوڑا دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کر لینا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوریؒ نے فرمایا فیٔ اور غنیمت الگ الگ مال ہیں۔غنیمت اس کو کہتے ہیں کہ مسلمان نے کفار سے قبضے میں لیا۔اس کا خمس امیر کو دیا جاتا ہے۔اللہ نے اس کو جیسا حکم دیا وہاں خرچ کرے۔اور باقی چار خمس ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے غنیمت حاصل کی۔اور فیٔ یہ ہے کہ امام اور کفار کے درمیان صلح کی وجہ سے کفار کی ذات پر، اس کی زمین پر اور اس کی کھیتی پر لازم ہو، جس مال پر بھی صلح ہوئی ہو جس کو مسلمانوں نے بزور طاقت نہ لی ہو اور نہ اس پر قبضہ کیا ہو۔یہاں تک کہ آپس میں صلح ہو گئی ہو۔یہ صلح کا مال امام کی ذمہ داری ہے کہ اللہ نے جیسا حکم دیا وہاں خرچ کرے (ب) اللہ نے اپنے رسول کو جو کچھ اہل قری کا فیٔ دیا تو وہ اللہ اور رسول کے لئے ہے۔اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان دولت نہ بن جائے (ج) آپؐ نے فرمایا کسی گاؤں کو اللہ رسول نے فتح کیا تو وہ اللہ اور رسول کے لئے ہے۔اور کسی گاؤں کو مسلمانوں نے زبردستی فتح کیا تو اس کا خمس اللہ اور رسول کے لئے ہے اور باقی اس کے لئے ہے جس نے اس پر قتال کیا (د) آپؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی آدھا صفر مہینے میں اور آدھا رجب میں مسلمان کو ادا کریں گے۔

[۳۰۵۴] (۷۵) وارض العرب کلها ارض عشر[۳۰۵۵] (۷۶) وھی مابین العُذیب الی

﴿ عشری اور خراجی زمین کے احکام ﴾

[۳۰۵۴] (۷۵) عرب کی زمین کل کی کل عشری ہیں۔

تشریح عرب میں دوسرا دین رکھنا جائز نہیں ہے۔اور خراج اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کافر رہائش پذیر ہو اور عرب میں کافر کا رکھنا جائز نہیں۔اس لئے اس پر خراج لگانا بھی جائز نہیں۔اس لئے وہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جزیرۂ عرب سے تمام مشرکین کو نکال دو۔عن ابن عباسؓ انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب (الف) (بخاری شریف، باب ھل یستشفع الی اہل الذمۃ ومعاملتھم، ص ۴۲۹، نمبر ۳۰۵۳ر مسلم شریف، باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ، ص ۴۲، نمبر ۱۶۳۷) اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو عرب سے نکال دو اس لئے وہ عشری ہے (۲) حدیث میں ہے۔سمع عمر بن عبد العزیز یقول بلغنی انہ کان آخر ماتکلم بہ رسول اللہ ﷺ ان قال قاتل اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد، لایبقین دینان بارض العرب (ب) (سنن للبیہقی، باب لایسکن ارض الحجاز مشرک، ج تاسع، ص ۳۵۰، نمبر ۱۸۷۵۰) اس حدیث مرسل سے بھی تائید ہوتی ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔یعنی اس زمین میں خراج نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی پیداوار میں دسواں حصہ لیا جائے گا۔

نوٹ ابھی تو ساری زمین امریکی ہو گئی ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

[۳۰۵۵] (۷۶) اور وہ مقام عذیب سے انتہائے حجر یمن تک ہے۔اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح جزیرۂ عرب کہاں سے کہاں تک ہے اس کی تفصیل ہے۔تو فرماتے ہیں کہ مقام عذیب سے لیکر یمن میں ایک مقام حجر ہے وہاں تک ہے۔یہ چوڑائی کی مقدار ہوئی۔اور لمبائی میں مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے۔یہ دکھن سے اتر ہوا۔

وجہ اثر میں اس کی تصریح اس طرح ہے۔قال سعید بن عبد العزیز جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصی الیمن الی تخوم العراق الی البحر (ج) دوسری روایت میں ہے۔وقال الاصمعی جزیرۃ العرب من اقصی عدن ابین الی ریف العراق فی الطول واما العرض فمن جدۃ وما والاھا من ساحل البحر الی اطراف الشام (د) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تفسیر ارض الحجاز وجزیرۃ العرب، ج تاسع، ص ۳۵۱، نمبر ۱۸۷۵۵/۱۸۷۵۶) ان دونوں روایتوں کا حاصل تقریبا ایک ہی ہے کہ عرب کی حد لمبائی میں شام سے لیکر یمن تک اور بحرین سے لیکر جدہ تک ہے۔اس حد میں کافروں کو مستقل رہائش دینا ناجائز ہے۔اور اس میں ذمی رکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ زمین عشری ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (ب) آپ کا آخری کلام یہ تھا، اللہ یہود اور نصاری کو قتل کرے انہوں نے انبیاء کی قبر کو سجدہ گاہ بنالی۔عرب کی زمین میں دو دین باقی نہ رہے (ج) سعید بن عبد العزیز نے فرمایا جزیرۂ عرب وادی سے یمن کے اخیر تک ہے اور تخوم العراق سے سمندر تک ہے (د) حضرت اصمعیؒ نے فرمایا جزیرۂ عرب عدن کے اخیر سے ریف العراق تک لمبائی میں، بہرحال چوڑائی میں جدہ اور اس کے اردگرد ساحل سمندر سے اطراف شام تک۔

اقصی حجر بالیمن بمهرة الی حد الشام [۳۰۵٦](۷۷) والسواد کلها ارض خراج وهی مابین العُذیب الی عقبة حُلوان ومن الثعلبة ویقال ومن العلث الی عبّادان[۳۰۵۷](۷۸) وارض السواد مملوکة لاهلها یجوز بیعهم لها وتصرفهم فیها.

لغت عذیب : یہ عراق کے پاس ہے اور عراق کے حاجی وہاں سے گزرتے تھے۔

[۳۰۵٦](۷۷) اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح اس زمانے میں عراق کی زمین میں کاشت بہت ہوتی تھی اس لئے اس کو زرخیز یعنی کالا کہتے تھے۔ عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک تھی۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ زمین خراجی سمجھی جاتی تھی۔

لغت سواد : کالا، یہاں مراد ہے زرخیز زمین۔

[۳۰۵۷](۷۸) عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ ان کے لئے اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

تشریح عراق کی زمین کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی تھی۔ اور بعض سے پتا چلتا ہے کہ تقسیم نہیں کی تھی۔ اور جو حصہ تقسیم کی تھی اس کو بھی بعد میں واپس لے لیا اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور تمام زمین پر خراج مقرر کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کسی زمین کا مالک ہو اور اس کا خراج ادا کرتا ہو تو اس زمین کو بیچ سکتا ہے اور تصرف کر سکتا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابن سیرین قال السواد منه صلح ومنه عنوة، فما کان منه عنوة فهو للمسلمین وما کان منه صلح فلهم اموالهم** (الف) (سنن للبیهقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲۵، نمبر ۱۸۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عراق کا بعض حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے۔ جو غلبہ سے فتح ہوا تھا اس کو مسلمانوں کے لئے تقسیم کر دیا۔ اور جو صلح سے فتح ہوا تھا وہ مالک کا مال رہا۔ اور جب مالک کا مال رہا تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے (۲) **عن عمرؓ انه اراد ان یقسم اهل السواد بین المسلمین وامر بهم ان یحصوا فوجدوا الرجل المسلم یصیبه ثلاثة من الفلاحین یعنی العلوج فشاور اصحاب النبی ﷺ فی ذلک فقال علیؓ دعهم یکونون مادة للمسلمین فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیهم ثمانیة واربعین، واربعة وعشرین واثنی عشر** (ب) (سنن للبیهقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲٦، نمبر ۱۸۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورے سے عراق کی زمین تقسیم نہیں کی گئی۔ اس لئے وہاں کے لوگ اس کے مالک رہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا عراق کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا ہے اور کچھ حصہ زبردستی، پس جو زبردستی فتح ہو وہ مسلمانوں کی غنیمت ہے اور جو صلح سے ہو وہ صلح کرنے والے کا مال ہے (ب) حضرت عمرؓ نے چاہا کہ عراق والوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرے تو لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو گنے۔ تو دیکھا کہ ایک مسلمان مرد کے حصے میں تین کاشتکار یعنی کافر آتے ہیں۔ پس اصحاب نبیؐ نے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ان کو چھوڑ دیں۔ مسلمانوں کے مادہ ثابت ہوں گے۔ پھر عثمان بن حنیف کو روانہ کیا تو ان میں سے کسی پر اڑتالیس اور کسی پر چوبیس اور کسی پر بارہ درہم مقرر کیا۔

[۳۰۵۸](۷۹) وكـل ارض اسـلـم اهلها عليها او فُتحت عنوةً وقُسمت بين الغانمين فهي ارض عشر.

عراق وغیرہ کے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے اس لئے ان سے اب خراج ساقط ہو گیا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **قال كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض** (الف) (سنن للبیہقی، باب من اسلم اهل الصلح سقط الخراج عن ارضه، ج تاسع، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صلح کی اس کا پورا ملک مسلمان ہو جائے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ اور زمین عشری ہو جائے گی۔ اس لئے عراق وغیرہ کی زمین ابھی عشری ہے۔

نوٹ ابھی تو اس کی زمین بھی امریکی ہو گئی ہے اس لئے کہ اس پر امریکہ کا قبضہ ہو گیا ہے۔

[۳۰۵۸](۷۹) جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا بزور بازو فتح کی گئی ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے۔

تشریح خراج مقرر کرنے سے پہلے کسی ملک کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو اس کی زمین پر عشر لازم کریں گے۔ یا اس ملک کو بزور بازو فتح کیا ہو اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس صورت میں بھی اس زمین پر عشر لازم کیا جائے گا۔

وجہ اگر مسلمان خراجی زمین خریدے تب تو اس پر خراج لازم ہوگا۔ لیکن ابتدائی طور پر مسلمان کی زمین پر خراج مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی چیز ہے۔ **عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ كان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام يأخذ الارض من اهل الذمة بما عليها من الخراج يقول لا يحل لمسلم او لا ينبغي لمسلم ان يكتب على نفسه الذل والصغار** (ب) (سنن للبیہقی، باب الارض اذا كانت صلحا رقابها لاهلها وعليها خراج يؤدونه فاخذها منهم مسلم بكراء، ج تاسع، ص ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن العلاء بن الحضرمي قال بعثني رسول الله ﷺ الى البحرين او الى هجر فكنت آتي الحائط يكون بين الاخوة يسلم احدهم فآخذ من المسلم العشر ومن المشرك الخراج** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔ اس لئے جو زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو گئی ہو اس پر عشر لازم ہوگا۔

کوئی مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد**

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عبد الحمید کو لکھا اور ذکر فرمایا۔ اس میں کہا کہ زمین والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس پر خراج نہیں ہے (ب) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھتے کہ کوئی مسلمان ذمی کی زمین خراج کے ساتھ لے تو کیسا ہے؟ فرماتے کہ مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے کہ اپنی ذات پر ذلت اور چھوٹا پن مسلط کرے (ج) حضرت علاء فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے بحرین یا ہجر کی طرف بھیجا۔ میں ایسے باغ میں جاتا جو دو بھائیوں کے درمیان ہو۔ ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو مسلمان سے دسواں حصہ لیتا عشر لیتا اور مشرک سے خراج لیتا۔

[۳۰۵۹](۸۰) وکل ارض فُتحت عنوۃً فأُقرَّ اھلھا علیھا فھی ارض خراج [۳۰۶۰]
(۸۱) ومن احیا ارضا مواتا فھی عند ابی یوسف معتبرۃ بحیّزھا فان کانت من حیّز ارض الخراج فھی خراجیّۃ وان کانت من حیّز ارض العشر فھی عُشریّۃ والبصرۃ عندہ عشریۃ

الرحمن فذکرہ فقال فیہ ولا خراج علی من اسلم من اھل الارض (الف) (سنن للبیھقی، باب من اسلم من اھل الصلح سقط الخراج علی ارضہ، ج تاسع، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی ملک والا مسلمان ہو جائے تو اس پر خراج نہیں ہے۔

[۳۰۵۹] (۸۰) جس زمین کو بزور طاقت فتح کیا ہو اور اس کے باشندے کو وہیں رکھا ہو تو وہ خراجی زمین ہے۔

تشریح کسی زمین کو طاقت سے فتح کیا یا رعب سے فتح کیا لیکن اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی بلکہ اس پر کفار ہی کا قبضہ بحال رہنے دیا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔

وجہ عشر ایک قسم کی عبادت ہے اور کفار عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے ان پر خراج لازم ہوگا (۲) اوپر ابن ماجہ شریف کی حدیث گزری۔ عن العلاء بن الحضرمی ... فاخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج (ب) (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی زمین پر خراج ہے (۳) عراق کے لوگ مشرک تھے اور ان کو اس کی زمین پر بحال رکھا گیا تھا تو اس کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج مقرر کیا۔ (سنن للبیھقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲)

[۳۰۶۰] (۸۱) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا۔ پس اگر برابر والی زمین خراجی ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ اور بصرہ ان کے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ کی وجہ سے۔

تشریح مردہ زمین کو زندہ کیا اور آباد کیا تو اس کو عشری قرار دیں یا خراجی قرار دیں؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ کون سے پانی سے سیراب کرتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے قریب میں کیسی زمین ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر مردہ زمین کے قریب میں خراجی زمین ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر وہ عشری زمین کے درمیان ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

وجہ اس زمین کا پہلے سے کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کیسا ہے یا وہ ایریا کیسا ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر قریب کی زمین مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا مسلمان کی ملکیت ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مردہ زمین بھی مجاہدین کی ملکیت تھی اس لئے اس پر بھی عشر لازم ہو۔ اور اگر وہ ملک کفار کی ملکیت رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہے تو یہ مردہ زمین بھی کسی نہ کسی درجہ میں کفار ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس پر بھی خراج لازم ہونا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا اور اس میں یہ تذکرہ کیا کہ زمین والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس پر خراج نہیں ہے (ب) علاء بن حضرمی فرماتے ہیں۔ مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج۔

باجماع الصحابة رضی الله عنهم[۳۰۶۱](۸۲) وقال محمد رحمه الله تعالى ان احياها ببئر حفرها او بعين استخرجها او بماء دجلة او الفرات او الانهار العظام التي لايملكها

اصول مردہ زمین کی اصلیت کا اندازہ برابر کی زمین کس کی ملکیت ہے اس سے لگایا جائے گا۔

بصرہ ان کے یہاں عشری زمین ہے۔اس کا اشارہ اس اثر سے ملتا ہے۔**عن محمد بن عبيد الله الثقفي ، قال خرج رجل من اهل البصرة من ثقيف يقال له نافع ابو عبد الله، وكان اول من افتلا الفلا ،فقال لعمر بن الخطابؓ ان قبلنا ارضابالبصرة ليست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمين، فان رأيت ان تقطعنيها اتخذ فيها قضبا لخيلي فافعل،قال فكتب عمر الى ابی موسى الاشعرى ... فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه** (الف)

(رواہ عبید فی الاموال،ص ۲۷۷،اعلاء السنن، باب من احیاء ارضا مواتا بماء الخراج فخراجية والافعشرية ، ج الثانی عشر،ص ۴۲۵،نمبر ۴۰۹۱)

اس اثر میں ہے کہ جزیہ کی زمین نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ خراجی زمین نہیں تھی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مردہ زمین میں خراجی پانی جائے تو وہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مسئلے میں امام محمد کی رائے کہ جس پانی سے سیراب کیا جائے زمین وہی شمار کی جائیگی۔

لغت حیز : اردگرد، برابر کی زمین۔

[۳۰۶۱](۸۲) امام محمدؒ نے فرمایا اگر زمین کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے۔اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یز دجرد تو وہ خراجی ہے۔

تشریح امام محمدؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کس قسم کا استعمال کرتا ہے اس کے اعتبار سے مردہ زمین خراجی یا عشری ہوگی۔پس اگر خراجی پانی ڈال کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی چاہے وہ عشری زمین کے درمیان ہو۔اور اگر عشری پانی ڈال کر زندہ کیا تو وہ عشری ہوگی۔آگے تفصیل ہے کہ کون سا پانی عشری ہے اور کون سا خراجی ہے۔

کسی نے خود کنواں کھودا یا چشمہ نکالا تو ان دونوں کا پانی عشری ہے۔اس سے مردہ زمین زندہ کیا تو زمین عشری ہوگی۔یا نہر دجلہ، نہر فرات یا وہ نہر جن کا کوئی مالک نہیں اس کا پانی عشری ہے اس لئے اس پانی سے جو مردہ زمین زندہ کرے گا وہ عشری ہوگی۔

اور وہ نہر جس کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے نہر ملک اور نہر یز دجردان کا پانی خراجی ہے۔اس پانی سے مردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ خراجی ہوگی۔

وجہ اوپر حضرت عمرؓ کا اثر گزرا۔ **فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه**(ب)(رواہ عبید فی الاموال،ص ۲۷۷،اعلاء السنن، نمبر ۴۰۹۱)اس اثر میں ہے کہ بصرہ کی اس زمین میں جزیہ یعنی خراجی پانی نہ جاتا ہو تو نافع ابو عبید اللہ کو دے دو۔

حاشیہ : (الف) محمد بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ کا ایک آدمی ثقیف سے نکلا جس کا نام نافع ابو عبد اللہ تھا۔یہ پہلا آدمی ہے جس نے جنگل میں میدان بنایا۔پس عمر بن خطابؓ سے کہا مجھ سے پہلے بصرہ میں خراجی زمین نہیں ہے اور مسلمانوں کو نقصان دیتی ہے۔پس اگر مجھے زمین کچھ ٹکڑا دیں جس میں گھوڑے کے دوڑنے کی جگہ بناؤں تو کر لوں۔پس حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسی اشعریؓ کو لکھا...اگر جزیہ کی زمین نہ ہو اور نہ ایسی زمین ہو جس میں جزیہ کا پانی جاری ہوتا ہو تو اس کو عطا کر دو۔ (ب) اگر جزیہ کی زمین نہ ہو اور نہ اس میں جزیہ کا پانی جاری ہوتا ہو تو اس کو عطا کر دو۔

احـد فهـي عُشـريّة وان احيـاها بماء الانهار التي احتفرها الاعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهي خراجيّة[٣٠٦٢](٨٣) والخراج الذى وضعه عمر رضى الله عنه على اهل السـواد من كـل جريب يبلغه الماء ويصلح للزرع قفيزٌ هاشميٌّ وهو الصاع ودرهم ومن جريب الرطبة خمسة دراهم ومن جريب الكرم المتّصل والنخل المتّصل عشرة دراهم.

اس سے اشارہ ہوتا ہے خراجی زمین بننے میں پانی کا اعتبار ہے قرب وجوار کا اعتبار نہیں۔

لغت احتفر : حفر سے مشتق ہے کھودنا۔

[٣٠٦٢] (٨٣) خراج جو حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر مقرر کیا وہ ایک جریب جس میں پانی پہنچا ہو اور کھیتی کے قابل ہو ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں دس درہم۔

تشریح حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیتی کی زمین جس میں پانی جاتا ہو اور زراعت کے قابل ہو ایک جریب میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور ترکاریوں کی زمین میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور جو گھنے ہوں اس کی ایک جریب زمین میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج ہے۔

وجہ ان عـمر بن الخطابؓ بعث عثمان بن حنيف على السواد فوضع على كل جريب عامر او غامر يناله الماء درهما وقفيزا يعني الحنطة والشعير وعلى جريب الكرم عشرة وعلى جريب الرطاب خمسة (الف)(مصنف ابن ابی شيبة ،٢٧ ما قالوا في الخمس والخراج كيف يوضع ، ج سادس، ص ٤٣٩، نمبر ٣٢٧٠٦ سنن للبيهقي ، باب قدر الخراج الذي وضع على السواد، ج تاسع ،ص ٢٣٠، نمبر ١٨٣٨٣) اثر سے معلوم ہوا کہ عام کھیتی میں ایک صاع اور ایک درہم، ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ میں دس درہم خراج ہے۔ گویا کہ ایک جریب عام کی کھیتی میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور اور کھجور کی باغ میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج لازم ہوگا۔

نوٹ چاندی کا حساب اپنے اپنے سکوں سے کرلیں۔

نوٹ مصنف ابن ابی شیبہ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ درہم کے ساتھ پانچ صاع غلہ اور دس درہم کے ساتھ دس صاع غلہ بھی خراج میں لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شيبة ،٢٧ ما قالوا في الخمس والخراج كيف يوضع ، ج سادس، ص ٤٣٨، نمبر ٣٢٧٠٢)

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق پر بھیجا ہرا آباد اور غیر آباد جس کو پانی پہنچتا ہو ایک جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز مقرر کیا یعنی گیہوں اور جو کی پیداوار پر۔ اور انگور کے ایک جریب زمین پر دس درہم اور سبزی کے ایک جریب زمین پر پانچ درہم مقرر فرمایا۔

لغت الرطبۃ : تر، یہاں ترکاری مراد ہے، الکرم : انگور، المتصل : ملا ہوا یعنی گھنا باغ، قفیز ہاشمی : ایک صاع ہوتا ہے۔

﴿ جریب اور ایک ایکڑ کی تحقیق ﴾

جریب کتنی لمبی چوڑی ہے اس کے بارے میں رد المحتار علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ کسری کے ہاتھ سے 60 ہاتھ لمبی اور 60 ہاتھ چوڑی زمین ہو تو وہ ایک جریب ہوتی ہے۔ اور 60 ہاتھ کو 60 ہاتھ میں ضرب دیں تو مجموعہ 3600 مربع ہاتھ ایک جریب ہوگی۔ عبارت یہ ہے کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب ہو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری (سبع قبضات) (رد المحتار مطلب فی خراج المقاسمۃ، کتاب الجہاد، ج سادس، ص ۲۹۲)

ایک قبضہ 3 انچ کا ہوتا ہے اس لئے 7 قبضے 21 انچ ہوئے۔ یعنی اس کا ایک ہاتھ 1.75 پونے دو فٹ کا ہوا۔ اور ساٹھ ہاتھ 105 فٹ کا ہوا۔ گویا کہ 105 فٹ لمبی اور 105 فٹ چوڑی مجموعہ 11025 مربع فٹ کی ایک جریب ہوئی۔ اور تین فٹ کا ایک گز ہوتا ہے اس لئے اس کو گز میں لے جائیں تو 35 گز لمبی اور 35 گز چوڑی مجموعہ 1225 مربع گز کی ایک جریب ہوئی۔

(میٹر کے حساب سے جریب کی تحقیق)

2.54 سینٹی میٹر کا ایک انچ ہوتا ہے اس لئے 12 انچ کا 53.34 سینٹی میٹر ہوا۔ گویا کہ کسری کا ایک ہاتھ 53.34 سینٹی میٹر کا ہوا۔ اب اس کو ساٹھ ہاتھ میں ضرب دیں تو 32.004 میٹر لمبی ہوئی۔ اور وہی 32.004 چوڑی بھی ہے۔ اس لئے 32.004 کو 32.004 میں ضرب دیں تو مجموعہ 1024.25 مربع میٹر کی ایک جریب ہوگی۔

(ایکڑ اور جریب میں فرق)

آج کل پوری دنیا میں ایکڑ کا حساب رائج ہے۔ اسی سے زمین کی پیائش کرتے ہیں اس لئے ایکڑ اور جریب میں موازنہ کرنا ضروری ہے۔ تا کہ معلوم ہو کہ ایک ایکڑ میں کتنا خراج لازم ہوگا۔

63.614 میٹر لمبا اور 63.614 میٹر چوڑا مجموعہ 4046.856 مربع میٹر کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

اسی طرح 69.57 گز لمبا اور 69.57 گز چوڑا مجموعہ 4840 مربع گز کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

جریب چونکہ ایکڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ایک جریب 1024.25 مربع میٹر کو ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر میں تقسیم دیں تو 3.951 گنا بڑا ایکڑ جریب سے ہوگا۔ اس لئے ایک ایکڑ زمین میں اگر عام کاشتکاری ہو تو 3.951 صاع غلہ اور 3.951 درہم خراج لازم ہوگا۔ جس کا وزن 12.094 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

(عام آدمی کا ہاتھ)

عام آدمی کا ہاتھ چھ قبضہ ہوتا ہے۔ اور ایک قبضہ 3 انچ کا ہے اس لئے ایک ہاتھ 18 انچ یعنی 1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوگا۔

چونکہ ایک انچ 2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اس لئے 18 انچ کا 45.72 سینٹی میٹر ایک ہاتھ ہوا۔

نوٹ پوری تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

﴿جریب اور ایکڑ کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
ایک انچ	2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	18 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک گز	36 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	3 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	7.62 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری کا ہاتھ﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
کسری کا ہاتھ	7 قبضے کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	21 انچ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	1.75 پونے دو فٹ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	53.34 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	100 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری جریب کتنی ہوتی ہے﴾

جریب	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک جریب	60 ہاتھ	×	60 ہاتھ	=	3600	مربع کسری ہاتھ
ایک جریب	105 ہاتھ	×	105 ہاتھ	=	11025	مربع فٹ
ایک جریب	35 گز	×	35 گز	=	1225	مربع گز
ایک جریب	32.004 میٹر	×	32.004 میٹر	=	1024.25	مربع میٹر

﴿ ایکڑ کتنا ہوتا ہے ﴾

ایکڑ	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک ایکڑ	69.57 گز	×	69.57 گز	=	4840	مربع گز
ایک ایکڑ	63.614 میٹر	×	63.614 میٹر	=	4046.856	مربع میٹر
ایک ڈسمل	6.3614 میٹر	×	6.3614 میٹر	=	40.4685	مربع میٹر
نوٹ سوڈسمل کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔						

﴿ جھارکھنڈ کا سیکر ﴾

میرے صوبہ جھارکھنڈ میں لوہے کی ایک لمبی زنجیر سے زمین کی پیائش کرتے ہیں جس کو سیکر کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جریب بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو Chain کہتے ہیں۔

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔ اور سیکر کی لمبائی 20.1168 میٹر ہے۔ اس طرح 20.1168 چوڑا اور 201.168 لمبا کو ضرب دیں تو مجموعہ 4046.856 مربع میٹر ہوتا ہے جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اور گز کے اعتبار سے ایک سیکر 22 گز لمبا ہوتا ہے۔ اس کو دس سیکر یعنی 220 گز میں ضرب دیں تو 4840 مربع گز نکل آئے گا جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔

﴿ سیکر کا حساب ﴾

سیکر	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک سیکر	20.1168 میٹر	-	-	-	-	-
ایک سیکر	22 گز	-	-	-	-	-
ایک سیکر	20.1168 میٹر	×	201.168 میٹر	=	4046.85	مربع میٹر ایک ایکڑ
ایک سیکر	22 گز	×	220 گز	=	4840	مربع گز ایک ایکڑ

نوٹ طلبہ کی معلومات کے لئے میں نے ہر جگہ فارمولوں اور حسابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کلکولیٹر سے حساب کرلیں۔

[۳۰۶۳](۸۴)وما سوی ذلک من الاصناف یوضع علیها بحسب الطاقة فان لم تُطق ما وضع علیها نقصها الامام[۳۰۶۴](۸۵) وان غلب علی ارض الخراج الماء او انقطع

[۳۰۶۳](۸۴)اس کے علاوہ اور قسم کی زمینوں میں طاقت کے مطابق، اور اگر جو اس پر مقرر کیا ہے اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم کردے۔

تشریح اوپر جو متعین کردہ مقدار زمین کی عام پیداوار کے اعتبار سے ہے۔ اس لئے اگر اس سے کم پیداوار ہو تو کم خراج متعین کیا جا سکتا ہے۔ اور جو متعین کیا ہے اگر رعیت اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم بھی کر سکتا ہے۔

وجہ حضرت عمرؓ نے خراج متعین کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ یہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ رأیت عمرؓ بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدینة ووقف علی حذیفة بن الیمان وعثمان بن حنیف قال کیف فعلتما حملتماها امرا هی له مطیقة ما فیها کبیر فضل قال انظرا ان تکونا حملتما الارض مالا تطیق قال قالا لا (الف) (بخاری شریف، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ص ۵۲۳، نمبر ۳۷۰۰ رمصنف ابن ابی شیبة ۱۷، ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا، مصنف ابن ابی شیبة کے اثر میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جملہ بھی ہے 'لو شئت لاضعفت ارضی' جس سے معلوم ہوا کہ اگر چاہیں تو اس سے زیادہ بھی خراج متعین کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ متعین نہیں فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ ہو جائے تو کم بھی کیا جا سکتا ہے (۲) دوسرے اثر میں ہے۔ فوضع عثمان علی الجریب من الکرم عشرة دراهم وعلی جریب النخل ثمانیة دراهم وعلی جریب القصب ستة دراهم یعنی الرطبة وعلی جریب البر اربعة دراهم وعلی جریب الشعیر درهمین (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۴ رسنن للبیهقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲) اس اثر میں مختلف پیداوار کا خراج مختلف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خراج کم بیش کر سکتا ہے۔

[۳۰۶۴](۸۵) اگر خراجی زمین پر پانی غالب آ گیا یا اس سے پانی منقطع ہو گیا یا آفت نے کھیتی برباد کر دی تو ان پر خراج نہیں ہے۔

(الف) مدینہ میں حضرت عمرؓ کو زخم لگنے سے چند دن پہلے دیکھا کہ وہ حذیفہ بن یمانؓ اور عثمان بن حنیفؓ کو سامنے کھڑے ہو کر کہا تم دونوں نے کیسے کیا؟ کیا تم لوگوں کو خطرہ ہے کہ زمین پر اتنا خراج ڈالا جس کی طاقت نہ ہو؟ دونوں نے جواب دیا کہ اتنا لازم کیا جس کی ان کو طاقت ہے۔ کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ فرمایا دیکھ لیں کہ اگر طاقت سے زیادہ زمین پر خراج لازم کیا ہو! دونوں نے فرمایا نہیں، زیادہ مقرر نہیں کیا (ب) حضرت عثمان بن حنیفؓ نے انگور کے ایک جریب زمین پر دس درہم مقرر کیا اور کھجور کے ایک جریب زمین پر آٹھ درہم اور ترکاری کے ایک جریب زمین پر چھ درہم اور گیہوں کے ایک جریب زمین پر چار درہم اور جو کے ایک جریب زمین پر دو درہم مقرر کیا۔

عنها او اصطلم الزرع آفة فلا خراج علیهم[۳۰۶۵](۸۶) وان عطّلها صاحبها فعلیه الخراج[۳۰۶۶](۸۷) ومن اسلم من اهل الخراج یؤخذ منه الخراج علی حاله

تشریح پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پیداوار کے مطابق خراج ہوگا۔اس قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے اگر کسی مصیبت کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں ہو پائی تو خراج ساقط ہو جائے گا۔مثلا سیلاب نے کھیتی برباد کر دی۔یا بارش ہی نہیں ہوئی یا کوئی آفت آگئی جس کی وجہ سے کھیتی اجڑ گئی تو اہل خراج پر خراج نہیں ہوگا۔

وجہ جب کھیتی ہی نہیں ہوئی تو خراج کہاں سے دے گا (۲) اوپر کے اثر میں تھا کہ طاقت کے مطابق خراج ہو اور یہاں آفت کی وجہ سے طاقت باقی نہیں رہی اس لئے خراج ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ **قال الحسن واما اراضیهم فعلیها الخراج الذی وضعه عمر بن الخطابؓ فان احتملوا اکثر من ذلک فلا یزاد علیهم وان عجزوا عن ذلک خفف عنهم ولا یکلفون فوق طاقتهم کما قال عمرؓ** (الف) رواہ یحیی بن آدم فی الخراج، ص۴۳، نمبر ۲۸، اعلاء السنن، ج ثانی عشر، ص ۴۳۷، نمبر ۴۱۰۰) اس اثر میں ہے کہ اگر خراج دینے والا عاجز ہو جائے تو اس سے کم کیا جائے۔یہاں کھیتی ہوئی ہی نہیں اس لئے اس سے خراج معاف ہو جائے گا۔

لغت اصطلم : صلم سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا، کھیتی برباد ہونا، الزرع : کھیتی۔

[۳۰۶۵](۸۶) اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین کے مالک نے تو اس پر خراج ہے۔

تشریح کھیتی کرنے کی تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن امین کے مالک نے سستی کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں کی تو اس پر خراج ہوگا۔

وجہ اس سے اس کی سستی دور ہوگی (۲) غلطی خود مالک زمین کی ہے اس لئے خراج ساقط نہیں ہوگا۔

اصول مالک زمین کی غلطی ہو تو خراج ساقط نہیں ہوگا۔

لغت عطل : بیکار چھوڑ دیا۔

[۳۰۶۶](۸۷) اگر خراج دینے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے بدستور خراج لیا جائے گا۔

وجہ مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا ٹھیک نہیں ہے۔لیکن اگر پہلے سے خراج لازم ہے اور زمین کا مالک مسلمان ہو گیا تو خراج لازم ہی رہے گا (۲) اثر میں ہے۔ **عن عمرؓ و علیؓ قالا اذا اسلم وله ارض وضعنا عنه الجزیة واخذنا خراجها** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۵ ما قالوا فی الرجل من اهل الذمة یسلم من قال یرفع عنه الجزیة، ج سادس، ص ۴۶۷، نمبر ۳۲۹۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے سے جزیہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن خراج ساقط نہیں ہوگا (۳) کیونکہ جزیہ کافر کے سر پر ہے جو ذلت کی چیز ہے، اور خراج اس کی

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا بہر حال لوگوں کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج متعین کیا۔پس اگر اس سے زیادہ خراج برداشت کر سکتی ہو تب زیادہ نہ کیا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتی ہو تو کم کر دیا جائے۔اور طاقت سے زیادہ مکلف نہ بنایا جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا (ب) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا اگر ذمی اسلام لائے اور اس کے پاس زمین ہو تو اس سے جزیہ ختم کر دیا جائے گا اور اس سے خراج لیا جائے گا۔

[٣٠٦٧](٨٨) ویجوز ان یشتری المسلم من الذمی ارض الخراج ویؤخذ منه الخراج [٣٠٦٨](٨٩) ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج [٣٠٦٩](٩٠) والجزیة علی

زمین پر ہے جواتنی ذلت کی چیز نہیں ہے۔

[٣٠٦٧](٨٨) جائز ہے کہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اوراس سے خراج لیا جائے۔

وجہ عن ابن ابی لیلی قال اشتری الحسن بن علیؓ ملحة او ملحا واشتری الحسین بن علی بریدین من ارض الخراج وقال قد رد الیھم عمرؓ ارضھم وصالحھم علی الخراج (الف) (سنن للبیہقی، باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج تاسع، ص ٢٣٧، نمبر ١٨٤٠٥) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی اور حضرت عمرؓ نے اس پر خراج لازم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی طور پر مسلمان پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں، لیکن خراجی زمین خریدے گا تو اس کے واسطے سے مسلمان پر خراج لازم ہو جائے گا۔

فائدہ حضرت عمرؓ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ کان اذا سئل عن الرجل من اھل الاسلام یأخذ الارض من اھل الذمة بما علیھا من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل والصغار (ب) (سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلحا رقابھا لاھلھا وعلیھا خراج یؤدونھا فاخذھا منھم مسلم بکراء، ج تاسع، ص ٢٣٦، نمبر ١٨٣٩٧) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔

[٣٠٦٨](٨٩) خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ خراجی زمین میں خراج بھی لازم ہو اور عشر بھی لازم ہو تو دوگنی رقم ہو جائے گی جو جائز نہیں (٢) اور خراج ساقط کر کے عشر لازم نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لئے اس پر خراج ہی لازم ہوگا (٣) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال لا یجتمع خراج وعشر فی ارض (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، باب ١١١ من قال لا یجتمع خراج وعشر علی ارض، ج ثانی ص ٤١٩، نمبر ١٠٦٠٨) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین میں عشر نہیں ہے۔

﴿ جزیہ کے احکام ﴾

[٣٠٦٩](٩٠) جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزیہ وہ کہ رضامندی اور صلح سے مقرر کرے، پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے۔

تشریح امیر المومنین اور ذمی کے درمیان جزیہ کے جس مقدار پر صلح ہو جائے اتنا جزیہ جائز ہو جائے گا۔

وجہ قبیلہ نجران سے حضورؐ نے دو ہزار حلے کے جزیے پر صلح فرمائی تھی۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول اللہ ﷺ اھل نجران

حاشیہ: (الف) ابن ابی لیلی نے فرمایا حسن بن علیؓ نے نمک کا کان خریدا۔ اور حضرت حسینؓ نے خراجی زمین کے دو بریدے خریدے اور فرمایا لوگوں کی طرف حضرت عمرؓ نے ان کی زمین واپس کی اور اس خراج پر صلح کی جو ذمیوں پر لازم تھا (ب) عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا اہل اسلام کا کوئی آدمی ذمی کی زمین لے اس پر خراج کے ساتھ؟ فرمایا مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے یہ کہ اپنی ذات پر ذلت اور چھوٹا پن لازم کرے (ج) حضرت شعبیؒ نے فرمایا ایک زمین میں خراج اور عشر لازم نہیں ہو سکتے۔

ضـربيـن جـزية تـوضـع بـالتراضي والصلح فتقدر بحسب مايقع عليه الاتفاق .[۳۰۷۰]
(۱ ۹)وجـزية يبتدئ الامـام وضـعهـا اذا غـلـب الامام على الكفار واقرّهم على املاكهم فيـضـع عـلى الغني الظاهر الغناء في كل سنةٍ ثمانيةً واربعين درهما يأخذ منه في كل شهر اربـعة دراهـم وعـلـى المتوسط الحال اربعةً وعشرين درهما في كل شهر درهمين وعلى

علی الفئ حلة النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونها الی المسلمین (الف)(ابوداؤدشریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ،نمبر۳۰۴۱)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی، اور یہی جزیہ مقرر رہا۔

[۳۰۷۰](۹۱)اور وہ جزیہ جو امام ابتداءً مقرر کرے جب وہ غالب آئے کفار اور مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے تو ظاہری مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم مقرر کرے، اور اس سے ہر مہینے میں چار درہم لے۔ اور اوسط درجے کے آدمی پر چوبیس درہم، ہر مہینے میں دو درہم۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم، ہر مہینے میں ایک درہم۔

تشریح اگر کفار سے جزیہ کے بارے میں بات طے نہ ہوئی ہو اور امام کفار پر غلبہ کرنے کے بعد اپنے طور پر جزیہ مقرر کرے تو اس کی مقدار یہ ہو کہ جو اچھا مالدار ہے اس پر سالانہ اڑتالیس درہم اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ اور درمیانی حال والے پر چوبیس درہم ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔

وجہ جزیہ مقرر کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قـاتـلـوا الـذيـن لا يـومـنـون بـالـلـه ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ماحرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون (ب)(آیت۲۹،سورۃ التوبۃ۹)اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا(۲)اور مقدار کے بارے میں یہ اثر ہے۔ قـال وضـع عـمـر بن الخطاب فـي الـجـزية على رء وس الرجال على الغني ثمانية و اربعين درهما وعلى الوسط اربعة وعشرين وعلى الفقير اثنى عشـر درهـمـا (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا، ج سادس، ص۴۳۲، نمبر۳۲۶۳۳رسنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص۳۲۹، نمبر۱۸۶۸۵)اس اثر سے مقدار کی تفصیل معلوم ہوئی (۳)اس میں مالدار اور فقیر کی رعایت ہے کہ مالدار پر زیادہ ہے اور فقیر پر کم ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالدار ہو یا غریب سب پر سال میں ایک دینار جزیہ مقرر کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف)ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلوں پر صلح کی، آدھا صفر میں اور آدھا رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے(ب) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان سے قتال کریں، اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام کیا اس کو حرام نہیں سمجھتے۔ اور ان میں سے جو کتاب دیئے گئے وہ دین حق اختیار نہیں کرتے ان سے قتال کریں۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے لگ جائیں (ج) حضرت عمرؓ نے مالدار مردوں کی ذات پر اڑتالیس درہم جزیہ مقرر فرمایا اور وسط آدمی پر چوبیس اور فقیر پر بارہ درہم۔

الفقير المعتمل اثنى عشرة درهما فى كل شهر درهما[۳۰۷۱](۹۲) وتوضع الجزية

وجہ حدیث میں ہے۔عن معاذ ان النبی علیہ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل حالم يعنى محتلما دينارا او عدله من المعافرى ثياب تكون باليمن (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ ،ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا چاہے مالدار ہو یا غریب۔

لغت المعتمل : عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔

[۳۰۷۱](۹۲)جزیہ مقرر کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجم کے بت پرستوں پر۔

تشریح یہود اور نصاری اور مجوسی چاہے عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں رہتے ہوں۔اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان پر جزیہ مقرر ہوگا۔اسی طرح عجم کے بت پرست ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان کے سروں پر جزیہ مقرر ہوگا۔البتہ عرب کے بت پرستوں پر جزیہ نہیں ہے یا وہ اسلام لائیں یا قتل کے لئے تیار رہیں ذمی بن کر عرب میں نہیں رکھا جا سکے گا۔

وجہ اہل کتاب کے لئے جزیہ کے لئے یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذين لايومنون بالله ولاباليوم الآخر ولا يحرمون ماحرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون (ب)(آیت ۲۹،سورۃ التوبۃ ۹)اس آیت میں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاری سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ جزیہ نہ دینے لگیں۔اور یہ عرب اور غیر عرب کے قید سے عام ہے اس لئے عرب کے اہل کتاب پر بھی جزیہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مجوسی سے جزیہ لینے کے لئے یہ حدیث ہے۔سمعت عمرا قال ... فاتانا كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة فرقوا بين كل ذى محرم من المجوس ولم يكن عمر اخذ الجزية من المجوس حتى شهد عبد الرحمن بن عوفؓ ان رسول الله علیہ اخذها من مجوس هجر (ج)(بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ ،ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۶/۳۱۵۷/ابوداؤد شریف، باب اخذ الجزیۃ من المجوس ،ص ۷۵، نمبر ۳۰۴۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوس ہجر سے آپؐ نے جزیہ لیا۔جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مجوس سے جزیہ لیا جا سکتا ہے(۳)عن ابن عباس قال صالح رسول الله علیہ اهل نجران على الفئ حلة النصف فى صفر والنصف فى رجب يؤدونها الى المسلمين (د)(ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ ،ص، نمبر ۳۰۴۱)اہل نجران عرب کے عیسائی تھے ان سے جزیہ لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف متوجہ فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار لے۔یا اس کے برابر معافری کپڑا جو یمن میں ہوتا ہے(ب)ان لوگوں سے جنگ کرے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔اور جس کو اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں کرتے۔اور اہل کتاب میں سے جو دین حق کو اختیار نہیں کرتے ان سے اس وقت تک جنگ کریں کہ ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں(ج)ہمارے پاس عمر بن خطابؓ کا خط موت سے ایک سال پہلے آیا کہ مجوس کے ذی رحم محرم کی شادی ذی رحم محرم سے ہوگئی ہو تو اس کو جدا جدا کر دیں۔اور حضرت عمرؓ نے مجوس سے اس وقت تک جزیہ نہیں لیا جب تک کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی نہیں دی کہ حضورؐ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول فرمایا تھا(د)آپؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح فرمائی،آدھا صفر میں اور آدھا رجب میں اس کو مسلمانوں کو ادا کریں گے۔

علی اھل الکتاب والمجوس وعبدۃ الاوثان من العجم[۳۰۷۲](۹۳) ولا توضع علی

عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔**قال بعث عمرؓ الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین ... فامرنا نبینا رسول ربنا صلی اللہ علیہ وسلم ان نقاتلکم حتی تعبدوا اللہ وحدہ او تؤدو الجزیۃ** (الف) (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

لغت عبدالاوثان : وثن کی جمع ہے، بت کے بندے یعنی بت پرست، المجوس : جو قوم آگ کی پوجا کرتی ہے۔

[۳۰۷۲] (۹۳) اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرتد پر۔

وجہ آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ عرب کے مشرکین یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کے لئے تیار رہیں۔ذمی بن کر جزیہ دینا اس کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔اس لئے ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔آیت میں ہے۔**فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم** (ب) (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ نماز قائم کرنے یعنی اسلام لانے تک قتال کرتے رہو اور یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے۔اس لئے مشرکین عرب کو جزیہ دیکر جزیرۂ عرب میں رہنے کا حق نہیں ہے (۲) دوسری آیت میں بھی اس کی تائید ہے۔**وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ** (ج) (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں کفار عرب کے بارے میں اشارہ ہے کہ ان سے اتنا قتال کرو کہ پورا دین صرف اللہ کا ہو جائے۔اس لئے بھی ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔**عن ابن عباسؓ انہ علیہ السلام قال لا یقبل من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف** (د) (فتح القدیر، ج خامس، ص ۲۹۳ / اعلاء السنن، نمبر ۴۱۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سے قتل یا اسلام دونوں میں سے ایک ہے اس لئے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اسی پر قیاس کرکے اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

مرتد پر جزیہ اس لئے نہیں ہے کہ اگر مرد ہے تو یا دوبارہ اسلام قبول کرے یا اس کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے اور زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔چاہے عرب کا مرتد ہو چاہے عجم کا مرتد ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو شہر کی مضافات میں جنگ کے لئے روانہ فرمایا...ہم کو حضورؐ نے حکم دیا کہ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں یا جزیہ ادا کریں (ب) جب اشہر حرم ختم ہو جائیں تو جہاں کہیں پائیں مشرکین سے قتال کریں اور ان کو پکڑیں اور ان کو قید کریں اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھیں۔پس اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دیں (ج) اور ان سے لڑیں یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے (د) آپؐ نے فرمایا عرب کے مشرکین سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار کے لئے تیار رہیں۔

عبدة الاوثان من العرب ولا علی المرتدّین[۳۰۷۳](۹۴) ولا جزیة علی امرأة ولا صبی ولا زمن ولااعمی ولا علی فقیر غیر معتمل ولا علی الرھبان الذین لایخالطون الناس

وجہ اسلام کوسمجھنے کے بعد مرتد ہونا کفر سے بھی اغلظ ہے اس لئے اس کوتو بدرجہ اولیٰ قتل کیا جائے گا یا پھر اسلام لے آئے (۲) قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباسؓ فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ ﷺ لا تعذبو بعذاب اللہ، ولقتلتھم لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ** (الف) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص۱۰۲۲، نمبر۶۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مرتدہ عورت ہوتو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائے گا۔ اور کفر کی حالت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ بخاری کی آگے دوسری حدیث ہے۔ **ثم اتبعہ معاذ بن جبل ... قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات** (بخاری شریف، نمبر۶۹۲۳) کہ مرتد کے قتل کرنے تک میں نہیں بیٹھوں گا۔

[۳۰۷۳] (۹۴) اور نہیں جزیہ ہے عورت پر اور نہ بچے پر اور نہ اپاہج پر اور نہ اندھے پر اور نہ ایسے فقیر پر جو کام نہ کرتا ہو اور نہ ایسے راہب پر جو لوگوں سے نہ ملتا ہو۔

تشریح ان لوگوں پر جزیہ نہیں ہے۔

وجہ یہ لوگ غریب ہیں اور کام کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ اس لئے ان لوگوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجھہ الی الیمن امرہ ان یأخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص۴۷، نمبر۳۰۳۸) اس حدیث میں محتلما کی قید سے معلوم ہوا کہ جو بالغ نہ ہو یعنی بچہ ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

اور عورت پر جزیہ نہ ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان عمرؓ بن الخطاب کتب الی عمالہ ان لا یضربوا الجزیة علی النساء والصبیان ولا یضربوھا الا علی من جرت علیہ المواسی** (ج) (سنن للبیھقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص۳۲۹، نمبر۱۸۶۸۳ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۱ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا، ج سادس، ص۴۳۱، نمبر۳۲۶۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے۔

بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **قال ابصر عمرؓ شیخا کبیرا من اھل الذمة یسأل فقال لہ مالک؟ قال لیس لی مال وان الجزیة توخذ منی فقال لہ عمرؓ ما انصفناک اکلنا شبیبتک ثم ناخذ منک الجزیة ثم کتب الی عمالہ**

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ کے سامنے کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا دیا۔ تو یہ خبر حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو فرمایا اگر میں ہوتا تو ان کو نہیں جلاتا کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کی طرح تم آگ سے عذاب نہ دو۔ اور میں ان کو زندیقوں کو قتل کرتا حضورؐ کے فرمان کی وجہ سے کہ جس نے اپنے دین اسلام کو بدل دیا اس کو قتل کر دو (ب) حضورؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف متوجہ کیا تو حکم دیا کہ ہر بالغ آدمی سے ایک دینار جزیہ لے (ج) حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو لکھا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ مقرر نہ کرے۔ اور صرف اسی پر جزیہ مقرر کرے جسکے نیچے کے بال نکل آئے ہوں۔

[۳۰۷۴] (۹۵) ومن اسلم وعلیه جزیة سقطت عنه[۳۰۷۵] (۹۶)وان اجتمع علیه

ان لا یأخذوا الجزیة من شیخ کبیر (الف)(رواۃ زنجویۃ فی الاموال/اعلاء السنن، باب لا جزیۃ علی صبی ولا امرأۃ الخ، ج ثانی عشر، ص ۵۰۹، نمبر ۴۱۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔اور اسی پر اپاہج اور اندھے کو قیاس کیا جائے گا۔کیونکہ یہ دونوں بھی کما نہیں سکتے ہیں۔

جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو وہ بھی کما نہیں سکتا ہے اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن خالد بن ولید انہ صالح اھل الحیرۃ علی تسعین ومائۃ الف درھم تقبل کل سنۃ جزاء عن ایدیھم فی الدنیا رھبانھم وقسیسھم الا من کان غیر ذی ید حبیسا عن الدنیا تارکا لھا وسائحا تارکا للدنیا** (ب)(مختصر رواہ الطبری فی تاریخہ، ج رابع، ص ۱۴/اعلاء السنن، باب لا توضع الدنیا علی الرھبان لا یخالطون الناس، ج ثانی عشر، ص ۵۱۳، نمبر ۴۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

لغت زمن : اپاہج، الرھبان : راہب کی جمع ہے، یخالطون : خلط سے ہے ملنا جلنا۔

[۳۰۷۴] (۹۵) کوئی ایسا آدمی اسلام لائے کہ اس پر جزیہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح پہلے ذمی تھا جس کی وجہ سے اس کے سر پر جزیہ تھا اب وہ مسلمان ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔البتہ اگر اس کی زمین پر خراج تھا تو وہ باقی رہے گا۔

وجہ یہ کفر کی وجہ سے اس کی ذلت کی چیز ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس ذلت کا اہل نہیں رہا اس لئے ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی مسلم جزیة سئل سفیان عن تفسیر ھذا فقال اذا اسلم فلا جزیة علیہ** (ج)(ابو داؤد شریف، باب فی الذمی الذی یسلم فی بعض السنۃ ھل علیہ جزیۃ، ص ۷۷، نمبر ۳۰۵۳/ترمذی شریف، باب ما جاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مسلمان ہو جائے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

[۳۰۷۵] (۹۶) اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا۔

تشریح اگر دو سال تک جزیہ نہیں دے سکا تو اب ایک سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔اور ایک سال ہی کا جزیہ لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے ایک بہت بوڑھے ذمی کو دیکھا کہ وہ مانگ رہا ہے۔تو اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا۔ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔تمہاری میں جوانی میں کھایا پھر بھی تم سے جزیہ لیں۔پھر اپنے عمال کو لکھا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہ لیں (ب) خالد بن ولید نے حیرہ والوں سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر صلح کی۔قبول کیا جائے گا ہر سال میں دنیا میں رہنے کے بدلے کی وجہ سے چاہے ان کے راہب ہو چاہے قسیس ہو۔البتہ جن کا ہاتھ خالی ہو دنیا کو چھوڑے ہوا ہو، سفر کرتا رہتا ہو اور دنیا کو چھوڑ رکھا ہو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (ج) حضورؐ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔حضرت سفیانؒ سے اس کی تفسیر پوچھی تو فرمایا اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

الحولان تداخلت الجزیتان[۳۰۷۶](۹۷) ولایجوز احداث بیعة ولا کنیسة فی دار

وجہ اثر میں ہے۔عن طاؤس انه قال اذا تدارکت الصدقات فلا توخذ الاولی کالجزیة(الف)(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۲ من قال لاتوخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی، ص۴۳۱، نمبر۱۰۷۴۳)(۲) ایک اور اثر میں ہے۔عن الزهری قال لم یبلغنا من احد من ولاة هذه الامة الذین کانوا بالمدینة ابوبکر وعمر وعثمان انهم کانوا لا یثنون العشور لکن یبعثون علیها کل عام فی الخصب والجدب لان اخذها سنة من رسول اللهﷺ (ب)(مصنف ابن ابی شیبة، من قال لاتوخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی، ص۴۳۱، نمبر۱۰۷۴۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک سال میں دو مرتبہ عشر نہیں لیتے تھے۔اور دو سال کا ایک سال میں لیں گے تو دو مرتبہ جزیہ لینا ہوگا۔اس لئے ایک جزیہ ساقط ہوگا اور ایک جزیہ لازم ہوگا (۳) اس میں ذمی کے لئے سہولت ہے جس میں اسلام میں بڑا خیال رکھا گیا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو سال کا جمع ہوا ہے اس لئے دو سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ورنہ حکومت کو نقصان ہوگا اور ذمی ساقط کرنے کے لئے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے گا۔

[۳۰۷۶](۹۷) دار الاسلام میں یہودی اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

تشریح دار الاسلام کے شہروں میں یہودی کا اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

وجہ اس سے اس کی شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی۔اس لئے ان کا نیا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللهﷺ لاتصلح قبلتان فی ارض واحدة ولیس علی المسلمین جزیة(ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء لیس علی المسلمین جزیة، ص۱۳۸، نمبر۶۳۳، کتاب الزکوة) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کو بہت زیادہ اس کے دین کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔اور نیا کنیسہ یا بیعہ بنانا دین کی اشاعت ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال کل مصر مصره المسلمون لا یبنی فیه بیعة ولا کنیسة ولا یضرب فیه بناقوس ولا یباع فیه لحم خنزیر (د)(سنن للبیہقی، باب یشترط علیهم ان لا یحدثوا فی امصار المسلمین کنیسة ولا مجمعا لصلواتهم ولا صوت ناقوس ولا حمل خنزیر ولا ادخال خنزیر، ج تاسع، ص۳۳۹، نمبر۱۸۷۱۴؍مصنف ابن ابی شیبة، ۷۰ ما قالوا فی هدم البیع والکنائس وبیوت النار، ج سادس، ص۴۶۷، نمبر۳۲۹۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس شہر کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں ذمیوں کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت طاؤسؒ نے فرمایا کئی مال کے صدقات جمع ہو جائیں تو پہلے سال کا صدقہ نہیں لیا جائے گا جزیہ کی طرح (ب) حضرت زہریؒ نے فرمایا مجھ کو اس امت کے کسی والی مثلا حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ جو مدینہ طیبہ میں تھے یہ بات نہیں پہنچی ہے کہ ایک سال میں دو مرتبہ عشر لئے ہوں۔لیکن وہ ہر سال خوشحالی اور خشک سالی میں بھیجتے تھے اس لئے کہ وہ رسول اللہ کی سنت ہے (ج) آپؐ نے فرمایا ایک ملک میں دو قبلے نہیں ہو سکتے یعنی اسلام اور عیسائیت نہیں رہ سکتے، اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر وہ شہر جس کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں گرجا اور کنیسہ نہیں بنایا جا سکتا۔اور نہ اس میں ناقوس بجایا جا سکتا ہے۔اور نہ اس میں سور کا گوشت بیچا جا سکتا ہے۔

الاسلام[۳۰۷۷](۹۸) واذا انهدمت البِیَعُ والکنائس القدیمة اعادوها[۳۰۷۸](۹۹) ویؤخذ اھل الذمة بالتمیُّز عن المسلمین فی زِیِّھم ومراکبھم وسروجھم وقلانسھم ولا

لغت بیعۃ : یہودی کا عبادت خانہ، کنائس : کنیسۃ کی جمع ہے نصرانی کا عبادت خانہ۔

[۳۰۷۷](۹۸) اگر پھر منہدم ہو جائیں پرانی گر جائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

تشریح یہودی یا نصرانی کا پرانا عبادت خانہ گر گیا تو اس کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے۔

وجہ جو پہلے سے ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے اہل نجران سے صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ گرجائیں نہیں گرائیں گے۔ ان کے راہبوں کو نہیں نکالیں گے۔ اوران کے دین کے بارے میں فتنے میں نہیں ڈالیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال صالح رسول اللہ ﷺ اھل نجران علی الفئ حلة ... علی ان لا تھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قس ولا یفتنوا عن دینھم مالم یحدثوا حدثا او یأکلوا الربا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۴۱ رسنن للبیہقی، باب لا تھدم لھم کنیسۃ ولا بیعۃ، ج تاسع، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرانی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔

[۳۰۷۸](۹۹) عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک میں سواریوں میں زمینوں میں اور ٹوپیوں میں۔ اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

تشریح ذمیوں کو دار الاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر سلام نہ کرے ان کے لئے دعائیں نہ کرے۔ اور ایک انداز ے میں ذلت کے ساتھ رہے تا کہ اس کو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائے۔

وجہ حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا الیھود ولا النصاری بالسلام واذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقه** (ب) (مسلم شریف، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیھم، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۷ رابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اھل الذمۃ، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہے تا کہ اس کی شان وشوکت کا اظہار نہ ہو (۲) اثر میں ہے کہ ذمیوں پر مہر لگائے تا کہ دور سے پتا چل جائے کہ وہ ذمی ہے۔ اثر یہ ہے۔ **کتب عمرؓ الی امراء الاجناد ان اختموا رقاب اھل الجزیة فی اعناقھم** (ج) (سنن للبیہقی، باب یشترط علیھم ان یفرقوا بین ہیئتھم وہیئۃ المسلمین، ج تاسع، ص ۳۴۰، نمبر ۱۸۷۱۸) (۳) حضرت عمرؓ نے اہل شام سے صلح کی تو اس میں شرط لگائی کہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے میں متمیز رہے۔ باتوں میں بھی متمیز رہے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن**

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی... اس شرط پر کہ انکا گرجا منہدم نہیں کیا جائے اور نہ ان کا قسیس نکالا جائے۔ اور ان کے دین کے بارے میں ان کو فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے جب تک کہ کوئی نئی بات نہ پیدا کریں یا سود نہ کھانے لگیں (ب) آپؐ نے فرمایا یہود اور نصاری کو پہلے سلام مت کرو۔ اگر ان میں سے کوئی راستے میں ملے تو اس کو تنگ راستے پر جانے پر مجبور کرے (ج) حضرت عمرؓ نے امراء اجناد کو لکھا کہ اہل جزیہ کی گردن پر مہر لگاؤ۔

یرکبون الخیل ولا یحملون السلاح[۳۰۷۹](۱۰۰) ومن امتنع من اداء الجزیة او قتل

غنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحیم ... وان نوقر المسلمین وان نقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا جلوسا ولا نتشبه بهم فی شیء من لباسهم من قلنسوة ولا عمامة ولا نعلین ولا فرق شعر ولا نتکلم بکلامهم ولا نتکنی بکناهم ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة (الف)(سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیة، ج تاسع ،ص ۳۳۹،نمبر ۱۸۷۱۷)ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ذمی ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے۔اور ہتھیار اس لئے نہ اٹھائے کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کرلے۔اور مسلمانوں کے لئے مشکلات نہ پیدا کرے۔

نوٹ افسوس کہ عالم عرب پر امریکیوں نے اس طرح قبضہ کرلیا کہ یہ سب مسائل خواب وخیال بن گئے۔

لغت زیھم : ہیئت،لباس، مراکب : مرکب کی جمع ہے رکب سے مشتق ہے سوار، سروج : سرج سے مشتق ہے زین، قلانس : قلنسوة سے مشتق ہے ٹوپی۔

[۳۰۷۹](۱۰۰) کوئی جزیہ کی ادائیگی سے باز رہے یا مسلمان کو قتل کردے یا حضورؐ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرلے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح کوئی جزیہ دینے کا اقرار تو کرتا ہے لیکن جزیہ دیتا نہیں ہے تو اس سے ذمی ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔اور مسلمانوں کے ساتھ جزیہ دینے کا اور ذمی ہونے کا جو عہد کیا تھا وہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ ابھی بھی ذمی بحال رہے گا۔اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کردے یا حضورؐ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرلے تو اس سے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔البتہ ان جرموں کی سزا کا مستحق ہوگا۔مثلا جزیہ ادا نہیں کرتا ہے تو جزیہ وصول کیا جائے گا۔مسلمان کے قتل کے بدلے اس کو قتل کیا جائے گا۔یا حضورؐ کو گالی دینے سے وہ خود مباح الدم ہو جائے گا۔اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا۔

وجہ عہد ٹوٹتا ہے جنگ پر اتر آنے سے، یا کسی چیز کی شرط لگائی تھی اور اس نے اس کے خلاف کیا تو عہد ٹوٹے گا ورنہ نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جنگ پر اتر آئے تب ان کا عہد ٹوٹا اور حضورؐ نے قتال کرکے ان کو قتل کیا۔اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا۔حدیث یہ ہے۔عن ابن عمرؓ حاربت قریظة والنضیر فاجلی بنی النضیر واقر قریظة ومنّ علیهم حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین (ب)(بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیہم فی دیة

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ جب اہل شام سے صلح ہو رہی تھی تو میں نے حضرت عمرؓ کے لئے یہ خط لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم ... یہ کہ مسلمانوں کی عزت کریں گے، اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو اس کے لئے کھڑے ہو جائیں گے، ان کے لباس میں مشابہت نہیں کریں گے، نہ ٹوپی میں نہ عمامے میں نہ جوتے میں، نہ بیچ میں بال کا مانگ نکالیں گے۔نہ ان کی زبان میں بات کریں گے نہ مسلمانوں کی کنیت رکھیں گے۔نہ زین پر سوار ہوں گے۔اور نہ تلوار کا قلادہ ڈالیں گے اور نہ کوئی ہتھیار بنائیں گے اور نہ اس کو اٹھائیں گے (ب) بنو قریظہ اور بنو نضیر نے جنگ کی تو بنی نضیر کو جلاوطن کردیا اور بنی قریظہ کو وہیں رکھا اور ان پر (باقی اگلے صفحہ پر)

مسلما او سبَّ النبی علیه السلام او زنٰی بمسلمة لم ینقض عهده[۳۰۸۰](۱۰۱) ولا ینتقض العهد الا بان یلحق بدار الحرب او یغلبوا علی موضع فیُحاربونا.

الرجلين واراد وامن الغدر برسول اللہ ﷺ، ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۲۸ رمسلم شریف، باب اجلاء الیهود من الحجاز، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۶) اس حدیث میں ہے کہ قریظہ نے محاربت کی تب ان کا عہد ٹوٹا۔ اور اوپر کے مسئلے میں ذمی نے محاربت نہیں کی ہے اس لئے ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ حضور گو اعلانیہ گالی دے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علیؓ ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فخنقها رجل حتیٰ ماتت فابطل رسول الله ﷺ دمها (الف) (ابوداؤد شریف، باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ، ص ۲۵۱، نمبر ۴۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی حضور گو گالی دے تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔

لغت سب : گالی دینا۔

[۳۰۸۰] (۱۰۱) اور عہد نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ دار الحرب چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے جنگ کرے۔

تشریح ذمی بھاگ کر دار الحرب چلا جائے تو ذمیت کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ یا دار الاسلام کے کسی جگہ پر غلبہ کر لے اور ہم سے جنگ کے لئے تیار ہا جائے تو ذمیت ختم ہو جائے گی اور عہد ٹوٹ جائے گا۔

وجہ اوپر قریظہ کی حدیث گزری کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو عہد ٹوٹ گیا۔ پھر حضورؐ نے اس پر چڑھائی کی اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا اور مال تقسیم کر لیا۔ عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین (ب) (بخاری شریف، نمبر ۴۰۲۸ رمسلم شریف، نمبر ۱۷۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محاربت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اور دار الحرب چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیهم ان لا یأتیهم فیقول لم اردعونهم فکره قتله الا ببینة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیه فقد نقض الصلح (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یأتی المسلم بغیر عهد، ج خامس، ص ۲۹۳، نمبر ۹۶۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

لغت یلحق : لاحق ہو جائے، چلا جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) احسان کیا یہاں تک کہ بنو قریظہ نے بھی جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں اور مال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا حاشیہ : (الف) حضرت علی فرماتے ہیں کہا یک یہودیہ حضور گو گالی دیا کرتی تھی اور ان کا عیب نکالا کرتی تھی۔ تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا تو حضورؐ نے اس کے خون کو باطل کر دیا یعنی قاتل سے قصاص نہیں لیا (ب) یہاں تک کہ بنو قریظہ نے جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور اولاد اور مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا (ج) حضرت عطاءؒ سے پوچھا اہل ذمہ کا کوئی آدمی مشرکین کے درمیان پکڑا گیا حالانکہ اس پر شرط لگائی گئی تھی کہ مشرکین کے پاس نہیں آئے گا۔ پس وہ کہتا ہے کہ اس کی مدد کا ارادہ نہیں کیا ہے تو حضرت عطاءؒ نے گواہی کے بغیر اس کو قتل کرنے کو نا پسند کیا۔ پس بعض اہل علم (باقی اگلے صفحہ پر)

[٣٠٨١] (١٠٢) واذا ارتدّالمسلم عن الاسلام عرض عليه الاسلام فان كانت له شبهة كشفت له [٣٠٨٢] (١٠٣) ويحبس ثلثة ايام فان اسلم والا قُتل.

﴿ مرتد کا بیان ﴾

[٣٠٨١] (١٠٢) کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲ ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثه، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴ رسنن للبیہقی، باب من قال فی المرتد یستتاب مکانه فان تاب والا قتل، ج ثامن، ص ۳۵۸، نمبر ۱۶۸۸۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرتد پر اسلام پیش کیا اور اس کے شبے کو دور کیا۔

[٣٠٨٢] (١٠٣) تین دن قید رکھا جائے گا، پس اگر اسلام لائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

وجہ تین دن اس لئے قید رکھا جائے گا تا کہ اتنے دنوں میں سمجھایا جا سکے اور مرتد کو سوچنے کا موقع مل سکے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ضروری نہیں (۱۹۲ اثر میں ہے۔ **عن علیؓ قال یستتاب المرتد ثلاثا** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ ما قالوا فی المرتد کم یستتاب، ج سادس، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۷ رسنن للبیہقی، باب من قال تحبس ثلاثة ایام، ج ثامن، ص ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔

وجہ حضرت عمرؓ تین دن نہ کرنے پر سختی کی ہے۔ **لما قدم علی عمر فتح تستر وتستر من ارض البصرة سألهم هل من مغربة ؟قالوا رجل من المسلمین لحق بالمشرکین فاخذناه، قال ما صنعتم به؟ قالوا قتلناه، قال : قال افلا ادخلتموه بیتا واغلقتم علیه بابا و اطعمتموه کل یوم رغیفا ثم استبتموه ثلاثا .فان تاب والا قتلتموه ثم قال اللهم لم اشهد ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ ما قالوا فی المرتد کم یستتاب، ج سادس، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۴۴ رسنن للبیہقی، باب من قال تحبس ثلاثة ایام، ج ثامن، ص ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر میں تین دن سے پہلے قتل کرنے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ نہ میں

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نے کہا اگر ایک شرط بھی توڑی تو صلح ٹوٹ جائے گی۔ (الف) حضرت علیؓ کے پاس مستورد عجلی لایا گیا، وہ مرتد ہو چکا تھا تو اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کیا اور اس کی وراثت مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دی گئی (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین مرتبہ توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا (ج) جب حضرت عمرؓ کے پاس مقام تستر کی فتح کی خبر آئی، تستر بصرہ کی زمین کا حصہ ہے۔ ان لوگوں سے سے پوچھا کیا مغرب کی کوئی خبر ہے؟ لوگوں نے کہا مسلمان کا ایک آدمی مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گیا تو ہم نے اس کو پکڑا۔ پوچھا اس کے ساتھ کیا کیا؟ لوگوں نے کہا ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا کیوں نہیں کیا کہ اس کو گھر میں داخل کرتے۔ پھر دروازہ بند کرتے اور اس کو ہر دن چپاتی کھلاتے پھر تین دن تک توبہ کرنے کو کہتے۔ پس اگر توبہ کرتا تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیتے۔ پھر فرمایا اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا، نہ راضی ہوں جب مجھ کو یہ خبر پہنچی۔

[۳۰۸۳](۱۰۴) فان قتله قاتل قبل عرض الاسلام علیه کره له ذلک ولا شیء علی القاتل.

اس میں حاضر ہوں اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔
مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دے اس کا اشارہ آیت میں ہے۔ **ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم فی الدنیا والآخرة واولئک اصحاب النار هم فیها خالدون** (الف) (آیت ۲۱۷، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرتد ہوا تو اس کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ کافر کے درجے میں ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور مرتد حربی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لئے یہ بھی مباح الدم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ **قال اتی علیؓ بزنادقة فاحرقهم ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه** (ب) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا مرتد کو فوراً قتل کرو تو بیٹھوں گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی موسیؓ قال ... ثم اتبعه معاذ بن جبل فلما قدم علیه القیٰ له وسادة قال انزل فاذا رجل عنده موثق، قال ماهذا؟ قال کان یهودیا فاسلم ثم تهود، قال اجلس !قال لا اجلس حتی یقعل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل** (ج) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

[۳۰۸۳] (۱۰۴) پس اگر کسی نے اس کو قتل کر دیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح مرتد پر تین دین اسلام پیش کرنا چاہئے، انکار کرنے پر قتل کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور قاتل نے استحباب کے خلاف کیا ہے اس لئے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ مرتد مباح الدم ہو چکا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۱۰۳ میں حضرت عمر کا اثر گزرا جس میں قاتل نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم کے بغیر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور نہ دیت لی، صرف **اللهم لم اشهد ولم آمر** کہہ کر افسوس کا اظہار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا (۳) حضرت معاذؓ والی حدیث میں بھی مرتد پر اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فوری طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد مباح الدم ہو گیا (بخاری شریف، نمبر ۶۹۲۳)

حاشیہ : (الف) جو تم میں سے اپنی دین سے مرتد ہو جائے اور کافر ہو کر مرے تو دنیا اور آخرت میں اس کے اعمال ضائع ہو گئے وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (ب) حضرت علیؓ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا دیا... حضورؐ نے فرمایا جو دین اسلام بدل دے اس کو قتل کر دو (ج) حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت موسیٰ اشعریؓ کے پاس تشریف لائے تو ان کے لئے تکیہ ڈالا گیا اور فرمایا تشریف رکھئے۔ وہاں ایک آدمی بندھا ہوا تھا، پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہودی تھا پھر اسلام لایا پھر یہودی ہو گیا۔ کہا تشریف رکھئے، کہا جب تک اس کو قتل نہیں کریں گے نہیں بیٹھوں گا یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر حکم دیا پس یہودی قتل کر دیا گیا۔

[۳۰۸۴](۱۰۵) واما المرأة اذا ارتدّت فلا تُقتل ولکن تُحبس حتی تسلم [۳۰۸۵] (۱۰۶) ویزول ملک المرتدّ عن امواله بردّته زوالا مراعًی فان اسلم عادت املاکه الی

[۳۰۸۴](۱۰۵)عورت اگر مرتدہ ہوجائے تو قتل نہیں کی جائے گی لیکن اسلام لانے تک قید رکھی جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام ویجبرن علیه (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،۳۳ ما قالوا فی المرتدة عن الاسلام، ج سادس، ص ۴۴۶، نمبر ۳۲۷۶۳؍سنن للبیہقی، باب قتل من ارتد عن الاسلام اذا ثبت علیہ رجلا کان او امرأة، ج ثامن، ص ۳۵۳، نمبر ۱۶۸۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید کیا جائے گا۔

[۳۰۸۵](۱۰۶)مرتد کی ملکیت زائل ہوجائے گی اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے محفوظ زوال، پس اگر اسلام لایا تو اپنی حالت پر لوٹ جائیگی۔

تشریح مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔ لیکن اس انداز میں زائل ہوگی کہ اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو ملکیت بحال رہے گی۔ اور اگر مرگیا تو وہ مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کرکے مرتد ہوا تو اس کو قتل کرنے اور اس کے مال کو لے لینے کا حکم دیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن یزید بن البراء عن ابیه قال لقینی عمی وقد اعتقد رایة فقلت این ترید قال بعثنی رسول الله ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه ان اضرب عنقه وآخذ ماله (ب) (سنن للبیہقی، باب مال المرتد اذا مات او قتل علی الردة، ج ثامن، ص ۳۶۱، نمبر ۱۶۸۹۳؍ابن ماجة شریف، باب من تزوج امرأة ابیہ من بعدہ، ص ۳۷۵، نمبر ۲۶۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوجائے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور مال لے لیا جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲، ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثہ، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔ البتہ اسلام پیش کرنے اور اسلام لانے تک انتظار کیا جائے گا۔ اگر اسلام نہیں لایا تو مکمل طور پر ملکیت زائل ہوجائے گی۔ اور اسلام کے زمانے میں کمایا ہوا مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا اور کفر کے زمانے میں کمایا ہوا مال غنیمت ہوگا۔ اور اگر اسلام لے آیا تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں اسلام سے مرتد ہوجائیں تو قتل نہیں کی جائیں گی۔ لیکن قید کی جائیں گی، اور اسلام کی طرف بلائی جائیں گی اور اس پر مجبور کی جائیں گی (ب) مجھے میرے چچا ملے وہ ایک جھنڈا باندھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہاں جارہے ہیں؟ کہا حضورؐ نے مجھ کو بھیجا ہے، ایک آدمی نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کی ہے میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال لے لوں (ج) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد عجلی لایا گیا، وہ اسلام سے مرتد ہوچکا تھا۔ پس اس پر اسلام پیش کیا گیا تو انکار کرگیا تو اس کو قتل کیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ میں تقسیم کردی گئی۔

حالها[۳۰۸٦](۱۰۷) وان مات او قُتل علی رِدّته انتقل ما اکتسبه فی حال الاسلام الی ورثته المسلمین وکان ما اکتسبه فی حال رِدّته فیئًا[۳۰۸۷](۱۰۸) فان لحق بدار

وجہ بنو قریظہ نے قتال کیا تو آپؐ نے سب کو قتل کیا۔لیکن جو حضورؐ کے ساتھ مل گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو آپؐ نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے مال کو غنیمت میں تقسیم کیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نساء هم واولادهم واموالهم بین المسلمین الا بعضهم لحقوا بالنبی ﷺ فآمنهم واسلموا** (الف)(بخاری شریف،حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ،ص ۵۷۴،نمبر ۴۰۲۸)اس حدیث میں ہے جو یہودی مسلمان ہو گئے اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا بلکہ واپس دے دیا۔اسی طرح مرتد مسلمان ہو جائے تو اس کے مال کو تقسیم نہیں کریں گے بلکہ واپس دے دیا جائے گا۔

لغت مراعی : رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

[۳۰۸٦](۱۰۷)اگر وہ مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں منتقل ہو جائے گا،اور اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں غنیمت ہوگی۔

تشریح مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو جو کچھ مسلمان ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا۔اور جو کچھ مرتد ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

وجہ مسلمان ہونے کی حالت کی کمائی مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگی اس کی دلیل یہ اوپر کے اثر میں گزر گئی۔ **عن علی ... قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین** (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر ۳۲۷۵۴)اس اثر میں ہے کہ مرتد کی کمائی مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی(۲)مرتد ہونا گویا کہ مرجانا ہے۔اور مرنے کے بعد اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔اس لئے اس کا مال بھی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

مرتد کے زمانے میں جو مال کمایا وہ غنیمت ہوگا۔

وجہ مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہو گیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آجائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لئے مرتد کے زمانے کا مال غنیمت ہوگا(۲)مسئلہ نمبر ۱۰۷ میں حدیث گزری کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تھا تو اس کو قتل کیا اور اس کا مال لے لیا گیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ تھا۔**بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأۃ ابیه ان اضرب عنقه وآخذ ماله** (ج)(سنن للبیہقی،نمبر ۱۶۸۹۳)جس میں تھا کہ اس کا مال لیکر غنیمت بنالیا جائے۔

[۳۰۸۷](۱۰۸)پس اگر مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور حاکم نے اس کے مل جانے کا حکم لگا دیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے۔اور جو اس پر قرض ہے اس کی ادائیگی فوری ہوگی۔اور جو کچھ کمایا اسلام کی حالت میں وہ اس کے مسلمان ورثہ کی طرف منتقل ہو

حاشیہ : (الف)حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے... یہاں تک کہ بنو قریظہ نے جنگ کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتیں اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔البتہ ان میں سے بعض حضورؐ کے پاس آگئے تو آپؐ نے ان کو امن دیا اور وہ مسلمان ہو گئے(ب)حضرت علیؓ نے مرتد کو قتل کیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی(ج)حضورؐ نے مجھے بھیجا کہ ایک آدمی نے سوتیلی ماں سے نکاح کیا تو میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال لے لوں۔

الحرب مرتدّا وحكم الحاكم بلحاقه عتق مدبّروه وامهات اولاده وحلت الديون التى عليه وانتقل مااكتسبه فى حال الاسلام الى ورثته من المسلمين [۳۰۸۸] (۱۰۹) وتقضى الديون التى لزمته فى حال الاسلام مما اكتسبه فى حال الاسلام وما لزمه من

جائے گا۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔اور اس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔مثلاً آقا کے مرنے کے بعد مدبر غلام اور ام ولد باندی آزاد ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی یہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا ابھی ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ آدمی مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔اور اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا کیونکہ مرتد گویا کہ مر گیا ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن عامر والحكم قالا فى الرجل المسلم يرتد عن الاسلام ويلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان كانت تحيض،وان كانت لا تحيض فثلاثة اشهر،وان كانت حاملا ان تضع حملها ويقسم ميراثه بين امرأته وورثته من المسلمين ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضى عدتها ثبتا على نكاحهما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو ولہ امرأۃ ما حالھا، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر میں ہے کہ دار الحرب چلا جائے تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

اصول مرتد ہو کر دار الحرب میں مل جائے تو وہ مردہ کے درجے میں ہو جاتا ہے۔

لغت لحق : مل جانا، لاحق ہو جانا، حلت : حلول سے مشتق ہے فوراً وقت آ جانا۔

[۳۰۸۸] (۱۰۹) وہ قرض جو اسلام کی حالت میں لازم ہوا ہے ادا کیا جائے اس سے جو اسلام کی حالت میں کمایا۔اور وہ قرض جو لازم ہوا ہے مرتد کی حالت میں اس سے ادا کیا جائے جو مرتد کی حالت میں کمایا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد ہوتے ہی گویا کہ مر گیا۔البتہ دوبارہ مسلمان ہونے کی امید پر اس کا معاملہ موقوف رکھا گیا۔جب دوبارہ مسلمان نہیں ہوا تو مرتد ہونے کے وقت ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔اس لئے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا۔اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد

حاشیہ : (الف) حضرت عامر اور حضرت حکم نے فرمایا مسلمان آدمی مرتد ہو جائے اور دار الحرب بھاگ جائے تو اس کی بیوی تین حیض عدت گزارے اگر ماہواری آتی ہو،اور اگر ماہواری نہ آتی ہو تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل۔اور اس کی میراث اس کی بیوی اور مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔پھر اگر چاہے تو بیوی شادی کرے۔اور اگر شوہر دار الحرب سے واپس آ جائے اور عدت گزرنے سے پہلے توبہ کر لے تو دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے۔

الـديـون فـی حـال رِدّتـه يُقضى مما في حال رِدّته [۳۰۸۹](۱۱۰) وما باعه او اشتراه او تـصـرف فيـه من امواله فی حال رَدّته موقوف فان اسلم صحّت عقوده وان مات او قُتل او

جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

وجہ جیسے ہی مرتد ہوا وہ مردے کے درجے میں ہو گیا۔ صرف انتظار اور امید کے لئے معاملہ موقوف رکھا گیا۔ اس کی دلیل حدیث کا اشارہ ہے۔ **عن عکرمة قال ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه** (الف) اور دوسری روایت میں ہے۔ **قال (معاذؓ) لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل** (ب) (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستتابتھم ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو فوراً قتل کر دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی مردے کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے اسلام کا قرض حالت اسلام کی کمائی سے اور حالت مرتد کا قرض حالت مرتد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

[۳۰۸۹] (۱۱۰) مرتد کی حالت میں جو بیچا یا خریدا یا اپنے میں تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ مر گیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو اب باطل ہوں گے۔

تشریح ارتداد کی حالت میں بیچا یا خریدا یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر مرتد کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو یہ تمام عقود باطل ہو جائیں گے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ مرتد کی ملکیت اور اس کا معاملہ اسلام لانے تک موقوف رہتا ہے۔ اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے۔ اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے تو مرتد ہونے کے دن ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔ کیونکہ مردوں کے معاملات کا کیا اعتبار؟ (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن عامر والحكم قالا فی الرجل المسلم يرتد عن الاسلام ويلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان كانت تحيض، وان كانت لا تحيض فثلاثة اشهر، وان كانت حاملا ان تضع حملها ويقسم ميراثه بين امرأته وورثته من المسلمين ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتها ثبتا على نكاحهما** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو وله امرأة ما حالھما، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر کے اخیر میں ہے کہ اگر مرتد بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کرے اور اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے تک نکاح کا معاملہ موقوف رہے گا۔ اور اسی پر قیاس

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی دین اسلام بدلے تو اس کو قتل کر دو (ب) حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نہیں بیٹھوں گا جب تک قتل نہ کرو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے، تین مرتبہ فرمایا۔ پھر حکم دیا اور قتل کر دیا گیا (ج) حضرت عامر اور حضرت حکم نے فرمایا مسلمان آدمی مرتد ہو جائے اور دار الحرب بھاگ جائے تو اس کی بیوی تین حیض عدت گزارے اگر ماہ واری آتی ہو، اور اگر ماہ واری نہ آتی ہو تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل۔ اور اس کی میراث اس کی بیوی اور مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔ پھر اگر چاہے تو بیوی شادی کرے۔ اور اگر شوہر دار الحرب سے واپس آجائے اور عدت گزرنے سے پہلے توبہ کر لے تو دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے۔

لحق بدار الحرب بطلت[۳۰۹۰](۱۱۱) وان عاد المرتد بعد الحكم بلحاقه الى دار الاسلام مسلما فما وجده في يد ورثته من ماله بعينه اخذه[۳۰۹۱](۱۱۲) والمرتدّة اذا تصرفت في مالها في حال رِدّتها جاز تصرفها[۳۰۹۲](۱۱۳) ونصارى بنى تغلِب يؤخذ من اموالهم ضعفُ مايؤخذ من المسلمين من الزكوة ويؤخذ من نسائهم ولا يؤخذ من

کرتے ہوئے باقی معاملات بھی موقف رہیں گے۔اور جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد اسلام لائے تو نکاح ختم ہو جائے گا اسی طرح مرتد کی حالت میں مرجائے یا قتل کیا جائے یا دارالحرب بھاگ جائے تو اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

[۳۰۹۰](۱۱۱) اگر مرتد لحاق کے حکم کے بعد دارالاسلام واپس آجائے تو جو پائے ورثہ کے ہاتھ میں بعینہ مال تو اس کو لے لے۔

تشریح مرتد بھاگ کر دارالحرب چلا گیا۔اس کے بعد حاکم نے دارالحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کر دیا۔پھر وہ مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثہ کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے وہ واپس لے لے۔اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ دارالحرب میں شامل ہونے کے فیصلے کے بعد گویا کہ وہ مردہ ہو گیا۔اس لئے ورثہ نے جو مال تقسیم کر کے لیا وہ اس کے مالک بن گئے۔اور ان کا تصرف کرنا صحیح ہو گیا۔اس لئے جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اور جو مال ورثہ کے ہاتھ میں محفوظ ہے اس نو مسلم کو اس کی اشد ضرورت ہے،اور حقیقت میں اسی کا کمایا ہوا ہے اس لئے اس کو واپس دلوایا جائیگا۔

[۳۰۹۱](۱۱۲) مرتدہ عورت اپنی ردت کے زمانے میں تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہے۔

وجہ جب مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ توبہ کرنے تک زندہ رکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ بیع وشراء کی بھی اجازت ہونی چاہئے ورنہ تو زندگی کیسے گزارے گی۔اس لئے اس کو اپنے مال میں تصرف کی اجازت ہوگی۔

[۳۰۹۲](۱۱۳) بنی تغلب کے نصاری سے اس کے مال میں دوگنا لیا جائے گا جتنی مسلمانوں سے زکوۃ لی جاتی ہے۔اور لیا جائے گا اس کی عورتوں سے اور نہیں لیا جائے گا ان کے بچوں سے۔

تشریح مسلمانوں سے زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم یعنی ڈھائی فی صد ہے تو بنی تغلب سے اس کا دوگنا لیا جائے گا یعنی بیس درہم میں ایک درہم یعنی پانچ فی صد لیا جائے گا۔اور ان کی عورتوں کے مال سے لیا جائے گا۔لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔

وجہ **عن عمر بن الخطابؓ انه صالح نصارى بنى تغلب على ان تضعف عليهم الزكوة مرتين وعلى ان لا ينصروا صغيرا وعلى ان لا يكرهوا على دين غيرهم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۵ فی نصاری بنی تغلب مایوخذ منھم، ج ثانی،ص ۴۱۷،

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے عیسائی سے اس بات پر صلح کی کہ ان پر زکوۃ کا دوگنا ہو اور اس شرط پر کہ بچے کو عیسائی نہیں بنائیں گے اور اس شرط پر کہ دوسرے دین پر مجبور نہیں کریں گے۔

صبیانهم[۳۰۹۳](۱۱۴) وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلِب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزیة تُصرف فی مصالح المسلمین فتُسدُّ منها الثغور وتُبنی القناطر والجسور ویُعطی منه قضاة المسلمین وعُمّالهم وعلماؤهم مایکفیهم ویُدفع منه

نمبر۱۰۵۸۱)اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے زکوۃ کے دوگنے پر صلح فرمائی اور زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم ہے اس لئے اس کا دوگنا بیس درہم میں ایک درہم ہوگا۔اور زکوۃ مرد اور عورت دونوں پر ہے۔اس لئے یہ خراج بھی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا۔اور زکوۃ بچوں پر نہیں ہے اس لئے یہ خراج بھی بچوں پر نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں بنی تغلب ذمی ہیں اور ذمی پر خراج ہوتا ہے چاہے زکوۃ رکھا گیا ہو۔اور جزیہ عورت اور بچوں پر نہیں ہے اس لئے یہ بھی عورت اور بچوں پر نہیں ہوگا۔

لغت بنی تغلب : ایک قوم کا نام جن سے حضرت عمرؓ نے دوگنا زکوۃ پر صلح کی تھی،اب یہ قوم نہیں رہی۔

[۳۰۹۳](۱۱۴)امام نے جو کچھ جمع کیا خراج سے بنی تغلب کے مال سے اور جو امام کو اہل حرب نے ہدیہ دیا اور جزیہ دیا وہ خرچ کرے گا مسلمانوں کی مصلحت میں۔پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی، پل بنائیں جائیں گے۔اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں کو،ان کے عاملوں کو اور ان کے علماء کو جتنا ان کو کافی ہو۔اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ۔

تشریح خراج کا مال، بنی تغلب کا مال، حربیوں کا ہدیہ اور جزیہ وغیرہ عشر کی طرح عبادت والا مال نہیں ہے اس لئے ان مالوں کو مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرے۔مثلا کفار کے ساتھ جو سرحدیں ہیں ان کو بند کرے، پل بنائے، مسلمانوں کے قاضیوں کو اتنی روزی اور وظیفہ دے کہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے کافی ہوجائے۔اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کے لئے کام کرتے ہوں یا وہ علماء جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہوں یا جو مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے جتنی روزی کافی ہو وہ ادا کرے۔

وجہ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہیں۔اور اوپر کے سب مال انہیں کاموں میں خرچ کئے جاتے ہیں۔ان سب کاموں کو نوائب المسلمین کہتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن بشیر بن یسار مولی الانصار ... وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس** (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸،نمبر ۳۰۱۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت بھی نوائب المسلمین کے لئے رکھا جاسکتا ہے۔اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے خراج کا مال وغیرہ بھی امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

لغت جباہ : وصول کیا، جمع کیا، تسد : سد سے مشتق ہے بند کرنا، الثغور : ثغر کی جمع ہے سرحد، القناطر : قنطرۃ کی جمع ہے پل، جسر : پل، مقاتلۃ : قتال سے مشتق ہے جہاد کرنے والے، ذراری : ذریۃ سے مشتق ہے اولاد۔

حاشیہ : (الف) غنیمت کا باقی آدھا الگ رکھا آنے والے وفود کے لئے اور معاملات کے لئے اور لوگوں کے مصائب میں مدد کے لئے۔

ارزاق المقاتلة وذراریهم[۳۰۹۴](۱۱۵) واذا تغلّب قوم من المسلمین علی بلد وخرجوا من طاعة الامام دعاهم الی العود الی الجماعة وکشف عن شبهتهم ولا یبدأهم بالقتال حتی یبدؤه.

﴿ باغیوں کے احکام ﴾

[۳۰۹۴](۱۱۵) مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان کو جماعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے۔ اور ان کے شبہ کو رفع کرے اور جب تک وہ قتال شروع نہ کریں ہم ان سے قتال نہ کریں۔

تشریح مسلمان کی ایک جماعت امام کے خلاف ہو جائے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر قابض ہو جائے تو اس کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر جماعت میں شامل ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے گا۔ اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

وجہ اس کا اشارہ آیت میں موجود ہے۔ **وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احداهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر الله فان فاء ت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان الله یحب المقسطین** (الف) (آیت ۹، سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت میں ہے کہ کوئی باغی جماعت قتال کرنے لگ جائے تو تم اس وقت تک قتال کرو جب تک وہ مان نہ لیں۔ پس اگر وہ مان لیں تو قتال چھوڑ دو اور اصلاح کا کام کرو اور انصاف کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ قتال کریں تو ہم بھی قتال کریں گے۔ اور وہ مان جائیں تو ہم قتال بند کر دیں گے (۲) حدیث میں ہے **سمعت عرفجة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول انه ستکون هنات وهنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان** (ب) (مسلم شریف، باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع ص ۱۲۸، نمبر ۱۸۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔

اس جماعت کے شبہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وجہ حضرت علیؓ سے حروریہ کی جماعت باغی ہو گئی تھی تو حضرت عبد اللہ بن عباس ان کو سمجھانے گئے تھے۔ اور ان کے شبہ کو دور کرنے گئے تھے۔ ان کا تین شبہ تھا جس کا شافی بخش جواب دیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنا عبد الله بن عباسؓ قال لما خرجت الحروریة اجتمعوا فی دار وهم ستة آلآف اتیت علیا فقلت یا امیر المومنین ابرد بالظهر لعلی اتی هؤلاء القوم فاکلمهم ...**

حاشیہ : (الف) اگر مومنین کی دو جماعتیں قتال کرے تو دونوں کے درمیان اصلاح کرا دو۔ پس اگر ایک نے دوسرے پر زیادتی کی تو زیادتی کرنے والے سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کے تابع نہ ہو جائے۔ پس اگر تابع ہو جائے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اصلاح کرو اور انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والے کو پسند کرتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا کہ حالات خطرناک ہوں گے پس جو امت کو متفرق کرے گا حالانکہ وہ مجتمع ہو تو تلوار سے اس کو مار دو چاہے جو ہو۔

[۳۰۹۵](۱۱۶) فان بدؤا قاتلهم حتى يفرق جمعهم وان كانت لهم فئة اَجْهَز على جريحهم واُتبع مُوَلِّيهم وان لم يكن لهم فئة لم يُجهز على جريحهم ولم يُتبع

قال عبد الله بن عباسؓ فرجع من القوم الفان وقتل سائرهم على ضلالة (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی وھو آخر الجہاد، ج ثانی، ص ۱۶۴، نمبر ۲۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ باغی جماعت کو شبہ ہو جائے تو ان کو سمجھایا جائے۔

ہم پہلے قتال اس لئے شروع نہیں کریں گے کہ وہ بھی مسلمان ہیں۔ البتہ اگر دیکھیں کہ ان کی پوری تیاری ہے اور ان سے جنگ نہ کیا تو معاملہ مشکل ہو جائے گا ایسی صورت میں پہلے ہی ان کا قلع قمع کرنا جائز ہوگا۔

[۳۰۹۵](۱۱۶) پس اگر وہ ابتدا کریں تو ان سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے۔ اور اگر ان کی جماعت بھی ہو تو گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو، اور تعاقب کرے ان کے بھاگنے والوں کا۔ اور اگر ان کی جمعیت نہ ہو تو نہ گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور نہ تعاقب کرے بھاگنے والوں کا۔

تشریح باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کر دیں تو اب ان سے قتال کیا جائے گا اور اتنا قتال کیا جائے گا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے۔ پس اگر کوئی اچھی خاصی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قید کرے اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے تاکہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں۔ اور جن کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہیں ہے اس کے زخمیوں کو قید نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔ کیونکہ اس کی جماعت نہیں ہے تو یوں بھی وہ منتشر ہو گئے۔

وجہ وہ جنگ کی ابتدا کریں تب ہم جنگ کریں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **خاصم عمر بن عبد العزيز الخوارج فرجع من رجع منهم وابت طائفة منهم ان يرجعوا فارسل عمر رجلا على خيل وامره ان ينزل حيث يرحلون ولا يحركهم ولا يهيجهم، فان قتلوا وافسدوا فى الارض فاسط عليهم وقاتلهم وان هم لم يقتلوا ولم يفسدوا فى الارض فدعهم يسيرون** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳ ما ذکر فی الخوارج، ج سابع، ص ۵۵۶، نمبر ۳۷۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ وہ قتال کرے اور زمین میں فساد برپا کرے تو قتال کیا جائے۔ اور اگر قتال نہ کرے تو ان کو زمین میں گھومنے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتال شروع کرے تب ہی اس سے جنگ کی جائے ورنہ نہیں۔

باغی کی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمی کو قید نہ کیا جائے اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمرؓ**

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حروریہ کے لوگوں نے خروج کیا تو وہ ایک گھر میں جمع ہوئے۔ وہ اس وقت چھ ہزار تھے۔ میں حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المومنین! ظہر ٹھنڈا کر کے پڑھئے۔ میں ان لوگوں سے جا کر بات کرتا ہوں... حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قوم میں سے دو ہزار رجوع کر گئے اور باقی گمراہی پر قتل کئے گئے (ب) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خوارج سے جھگڑا کیا۔ ان میں سے کچھ لوٹا اور ایک جماعت لوٹنے سے انکار کر گئی۔ تو حضرت عمرؒ نے ایک آدمی کو گھوڑے پر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ جہاں وہ ٹھہرتے ہیں وہاں اتریں۔ اور ان کو بھڑکائے نہیں۔ پس اگر انہوں نے قتال کیا اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس پر مسلط ہو جائیں اور ان سے قتال کریں۔ اور اگر انہوں نے قتال نہیں کیا اور زمین میں فساد برپا نہیں کیا تو ان کو چھوڑ دیں، جانے دیں۔

مُوَلّيهم[۳۰۹۶] (۱۱۷) ولا تُسبٰى لهم ذُرِّيَّة ولا يُقسم لهم مال [۳۰۹۷] (۱۱۸) ولابأس بان يقاتلوا بسلاحهم ان احتاج المسلمون اليه.

قال قال رسول الله ﷺ لعبد الله بن مسعود يا ابن مسعود اتدری ما حکم الله فیمن بغی من هذه الامة ؟ قال ابن مسعود الله ورسوله اعلم. قال فان حکم الله فیهم ان لا یتبع مدبرهم ولا یقتل اسیرهم ولا یذفف علی جریحهم (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی، ص ۱۶۸، نمبر ۲۶۶۲ رسنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاءوا والم یتبع مدبرهم ول یقتل اسیرهم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷) اس حدیث میں ہے کہ باغی کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ ان کے قیدی کو قتل کرے۔ اور نہ ان کے زخمی کو قتل کرے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔ اور اس کے پیچھے جماعت ہو تو اس کے قیدی کو گرفتار کرے۔ اور بھاگنے والوں کا پیچھا اس لئے کرے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مل کر زیادہ شر نہ پھیلائے۔ اور اگر اس کی توقع نہ ہو تو قیدی گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔

لغت فئة : جماعت، اجهز : مار ڈالے، جريح : اسم مفعول کے معنی میں ہے زخمی، مولی : ولی سے مشتق ہے پیٹھ پھر کر بھاگنے والا۔

[۳۰۹۶] (۱۱۷) نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال۔

تشریح مسلمان باغی کی اولاد کو قید کر کے غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کے مال کو غنیمت بنا کر تقسیم کرے۔

وجہ یہ لوگ مسلمان ہیں اس لئے ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتیں اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **امر علیؓ منادیه فنادی یوم البصرة لا یتبع مدبر ولا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر ومن اغلق بابه فهو آمن ومن القی سلاحه فهم آمن ولم یأخذ من متاعهم شیئا** (ب) اور دوسری روایت میں ہے۔ **سأل علیاًؓ عن سبی الذریة فقال لیس علیهم سبی انما قاتلنا من قاتلنا** (ج) (سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاءوا والم یتبع مدبرهم ولم یقتل اسیرهم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۷ رنمبر ۱۶۷۴۹) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

لغت تسبی : سبی سے مشتق ہے قیدی بنانا، ذریة : اولاد۔

[۳۰۹۷] (۱۱۸) اور کوئی حرج نہیں ہے اگر ان کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو۔

تشریح اگر مسلمانوں کو باغیوں کے ہتھیار سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا! اے ابن مسعود! اس امت میں جو بغاوت کرے جانتے ہو اس کی سزا کیا ہے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اور اس کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے، اسکے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے (ب) حضرت علیؓ نے منادی کو حکم دیا کہ بصرہ کی جنگ کے دن یہ اعلان کرے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اور قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اور جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن والا ہے۔ اور جس نے اپنا ہتھیار پھینک دیا وہ امن والا ہے۔ اور ان کے سامان میں سے کچھ نہ لے (ج) حضرت علیؓ سے باغیوں کے بچے کے قید کرنے کے بارے میں پوچھا، فرمایا ان پر قید کرنا نہیں ہے، جس نے ہم سے جنگ کی ہم نے ان سے جنگ کی۔

[۳۰۹۸] (۱۱۹) ویحبس الامام اموالھم ولایردُّھا علیھم ولایُقسمھا حتی یتوبوا فیردُّھا علیھم[۳۰۹۹](۱۲۰) وماجباہ علی اھل البغی من البلاد التی غلبوا علیھا من الخراج

وجہ میدان جنگ میں کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **کان علیؓ اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابتہ وسلاحہ واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲ باب ماذکر فی صفین، ج سابع، ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۴۸) اس اثر میں ہے کہ قیدیوں کا ہتھیار اور سواری لے لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ باغیوں کا ہتھیار لینا جائز ہے تاکہ وہ دوبارہ جنگ نہ کر سکے۔ اور ہتھیار لینا جائز ہے تو اس کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اگرچہ یہ لوگ باغی ہیں پھر بھی ان کا ہتھیار استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لغت سلاح : ہتھیار۔

[۳۰۹۸] (۱۱۹) اور امام روک لے ان کے مال کو اور اس کو واپس نہ دے اور نہ اس کو تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کرے پھر اس کو ان پر واپس کر دے۔

تشریح یہ سب مسائل اس اصول پر ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے مال تو غنیمت نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی صورت ضرور اختیار کی جائے کہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ امام ان کے اموال روک لیں اور توبہ کرنے تک واپس نہ دیں۔ البتہ توبہ کر لیں تو مال ان کو واپس کر دیں۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ حضرت علیؓ قیدیوں سے یہ وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ جنگ نہ کریں۔ جب وہ وعدہ کر لیتے تو اس کو چھوڑ دیتے۔ **کان علی اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابتہ وسلاحہ واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲ باب ماذکر فی صفین، ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۴۸) اس اثر میں ہے **واخذ علیہ ان یعود وخلی سبیلہ** یعنی جنگ سے واپس چلے جائیں تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور توبہ کے بعد مال واپس کر دیتے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **لما جیئ علیؓ بما فی عسکر اھل النھر قال من عرف شیئا فلیاخذہ، قال فاخذت الا قدر ثم رایتھا بعد قد اخذت** (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳ ماذکر فی الخوارج، ج سابع، ص ۵۶۳، نمبر ۳۷۹۳۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل نہروان کا مال واپس کر دیا اور یوں فرمایا جو اپنے مال کو پہچانے وہ لے جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد باغیوں کا مال واپس کر دیا جائے گا۔

[۳۰۹۹] (۱۲۰) جو کچھ باغیوں نے وصول کر لیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آگئے تھے خراج اور عشر تو امام ان سے دوبارہ نہ لے، پس اگر اس

حاشیہ : (الف) جب حضرت علیؓ کے پاس صفین کی جنگ میں قیدی لائے جاتے تو اس کی سواری اور ہتھیار لے لیتے۔ اور اس سے عہد لیتے کہ دوبارہ جنگ نہیں کرے گا اور چھوڑ دیتے (کیونکہ وہ قیدی مسلمان تھے) (ب جب حضرت علیؓ کے پاس صفین کی جنگ میں قیدی لائے جاتے تو اس کی سواری اور ہتھیار لے لیتے۔ اور اس سے عہد لیتے کہ دوبارہ جنگ نہیں کرے گا اور چھوڑ دیتے (کیونکہ وہ قیدی مسلمان تھے) (ج) حضرت علیؓ کے پاس جب اہل نہروان کے لشکر لائے جاتے تو فرماتے کوئی اپنی چیز پہچانتا ہو تو اس کو لے لے، راوی کہتے ہیں کہ سب مال لوگوں نے لیا مگر ایک ہانڈی بچ گئی، پھر میں نے دیکھا کہ اس کو بھی کوئی لے گیا۔

والعشر لم يأخذه الامام ثانيا فان كانوا صرفوه في حقه اجزأ من اخذ منه [۳۱۰۰](۱۲۱) وان لم يكونوا صرفوه في حقه فعلى اهله فيما بينهم وبين الله تعالى ان

کوصرف کیا صحیح موقع پر تو ان کی طرف سے کافی ہوگا جن سے لیا گیا ہے۔

تشریح باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے تھے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوۃ وصول کر لیا تو مالکوں کی جانب سے ادا ہو گیا۔ امام دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ عشر، خراج اور زکوۃ نہ لے۔ اب باغیوں نے صحیح مقام پر خرچ کیا تو مالکوں کی جانب سے پورے طور پر ادائیگی ہوگئی۔ مالکوں کو دوبارہ اپنے طور پر ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حبشی غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اس لئے اگر باغی حاکم بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اطاعت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ، صدقات، عشر اور خراج اس کو دے اور ادا بھی ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ذرؓ قال ان خليلیؐ اوصانی ان اسمع واطيع وان كان عبدا مجدع الاطراف (الف) (مسلم شریف، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ، ص ۱۲۴، نمبر ۱۸۳۷ / سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا غلبوا علی بلد واخذوا صدقات اھلھا واقاموا علیھم الحدود ولم تعد علیھم، ج ثامن، ص ۳۲۰، نمبر ۱۶۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی امیر کی اطاعت کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عشر اور زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) سألت سعيدًا وابن عمرؓ وابا هريرةؓ وابا سعيدؓ فقلت ان لى مالا وانا اريد ان اعطى زكواته ولا اجد لها موضعا وهؤلاء يصنعون فيها ماترون، فقال كلهم امرونى ان ادفعها اليهم (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۸۹) اس اثر میں ہے کہ امراء کچھ بھی کریں ہماری زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ امیر بن گئے ہیں (۳) ایک اور اثر میں ہے۔ سألت ابن عمرؓ فقال ادفعها اليهم وان اكلوا بها لحوم الكلاب فلما عادوا اليه قال ادفعها اليهم وان اكلوا بها البسار (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امیر چاہے کیسے ہی ہوں زکوۃ اور عشر وغیرہ اسی کو دی جائے گی۔ اب اگر وہ صحیح جگہ پر استعمال کر دیا مثلا زکوۃ کو فقراء اور مساکین تک پہنچا دیا تو مالک کی جانب سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت جباہ : وصول کر لیا، جمع کیا۔

[۳۱۰۰](۱۲۱) اور اگر اس کے موقع پر صرف نہ کیا تو دیانۃ اس کے مالک پر یہ ہے کہ وہ دوبارہ ادا کریں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ میرے خلیل نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں سنوں اور اطاعت کروں چاہے اطراف کٹے ہوئے غلام ہی کیوں نہ امیر ہو (ب) راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعیدؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ کو پوچھا۔ میں نے کہا میرے پاس مال ہے اور میں اس کی زکوۃ دینا چاہتا ہوں جس کے لئے کوئی آدمی نہیں ملتا ہے۔ اور یہ امراء جو حرکت کرتے ہیں تو آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو سبھی نے مجھے حکم دیا کہ میں اکو ان امراء کے حوالہ کروں (ج) میں نے حضرت ابن عمرؓ سے زکوۃ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ان امراء کو دو چاہے اس سے کتے کا گوشت کیوں نہ کھائیں۔ پھر دوبارہ پوچھا تو فرمایا ان امراء کو دے دو چاہے اس سے گدر کھجور کھا جائیں، زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

یُعیدوا ذلک.

تشریح: باغیوں نے زکوۃ وصول کی اوراس کوغرباء، مساکین پرخرچ نہیں کیا پھربھی زکوۃ کی ادائیگی ہوگئی۔لیکن غرباء، مساکین کوزکوۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اوراس نے بنایانہیں اس لئے دیانۃ دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔اوراپنے طورپرغرباء، مساکین کو مالک بنانا چاہئے۔

وجہ: آیت میں مالک بنانے کا اشارہ ہے۔**انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها** (الف) (آیت ۶۰،سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں للفقراء کالام تملیک کے لئے ہے۔اس لئے فقراء کو مالک بنانا چاہئے۔اوراس نے مالک نہیں بنایا اس لئے دوبارہ ادا کرے۔لیکن یہ **فیما بینه وبین الله** ہے۔قضاء کے طورپرواجب نہیں ہے۔کیونکہ قضاء کے طورپرتوادا ہوگئی۔

نوٹ: خراج اورعشر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے فقراء کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔پل وغیرہ بنانے میں اوررفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردیں تو کافی ہے۔اورظالم بادشاہ بھی ایسا کرلیتے ہیں اس لئے خراج اورعشر ادا ہوجائیں گے۔

حاشیہ : (الف) زکوۃ فقراء، مساکین اوراس پرکام کرنے والوں کے لئے ہے۔
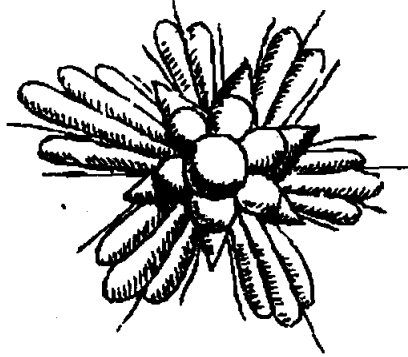
﴿کتاب الحظر و الاباحة﴾

[۳۱۰۱](۱)لایحل للرجال لُبس الحرير ويحل للنساء[۳۱۰۲](۲) ولا بأس بتوسُّده

﴿کتاب الحظر والاباحۃ﴾

ضروری نوٹ حظر کے معنی روکنا اور اباحۃ کے معنی مباح۔اس کتاب میں بیان کیا جائے گا کہ کون سا کام ممنوع ہے اور کون سا کام مباح ہے۔

[۳۱۰۱](۱) مرد کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے اور عورت کے لئے حلال ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنية الذهب والفضة وان ناكل فيها وعن لبس الحرير والديباج وان نجلس عليه** (الف)(بخاری شریف، باب افتراش الحریر،ص ۸۶۸،نمبر ۵۸۳۷ر مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ علی الرجال والنساء وخاتم الذہب والحریر علی الرجال واباحتہ للنساء،ج ۲،ص ۱۸۸،نمبر ۲۰۶۷/۲۴۰۰ر ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی لبس الحریر،ج ۲،ص ۲۰۴،نمبر ۴۰۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے۔

عورتوں کے لئے ریشم حلال ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن علیؓ بن ابی طالب قال کسانی النبی ﷺ حلة سيراء فخرجت فيها فرأيت الغضب فی وجهه فشققتها بين نسائی** (ب)(بخاری شریف، باب الحریر للنساء،ص ۸۶۸،نمبر ۵۸۴۰ر مسلم شریف، باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلک للرجال،ج ۲،ص ۱۸۸،نمبر ۲۰۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے ریشم حلال ہے(۳) ابوداؤد میں ہے۔**انه سمع علی بن ابی طالب يقول ان نبی الله اخذ حريرا فجعله فی يمينه واخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذين حرام علی ذكور امتی** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی الحریر للنساء،ص ۲۰۶،نمبر ۴۰۵۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کے لئے حرام ہے لیکن عورت کے لئے جائز ہے۔

[۳۱۰۲](۲) اور کوئی مضائقہ نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر تکیہ لگانے میں، اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے ٹیک لگانا۔

تشریح ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ نصب الرایۃ میں اثر نقل کیا ہے۔**حدثنا عمرو بن ابی المقدام عن مؤذن بنی دواعة قال دخلت علی ابن عباسؓ وهو متكئ علی مرفقة حرير وسعيد بن جبير عند رجليه** (د)(نصب الرایۃ، ج ثانی،ص ۲۸۳ر اعلاء السنن، باب الاتکاء علی مرفقۃ الحریر للرجال، ج سابع عشر،ص ۳۸۰،نمبر ۵۶۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانے میں مضائقہ نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے منع فرمایا کہ میں سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیوں اور اس میں کھانا کھاؤں، اور ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے ریشم کا حلہ دیا۔ میں اس کو پہن کر نکلا تو آپؐ کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے تو اس کو پھاڑ کر عورتوں کے درمیان تقسیم کر دیا (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ریشم اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور سونا اپنے بائیں ہاتھ میں لیا پھر فرمایا یہ دونوں میری امت کے مذکر پر حرام ہیں (د) مؤذن بنی دواعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا وہ ریشم کے تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور سعید بن جبیرؒ ان کے پاؤں کے پاس موجود تھے۔

عـنـد ابـی حـنـیـفـة رحمه الله وقالا رحمهما الله یکره توسّده[۳۱۰۳](۳) ولابأس بلُبس الحریر والدیباج فی الحرب عندهما ویکره عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانا مکروہ ہے۔

وجہ اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا کہ ریشم پر بیٹھنے سے بھی حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے اس کے تکئے پر ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیه (الف)** (بخاری شریف، باب افتراش الحریر، ص ۸۶۸، نمبر ۵۸۳۷) اس حدیث میں ہے کہ ریشم پر بیٹھنے سے بھی حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔

لغت توسد : وسادة سے مشتق ہے ٹیک لگانا، تکیہ بنانا۔

[۳۱۰۳] (۳) کوئی حرج نہیں ہے ریشم اور دیبا پہننے میں جنگ میں صاحبینؒ کے نزدیک، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

تشریح میدان جنگ میں ریشم اور دیبا ریشمی کپڑا ہوتا ہے اس کو پہننے میں صاحبینؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ **عن عطاء قال لا بأس بلبس الحریر فی الحرب (ب)** (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ من رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان له عذر، ج خامس، ص ۱۵۳، نمبر ۲۴۶۶۳ / مصنف عبد الرزاق، باب الحریر والدیباج وآنیة الذهب والفضة، ج احدی عشر، ص ۷۱، نمبر ۱۹۹۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا جائز ہے (۲) ریشم کا کپڑا تین تہ کر دیئے جائیں تو اس سے تلوار پھسل جاتی ہے اس لئے اس کے پہننے میں جان کا بچاؤ ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کی چمک سے دشمن مرعوب ہو جاتا ہے اس لئے بھی ریشم کے پہننے کی گنجائش ہے (۳) حدیث میں ہے کہ کھجلی کی وجہ سے ریشم کی اجازت دی، اور جنگ میں اس سے زیادہ ضرورت ہے اس لئے اس میں ریشم کے پہننے کی اجازت ہوگی، حدیث یہ ہے۔**عن انسؓ ان عبد الرحمن ابن عوفؓ والزبیر شکوا الی النبی ﷺ یعنی القمل فارخص لهما فی الحریر، فرأیته علیهما فی غزاة (ج)** (بخاری شریف، باب الحریر فی الحرب، ص ۴۰۹، نمبر ۲۹۲۰ / ابوداؤد شریف، باب فی لبس الحریر لعذر، ص ۲۰۶، نمبر ۴۰۵۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، ص ۳۰۲، نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجلی کے عذر کی وجہ سے ریشم پہن سکتا ہے۔اور ترمذی اور بخاری کی حدیث میں تو صراحت ہے کہ صحابیؓ جنگ میں پہنا کرتے تھے۔

فائدہ امام ابوحنیفہؒ حرمت کی حدیث کی بنیاد پر جنگ میں ریشم پہننا مکروہ قرار دیتے ہیں۔

وجہ ایک اثر یہ بھی ہے۔**عن عکرمة انه کرهه فی الحرب وقال ارجی ما یکون للشهادة (د)** (مصنف ابن ابی شیبة ۳۰ من

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے منع فرمایا کہ میں سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیوں اور اس میں کھانا کھاؤں، اور ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا (ب) حضرت عطاء نے فرمایا جنگ میں ریشم پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے (ج) حضرت عبد الرحمنؓ اور حضرت زبیرؓ نے جوئیں کی شکایت کی تو دونوں کو ریشم پہننے کی اجازت دی۔تو غزوے میں ان دونوں پر ریشم دیکھا (د) حضرت عکرمہ نے جنگ میں ریشم کو ناپسند (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۰۴](۴) ولا بأس بلبس الملحم اذا كان سداه ابريسمًا ولُحمته قطنا او خزًّا

[۳۱۰۵](۵) ولا يجوز للرجال التحلّى بالذهب والفضة.

رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان لہ عذر، ج خامس، ص۱۵۴، نمبر ۲۴۶۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا مکروہ ہے۔

[۳۱۰۴] (۴) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے ملحم کے پہننے میں جبکہ اس کا تانا ریشم ہو اور بانا سوت یا اون ہو۔

تشریح کپڑے تانے سے نہیں بنتا بلکہ بانے سے بنتا ہے اس لئے اصل اعتبار بانے کا ہے۔ پس اگر بانا سوت یا اون کا ہو تو وہ سوت یا اون ہی شمار ہوگا ریشم شمار نہیں ہوگا۔ اس لئے تانا چاہے ریشم ہو لیکن بانا اگر اون یا سوت ہے تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ اخبرنی عبد الله بن سعید عن ابیه سعد قال رأیت رجلا ببخاری علی بغلة بیضاء علیه عمامة خز سوداء فقال کسانیها رسول الله ﷺ (الف) دوسری روایت کے اخیر میں ہے۔ قال ابو داؤد وعشرون نفسا من اصحاب رسول الله ﷺ او اکثر لبسوا الخز منهم انسؓ، والبراءؓ بن عازب (ب) (ابو داؤد شریف، باب ما جاء فی الخز، ج ۲، ص ۲۰۴، نمبر ۴۰۳۸) (۲) اثر میں ہے۔ کان لابی بکرة مطرف خز سداه حریر وکان یلبسه (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱ من رخص فی لبس الحریر، ج خامس، ص ۱۴۹، نمبر ۲۴۶۱۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ خز یعنی ایسا کپڑا جس میں ریشم اور اون دونوں ہوں یا ریشم اور سوت دونوں ہوں اس کا پہننا جائز ہے۔ اون اور ریشم دونوں کے مجموعی کپڑے کو خز کہتے ہیں۔

لغت سدا : تانا، لحمة : بانا، ابریسم : ریشم، قطن : روئی۔

[۳۱۰۵] (۵) اور نہیں جائز ہے مردوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا۔

تشریح جس طرح عورتوں کے لئے ریشم پہننا جائز ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ اور جس طرح مرد کے لئے ریشم پہننا حرام ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کے زیور پہننا حرام ہے۔ البتہ صرف چاندی کی ایک تولہ انگوٹھی پہننا حلال ہے

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول الله ﷺ قال حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الحریر والذهب للرجال، ص ۳۰۲، نمبر ۱۷۲۰) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت البرء بن عازبؓ یقول نهانا النبی ﷺ عن سبع، نهی عن خاتم الذهب او قال حلقة الذهب وعن الحریر والاستبرق، والدیباج والمیثرة الحمراء والقسی وآنیة الفضة (ه) (بخاری شریف، باب خواتم الذهب، ص ۸۷۱، نمبر ۵۸۶۳/

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا اور فرمایا کہ امید رکھے کہ شہادت ہو (الف) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے بخارا میں ایک آدمی کو سفید گدھے پر دیکھا کہ اس پر سوت اور ریشم کا ملا ہوا عمامہ تھا، فرمایا مجھ کو حضورؐ نے پہنایا ہے (ب) ابو داؤد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے بیس سے زائد صحابہ کو دیکھا کہ وہ خز یعنی سوت اور ریشم ملا ہوا کپڑا پہنتے تھے، ان میں حضرت انسؓ اور براء بن عازبؓ بھی ہیں (ج) ابو بکرہ کے پاس چادر تھی جس کا تانا ریشم تھا اور وہ اس کو پہنتے تھے (د) آپؐ نے ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مذکر پر حرام فرمایا اور عورتوں کے لئے حلال فرمایا (ہ) ہم کو حضورؐ نے سات چیزوں سے روکا سونے کی انگوٹھی سے یا فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۰۶](۶) ولابأس بالخاتم والمنطقة وحِلية السيف من الفضة[۳۱۰۷](۷) ويجوز للنساء التحلّي بالذهب والفضة .

مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ علی الرجال والنساء الخ، ج ۲، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مرد کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں ہے۔

لغت تحلی : حلی سے مشتق ہے زیور پہننا، الذھب : سونا، الفضۃ : چاندی۔

[۳۱۰۶](۶) کوئی حرج نہیں ہے انگوٹھی، پٹکے اور تلوار کے زیور میں جو چاندی کا ہو۔

تشریح انگوٹھی چاندی کی ہو یا پٹکا چاندی کا ہو یا تلوار میں چاندی کا زیور لگا ہو تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی پھر اس کو پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ عن عبد اللہؓ ان رسول اللہ ﷺ اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما يلي كفه فاتخذه الناس فرمى به واتخذ خاتما من ورق او فضة (الف) (بخاری شریف، باب خواتیم الذہب، ص ۸۷۱، نمبر ۵۸۶۵ر مسلم شریف، باب خاتم الورق فصہ حبشی، ص ۱۹۶، نمبر ۲۰۹۴ر ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم، ص ۲۲۷، نمبر ۴۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد چاندی کی انگوٹھی بنوا سکتا ہے۔

تلوار میں چاندی کے زیور کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن انس قال كانت قبيعة سيف رسول الله فضة (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی، ص ۳۵۵، نمبر ۲۵۸۳ر نسائی شریف، باب حلیۃ السیف، ص ۷۲۸، نمبر ۵۳۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلوار میں چاندی ہو اس کے دستے میں چاندی ہو تو جائز ہے۔ اور پٹکے کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔ عن عاصم الاحول قال رأيت قدح النبي ﷺ عند انسؓ بن مالك وكان قد انصدع فسلسله بفضة قال هو قدح جيد عريض من نضار قال قال انسؓ لقد سقيت رسول الله ﷺ في هذا القدح اكثر من كذا او كذا (ج) (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیتہ، ص ۸۴۲، نمبر ۵۶۳۸) اس حدیث میں ٹوٹے ہوئے پیالے پر چاندی چڑھایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ پٹکے پر چاندی لگانا جائز ہے (۳) اصل میں نمونے کے طور پر چاندی استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی نمونے کے طور پر ہی ہوتی ہے اس لئے اتنی چاندی کا استعمال جائز ہے۔

لغت منطقۃ : پٹکا، حلیۃ السیف : تلوار کا زیور۔

[۳۱۰۷](۷) عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔

وجہ حدیث میں پہلے گزر چکا کہ عورتوں کے لئے سونا اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول اللہ ﷺ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) سونے کے حلقے سے، ریشم سے، استبرق سے، دیباج سے، سرخ میثرہ سے، قسئی سے، چاندی کے برتن سے (الف) آپؐ نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کیا تو لوگوں نے بھی انگوٹھی بنائی۔ پھر آپؐ نے اس کو پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنائی (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا (ج) حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے پاس حضور کا پیالہ دیکھا اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا تھا جس کو چاندی سے باندھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹا سا پیالہ تھا چوڑا تھا اور جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو اس پیالے سے اتنے اتنے مرتبہ پلایا ہے۔

[۳۱۰۸](۸)ویکرہ ان یلبس الصبی الذھب والحریر[۳۱۰۹](۹) ولا یجوز الاکل والشرب والادّھان والتطیُّب فی اٰنیۃ الذھب والفضۃ للرجال والنساء.

قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحریر والذھب للرجال، ص ۳۰۲، نمبر ۱۷۲۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے۔مرد کے لئے تھوڑی سی چاندی پہننا جائز ہے تو عورت کے لئے بدرجہ اولی جائز ہوگی (۲) ایک اور حدیث میں ہے۔ عن عائشۃؓ قالت قدمت علی النبی ﷺ حلیۃ من عند النجاشی اھداھا لہ فیھا خاتم من ذھب فیہ فص حبشی قالت فاخذہ رسول اللہ ﷺ بعود معرضا عنہ او ببعض اصابعہ،ثم دعا امامۃ بنت ابی العاص بنت ابنتہ زینب ،فقال تحلی بھذا یا بنیۃ (ب)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الذھب للنساء،ص ۲۳۰، نمبر ۴۲۳۵)اس حدیث میں سونے کی انگوٹھی اپنی نواسی حضرت امامۃ کو عنایت فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے۔اور جب سونا جائز ہے تو چاندی بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

لغت تحلی : زیور پہننا۔

[۳۱۰۸](۸) مکروہ ہے کہ بچے کو سونا یا ریشم پہنائے۔

تشریح بچہ اگر چہ مکلف نہیں ہے پھر بھی مرد ہے اس لئے اس کو سونا یا ریشم پہنانا مکروہ ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن جابرؓ قال کنا ننزعہ (یعنی الحریر) عن الغلمان ونترکہ علی الجواری (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی الحریر للنساء، ج ۲، ص ۲۰۶، نمبر ۴۰۵۹) دوسری اثر میں ہے۔ سال بجیر سعید بن جبیر وانا جالس عندہ عن لبس الحریر فقال سعید غاب حذیفۃ بن الیمانؓ غیبۃ فکسی بنیہ وبناتہ قمص الحریر فلما قدم امر بہ فنزع عن الذکور وترک علی الاناث قال محمد وبہ ناخذ (د)(کتاب الآثار لامام محمد، ص ۱۸۷، نمبر ۸۴۸) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ بچے کو بھی سونا اور ریشم نہیں پہننا چاہئے۔

[۳۱۰۹](۹) نہیں جائز ہے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتن میں مردوں کے لئے اور عورتوں کے لئے۔

تشریح عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور استعمال کرنا تو جائز ہے لیکن سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا نہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام کیا اور عورتوں کے لئے حلال کیا (ب) حضورؐ کے پاس حضرت نجاشی کے پاس سے زیور آیا۔انہوں نے حضورؐ کو ہدیہ دیا تھا، اس میں سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک لکڑی کے ذریعہ اعراض کرتے ہوئے اس کو لیا۔یا کسی انگلی سے انگوٹھی کو پکڑا پھر امامہ بنت ابی العص کو بلایا اور فرمایا بیٹی اس کو پہنو (ج) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ریشم کا کپڑا لڑکوں سے اتار لیتے تھے اور لڑکیوں پر چھوڑ دیتے تھے (د) بجیر نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے ریشم پہننے کے بارے میں پوچھا میں بھی وہیں تھا۔حضرت سعیدؒ نے فرمایا حذیفہ بن یمانؓ کہیں باہر چلے گئے تو اس کے بیٹے اور بیٹیوں کو ریشم کی قمیصیں پہنایا۔پس جب وہ واپس آئے تو لڑکوں سے کھولنے کا حکم دیا اور لڑکیوں پر چھوڑے رکھا۔حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔

[۳۱۱۰](۱۰) ولابأس باستعمال انية الزجاج والرصاص والبلّور والعقيق.

مرد کے لئے جائز ہے اور نہ عورت کے لئے جائز ہے۔

وجہ اس کی اجازت دے دی جائے تو غریبوں سے مال وصول کرنے کے لئے ظلم کریں گے اور غریبوں کی زندگی اجیرن کر دیں گے اس لئے سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا حرام قرار دیا (۲) حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ عن ابن ابی لیلی قال خرجنا مع حذیفة وذکر النبی ﷺ قال لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولاتلبسوا الحریر والدیباج فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرة (الف) دوسری روایت میں ہے۔ عن ام سلمةؓ زوج النبیؐ ان رسول الله ﷺ قال الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم (ب) (بخاری شریف، باب آنیة الفضة، ص ۸۴۱، نمبر ۵۶۳۴/۵۶۳۳ مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة الخ، ص ۱۸۸، نمبر ۲۰۶۷) اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کو سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

لغت الادھان : دہن سے مشتق ہے تیل لگانا، التطیب : طیب سے مشتق ہے خوشبو لگانا، آنیة : برتن۔

[۳۱۱۰](۱۰) کوئی حرج نہیں کانچ، رانگ، بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے پیتل کے برتن میں وضو اور غسل فرمایا ہے۔ اور کانچ، رانگ،، بلور اور مہرے پیتل ہی کی طرح ہیں۔ اس لئے ان کے برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہوگا۔ (۲) حدیث یہ ہے۔ ان عائشةؓ قالت کنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ فی تور من شبة (ج) دوسری روایت میں ہے۔ عن عبد الله بن زید قال جاء نا رسول الله ﷺ فاخرجنا له ماء فی تور من صفر فتوضأ (د) (ابوداؤد شریف، باب الوضوء فی آنیة الصفر، ص ۱۵، نمبر ۹۸/۱۰۰ بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارة، ص ۳۲، نمبر ۱۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیتل کے برتن کو استعمال کرنا جائز ہے۔ اور پتھر کے برتن کو استعمال کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انسؓ قال حضرت الصلوٰة ... فاتی رسول الله بمخضب من حجارة فیه ماء فصغر المخضب ان یبسط فیه کفه (ہ) (بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارة، ص ۳۲، نمبر ۱۹۵) اس حدیث میں ہے کہ پتھر کا لگن وضوء کے لئے استعمال کیا۔ اور مہرہ اور بلور پتھر کی جنس میں سے ہیں اس لئے ان کے برتنوں کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔

لغت زجاج : کانچ، رصاص : رانگ، بلور : ایک قسم کا شیشہ، سفید شفاف جوہر، عقیق : سرخ مہرے۔

حاشیہ : (الف) ہم حضرت حذیفہؓ کے ساتھ نکلے، انہوں نے حضورؐ کا تذکرہ کیا، فرمایا سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ ریشم اور دیباج پہنو۔ اس لئے کہ وہ کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں ہے (ب) حضورؐ نے فرمایا جو چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیل رہا ہے (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضورؐ پیتل کے برتن میں غسل کیا کرتے تھے (د) حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضورؐ تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کے لئے پیتل کے برتن میں پانی نکالا جس سے آپؐ نے وضوء فرمایا (ہ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت ہوا... حضورؐ کے سامنے پتھر کا لگن لایا گیا جس میں پانی تھا، لگن ہتھیلی پھیلانے کے قابل نہیں تھا، تھوڑا چھوٹا تھا۔

[۳۱۱۱] (۱۱) ویجوز الشرب فی الاناء المفضَّض عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی والرکوب علی السرج المفضَّض والجلوس علی السریر المفضَّض [۳۱۱۲] (۱۲) و

[۳۱۱۱] (۱۱) جائز ہے چاندی چڑھے برتن میں پینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور جائز ہے چاندی چڑھے زین پر سوار ہونا، اور چاندی چڑھے تخت پر بیٹھنا۔

تشریح چیز چاندی کی نہ ہو لیکن کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہو تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ مثلا برتن میں کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا تخت پر کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا گھوڑے کی زین پر چاندی لگی ہوئی ہے تو ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی درست ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا ٹوٹا ہوا پیالہ چاندی سے باندھا ہوا تھا۔ حضورؐ کی تلوار کے دستے پر چاندی تھی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عاصم الاحول قال رأیت قدح النبی ﷺ عند انسؓ بن مالک وکان قد انصدع فسلسله بفضة، قال وھو قدح جید عریض من نضار، قال قال انسؓ لقد سقیت رسول الله ﷺ فی ھذا القدح اکثر من کذا و کذا (الف) (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وانیتہ، ص ۸۴۲، نمبر ۵۶۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برتن کو چاندی سے باندھا ہو تو اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے۔ عن انسؓ قال کانت قبیعة سیف رسول الله ﷺ فضة (ب) ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی، ص ۴۲۸، نمبر ۲۵۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی تلوار کے دستے میں چاندی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زین وغیرہ پر تھوڑی چاندی ہو تو جائز ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاندی کی ممانعت کی عام احادیث کی وجہ سے مکروہ ہے۔

لغت المفضض : فضة سے مشتق ہے چاندی جڑی ہوئی، سرج : زین، سریر : تخت۔

[۳۱۱۲] (۱۲) مکروہ ہے قرآن میں ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطے لگانا۔

تشریح شروع میں لوگ عربی جانتے تھے، اس کے اسلوب سے واقف تھے۔ اس لئے قرآن کریم میں رکوع وغیرہ نہیں لکھتے تھے۔ اور نہ زبر زیر لکھتے اور نہ نقطہ لگاتے تھے۔ اس لئے ایسا کرنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم کو ویسا ہی رکھنا بہتر ہے جیسا پہلے تھا۔ لیکن بعد میں عجمیوں کی سہولت کے لئے یہ سب کرنا پڑا اور اب یہ امر مستحسن ہے۔

وجہ مکروہ ہونے کی وجہ یہ اثر ہے۔ عن عبد الله (بن مسعود) انه کره التعشیر فی المصحف (ج) دوسری روایت میں ہے۔ عن محمد انه کره الفواتح والعواشر التی فیھا قاف وکاف (د) تیسری روایت میں ہے۔ عن عطاء انه کان یکره التعشیر فی

حاشیہ : (الف) حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کا پیالہ حضرت انسؓ کے پاس دیکھا۔ اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا تھا۔ جس کو چاندی کی زنجیر سے باندھا تھا۔ فرمایا وہ پیالہ اچھا تھا، چوڑا تھا، جھاؤ کی لکڑی کا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو اس پیالے میں اتنی اتنی مرتبہ پلایا (ب) حضورؐ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا (ج) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ قرآن کریم میں ہر دس آیتوں پر نشان لگانے کو مکروہ سمجھتے تھے (د) امام محمدؒ شروع میں نشان لگانا اور ہر دس آیتوں پر نشان لگانا جس میں قاف اور کاف ہو مکروہ سمجھتے تھے۔

يكره التعشير في المصحف والنقط[۳۱۱۳] (۱۳) ولا بأس بتحلية المصحف ونقش المسجد وزخرفته بماء الذهب.

المصحف وان يكتب فيه شيء من غيره (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۶ التعشیر فی المصحف ، ج سادس، ص ۱۴۹، نمبر ۳۰۲۳۲/۳۰۲۳۸/۳۰۲۳۳) ان تین اثروں سے معلوم ہوا کہ دس آیتوں پر نشان لگانا یا حروف پر نقطے لگانا مکروہ ہے۔

لغت التعشیر : عشر سے مشتق ہے، دس آیتوں پر رکوع کا نشان لگانا، المصحف : قرآن کریم۔

[۳۱۱۳] (۱۳) کوئی حرج کی بات نہیں ہے سونے کے پانی سے قرآن کو آراستہ کرنے میں، اور مسجد کو منقش کرنے میں اور مزین کرنے میں۔

تشریح قرآن کو سونے کے پانی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح مسجد کو سونے کے پانی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ نقش ونگار کے سلسلے میں تو حضرت عثمانؓ کا عمل ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنا نافع ان عبد الله اخبره ان المسجد كان على عهد رسول الله ﷺ مبنيا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل ... ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادة كثيرة وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصة وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج** (ب) (بخاری شریف، باب بنیان المسجد، ص ۶۴، نمبر ۴۴۶ / ابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ۷۱، نمبر ۴۵۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور مسجد کو آراستہ اور نقش ونگار کر سکتے ہیں (۲) **عن محمد (ابن سيرين) قال لابأس ان يحلى المصحف** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۵ من رخص فی حلیۃ المصحف ، ج سادس، ص ۱۴۹، نمبر ۳۰۲۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سونے کے پانی سے مزین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے۔ اور اسی پر مسجد کو سونے کے پانی سے مزین کرنے کو قیاس کر سکتے ہیں۔

فائدہ البتہ بہت زیادہ بھڑکدار بنانا مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ ما امرت بتشييد المساجد ،قال ابن عباس لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ۷۱، نمبر ۴۴۸) (۲۰) اثر میں ہے۔ **قال ابو ذرؓ زوقتم مساجدكم وحليتم مصاحفكم فالدمار عليكم** (ہ) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۴، فی المصحف یحلی، ج سادس، ص ۱۴۸، نمبر ۳۰۲۲۸) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ زینت مکروہ ہے۔ ایک مناسب انداز میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاءؒ ہر دس آیتوں پر نشان لگانا مکروہ سمجھتے تھے، اور قرآن کے علاوہ کچھ لکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے (ب) حضرت عبد اللہ نے خبر دی کہ حضورؐ کے زمانے میں مسجد کچی اینٹ کی بنی ہوئی تھی۔ اور اس کی چھت کھجور کی پتی کی تھی۔ اور اس کا کھمبا کھجور کے تنے کا تھا... پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو بدلا اور اس میں کافی اضافہ کیا۔ اس کی دیوار نقش ونگار پتھر سے اور چونے سے بنوایا۔ اور اس کا ستون نقش ونگار پتھر سے بنوایا۔ اور اس کی چھت ساگوں کی لکڑی کی ڈلوائی (ج) حضرت محمدؒ بن سیرین نے فرمایا قرآن کریم کو مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا مجھے مساجد کو بہت مضبوط کرنے کا حکم نہیں دیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم یہود اور نصاری کی طرح مسجد کو مزین کرو گے (ہ) حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم مسجدوں کو مزین کرنے لگو اور قرآن کریم کو آراستہ کرنے لگو تو تم پر ہلاکت ہے۔

[۳۱۱۴](۱۴) ویکرہ استخدام الخصیان[۳۱۱۵](۱۵) ولا بأس بخصاء البھائم وانزاء الحمیر علی الخیل.

لغت زخرفۃ : خوبصورت بنانا، مزین کرنا۔

[۳۱۱۴](۱۴) مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا۔

تشریح خصی مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

وجہ اس طرح خصی بننے کی ہمت افزائی ہوگی۔اس لئے خصی کئے ہوئے مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے(۲) حدیث میں خصی کروانے سے منع فرمایا ہے۔عن ابن عمرؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اخصاء الخیل والبھائم وقال ابن عمرؓ فیھا نماء الخلق (الف) (مسند احمد، سند عبداللہ بن عمر، ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۴۷۵۵) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب من کرھہ، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۶۷) اس حدیث میں خصی کرنے سے منع فرمایا اس لئے خصیوں سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

[۳۱۱۵](۱۵) کوئی حرج نہیں ہے جانوروں کو خصی کرنے میں اور گدھے کو گھوڑی پر ڈالنے میں۔

تشریح اوپر گزرا کہ جانور کو خصی کرنے میں نسل کشی ہوگی اس لئے یہ ممنوع ہے۔لیکن بکرے کو خصی نہ کرے تو وہ موٹا نہیں ہوتا اور گوشت اچھا نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ وہ شرارت بہت کرتا ہے اس لئے اس کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح بیل کو خصی نہ کرے تو وہ طاقتور نہیں ہوتا اور ہل جوتنے کے قابل نہیں ہوتا (میں خود کسان ہوں مجھے اس کا تجربہ ہے) اس لئے اس کو بھی خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ بعض کو سانڈھ ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے تاکہ نسل ختم نہ ہو۔

وجہ حضورؐ نے خصی بکرے کی قربانی کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خصی کرنا جائز ہے ورنہ آپ خصی کی قربانی نہ کرتے۔حدیث یہ ہے۔عن جابرؓ بن عبد اللہ قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجئین (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۷۹۵ / ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خصی کئے ہوئے دو بکرے ذبح فرمائے۔جس سے معلوم ہوا کہ بعض جانور کو خصی کرنا جائز ہے۔موجئین کے معنی خصی (۲) اثر میں ہی۔عن الحسن قال لا بأس بخصاء الدواب (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸، من رخص فی خصاء الدواب، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۷۹)

اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھا کر خچر پیدا کروانا شریف آدمی کے لئے اچھا عمل نہیں ہے۔البتہ اگر گدھا اور گھوڑی ایسا کرلیں اور خچر پیدا ہوجائے تو جائز ہے۔

وجہ اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھانا اچھا عمل نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ عبدا مامورا ما اختصنا دون الناس بشیء الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء، وان لا ناکل الصدقۃ، وان لا ننزی حمارا

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گھوڑے اور جانوروں کو خصی کرنے سے منع فرمایا، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے سے مخلوق کی بڑھوتری ہے (ب) حضورؐ نے بقرہ عید کے دن دو مینڈھے ذبح کئے جو سینگ والے چتکبرے اور خصی تھے (ج) حضرت حسن نے فرمایا چوپائے کے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۳۱۱۶](۱۶) ويجوز ان يقبل في الهدية والاذن قول العبد والصبي.

علی فرس (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ان ینزی الحمر علی الخیل، ص ۲۹۸، نمبر ۱۷۰۱) اس حدیث میں ہے گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے سے منع فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا عمل کرنا شریف آدمی کے لئے اچھا نہیں ہے۔

لیکن اگر ایسا ہو گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ آپ خچر پر سوار ہوتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خچر پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ سمع البراء وساله رجل من قيس افررتم عن رسول الله ﷺ يوم حنين ... ولقد رأيت النبي ﷺ على بغلته البيضاء وان ابا سفيان بن الحارث آخذ بزمامها (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ص ۶۱۷، نمبر ۴۳۱۷) اس حدیث میں ہے کہ آپ جنگ حنین میں سفید خچر پر سوار تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت انزاء : نر کو مادہ پر کودانا۔

[۳۱۱۶] (۱۶) جائز ہے ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچے کے قول کو قبول کرنا۔

تشریح ایسی شہادت جس سے کسی کا حق ثابت ہوتا ہو جس کو معاملات کی شہادت کہتے ہیں اس میں بچے اور غلام کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ لیکن ہدیہ وغیرہ چھوٹی چیز ہے۔ اس میں کسی کا حق ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اسکی خبر دینی ہے کہ میرے آقا نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔ یا میرے باپ نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔ اس لئے ایسی خبر میں ان دونوں کی بات قبول کی جائے گی۔ اور جس کو ہدیہ دی گئی ہے اس کے لئے جائز ہوگا کہ ان کی باتوں پر یقین کر کے ہدیہ قبول کرے۔

وجہ اثر میں ہے۔ سألت انسا عن شهادة العبد فقال جائز (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۴ من کان یجیز شہادۃ العبد، ج رابع، ص ۲۹۸، نمبر ۲۰۲۷۵) اس اثر میں ہے کہ غلام کی گواہی جائز ہے۔ جب معاملات میں جائز ہے تو ہدیہ وغیرہ میں بدرجۂ اولی جائز ہوگا (۲) وقال انس شهادة العبد جائزة اذا كان عدلا واجازه شريح وزراره ابن اوفى (د) اس سے آگے حدیث میں فجاءت امة سوداء، فقالت قد ارضعتكما فذكرت ذلك للنبي ﷺ فاعرض عني قال فتنحيت فذكرت ذلك له قال وكيف وقد زعمت انها قد ارضعتكما؟ فنهاه عنها (ہ) (بخاری شریف، باب شہادۃ الاماء والعبید، ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۵۹) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کی گواہی مقبول ہے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضورؐ عبد مامور تھے۔ لوگوں کو چھوڑ کر ہمیں کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر تین چیز کے ساتھ۔ ہمیں پورا پورا وضو کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ ہمیں صدقہ نہ کھائیں اور نہ گدھے کو گھوڑی پر چڑھائیں (ب) قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے حضرت براء کو پوچھا کیا آپ لوگ جنگ حنین میں بھاگ گئے تھے؟... میں نے حضورؐ کو سفید خچر پر سوار دیکھا اور حضرت ابو سفیان اس کے لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ (ج) میں نے حضرت انسؓ کو غلام کی گواہی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جائز ہے (د) حضرت انسؓ نے فرمایا غلام کی گواہی جائز ہے جب وہ عادل ہو۔ اور حضرت شریح اور زرارہ ابن اوفی نے بھی جائز قرار دیا (ہ) ایک کالی باندی آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ پس حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے اعراض فرمایا۔ راوی فرماتے ہیں میں تھوڑا دور ہوا اور اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیسے ہوگا جب وہ کہتی ہے کہ تم دونوں کو دودھ پلایا۔ پس حضورؐ نے لڑکے کو منع فرمایا۔

[۳۱۱۷] (۱۷) ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولایُقبل فی اخبار الدیانات الا قول

بچے کے لئے اثر اور حدیث تو یہی ہے کہ اس کی گواہی مقبول نہیں لیکن چھوٹی چیزوں میں اس کی خبر مقبول ہے۔

وجہ اثر یہ ہے۔ عن شریح انہ کان یجیز شهادة الصبیان علی السن والموضحة ویتأباهم فیما سوی ذلک (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴، فی شھادۃ الصبیان، ج رابع، ص ۳۶۴، نمبر ۲۱۰۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھوٹی موٹی چیزوں میں اس کی خبر قبول کی جائیگی۔ یہ اصل میں شہادت نہیں بلکہ خبر دینی ہے۔

لغت والاذن : کی صورت یہ ہے کہ بچہ غلام کو خبر دے کہ میرے باپ نے تم کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے۔ یا غلام خبر دے کہ میرے آقا نے تم کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کی خبر اس بارے میں مقبول ہے۔ اور اس پر عمل کرتے ہوئے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت ہو جائے گی۔

[۳۱۱۷] (۱۷) قبول کیا جائے گا معاملات میں فاسق کا قول اور نہیں قبول کیا جائے گا دیانات کی خبروں میں مگر عادل کا قول۔

تشریح جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تب تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ آیت میں اس کی ممانعت ہے۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (ب) (آیت ۳۰، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اگر فسق کسی اور گناہ کی وجہ سے ہے مثلا کسی کا مال کھایا جس کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تو معاملات میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ حدود اور قصاص میں تو پھر بھی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجہ معاملات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت دیانت دار اور عادل آدمی نہیں ملتا اس لئے معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔ جیسے بیع، شراء میں فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی۔ تاہم عادل کی گواہی زیادہ بہتر ہے (۲) اثر میں ہے۔ وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته واجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزیز وسعید بن جبیر وطاؤس ومجاهد والشعبی (ج) (بخاری شریف، باب شھادۃ القاذف والسارق والزانی، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۸) اس اثر میں ہے کہ حد قذف والا توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ آیت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہوتا ہے۔ ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون ٥ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا (د) (آیت ۴/۵، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہے۔ اس کے باوجود اس کی گواہی اثر کی بنا پر مقبول ہے تو اور فاسقوں کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت شریح بچے کی گواہی جائز قرار دیتے تھے عمر کے بارے میں اور زخم کے بارے میں اور ان کے علاوہ میں جائز قرار نہیں دیتے تھے (ب) بت پرستی کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی گواہی دینے سے بچو (ج) حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ اور شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے لگائے پھر ان سے کہا کہ توبہ کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو توبہ کرے گا اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ عبد اللہ بن عتبہ اور عمر بن عبد العزیز اور سعید بن جبیر اور طاؤس اور مجاہد اور شعبیؒ نے محدود فی القذف کی گواہی قبول کرنے کی اجازت دی ہے (د) محدود فی القذف کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ فاسق ہے۔ مگر جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی گواہی قبول کرو۔

العدل [۳۱۱۸] (۱۸) ولایجوز ان ینظر الرجل من الاجنبیة الا الی وجهها و کفّیها فان

البتہ دیانات مثلا چاند کی گواہی کبھی کبھار پیش آتی ہے۔اس لئے اوپر کی آیت اولئک ھم الفاسقون کی وجہ سے ان میں عادل کی گواہی مقبول ہوگی فاسق کی نہیں۔

[۳۱۱۸] (۱۸) اور نہیں جائز ہے کہ مرد اجنبی عورت کا دیکھے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔پس اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو اس کا چہرہ بھی نہ دیکھے مگر ضرورت کی وجہ سے۔

تشریح چونکہ ہتھیلی اور چہرے دیکھنے کی ضرورت ہے۔کیونکہ وہ کام کرے گی جس کی وجہ سے ان دونوں عضوؤں کو کھولنا پڑے گا اس لئے ان کے کھولنے کی اجازت ہے۔تاہم اگر چہرہ دیکھنے کی وجہ سے شہوت ابھرنے کا خطرہ ہو تو چہرہ بھی چھپائے رکھے۔کیونکہ یہ تو مجمع محاسن ہے۔اور شہوت ابھرنے کے خطرے کے باوجود چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت پڑ گئی مثلا گواہی دینے کے لئے آنا ہے یا نکاح کرنے کے لئے ہونے والے شوہر کو چہرہ دکھلانا ہے تو ایسی ضرورت میں شہوت کے خطرے کے باوجود اجنبی کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے۔

وجہ ستر چھپانے کی وجہ یہ آیت ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون (الف) (آیت ۳۰،سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی ہے۔اور یہ بھی حکم دیا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔البتہ جو مجبوری کے درجے میں ظاہر ہو جائے یعنی ہتھیلی اور چہرہ اس کی گنجائش ہے۔آیت یہ ہے۔وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (ب) (آیت ۳۱،سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔یہ بھی فرمایا کہ سینوں پر کپڑا ڈالا کریں۔

ہاتھ اور چہرہ اس سے مستثنی ہیں اس کی دلیل ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے۔عن عباس فی قولہ تعالی ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا قال مافی الکف والوجہ (ج) (سنن للبیہقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی، ص ۳۱۸، نمبر ۳۲۱۴) اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہتھیلی کو چھپانا ضروری نہیں (۲) حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہے۔عن عائشۃؓ ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ ﷺ وعلیھا ثیاب رقاق فاعرض عنھا رسول اللہ ﷺ وقال یا اسماء! ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ و کفیہ (د) (ابوداؤد

حاشیہ : (الف) مومنوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتے ہیں (ب) مومنہ عورتوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔اور اپنے سینے پر دوپٹہ ڈالیں۔اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر شوہر کے لئے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا کی تفسیر فرمائی ہتھیلی اور چہرہ۔یعنی یہ دونوں کھلے رہ سکتے ہیں (د) حضرت اسماء حضورؐ کے سامنے آئی اور ان پر پتلا کپڑا تھا تو آپؐ نے اعراض فرمایا اور کہا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے اس کے اور اس کے علاوہ نظر آئے۔اور چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

كان لايأمن من الشهوة لم ينظر الى وجهها الا لحاجة[۳۱۱۹](۱۹) ويجوز للقاضى اذا اراد ان يحكم عليها وللشاهد اذا اراد الشهادة عليها النظر الى وجهها وان خاف ان

شریف، باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، ج ۲، ص ۲۱۳، نمبر ۴۱۰۴رسنن للبیھقی، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ، ج ثانی ص ۳۱۹، نمبر ۳۲۱۸) اس حدیث میں ہے کہ بالغہ عورت کو چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ ظاہر نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ چلنے کے لئے پاؤں کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے پاؤں بھی کھول سکتی ہے۔

اور شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ بھی چھپائے اس کی دلیل ایک تو اوپر کی آیت گزری۔ قل للمومنات تغضضن من ابصارھن (۲) اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ قال ابوھریرۃ عن النبی ﷺ ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذلک لا محالۃ فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تتمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک کلہ ویکذبہ (الف) (بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج، ص ۹۲۲، نمبر ۶۲۴۳رمسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنی وغیرہ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۶۵۷، کتاب القدر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے کو شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔ اس لئے شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ چھپالے۔ لیکن اگر کھولنے کی شدید ضرورت ہو تو مجبوری میں اس کے کھولنے کی گنجائش ہے۔ دوسری حدیث میں بار بار دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی یا علی! لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیس لک الآخرۃ (ب) (ابوداؤد شریف، باب مایومر بہ من غض البصر، ص ۲۹۹، نمبر ۲۱۴۹)

لغت کف : ہتھیلی۔

[۳۱۱۹] (۱۹) قاضی کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے، اور گواہ کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر گواہی دینا چاہے اس کی چہرے کی طرف دیکھنا، چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

تشریح قاضی عورت پر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے ایسے موقع پر اس کے لئے چہرے کو دیکھنا جائز ہے چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح گواہ عورت کے لئے یا عورت کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہے۔ اور گواہی کے وقت یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہی عورت ہے۔ اور اس کے لئے عورت کا چہرہ دیکھے تو چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو پھر بھی دیکھنا جائز ہے۔ البتہ دیکھتے وقت قضاء کی نیت کرے اور گواہ گواہ کی ادائیگی کی نیت کرے، شہوت کے لئے چہرہ دیکھنے کی نیت نہ کرے۔

وجہ عام حالات میں چہرہ کھولنا جائز تھا۔ البتہ شہوت کے باوجود کھولنے کی اجازت مجبوری کے درجے میں تھی اور یہاں فیصلہ کرنے اور گواہی دینے کی مجبوری ہے۔ اس لئے کھولنے کی اجازت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دیا اس عورت کا چہرہ دیکھنا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر زنا کا ایک حصہ لکھا ہے اور یہ لامحالہ سرزد ہو کر رہے گا۔ پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے۔ اور دل کا زنا تمنی کرنا اور خواہش کرنا ہے۔ اور شرمگاہ ان سبھوں کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔ (ب) آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بار بار مت دیکھو، تمہارے لئے پہلی نظر حلال ہے دوسری نظر حلال نہیں ہے۔

یشتھی[۳۱۲۰](۲۰) ویجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منھا[۳۱۲۱](۲۱) وینظر الرجل من الرجل الی جمیع بدنہ الا مابین سُرَّتہ الی رکبتہ.

جائز ہے چاہے ابھی وہ اجنبیہ ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن ابی ھریرة قال کنت عندالنبی ﷺ فأتاه رجل فأخبره انہ تزوج امرأة من الانصار فقال لہ رسول اللہ ﷺ أنظرت الیھا؟قال لا! قال فاذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا (الف)** (مسلم شریف، باب ندب من ارادنکاح امرأة الی ان ینظر الی وجھھا وکفیھا قبل خطبتھا ،ص ۴۵۶ ،نمبر ۱۴۲۴ رابوداؤدشریف، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وھویرید تزویجھا،ص ۲۹۱، نمبر ۲۰۸۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة ،ص ۲۰۷، نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث میں ہے کہ مخطوبہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اور گواہ دیکھ سکتا ہے۔کیونکہ ان دونوں کو ضرورت ہے چاہے شہوت کا اندیشہ ہو۔

[۳۱۲۰](۲۰) طبیب کے لئے جائز ہے کہ اس کے مرض کی جگہ دیکھے۔

تشریح مثلا سرین میں زخم ہے اب ڈاکٹر کے لئے اس کا آپریشن کرنا ضروری ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس جگہ کو دیکھے۔

وجہ مجبوری کی وجہ سے ستر دیکھنا جائز ہو جاتا ہے۔مجبوری کی وجہ سے حلت کی وجہ یہ آیت ہے۔**قل لااجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (ب)** (آیت ۱۴۵،سورة الانعام ۶) اس آیت میں مجبوری کیوجہ سے مردہ کھانے کی اجازت دی گئی۔ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حلال ہے اس سے زیادہ استعمال کرنا حرام ہے۔یہاں بھی جتنی جگہ دیکھنے کی ضرورت ہو اتنی جگہ ہی دیکھنا حلال ہوگا باقی ستر کی جگہ ابھی بھی حرام ہے۔

[۳۱۲۱](۲۱) مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے پورا بدن سوائے ناف سے اس کے گھٹنے تک۔

تشریح مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اس لئے کسی مرد کے لئے دوسرے مرد کا ناف سے گھٹنے تک دیکھنا حرام ہے، باقی بدن دیکھ سکتا ہے کیونکہ وہ ستر نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ... واذا زوج احدکم خادمہ عبدہ او اجیرہ فلا ینظر الی مادون السرة وفوق الرکبة (ج)** (ابوداؤدشریف، باب متی یومر الغلام بالصلوة ،ص ۷۷، نمبر ۴۹۶ ر

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس تھا کہ آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا اور بتایا کہ وہ انصار کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔تو حضورؐ نے پوچھا کیا اس کو دیکھا ہے؟ کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا جاؤ اس کو دیکھ لو اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (ب) آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں کھانے کے بارے میں نہیں پاتا ہوں کہ حرام ہے مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گشت ہو۔اس لئے کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہے۔اللہ کے علاوہ پر ذبح کیا گیا ہو۔پھر جو مجبور ہو جائے تو لذت تلاش کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے زیادہ گزرنے والا ہو تو اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا...تم میں سے کوئی ایک اپنے خادم یعنی غلام یا اجیر کی شادی کرادے تو ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے اوپر تک نہ دیکھے۔

[۳۱۲۲](۲۲) ویجوز للمرأة ان تنظر من الرجل الی ما ینظر الیه الرجل منه [۳۱۲۳] (۲۳)وتنظر المرأة من المرأة الی مایجوز للرجل ان ینظر الیه من الرجل[۳۱۲۴](۲۴) وینظر الرجل من امته التی تحل له وزوجته الی فرجها.

سنن للبیھقی، باب عورة الرجل، ج ثانی، ص۳۲۴، نمبر۳۲۳۵(۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبة من العورة (الف) (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوة والضرب علیھا وحد العورة التی یجب سترھا، ج اول، ص ۲۳۷، نمبر ۸۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹنا تک ستر ہے یعنی گھٹنا ستر میں شامل ہے اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔

لغت سرة : ناف، رکبة : گھٹنا۔

[۳۱۲۲] (۲۲) اور عورت کے لئے جائز ہے مرد کا اتنا حصہ دیکھنا جتنا مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے۔

تشریح مرد مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا ہے باقی بدن دیکھ سکتا ہے۔ اسی عورت بھی مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی ہے باقی بدن دیکھ سکتی ہے۔

وجہ کیونکہ مرد اور عورت دونوں کے لئے مرد کا ستر ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے باقی بدن ستر نہیں ہے۔ دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ الرکبة من العورة (دار قطنی، نمبر ۸۷۸)

[۳۱۲۳] (۲۳) عورت دوسری عورت کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا۔

تشریح ایک مرد دوسرے مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا ہے باقی بدن دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ستر غلیظہ ہے باقی بدن دیکھ سکتی ہے۔

وجہ ایک عورت دوسری عورت کی پستان دیکھ لے تو شہوت نہیں ابھرتی اس لئے کہ اس کے پاس بھی ہے۔ اس لئے ان اعضاء کو دیکھنے میں حرج نہیں۔ البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک ستر غلیظہ ہے اس لئے اس کا دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

[۳۱۲۴] (۲۴) وہ باندی جو اس کے لئے حلال ہے اس کی اور اپنی بیوی کی شرمگاہ مرد دیکھ سکتا ہے۔

تشریح اپنی باندی کی شادی کسی دوسرے سے کروا دیا ہو تو اس باندی سے صحبت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح رضاعی بہن باندی ہو تو اس سے صحبت کرنا حلال نہیں اس لئے فرمایا کہ ایسی باندی جس سے صحبت کرنا حلال ہو اس کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیوی کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔ البتہ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ مخواہ نہ دیکھے۔ کیونکہ وہ جگہ شرم کی چیز ہے۔

وجہ حدیث میں دونوں باتوں کا ثبوت ہے۔ اخبرنا بهز بن حکیم عن ابیه عن جده قال قلت یا نبی اللہ ! عوراتنا ما ناتی منها وما نذر؟ قال احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی حفظ العورة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گھٹنا ستر میں سے ہے (ب) میں نے کہا یا نبی اللہ! ہمارے ستر کے بارے میں کیا کریں اور کیا چھوڑیں؟ آپؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

[۳۱۲۵](۲۵) وینظر الرجل من ذوات محارمه الی الوجه والرأس والصدر والساقین

ص۱۰۳، نمبر۲۷۹۴/ ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص۲۷۵، نمبر۱۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ستر کو چھپائے رکھو مگر اپنی بیوی اور باندی سے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ بیوی اور باندی کے سامنے ایک دوسرے کا ستر ظاہر ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے (۲) ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ ان سعد بن مسعود الکندی قال اتی عثمان بن مظعون رسول الله ﷺ قال یا رسول الله ! انی لاستحی ان تری اهلی عورتی قال وقد جعلک الله لهم لباسا وجعلهم لک لباسا قال اکره ذلک قال فانهم یرونه منی واراه منهم قال انت یا رسول الله ! قال انا قال انت! فمن بعد ک اذاً ؟قال فلما ادبر عثمان قال رسول الله ﷺ ان ابن مظعون لحیی ستیر (الف) ٭ مصنف عبد الرزاق، القول عند الجماع وکیف یصنع وفضل الجماع، ج سادس، ص۱۹۵، نمبر۱۰۴۷۱۔ اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بیویاں میرا دیکھتی ہیں اور میں ان کا دیکھتا ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیوی کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہے۔

البتہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عتبة ابن عبد السلمی قال قال رسول الله ﷺ اذا اتی احدکم اهله فلیستتر ولا یتجرد یجرد العیرین (ب) دوسری روایت میں ہے۔ عائشةؓ قالت ما نظرت او مارأیت فرج رسول الله قط (ج) (ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص۲۷۵، نمبر۱۹۲۱/۱۹۲۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع، ص۱۰۳، نمبر۲۸۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماع کے وقت بالکل ننگا نہ ہو جس سے معلوم ہوا کہ اس کی شرمگاہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

[۳۱۲۵] (۲۵) آدمی دیکھ سکتا ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کو، اور نہ دیکھے اس کی پیٹھ، پیٹ اور ران کو۔

تشریح ذی رحم محرم عورتیں مثلا ماں، بہن، پھوپی، نانی، خالہ وغیرہ کا چہرہ، سر، ہنسلی کا حصہ، پنڈلی اور بازو وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کی پیٹھ، پیٹ، ران، گھٹنا وغیرہ نہیں دیکھ سکتا۔

وجہ مرد کے لئے ذی رحم محرم عورت کا گردن سے لیکر گھٹنے تک ستر ہے اور یہ مقام شہوت بھی ہیں اس لئے ان مقامات کو نہیں دیکھ سکتا، باقی سر، چہرہ، پنڈلی اور سینے کے اوپر جو ہنسلی کا حصہ ہوتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او ابنی اخوانهن او بنی اخواتهن او نسائهن او ما

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نے فرمایا بیوی اور باندی کے علاوہ اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھو (الف) حضرت عثمان بن مظعون حضورؐ کے پاس آئے فرمانے لگے یا رسول اللہ! مجھے شرم آتی ہے کہ میری بیوی میری شرمگاہ دیکھے۔ فرمایا اللہ نے آپ کو ان کے لئے لباس بنایا اور ان کو تمہارے لئے لباس بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اس سے بھی کراہیت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میری بیوی میری شرمگاہ دیکھتی ہے اور میں اس کی دیکھتا ہوں۔ تعجب سے پوچھا آپ کی یا رسول اللہ! فرمایا میری پھر کس کی؟ حضرت عثمان جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا ابن مظعون بہت شرمیلا ہے پردے دار ہے (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو ستر چھپائے اور دو گدھے کی طرح بے پردہ نہ ہو (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

والعضُدین ولا ینظر الی ظهرها وبطنها وفخذها[۳۱۲۶](۲۶) ولا بأس بان یمسَّ ماجاز

ملکت ایمانهن (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں زینت یعنی زینت کے مقام ان ذی رحم محرم کے سامنے ظاہر کرسکتی ہیں۔ زیور پہننے اور زینت کرنے کے اعضاء یہ ہیں۔ ناک، کان، جن میں سر اور چہرہ موجود ہے۔ گلے میں ہار پہنتی ہیں جن میں سینہ کے اوپر کی ہڈی یعنی ہنسلی آئی۔ پنڈلی میں پازیب اور بازو میں بازوبند اور ہتھیلی میں چوڑی پہنتی ہیں۔ اس لئے یہ اعضاء مقام زینت ہیں۔ آیت کی بنیاد پر یہ اعضاء ذی رحم محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں اور ان کو دکھلا سکتی ہیں۔ پیٹھ، پیٹ، ران، سینہ کا وہ حصہ جس پر پستان ہے یا اس کے اردگرد کا حصہ اس پر کوئی زیور نہیں پہنتی اس لئے آیت کی بنیاد پر ان اعضاء کو کھولنا یا دکھلانا حرام ہے (۲) یہ اعضاء دیکھنے سے شہوت ابھرتی ہے اس لئے بھی ان کا دیکھنا جائز نہیں ہوگا (۳) ذی رحم محرم عورتیں مردوں کے ساتھ ہر وقت کام کرتی ہیں اس لئے سر، بازو، پنڈلی پر کپڑا لینے کی تاکید کریں تو کام کرنے میں حرج ہوگا۔ شریعت نے ان اعضاء کو ڈھکنے کا تاکیدی حکم نہیں لگایا (۳) اثر میں ہے۔ **ان الحسن والحسین کانا یدخلان علی اختهما ام کلثوم وهی تمشط** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج رابع، ص ۱۲، نمبر ۱۷۲۷۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم عورت کا سر اور اس پر قیاس کر کے پنڈلی اور بازو دیکھنا جائز ہے۔

لغت ساق : پنڈلی، عضدین : عضد کا تثنیہ ہے بازو، فخذ : ران

[۳۱۲۶] (۲۶) کوئی حرج نہیں ہے کہ چھوئے اس عضو کو جس کو دیکھنا جائز ہے۔

تشریح ذی رحم محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ضرورت پڑنے پر ان کو چھونا بھی جائز ہے بشرطیکہ شہوت ابھرنے کا خطرہ نہ ہو۔

وجہ سفر وغیرہ میں عورتوں کو بس اور ٹرین سے اتارنے میں اس کے ہاتھ یا اس کے پاؤں پکڑنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے چھونے میں شہوت ابھرنے کا خطرہ کم ہے کیونکہ احترام مانع ہے۔ اس لئے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان یقلب الرجل الجاریة اذا اراد ان یشتریها وینظر الیها ماخلا عورتها** (ب) (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدتے وقت اس کو ادھر ادھر گھمائے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ چھو بھی سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ **حدثنا معتمر عن ابیه ان طلقا کان یذوّب امه** (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۵ ما قالوا فی الرجل ینظر الی شعر امه ویفلیها، ج رابع، ص ۱۲، نمبر ۱۷۲۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا ماں کا گیسو بنا سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان اعضاء کو چھو بھی سکتا ہے۔

البتہ اگر شہوت کا خطرہ ہو تو ذی رحم محرم عورتوں کو بھی نہ چھوئے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال کتب علی ابن آدم نصیبه من الزنی مدرک ذلک لا محالة فالعینان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الکلام والید زناها البطش والرجل زناها الخطأ**

حاشیہ : (الف) حضرت حسن اور حضرت حسین اپنی بہن کلثوم کے پاس آتے اور وہ کنگی کرتی رہتی (ب) آپؐ نے فرمایا آدمی باندی کو الٹ پلٹ کر دیکھے اس میں حرج نہیں ہے۔ اگر اس کو خریدنا چاہے اور ستر کے علاوہ اس کے جسم کو دیکھ سکتا ہے (ج) حضرت طلق اپنی ماں کا گیسو بنایا کرتے تھے۔

له ان ينظر اليه منها[۳۱۲۷] (۲۷) وينظر الرجل من مملوكة غيره الى مايجوز له ان ينظر اليه من ذوات محارمه[۳۱۲۸] (۲۸) ولا بأس بان يمسّ ذلك اذا اراد الشراء وان

والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذلك الفرج ويكذبه (الف) (مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیرہ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۶۵۷/۶۷۵۴ر بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج، ص ۹۲۲، نمبر ۶۲۴۳) اس حدیث میں ہے کہ شہوت کے ساتھ پکڑنا بھی زنا کے درجے میں ہے اس لئے شہوت ہو تو ذی رحم محرم کے ان اعضاء کو نہ چھوئے۔

لغت مس : چھونا۔

[۳۱۲۷] (۲۷) آدمی دیکھ سکتا ہے دوسرے کی باندی کا اتنا بدن جتنا دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا۔

تشریح ذی رحم محرم عورتوں کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے اسی طرح دوسرے کی باندی کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں ہے، باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے۔

وجہ مملوکہ باہر کام کرنے نکلے گی تو ہر وقت سر پر چادر رکھنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اس کے لئے گنجائش ہے کہ سر، بازو اور پنڈلی کھلی رکھے (۲) وہ ذی رحم محرم عورت کی طرح ہوگئی۔ البتہ جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں شہوت کاملہ ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء قال قال رسول الله ﷺ ان الامة قد القت فروة رأسها (ب) دوسرے اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال تصلى ام الولد بغير خمار وان كانت قد بلغت ستين سنة (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۹۶ فی الامة تصلی بغیر خمار، ج ثانی، ص ۴۱، نمبر ۶۲۲۴/۶۲۲۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کا سر اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے بازو اور پنڈلی ستر نہیں ہے۔

[۳۱۲۸] (۲۸) کوئی حرج نہیں ہے کہ ان اعضاء کو چھونے میں اگر خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

تشریح کسی باندی کو خریدنے کا ارادہ ہے تو چاہے چھونے سے شہوت ابھرنے کا اندیشہ ہو پھر بھی ان اعضاء کو چھو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثلا سر، بازو یا پنڈلی دیکھ سکتا ہے اور خریدنے کا ارادہ ہو تو ان کو چھو بھی سکتا ہے۔ تاکہ پتا چل جائے کہ باندی کتنی گداز و نرم ہے۔

وجہ باندی مال کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس ضرورت کے تحت باندی کو چھو کر دیکھ سکتا ہے (۲) ایک حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان يقلب الرجل الجارية اذا اراد ان يشتريها و ينظر اليها ماخلا عورتها (د) (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ ص ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدنے کا ارادہ ہو تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور الٹتے پلٹتے وقت چھونا بھی ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ چھو سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جو ہونے ہی والا ہے۔ پس دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، اور دونوں کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا زنا بات کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا چھونا ہے، اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، اور دل خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے اور فرج اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا باندی سر کی اوڑھنی ڈال سکتی ہے (ج) حضرت ابراہیم نے فرمایا ام ولد بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھ سکتی ہے چاہے ساٹھ سال کی ہو چکی ہو (د) حضورؐ نے فرمایا باندی کو الٹ پلٹ کر دیکھے اس میں حرج نہیں ہے اگر اس کو خریدنا چاہتا ہو، اور ستر کے علاوہ دیکھ سکتا ہے۔

خاف ان یشتھی[۳۱۲۹](۲۹) والخصیُّ فی النظر الی الجنبیَّۃ کالفحل[۳۱۳۰](۳۰) ولا یجوز للمملوک ان ینظر من سیّدتہ الا الی مایجوز للاجنبی النظر الیہ منھا.

نوٹ دوسری روایت میں ہے کہ شہوت کا اندیشہ ہوتو باندی کو چھونا جائز نہیں۔

وجہ پہلے گزر چکا کہ شہوت کے ساتھ چھونا ہاتھ کا زنا ہے **والید زناھا البطش** (مسلم شریف، نمبر ۲۶۵۷) اس لئے دوسرے کے مال سے زنا کے انداز کا استفادہ جائز نہیں ہوگا۔

[۳۱۲۹](۲۹) خصی آدمی اجنبی کی طرف دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔

تشریح جو آدمی مکمل مرد ہے خصی نہیں ہے جس طرح اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا اس کے لئے حرام ہے اسی طرح جو مرد خصی کیا ہوا ہو اس کے لئے بھی اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا حرام ہے۔

وجہ وراثت، نماز اور دیگر احکام میں خصی آدمی مکمل مرد کی طرح ہے اس لئے اجنبیہ کو دیکھنے میں بھی مرد کی طرح ہوگا (۲) پیدائشی طور پر وہ مرد ہی تھا بعد میں اس کا مثلہ کر دیا اس لئے ابھی بھی مرد کا ہی حکم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال خصاء البھائم مثلۃ ثم تلا ولامرنھم فلیغیرن خلق اللہ** (الف) (آیت ۱۱۹، سورۃ النساء ۴، مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۸ ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۷۶) اس اثر میں ہے کہ خصی ایک قسم کا مثلہ ہے۔ اور مثلہ کا حکم اصل مرد کا حکم ہوتا ہے۔

لغت الفحل : مکمل مرد۔

[۳۱۳۰](۳۰) غلام کا اپنی سیدہ کا اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے جتنا اس کے بدن کو اجنبی مرد دیکھ سکتا ہے۔

تشریح اجنبی آدمی کسی عورت کا صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح غلام اپنی سیدہ کا صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھ سکتا ہے۔ باقی بدن اس کے لئے ستر ہے۔

وجہ غلام بہرحال اجنبی مرد ہے۔ فروخت ہونے کے بعد وہ بالکل اجنبی بن جائے گا۔ اس لئے غلام ہونے کے زمانے میں بھی اس کا حال اجنبی سا ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الضحاک انہ کرہ ان ینظر المملوک الی شعر مولاتہ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۳۰ ، ۱۷ ، ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ ، ج رابع ، ص ۱۱ ، نمبر ۱۷۲۷۰) دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابراھیم قال تستر امرأۃ عن غلامھا** (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ ، ج رابع ، ص ۱۱ ، نمبر ۱۷۲۶۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ غلام اپنی سیدہ کے لئے اجنبی کی طرح ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام اپنی سیدہ کے لئے ذی رحم محرم کی طرح ہے۔ یعنی ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک ستر ہے۔ باقی سر، بازو اور پنڈلی اس کے لئے ستر نہیں ہے وہ دیکھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جانوروں کو خصی کرنا مثلہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی، شیطان ضرور ان کو حکم دیں گے کہ اللہ کی تخلیق کو بدلیں (ب) حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ غلام اپنی سیدہ کا بال دیکھے یہ مکروہ ہے (ج) ابراہیم نے فرمایا کہ عورت اس کے غلام سے پردہ کرے۔

[۳۱۳۱] (۳۱) ویعزل عن امتہ بغیر اذنہا[۳۱۳۲](۳۲) ولا یعزل عن زوجتہ الا باذنہا.

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ اتی فاطمۃ بعبد قد وھبہ لھا قال وعلی فاطمۃ ثوب اذا قنعت بہ رأسھا لم یبلغ رجلیھا واذا غطت بہ رجلیھا لم یبلغ رأسھا فلا رای النبی ﷺ ماتلقی قال انہ لیس علیک بأس انما ھو ابوک وغلامک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ، ص۲۱۳، نمبر ۴۱۰۶) اس حدیث میں ہے کہ باپ یا اپنا غلام بازو، پنڈلی دیکھ لے تو کوئی بات نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ ذی رحم محرم کی طرح ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال لابأس ان ینظر المملوک الی شعر مولاتہ** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳، ۱۷۲ ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص۱۱، نمبر ۱۷۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدہ کا بال دیکھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ عضو اس کے لئے ستر نہیں ہے۔

[۳۱۳۱] (۳۱) باندی سے عزل کرے بغیر اس کی اجازت کے۔

تشریح جماع کرتے وقت منی باہر نکال دے اس کو عزل کہتے ہے۔ باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔

وجہ عزل کر سکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمع جابراً یقول کنا نعزل والقرآن ینزل** (ج) (بخاری شریف، باب العزل، ص ۷۸۴، نمبر ۵۲۰۸ رمسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۴۶۴، نمبر ۱۴۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا جائز ہے۔ اور باندی سے اجازت کے بغیر عزل کرے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال تستأ مر الحرۃ فی العزل ولا تستأ مر الامۃ** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب تستامر الحرۃ فی العزل ولا تستامر الامۃ، ج سابع، ص۱۴۳، نمبر ۱۲۵۶۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۹۸، من قال یعزل عن الامۃ ویستامر الحرۃ، ج ثالث، ص ۵۰۴، نمبر ۱۶۶۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔

[۳۱۳۲] (۳۲) اور بیوی سے عزل نہ کرے مگر اس کی اجازت سے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے کیونکہ عزل کرنے میں اس کو لذت نہیں ہوگی۔ اور لذت حاصل کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن عمر بن الخطابؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یعزل عن الحرۃ الا باذنھا** (ہ) (ابن ماجہ شریف، باب العزل، ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۲۸ رمسند احمد، مسند عمر ابن الخطاب، ج اول، ص ۵۴، نمبر ۲۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔ اور بیوی کے لئے وطی کا حق ہے اس کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **حدثنی عمرو بن العاص قال**

حاشیہ : (الف) حضور حضرت فاطمہؓ کے پاس اس غلام کے ساتھ آئے جس کو فاطمہ کے لئے ہبہ کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے پاس اتنا چھوٹا کپڑا تھا کہ سر ڈھکتی تو پاؤں تک نہیں پہنچتا اور اگر پاؤں ڈھانکتی تو سر تک نہیں پہنچتا۔ جب حضورؐ نے اس پریشانی کو دیکھا تو فرمایا تم پر حرج نہیں ہے صرف باپ اور تمہارا غلام ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غلام کو اپنے سیدہ کے بال دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے (ج) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عزل کرتے تھے اور قرآن کریم نازل ہو رہا تھا پھر بھی نہیں روکا (د) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عزل کرنے میں آزاد عورت سے مشورہ لیا جائے گا اور باندی سے مشورہ نہیں لیا جائے گا (ہ) آپؐ نے بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔

[۳۱۳۳] (۳۳) ویکرہ الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبھائم اذا کان ذلک فی بلد یضرُّ

لی رسول اللہ ﷺ یا عبد اللہ الم اخبر انک تصوم النھار ... وان لزوجک علیک حقا (الف) (بخاری شریف، باب حق الجسم فی الصوم، ص ۲۶۵، نمبر ۱۹۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کو وطی کا حق ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے بلکہ اگر شوہر کی خواہش پہلے پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو شوہر بیوی پر برقرار رہے۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالکؓ ان النبی ﷺ قال اذا غشی الرجل اھلہ فلیصدقھا فان قضی حاجتہ ولم تقض حاجتھا فلا یعجلھا (ب) (مصنف عبد الرزاق، القول عند الجماع وکیف یضع وفضل الجماع، ج سادس، ص ۱۹۴، نمبر ۱۰۴۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کی خواہش پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو جلدی نہ کرے، ابھی شوہر اس پر ٹھہرا رہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہش پوری کرنا اس کا حق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کر سکتا۔

نوٹ بیوی چاہے دوسرے کی باندی ہو پھر بھی اس کا حق آزاد عورت کی طرح ہے۔

[۳۱۳۳] (۳۳) مکروہ ہے آدمیوں اور چوپایوں کی غذا کو روکنا ایسے شہر میں جہاں روکنا اہل شہر کو تکلیف دیتا ہو۔

تشریح شہر سے مال خرید خرید کر جمع کرے اور شہر والوں کو اس کی ضرورت کے باوجود ان کو نہ بیچے تاکہ کھانے اور جانور کو کھلانے کی چیز مہنگی ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آدمی کے کھانے کی چیز یا جانور کے کھانے کی چیز کے علاوہ کو جمع کر کے رکھنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہر والوں کو اس کی سخت ضرورت ہے تو وہ بھی مکروہ ہے۔

وجہ حدیث میں احتکار ممنوع ہے۔ ان معمرا قال قال رسول اللہ ﷺ من احتکر فھو خاطی، فقیل لسعید فانک تحتکر؟ قال سعید ان معمرا الذی کان یحدث ھذا الحدیث کان یحتکر (ج) (مسلم شریف، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، ج ۲، ص ۳۱، نمبر ۱۶۰۵ / ابو داؤد شریف، باب فی النھی عن الحکرۃ، ص ۱۳۲، نمبر ۳۴۴۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاحتکار، ص ۲۳۵، نمبر ۱۲۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غذا کو روکنا مکروہ ہے۔

آدمی یا جانور کی غذا روکنا مکروہ ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال ابو داؤد سالت احمد ما الحکرۃ؟ قال ما فیہ عیش الناس (د) (ابو داؤد شریف، نمبر ۳۴۴۷) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ کھجور کی گٹھلی، ببول کی پتی اور بیج کا احتکار کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے کھانے اور جانور کے کھانے میں احتکار ہے باقی جن چیزوں کے جمع کرنے میں آدمی اور جانور کو نقصان نہیں ہے اس

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے فرمایا اے عبد اللہ! مجھے پتا چلا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو...تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے (ب) آپؐ نے فرمایا بیوی سے جماع کرے تو اچھی طرح کرے۔ پس اگر اپنی حاجت پوری ہوگئی اور اس کی حاجت پوری نہیں ہوئی تو بیوی کو جلدی نہ کرائے بلکہ اس کے اوپر ٹھہرا رہے (ج) آپؐ نے فرمایا جو مہنگا ہونے کے لئے غلہ روکے وہ غلطی کر رہا ہے۔ حضرت سعید سے پوچھا آپ تو احتکار کرتے ہیں؟ تو حضرت سعید نے فرمایا معمرؓ جو اس حدیث کو نقل کرتے ہیں وہ بھی احتکار کرتے تھے (د) حضرت احمدؒ سے پوچھا احتکار کیا ہے؟ فرمایا جن غلوں سے لوگ زندگی گزارتے ہیں اس کو مہنگا ہونے کے لئے روکنا احتکار ہے۔

الاحتکار باھلہ[۳۱۳۴](۳۴) ومن احتکر غلّۃ ضیعتہ او ما جَلَبَہ من بلد آخر فلیس بمحتکر[۳۱۳۵](۳۵) ولا ینبغی للسلطان ان یُسعّر علی الناس.

کے احتکار میں کراہیت نہیں ہے۔اثر یہ ہے۔قال ابو داؤد وکان سعید بن المسیب یحتکر النوی والخبط والبزر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن الحکرۃ ص۱۳۲، نمبر ۳۴۴۸) اس اثر میں حضرت سعید بن میسب گٹھلی، ببول کی پتی اور غلے کی بیج کا احتکار کرتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا احتکار مکروہ نہیں ہے۔کھانے کا احتکار مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی امامۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ ان یحتکر الطعام (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع، ص ۳۰۶، نمبر ۲۰۳۸۰/ ابن ماجہ شریف، باب الحکرۃ والجلب، ص ۳۰۹، نمبر ۲۱۵۵/ مصنف عبد الرزاق، ج ثامن، نمبر ۱۴۸۹۶)

نوٹ اگر غلہ جمع کرنے میں اہل شہر کو نقصان نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔اور حدیث میں حضرت معمر اس وقت احتکار کرتے جب اس کے جمع کرنے سے لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا۔

لغت اقوات : قوۃ کی جمع ہے غذا، البھائم : بھیمۃ کی جمع ہے چوپایا، الاحتکار : غلہ کو روک لینا اور نہ بیچنا۔

[۳۱۳۴] (۳۴) جس نے روک لیا اپنی زمین کا غلہ یا وہ غلہ جو دوسرے شہر سے لایا تو وہ روکنے والا نہیں ہے۔

تشریح اپنے کھیت میں کافی غلہ اگایا اس کو گھر میں روکے رکھا اہل شہر کو نہیں بیچا۔یا دوسرے شہر سے غلہ خرید کر لایا اور اس کو روکے رکھا تو یہ احتکار مکروہ نہیں ہے۔

وجہ اپنے شہر سے خرید کر غلہ جمع کرے اور اس کو روکے تب مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن علی قال نہی رسول اللہ ﷺ عن الحکرۃ بالبلد (ج) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع، ص ۳۰۷، نمبر ۲۰۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے شہر سے خرید کر روکے تو احتکار مکروہ ہے۔اگر اپنی زمین سے پیداوار کر کے روکے تو اس میں اہل شہر کا حق متعلق نہیں ہوا اس لئے وہ مکروہ نہیں ہے۔اثر میں ہے۔عن ابن طاؤس عن ابیہ قال کان یکون عندہ الطعام من ارضہ السنتین والثلاث یرید بیعہ ینتظر بہ الغلاء (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الحکرۃ، ج ثامن، ص ۲۰۲، نمبر ۱۴۸۸۵)

لغت ضیعۃ : زمین۔

[۳۱۳۵] (۳۵) بادشاہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں پر بھاؤ متعین کرے۔

تشریح کھانے پینے کی چیز کا بھاؤ مزید بڑھ گیا ہو تو اس کی قیمت ہمیشہ کے لئے متعین کر دینا مناسب نہیں۔اس سے چیز بیچنے والے کو نقصان ہوگا۔یہ اللہ کا نظام ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھاتے ہیں اور کسی چیز کی قیمت گھٹاتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت سعید بن میسبؒ گٹھلی، ببول کی پتی اور بیج کا احتکار فرماتے تھے (ب) حضور کھانے کے احتکار کرنے سے منع فرماتے تھے (ج) حضور شہر میں احتکار کرنے سے منع فرماتے تھے (د) ابن طاؤس کے پاس اس کی زمین کا غلہ ہوتا تھا دو سال تک اور تین سال تک۔اس کو بیچنے کا ارادہ کرتے اور مہنگا ہونے کا انتظار کرتے۔

[۳۱۳۶](۳۶) ویکرہ بیع السلاح فی ایام الفتنۃ[۳۱۳۷] (۳۷) ولا بأس ببیع العصیر

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن انس بن مالکؓ قال قال الناس یا رسول اللہ غلا السعر فسعر لنا،قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی التسعیر ،ص۱۳۲،نمبر۳۴۵۱/ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسعیر ،ص۲۴۶،نمبر۱۳۱۴/ابن ماجہ شریف، باب من کرہ ان یسعر ،ص۳۱۵،نمبر۲۲۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے ایک بھاؤ متعین کردینا مناسب نہیں ہے۔

لغت سعر : بھاؤ متعین کرنا۔

[۳۱۳۶](۳۶)فتنہ کے زمانے میں ہتھیار کا بیچنا مکروہ ہے۔

تشریح جنگ چل رہی ہے ایسے زمانے میں باغی سے، یا حربی سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔تاہم بیچ دیا تو بیع ہوجائے گی۔

وجہ اس ہتھیار سے ہم ہی سے جنگ کرے گا تو گویا کہ ہتھیار بیچ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔اس لئے ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عمان بن حصین قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنۃ (ب)(سنن للبیہقی، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل، ج خامس ،ص۵۳۵،نمبر۱۰۷۸۰)(۳)اثر میں ہے۔عن الحسن وابن سیرین انھما کرھا بیع السلاح فی الفتنۃ (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۱ ما یکرہ ان یحمل الی العدو فیتقوی بی، ج سادس ،ص۵۱۲،نمبر۳۳۳۵۹)اس حدیث مرسل اور اثر سے پتا چلا کہ فتنے کے زمانے میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

[۳۱۳۷](۳۷)کوئی حرج نہیں ہے کہ انگور کا رس اس آدمی کے ہاتھ میں بیچے جس کو جانتا ہو کہ وہ اس کو شراب بنائے گا۔

تشریح زید یہ جانتا ہے کہ عمر انگور کے رس کا شراب بنائے گا اس کے باوجود اس کے ہاتھ میں انگور کے رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ زید عمر کے ہاتھ میں حلال اور پاک رس بیچ رہا ہے جس کے دو مصرف ہیں۔ایک رس کو پینا اور دوسرا رس سے شراب بنانا۔اب پینے کے بجائے شراب بنائے یہ عمر کی غلطی ہے۔زید کی غلطی نہیں ہے وہ تو حلال رس بیچ رہا ہے۔اس لئے حلال رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے(۲)اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔اخبرنا معمر قال قلت لایوب ابیع السلعۃ بھا العیب ممن اعلم انہ یدلس وبھا ذلک العیب ؟ قال فما ترید ان تبیع الامن الابرار ؟ (د)(مصنف عبد الرزاق، باب بیع السلعۃ علی من یدلسھا، ج ثامن ،ص۱۹۶، نمبر۱۴۸۵۷)اس اثر میں کہا گیا کیا نیک آدمی ہی سے عیب دار سامان بیچو گے؟اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ تدلیس کرنے والے سے بھی بیچ دیا تو

حاشیہ : (الف)لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! مہنگائی ہوگئی ہے اس لئے بھاؤ متعین فرمادیجئے۔آپؐ نے فرمایا اللہ بھاؤ متعین کرنے والا ہے، وہی مہنگا کرتا ہے اور سستا کرتا ہے۔اور روزی دینے والا ہے۔اور میں امید کرتا ہوں اللہ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کسی کا نہ خون کے بارے میں ظلم کا مطالبہ ہو اور نہ مال کے بارے میں (ب)حضورؐ نے فتنہ کے وقت ہتھیار کے بیچنے سے منع فرمایا (ج)حضرت حسن اور ابن سیرین نے فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے کو مکروہ قرار دیا (د) حضرت معمر نے فرمایا کہ میں حضرت ایوب سے کہا جس سامان میں عیب ہے کیا میں ایسے آدمی سے بیچ سکتا ہوں جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس عیب کے ساتھ تدلیس کرے گا؟فرمایا کیا چاہتے ہو کہ تم نیک لوگوں ہی سے بیچو گے؟

ممن يعلم انه يتّخذه خمرا.

کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح انگور کا رس شراب بنانے والے سے بیچا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تاہم گناہ میں معاونت ہے اس لئے اس سے نہ بیچے تو اچھا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ایسے آدمی کی معاونت کرنے میں گناہ ہوگا۔حدیث یہ ہے۔**عن انس بن مالکؓ قال لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة عاصرها معتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشتری لها والمشتراة له** (الف) (ترمذی شریف، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا، ص ۲۳۹، نمبر ۱۲۹۵ /ابن ماجہ شریف، باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ، ص ۴۸۹، نمبر ۳۳۸۰) اس حدیث میں شراب بنانے والے اور پینے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس کی مدد کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مدد کرنے والے پر کچھ نہ کچھ گناہ ہوگا۔اس لئے ایسے لوگوں سے انگور کا رس بیچنے سے احتراز کرے۔

اصول گناہ کی چیز میں دور سے مدد کرے تو جائز ہوگا البتہ مدد کے مطابق گناہ گار ہوگا۔

لغت العصیر : رس، شیرۂ انگور۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت کی، نچوڑنے والے پر، جس کے لئے نچوڑا ہے اس پر، پینے والے پر، اس کے اٹھانے والے پر، جس کے لئے اٹھایا ہے اس پر، پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، قیمت کھانے والے پر، جس نے خریدا ہے اس پر، اس کے خریدنے والے پر اور جس کے لئے خریدا اس پر لعنت ہے۔

﴿ کتاب الوصایا ﴾

[۳۱۳۸](۱)الوصية غير واجبة وهي مستحبة.

﴿ کتاب الوصایا ﴾

ضروری نوٹ وصایا وصیت کی جمع ہے۔موت کے وقت کسی کے لئے مال کی وصیت کرتے ہیں اس کو وصیت کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔فان كانوا اكثر من ذلک فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار وصية من الله والله عليم حكيم (الف) (آیت ۱۲،سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کی ادائیگی کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی۔دوسری آیت میں ہے۔كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترک خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين (ب)(۲)(آیت ۱۸۰،سورۃ البقرۃ ۲)(۳) حدیث میں یہ ہے۔عن عامر بن سعد عن ابيه قال مرضت فعادني النبي ﷺ فقلت يا رسول الله ادع الله ان لا يردني على عقبي قال لعل الله يرفعک وينفع بک ناسا فقلت اريد ان اوصي وانما لي ابنة فقلت اوصي بالنصف؟ قال النصف كثير! قلت فالثلث؟ قال الثلث والثلث كثير او كبير قال واوصى الناس بالثلث فجاز ذلک لهم (ج) (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸۳،نمبر ۲۷۴۴ رمسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸،نمبر ۱۶۲۸ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ ،ص ۳۹،نمبر ۲۸۶۴) اس حدیث سے وصیت کا پتا چلا اور یہ بھی پتا چلا کہ اپنے مال کی ایک تہائی وصیت کرے اس سے زیادہ نہیں۔

[۳۱۳۸](۱) وصیت واجب نہیں ہے وہ مستحب ہے۔

تشریح بعض لوگ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنا واجب ہے۔اس لئے مصنف نے فرمایا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی کہ کس وارث کو کتنا ملے گا اس وقت تک ورثہ کے لئے وصیت کرنا واجب تھا۔اوپر کی آیت میں كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترک خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين (آیت ۱۸۰،سورۃ البقرۃ ۲) میں ذکر کیا گیا ہے کہ موت کے وقت وارثین کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔لیکن جب آیت میراث نازل ہوگئی تو وارثین کے علاوہ دوسروں کے لئے وصیت کرنا مستحب رہ گیا۔

حاشیہ : (الف) پس اگر اس سے زیادہ وارث ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے وصیت کے بعد یا دین ادا کرنے کے بعد۔یہ اللہ کی جانب سے وصیت ہے۔اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (ب) تم پر فرض کیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر مال چھوڑا تو وصیت کرنا ہے والدین کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے معروف کے ساتھ متقین پر حق ہے (ج) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ نے میری عیادت کی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! دعا فرمائے کہ مجھے پیچھے نہ لوٹائے۔تو فرمایا ہو سکتا ہے کہ اللہ تم کو بلند کرے اور کچھ لوگوں کو تم سے نفع دے۔میں نے کہا میں وصیت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ایک ہی بیٹی ہے۔میں نے کہا میں آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔فرمایا آدھا تو بہت زیادہ ہے۔میں نے کہا تو تہائی۔فرمایا تہائی زیادہ ہے۔چلو تہائی ٹھیک ہے،فرمایا لوگ تہائی کی وصیت کرے اور یہ ان کے لئے جائز ہے۔

[۳۱۳۹](۲) ولا تجوز الوصیة للوارث الا ان یُجیزها الورثة.

وجہ وارثین کو تو حصہ مل ہی جائے گا۔اب دوسرے لوگوں کو وصیت کر کے مال کا ہدیہ دینا ہے۔اور ہدیہ دینا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وصیت نہیں کی۔اگر وصیت کرنا واجب ہوتا تو آپؐ ضرور کرتے۔اس سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔حدیث یہ ہے۔**سالت عبد الله بن ابی اوفیؓ اوصی النبی ﷺ فقال لا! فقلت کیف کتب علی الناس الوصیة او امروابها ؟قال اوصی بکتاب الله** (الف) (بخاری شریف، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ ،ص ۷۳۶، نمبر ۴۴۶۰/ابن ماجہ شریف، وھل اوصی رسول اللہ ﷺ ،ص ۳۸۸، نمبر ۲۶۹۵/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ ، ج ۲،ص ۳۹، نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی مال کی وصیت نہیں کی۔اس سے معلوم ہوا کہ وصیت واجب نہیں ہے (۲) ایک حدیث میں وصیت کو صدقہ قرار دیا ہے اور صدقہ کرنا مستحب ہے۔اس لئے وصیت کرنا بھی مستحب ہوگا۔حدیث یہ ہے۔**عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم زیادة لکم فی اعمالکم** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۹۰، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا تہائی مال وصیت کرنے کا،اور صدقہ کرنا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی۔

اگر کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت ہو جن کا ادا کرنا ضروری ہو تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ **عن عبد الله یعنی ابن عمرؓ عن رسول الله ﷺ قال ماحق امرئ مسلم له شیء یوصی فیه یبیت لیلتین الا ووصیة مکتوبة عنده** (ج) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ ،ص ۳۹، نمبر ۲۸۶۲/ابن ماجہ شریف، باب الحث علی الوصیۃ ،ص ۳۸۹، نمبر ۲۶۹۹) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز وصیت کرنے کی ہو تو دو راتیں بھی تاخیر نہ کرو کہ وصیت لکھی ہوئی ہو۔جس سے معلوم ہوا کہ امانت یا قرض دینا ہو تو وصیت لکھ کر رکھے،ایسی وصیت واجب ہے۔

[۳۱۳۹] (۲) وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے۔

تشریح شروع اسلام میں وارثین کے لئے وصیت واجب تھا بعد میں قرآن نے سب حصے داروں کا حصہ متعین کر دیا تو اب وہ منسوخ ہو گیا۔ اب وارثین کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔کیونکہ اس میں بعض وارث کو زیادہ ملے گا۔اور بعض حقدار کو کم ،ہاں !باقی ورثہ اس وصیت کو نافذ کرنے کی اجازت دے تو نافذ کر دی جائے گی۔

وجہ پہلے وارثین کے لئے وصیت کرنا واجب تھا اس کی دلیل یہ آیت ہے۔**کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا**

حاشیہ : (الف) میں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کیا حضورؐ نے وصیت کی تھی؟ فرمایا نہیں۔میں نے کہا لوگوں پر وصیت کیسے فرض کی گئی یا اس کا حکم دیا گیا؟ فرمایا کتاب اللہ کو پکڑے رہنے کی وصیت کی (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال کا تمہارے اعمال میں زیادتی کے لئے (ج) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے حق کے بارے میں وصیت لکھنی ہو تو دو رات بھی نہیں گزرنی چاہئے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

[۳۱۴۰] (۳) ولا تجوز بمازاد علی الثلث.

الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (الف) (آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ ۲) اور اب یہ منسوخ ہوگیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین (ب) (بخاری شریف، باب لا وصیۃ لوارث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۷) اس حدیث میں ہے کہ وارثین کے لئے وصیت کرنا اب منسوخ ہوگیا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت ابا امامة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث (ج) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث، ص ۴۰، نمبر ۲۸۷۰ ر ترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، ص ۳۲، نمبر ۲۱۲۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

البتہ اگر وارث اجازت دے تو اس کی اجازت سے کسی وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

وجہ سب کی اجازت ہوگئی تو گویا کہ سب نے اپنا اپنا حصہ ایک وارث کو اپنی اپنی مرضی سے دے دیا۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة (د) دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۴۲۵۳ ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ما جاء فی الوصیۃ للوارث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۱) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ باقی وارثین اجازت دے تو وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

[۳۱۴۰] (۳) تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

تشریح میت وارث کے علاوہ کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اپنے تہائی مال تک وصیت کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ وارثین کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ دو تہائی مال وارثین کا حق ہوگیا۔

وجہ اوپر حدیث میں گزر گیا۔ عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت فعادنی النبی ﷺ ... قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی الناس بالثلث فجاز ذلک لهم (ہ) (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۴ ر مسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸، نمبر ۱۶۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثلث سے زیادہ وصیت نہ کرے۔ کیونکہ وہ ورثہ کا حق ہے (۲) اس اثر میں اس کی پوری وضاحت ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الی الربع لان رسول اللہ ﷺ قال الثلث والثلث کثیر (و) (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۳ ر ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۹۰، نمبر

حاشیہ : (الف) تم میں سے کسی کو موت آئے تو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے کہ اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف کے ساتھ وصیت کرے۔ یہ متقین پر حق ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مال اولاد کا تھا اور وصیت والدین کے لئے تو اللہ نے اس کو منسوخ کیا اور کر دیا مرد کو عورت کا دوگنا۔ (ج) آپؐ نے فرمایا اللہ نے ہر ایک حق والے کو حق دیا پس وارث کے لئے وصیت نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر دوسرے ورثہ چاہیں تو جائز ہوگی (ہ) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ میری عیادت کے لئے تشریف لائے... میں نے کہا تہائی وصیت کروں؟ فرمایا تہائی ٹھیک ہے تاہم یہ بھی زیادہ۔ پس لوگوں کو تہائی وصیت کرنے کی اجازت دی۔ پس یہ ان کے لئے جائز ہے (و) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ چوتھائی تک وصیت کریں تو بھی ٹھیک ہے اس لئے کہ حضورؐ نے تہائی کو زیادہ کہا ہے۔

[۳۱۴۱](۴) ولا تجوز الوصیة للقاتل[۳۱۴۲](۵) ویجوز ان یُوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم[۳۱۴۳](۶) وقبول الوصیة بعد الموت فان قَبِلها الموصٰی له فی حال

۲۷۱۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چوتھائی مال وصیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ حضورؐ نے تہائی کو زیادہ مال بتایا ہے۔

[۳۱۴۱](۴) قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں۔

تشریح کسی کو وراثت کے لئے قتل کیا ہے تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔اور اگر میت نے وصیت کیا تھا اور اسی آدمی نے میت کو قتل کر دیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن الی علی بن ابی طالب قال رسول اللہ ﷺ لیس لقاتل وصیة (الف) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال لیس لقاتل میراث (ب) (دار قطنی فی الاقضۃ والاحکام وغیر ذلک، ج رابع، ص ۱۵۲، نمبر ۴۵۲۶/۴۵۲۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے۔اور نہ قاتل کے لئے میراث ہے۔

[۳۱۴۲](۵)اور جائز ہے مسلمان کافر کے لئے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لئے۔

تشریح کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا لیکن ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے تو جائز ہے۔

وجہ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا (ج)(آیت ۶، سورۃ الاحزاب ۳۳)اس آیت میں الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا سے اشارہ ہے کہ اولیاء اور خاندان والے کافر بھی ہوں تو ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کر سکتا ہے۔اور وصیت کرنا ایک قسم کا احسان کرنا ہے۔اس لئے وصیت بھی کر سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ان صفیة اوصت لقرابة لھا یھودی (د)(مصنف ابن ابی شیبة ۱۲، فی الوصیة للیھودی والنصرانی من رأھا جائزۃ، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۵۴ رسنن للبیھقی، باب الوصیة للکفار، ج سادس، ص ۴۵۹، نمبر ۱۲۶۵۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی یہودی یا نصرانی کے لئے وصیت کر سکتا ہے۔اور جب کفار کے لئے وصیت کر سکتا ہے تو کفار بھی مسلمان کے لئے وصیت کر سکتے ہیں۔

[۳۱۴۳](۶) وصیت قبول کرنے کا اعتبار موت کے بعد ہے، پس اگر موصی لہ نے زندگی میں قبول کیا یا اس کو رد کیا تو یہ باطل ہے۔

تشریح وصیت کرنے والے کو موصی اور جس کے لئے وصیت کی اس کو موصی لہ اور جس مال کی وصیت کی اس کو موصی بہ اور جس سے وصیت نافذ کرنے کے لئے کہا اس کو وصی کہتے ہیں۔مثلا زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ باغ محمود کو دے دینا تو زید وصیت کرنے والا ہے اس لئے یہ موصی ہوا۔اور خالد وصیت نافذ کرنے والا ہے اس لئے وہ وصی ہوا، اور محمود کے لئے باغ کی وصیت کی اس لئے محمود موصی لہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا قاتل کے لئے وراثت نہیں ہے (ج) رشتہ دار اللہ کی کتاب میں بعض بعض سے بہتر ہے مومنین اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ معروف کا معاملہ کرو، یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے (د) حضرت صفیہؓ نے اپنے یہودی رشتہ دار کے لئے وصیت کی۔

الحیوۃ او ردّھا فذلک باطل[۳۱۴۴] (۷) ویُستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث.

ہوا، اور باغ کی وصیت کی ہے اس لئے باغ موصی بہ ہوا۔

اصل مسئلہ : موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ کے رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے۔ موصی کی زندگی میں رد کیا یا قبول کیا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ وصیت کا مطلب ہے مرنے کے بعد موصی لہ کو مالک بنانا تو جس وقت مالک بنایا جائے گا یعنی مرنے کے بعد اس وقت قبول یا انکار کا اعتبار ہے۔ اور حیات میں مالک بنایا ہی نہیں جا رہا ہے تو اس کے قبول یا رد کا کیا اعتبار ہوگا؟ (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان ابن ابی ربیعۃ کتب الی عمر بن الخطاب الرجل یوصی بوصیۃ ثم یوصی باخری قال املکھما آخرھما** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۰ الرجل یوصی بالوصیۃ ثم یوصی باخری بعدھا، ج سادس، ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد کی وصیت کا اعتبار ہے پہلی وصیت ساقط ہو جائے گی (۳) اثر میں ہے کہ میت کی زندگی میں ورثہ زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دے پھر مرنے کے بعد ورثہ زیادہ وصیت کرنے دینے کی اجازت سے مکر جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، پھر تہائی سے زیادہ کی وصیت منسوخ ہو جائے گی۔ اثر یہ ہے۔ **عن شریح قال اذا استأذن الرجل ورثتہ فی الوصیۃ فاوصی باکثر من الثلث فطیبوا لہ، فاذا نفضوا ایدیھم من قبرہ فھم علی رأس امرھم ان شاء وا اجازوا وان شاء وا لم یجیزوا** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲ فی الرجل یستأذن ورثتہ ان یوصی باکثر من الثلث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے مرنے کے بعد رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے (۳) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ حین قدم المدینۃ سأل عن البراء بن معرور فقالوا توفی واوصی بثلثہ لک قال قد رددت ثلثہ علی ولدہ** (ج) (سنن للبیہقی، باب الوصیۃ للرجل وقبولہ وردہ، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موصی لہ کو موصی کے مرنے کے بعد قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔

[۳۱۴۴] (۷) مستحب ہے کہ انسان تہائی سے کم کی وصیت کرے۔

وجہ حدیث میں فرمایا کہ تہائی مال تو بہت بڑی چیز ہے اس لئے بہتر ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت کرے۔ خصوصا غریب ورثہ ہو تو ان کی رعایت پوری کرے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عامر بن سعد عن ابیہ قال مرضت فعادنی النبی ﷺ ... ارید ان اوصی وانما لی ابنۃ فقلت اوصی بالنصف؟ قال النصف کثیر قلت فالثلث؟ قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی**

حاشیہ : (الف) ابن ابی ربیعہ نے حضرت عمرؓ کو لکھا آدمی ایک وصیت کرتا ہے پھر دوسری وصیت کرتا ہے تو کس کا اعتبار ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اخیر والی زیادہ مضبوط ہے (ب) حضرت شریح نے فرمایا ایک آدمی نے وارث کے بارے میں وصیت کی اجازت مانگی تو مرنے والے نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی تو باقی سبھی ورثہ راضی ہو گئے۔ پھر جب انہوں نے قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑا تو وہ اپنے اصل اختیار پر ہوں گے۔ اگر چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو اجازت نہ دے (ج) جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرور کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے کہا انتقال کر گئے ہیں اور آپؐ کے لئے تہائی کی وصیت کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تہائی ان کے بچوں پر واپس کرتا ہوں۔

[۳۱۴۵](۸)واذااوصٰی الی رجل فقبل الوصیة فی وجه الموصی وردّها فی غیر وجهه فلیس بردٍّ وان ردّها فی وجهه فھو ردٌّ[۳۱۴۶](۹) والموصٰی به یملک بالقبول.

الناس بالثلث فجاز ذلک لھم (الف)(بخاری شریف، باب الوصیة بالثلث، ص۳۸۳، نمبر۲۷۴۴)اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر میں ہے کہ میری تمنا ہے کہ لوگ چوتھائی تک وصیت کیا کریں۔اثر یہ ہے۔عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الی الربع لان رسول اللہ ﷺ قال الثلث، والثلث کثیر (ب)(بخاری شریف، باب الوصیة بالثلث، ص۳۸۳، نمبر۲۷۴۴/۲۷۴۳/مسلم شریف، باب الوصیة بالثلث، ص۳۸، نمبر۱۶۲۹/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ، ص۳۹، نمبر۲۸۶۴/ابن ماجہ شریف، باب الوصیة بالثلث، ص۳۹۰، نمبر۲۷۱۱)اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ تہائی سے کم چوتھائی مال تک وصیت کرنا مستحب ہے۔

[۳۱۴۵](۸)اگر وصیت کی کسی نے کسی کے لئے۔پس قبول کی وصیت کو وصیت کرنے والے کے سامنے اور رد کر دیا اس کو غائبانہ میں تو رد نہیں ہوگی۔اور اگر رد کی اس کے سامنے تو رد ہو جائے گی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی اور جس کے لئے وصیت کی اس نے اس کے سامنے قبول کر لیا تو وصیت پکی ہوگی۔اب اگر رد کرنا چاہے تو میت کے سامنے رد کر دے یا کم از کم اس کی زندگی میں رد کرنے کی خبر بھجوا دے کہ میں اس مال کو قبول نہیں کرتا ہوں تو وصیت رد ہوگی۔اور مال میت کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔اور اگر میت کے سامنے رد نہیں کی اور نہ اس کی زندگی میں خبر بھجوائی بلکہ اس کے مرنے کے بعد رد کی یا اس کی زندگی میں رد کی لیکن غائبانہ میں رد کی اور میت کو خبر نہیں بھجوائی تو وصیت رد نہیں ہوگی بلکہ وہ مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائیگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد وصیت پکی ہو گئی۔اب اس کو توڑنا ہو تو وصیت کرنے والے کے سامنے توڑے یا اس کو خبر بھجوا دے تاکہ زندگی میں اس کو اطمینان ہو جائے۔یہ مال میرے پاس واپس آ گیا ہے۔اب اس کو کسی اور غریب پر صدقہ کر کے دنیا سے جانا ہے۔اور یہ خبر نہیں پہنچی تو وہ یہ اطمینان کر کے جائے گا کہ مال ٹھکانے پہنچ چکا ہے (۲) جس طرح بیع میں قبول کرنے کے بعد پکی ہو جاتی ہی اب اس کو توڑنا ہو تو سامنے آکر توڑے یا اس کی خبر پہنچائے۔

[۳۱۴۶](۹)جس کی وصیت کی جائے وہ ملک میں آ جاتی ہے قبول کرنے سے۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی اور جس کے لئے وصیت کی اس نے قبول کر لیا تو وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔اور قبول نہیں کیا تو اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

وجہ حنفیہ کے یہاں وصیت بیع کی طرح ہے۔جس طرح بیع میں بائع ایجاب کرے پھر مشتری قبول کرے تب مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل

حاشیہ : (الف) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورؐ میری عیادت کے لئے تشریف لائے...میں نے کہا کہ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔میری تو ایک ہی بیٹی ہے۔اس لئے میں آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔فرمایا آدھا تو بہت ہے۔میں نے کہا تہائی کا۔فرمایا تہائی ٹھیک ہے البتہ یہ بھی بہت ہے۔وصیت کرے لوگ تہائی کی تو ان کے لئے جائز ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر لوگ چوتھائی تک وصیت کریں تو ٹھیک ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ تہائی ٹھیک ہے البتہ زیادہ ہے۔

[۳۱۴۷] (۱۰) الا فی مسئلة واحدة وھی ان یموت الموصی ثم یموت الموصٰی له قبل

ہو جاتی ہے۔اسی طرح وصیت میں موصی وصیت کرے اور موصی لہ اس کو قبول کرے تب وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔اور اگر موصی لہ نے انکار کر دیا یا اس کو خبر پہنچی اور وہ خاموش رہا تو وصیت کی چیز اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔موصی لہ کے قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ وصیت ایک قسم کا احسان ہے تو ممکن ہے کہ موصی لہ اس احسان کو نہ لینا چاہتا ہو۔یا وہ مثلا فقیر نہیں ہے اور موصی صدقے کے مال کی وصیت موصی لہ کے لئے کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے موصی لہ اس کے حق میں ہے کہ صدقے کا مال میں نہ لوں۔اس لئے وہ قبول کرے گا تو ملکیت ہوگی ورنہ نہیں (۱) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن الشعبی قال لا وصیة لمیت** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ،الرجل یوصی لرجل بوصیة فیموت الموصی لہ قبل اموصی ، ج سادس ،ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۳۲) اس اثر میں ہے کہ جو مر چکا ہے اس کے لئے وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ وہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے کا اہل نہیں رہا۔جس سے معلوم ہوا کہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے سے موصی لہ کی ملکیت ہوگی (۲) یہ اثر بھی اس کی دلیل ہے۔**عن ابن عون قال اوصی الی ابن عم فکرھت ذلک فسألت عمرا فامرنی ان اقبلھا قال وکان ابن سیرین یقبل الوصیة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ،۴۵ فی قبول الوصیة ،من کان یوصی الی الرجل فیقبل ذلک ،ج سادس ،ص ۲۲۷، نمبر ۳۰۹۰۱) اس میں وصیت قبول کی تب وصی بنا۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح وراثت بغیر وارثین کے قبول کے میت کے مرتے ہی اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔اسی طرح وصیت کی چیز بغیر موصی لہ کے قبول کئے اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

وجہ مسئلہ نمبر ۱۰ کا اثر ہے جو آگے آرہا ہے۔

[۳۱۴۷] (۱۰) مگر ایک مسئلے میں وہ یہ کہ وصیت کرنے والا مرے پھر وہ مرے جس کے لئے وصیت کی قبول کرنے سے پہلے تو وصیت کی چیز موصی لہ کے ورثے کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت جس کے لئے وصیت کی تھی وہ زندہ تھا۔لیکن اس کو وصیت کی خبر پہنچنے سے پہلے اور قبول یا رد کرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہو گیا اور وصیت کرنے والا زندہ تھا پھر مرا تو یہ چیز جس کے لئے وصیت کی تھی اس کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن علی فی رجل اوصی لرجل فمات الذی اوصی له قبل ان یأتیه قال ھی لورثة الموصی له** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة ، ۴۴ فی الرجل یوصی لرجل بوصیة فیموت الموصی لہ قبل الموصی ، ج سادس ،ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۲۹ ر مصنف عبد الرزاق ،الرجل یوصی والمقتول والرجل یوصی للرجل فیموت قبلہ ،ج تاسع ،ص ۸۴، نمبر ۱۶۴۴۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنے کے بعد

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا میت کے لئے وصیت نہیں ہے (ب) حضرت ابن عوف نے فرمایا میرے چچازاد بھائی نے میرے لئے وصیت کی تو میں نے اس کو ناپسند کیا۔پس حضرت عمرؓ سے پوچھا تو مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کو قبول کروں۔فرمایا کہ محمد ابن سیرین وصیت کی چیز کو قبول فرمایا کرتے تھے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی کے لئے وصیت کرے۔پس مال آنے سے پہلے موصی لہ مر گیا تو کیا ہوگا؟ فرمایا موصی لہ کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

القبول فیدخل الموصٰی به فی ملک ورثته[۳۱۴۸](۱۱) ومن اوصٰی الی عبد او کافر او فاسق اخرجهم القاضی من الوصیة ونصب غیرهم.

موصی لہ مرگیا تو یہ مال موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی (۲) موصی نے وصیت کردی تو اپنی جانب سے مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل کردی۔ اب موصی لہ زندہ تو تھا لیکن خبر نہ ہونے کی وجہ سے قبول یا انکار نہ کرسکا تو ظاہری حال یہی ہے کہ وہ قبول ہی کرے گا۔ اس لئے اس کی ملکیت میں داخل شمار کر کے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس صورت میں موصی لہ کا باضابطہ قبول کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لغت الموصی : اسم فاعل کا صیغہ ہے وصیت کرنے والا، الموصی لہ : جس کے لئے وصیت کی، الموصی بہ : جس مال کی وصیت کی۔

[۳۱۴۸](۱۱) کسی نے وصیت کی غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو تو قاضی ان کو وصیت سے نکال دے اور مقرر کردے ان کے علاوہ کو۔

تشریح غلام یا کافر یا فاسق اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو وصی بنائے اور وصیت کے مال پر نگران بنائے۔ تاہم موصی نے بنا دیا تو قاضی ان لوگوں کو وصی بننے سے نکال دے اور ان کی جگہ پر عاقل مسلمان اور عادل آدمی کو وصی مقرر کرے۔

وجہ یہ مسئلہ اس اثر سے متفرع ہے۔ عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد واذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۴۱ من قال وصیة العبد حیث جعلها، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۵ رمس ف عبد الرزاق، الوصیة حیث یضعها صاحبها ووصیة المعتوہ ووصیة الرجل ثم یقتل والرجل یوصی بعبدہ۔ ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصی متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔ یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی مقرر کرے گا تاکہ وصیت کے مال میں خیانت نہ کر سکے۔

اب غلام کا حال تو یہ ہے کہ وہ آقا کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا ہے اس لئے وہ کسی کا وصی کیسے بنے گا۔ یہاں تک کہ اپنا مال بھی وصیت نہیں کرسکتا تو کسی کا وصی کیسے بنے گا۔ اثر میں ہے۔ سال طهمان ابن عباس ایوصی العبد ؟قال لا (ب) (مصنف ابن ابی شیبة۔ ۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیتہ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۳ رمصنف عبد الرزاق، الرجل یوصی لامہ وھی ام ولد لابیہ والذی یوصی لعبدہ ،ج تاسع، ص ۹۰، نمبر ۱۶۴۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام اپنے مال کی وصیت نہیں کرسکتا تو وہ دوسرے کا وصی کیسے بنے گا؟

کافر کو وصی بنانا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان کا نگران نہیں بن سکتا۔ آیت میں ہے۔ یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا لله علیکم سلطانا مبینا (ج) (آیت ۱۴۴، سورۃ النساء ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو دوست اور نگران مت بناؤ۔ اس لئے کفار وصی نہیں بن سکتا (۲) اثر میں ہے۔ قال سفیان لایجوز وصیة لاهل الحرب (د) (مصنف ابن ابی شیبة، ۷۹ الوصیة لاهل الحرب، ج سادس، ص ۲۴۰، نمبر ۳۱۰۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حربی کو وصی بنانا جائز نہیں۔

اور فاسق کو وصی بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ وہ متہم ہے۔ معلوم نہیں وصیت کے مال کو صحیح جگہ پر خرچ کرے گا یا نہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ متہم ہو تو

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا وصی والد کے درجے میں ہے اگر وصی متہم ہوگیا تو قاضی اس کو معزول کردے یا اس کے ساتھ دوسرے کو ملا دے (ب) حضرت طہمان نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا غلام وصیت کرسکتا ہے؟ فرمایا نہیں (ج) اے ایمان والو! مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا چاہتے ہو کہ اللہ کا تم پر واضح دلیل آجائے (د) حضرت سفیان نے فرمایا حربی کے لئے وصیت نہیں ہے۔

[۳۱۴۹](۱۲) ومن اوصی الی عبد نفسه وفی والورثة کِبارٌ لم تصح الوصیة [۳۱۵۰]
(۱۳) ومن اوصٰی الی من یعجز عن القیام بالوصیة ضمَّ الیه القاضی غیره [۳۱۵۱](۱۴)
ومن اوصٰی الی اثنین لم یجز لاحدهما ان یتصرف عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله

قاضی اس کو بدل دے گا اور اس کی جگہ دوسرے کو وصی متعین کرے گا۔

[۳۱۴۹] (۱۲) کسی نے وصیت کی اپنے غلام کے لئے اور ورثہ میں بڑے ہیں تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح میت کے ورثہ میں بالغ آدمی موجود ہے پھر بھی اپنے غلام کو وصی بنایا تو یہ اس کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔

وجہ اوپر گزرا کہ غلام وصی نہیں بن سکتا۔ اور یہاں تو غلام کو وصی مان لیں تو بالغ آزاد پر اس کی نگرانی ہو جائے گی اور غلام بالغ آزاد پر نگرانی نہیں کر سکتا اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے (۲) اس صورت میں آزاد بالغ کی حق تلفی بھی ہے کہ آزاد اور بالغ ہوتے ہوئے غلام کو وصی اور نگران بنایا۔ اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ اثر میں ہے۔ عن ابن عباس قال الضرار فی الوصیة من الکبار ثم تلی غیر مضار وصیة من الله (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴، مصنف ابن ابی شیبة، ۴۷ من کان یوصی ویستحبھا، ج سادس، ص ۲۲۹، نمبر ۳۰۹۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اولاد میں سے بھی بڑے کو وصیت کرنی چاہئے چہ جائیکہ غلام کو وصیت کرے۔

نوٹ اگر ورثہ میں صرف چھوٹے بچے ہوں تو غلام کو نگران اور وصی بنا سکتا ہے۔ کیونکہ چھوٹا بچہ نگرانی کیسے کرے گا۔ پھر اس کی حفاظت کون کرے گا۔ اس لئے اس مجبوری کے دور ہونے تک غلام وصی رہ سکتا ہے۔

[۳۱۵۰] (۱۳) کسی نے ایسے آدمی کو وصیت کی جو اس کو انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی اس کے ساتھ اس کے علاوہ کو شامل کر دے۔

تشریح موصی نے ایسے آدمی کو وصی بنایا جو وصیت کو کما حقہ انجام نہیں دے سکتا تو قاضی کسی اچھے آدمی کو اس کے ساتھ شامل کر دے تا کہ وصیت اچھی طرح انجام پا سکے۔

وجہ پہلے اثر گزر چکا ہے۔ عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد، واذا اتھم الوصی عزل او جعل معه غیره (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۱ من قال وصیة العبد حیث جعلھا، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۵ رمصنف عبد الرزاق، الوصیة حیث یضعھا صاحبھا الخ، ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر میں ہے کہ وصی متہم ہو یا کوئی خامی ہو تو اس کو معزول کر دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شامل کرے۔ اس لئے یہاں وصیت انجام دینے سے عاجز ہے تو دوسرے کو اس کے ساتھ شامل کر دے۔ تا کہ موصی کی بات بھی رہ جائے اور وصیت بھی اچھی طرح انجام پا جائے۔

[۳۱۵۱] (۱۴) کسی نے وصیت کی دو آدمیوں کو تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ تصرف کرے دوسرے کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وصیت کرنے میں نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔ پھر آیت کا ٹکڑا پڑھا غیر مضار وصیة من الله (الف) عامر نے فرمایا وصی والد کے درجے میں ہے، اگر وصی متہم ہو جائے تو قاضی اس کو معزول کر دے یا اس کے ساتھ دوسرے کو کر دے۔

دون صاحبه [۳۱۵۲](۱۵) الا فی شراء کفن المیت وتجھیزہ وطعام اولادہ الصغار و کسوتھم [۳۱۵۳](۱۶) وردِّ ودیعة بعینھا وتنفیذ وصیة بعینھا وعتق عبد بعینه وقضاء

تشریح موصی نے دو آدمیوں کو وصیت نافذ کرنے کا وصی بنایا۔ تو ایک آدمی وصیت نافذ کرنا چاہے تو طرفین کے نزدیک نہیں کر سکتا۔ بلکہ دونوں ملکر کام انجام دیں گے۔

وجہ دونوں کو وصی بنایا تو گویا کہ موسی نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا۔ ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا۔ اس لئے دونوں ملکر انجام دیں گے (۲) ایک اثر سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ عن عمرؓ قال اذا کانت وصیة وعتاقة تحاصوا (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲ فی الرجل یوصی بوصیة فیھا عتاقة، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۶) اس اثر میں ہے کہ میت نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور ایک غلام کو بھی آزاد کیا اور دونوں ملا کر ایک تہائی سے زیادہ وصیت ہو جاتی ہے تو دونوں کو حصے کر کے ایک تہائی کے اندر تقسیم کی جائے گی۔ پس جس طرح یہاں حصے کئے جائیں گے اسی طرح دو آدمیوں کو وصیت کی تو دونوں کو حصے کریں گے۔ لیکن انتظام کا حصہ کر نہیں سکتے تو دونوں مل کر انجام دیں گے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دنوں کو پورا پورا اختیار ہے۔ اس لئے کوئی ایک بھی انجام دے دے تو جائز ہو جائے گا۔

[۳۱۵۲] (۱۵) مگر میت کے کفن خریدنے میں اس کی تجہیز و تکفین میں اور چھوٹے بچوں کے کھانے اور اس کے کپڑے میں۔

تشریح میت کے کفن لائے اور اس کی تجہیز و تکفین کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کفن خرید کر لا سکتا ہے اور تجہیز و تکفین کر سکتا ہے۔

وجہ یہ کام جلدی کرنے کا ہے۔ اور دیر کرنے سے میت پھول پھٹ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑوس کے لوگ بھی جلدی سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلے میں دونوں وصیوں کا جمع ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک آدمی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔ یہی حال چھوٹے بچوں کے کھانے اور ان کے کپڑوں کا ہے کہ دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کھانا اور کپڑا لا سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں کے جمع ہونے کا انتظار کریں گے تو بچہ بھوک سے مر جائے گا یا سردی سے ٹھٹھر جائے گا۔

اصول دو آدمیوں کو وصی بنایا تو دونوں کو جمع ہونا چاہئے لیکن جہاں جلدی ہو یا مجبوری ہو تو ایک وصی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔

[۳۱۵۳] (۱۶) خاص امانت کو واپس کرنے کی وصیت اور خاص وصیت کو نافذ کرنے اور متعین غلام کو آزاد کرنے اور قرض ادا کرنے اور میت کے حقوق میں نالش کرنے کی وصیت میں۔

تشریح یہ پانچ چیزوں کی وصیت ایسی ہے کہ دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی انجام دے سکتا ہے۔ دوسرے کو مشورے اور کام میں شریک نہ بھی کرے تب بھی جائز ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض کام تو وہ ہے کہ اس میں رائے مشورے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کام متعین ہے صرف اس کو کر دینا ہے۔ اس لئے کوئی ایک بھی کر دے گا تو کافی ہے۔ مثلا متعین امانت کو واپس کرنے کی وصیت دو آدمیوں کو کی۔ اب اس

حاشیہ : (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر وصیت بھی ہو اور آزاد کرنا بھی ہو تو حصہ حصہ کر کے حساب کرو۔

الـدین والخصومة فی حقوق المیت[۳۱۵۴](۱۷) ومن اوصٰی لرجل بثلث ماله وللاٰخر

میں مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔صرف امانت والے کو واپس کردینا ہے اس لئے کوئی ایک وصی بھی کر دے گا تو ہو جائے گا۔دوسرے کی شرکت کی ضرورت نہیں ہے۔یا متعین وصیت کو نافذ کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا مثلا کہا کہ پانچ درہم زید کو تم دونوں دے آؤ تو اس میں دونوں کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک وصی بھی دے آئے گا تو جائز ہو جائے گا۔یا متعین غلام کو آزاد کرنے کی دو آدمیوں کو وصیت کی مثلا میرے غلام خالد کو تم دونوں آزاد کر دو۔تو اس میں بھی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک وصی آزاد کر دے تو جائز ہو جائے گا۔یا زید کا میرے ذمے پانچ درہم قرض ہے تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس قرض کو ادا کر دو۔تو ایک وصی بھی ادا کر دے تو جائز ہے۔کیونکہ دونوں وصی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔یا میت کے حقوق کے سلسلے میں مقدمہ کرنا ہے اس کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا مثلا زید نے مرنے سے پہلے دو آدمیوں کو وصی بنایا کہ میرا ہبہ مال فلاں کے پاس ہے اس کو لے آنا لیکن وہ نہیں دے رہا ہے۔اب اس سلسلے میں مقدمہ دائر کرنا ہے تو ایک وصی بھی قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر کے میت کے حق میں ہبہ کا فیصلہ کروا سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام کرنا ہی ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دونوں وصیوں کا جمع ہونا متعذر رہتا ہے اور تاخیر کرنے میں میت کے حق ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔اس لئے ایک وصی بھی مقدمہ دائر کر کے میت کے حق میں فیصلہ کروالے گا تو جائز ہو جائے گا۔

اصول جہاں مشورے کی ضرورت نہیں وہاں دو وصیوں میں سے ایک بھی وصیت نافذ کر سکتا ہے(۲) جہاں دونوں وصیوں کا جمع ہونا متعذر رہو اور کام جلدی کرنا ہو وہاں بھی ایک وصی کر لے گا تو جائز ہو جائے گا۔

لغت کسوۃ : کپڑا، پوشاک، ودیعۃ : امانت، تنفیذ : نافذ کرنا، خصومۃ : مقدمہ دائر کرنا۔

[۳۱۵۴](۱۷) کسی نے کسی آدمی کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

تشریح قاعدہ یہ گزرا کہ ورثہ کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زیادہ وصیت نہیں کر سکتا اور یہاں دو آدمیوں کو ایک تہائی ایک تہائی کی وصیت ہے۔اس لئے دو تہائی کی وصیت ہوگئی۔اور ورثہ ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔اس لئے ایک تہائی مال کو دونوں موصی لہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔مثلا سو درہم ہو تو ایک تہائی 33.33 درہم یعنی تینتیس درہم اور تینتیس پیسے ہوئے۔اور اس کو دو آدمیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کریں تو 16.66 سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن الزهری فی رجل اوصی لرجل بفرس وسماه وقال ثلث مالی لفلان وفلان وکان الفرس ثلث ماله قال الزهری نری ان یقسم ثلث ماله علی حصصهم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لاٰخر بثلث مالہ وکان الفرس ثلث مالہ، ج سادس، ص۲۲۴، نمبر ۳۰۸۵۸) اس اثر میں گھوڑا موصی کا تہائی مال تھا۔اور اس کے علاوہ بھی تہائی مال کا

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا کسی آدمی نے کسی آدمی کے لئے گھوڑے کی وصیت کی اور گھوڑے کو متعین کیا اور یوں کہا کہ میرا مال فلاں اور فلاں کے لئے ہے۔اور گھوڑا تہائی مال تھا۔تو حضرت زہریؒ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تہائی مال کو حصوں پر تقسیم کیا جائے۔

بثلث مالہ ولم تُجز الورثة فالثلث بينهما نصفان[۳۱۵۵](۱۸) وان اوصٰی لاحدهما بالثلث والأخر بالسدس فالثلث بينهما اثلاثا[۳۱۵٦](۱۹) وان اوصٰی لاحدهما بجميع

کسی کے لئے وصیت کردی تو حضرت زہری نے فرمایا کہ تہائی مال کو دونوں کے درمیان حصے کر دو۔

[۳۱۵۵](۱۸)اور اگر ان میں سے ایک کے لئے وصیت کی تہائی کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان تین تہاک ہوگا۔

تشریح ایک آدمی کے لئے پورے مال کی تہائی کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہوں گے۔اور دوسرے کے لئے پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 16.666 یعنی سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ہوں گے۔اب دونوں وصیتوں کو ملائیں تو آدھے مال کی وصیت ہوگی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے۔اس لئے دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصہ سے ایک ایک تہائی کم ملے گی۔جس کے لئے پوری ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی یعنی سو درہم میں سے 33.33 درہم ملنے والے تھے ان کو اس میں سے ایک تہائی کم کر کے 22.22 بائیس درہم اور بائیس پیسے ملیں گے۔اور جن کو پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تھی اس کو ایک تہائی کم کر کے 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے ملیں گے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ وصیت زیادہ کردی تو حصے پر تقسیم ہوگی (۲) **عن الحسن انه قال فی رجل اوصی بدرهم وبالسدس ونحوه قال يتحاصون جميعا** (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لآخر بثلث مالہ وکان الفرس ثلث مالہ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸٦۰)اس اثر میں ہے کہ زیادہ وصیت کردی ہو تو سب کو حصے پر تقسیم کردی جائے گی۔

نوٹ اوپر کا حساب کلکولیٹر پر سیٹ کرلیں۔

حساب کی دوسری شکل : جس کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اس کے لئے چھٹے حصے سے دوگنی وصیت کی۔اس لئے 33.33 یعنی تینتیس درہم تینتیس پیسے کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے ہوں گے۔اور اس کا دوگنا 22.22 یعنی بائیس درہم بائیس پیسے تہائی وصیت والے کو ملے گا۔اور ایک گنا یعنی تینتیس میں سے ایک تہائی 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے چھٹے حصے والے کو ملے گا۔کیونکہ چھٹا حصہ تہائی کا آدھا ہے۔

لغت اثلاثا : تین تہائی کریں ان میں سے دو تہائی ایک کو دیں اور ایک تہائی دوسرے کو دیں اس کو اثلاث کہتے ہیں۔

[۳۱۵٦](۱۹)اگر دونوں میں سے ایک کے لئے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی،اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو تہائی دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی درہم کی وصیت کرے اور چھٹے حصے کی تو سب حصے کئے جائیں گے۔

مالہ وللاٰخر بثلث مالہ ولم تُجز الورثة فالثلث بینھما علی اربعة اسھم عند ابی یوسف و محمد رحمھما اللہ تعالی وقال ابو حنیفة رحمہ اللہ الثلث بینھما نصفان. [۳۱۵۷]

(۲۰) ولایضرب ابوحنیفة رحمہ اللہ تعالی للموصٰی لہ بمازاد علی الثلث الا فی

تشریح ایک آدمی کے لئے پورے مال کی وصیت کی مثلاً سو درہم اس کے پاس تھے تمام ہی کی وصیت زید کے لئے کردی۔ پھر دوسرے آدمی کے لئے اس کی تہائی یعنی 33.33 تیتیس درہم تیتیس پیسے کی وصیت کردی تو مجموعہ 100 + 33.33 برابر 133.33 ایک سو تیتیس درہم تیتیس پیسے کی وصیت کردی۔ حالانکہ قاعدہ گزر چکا ہے کہ ورثہ اجازت نہ دے تو پورے مال کی تہائی ہی وصیت کرسکتا ہے۔ یعنی پورا مال سو درہم ہے تو اس میں سے 33.33 تیتیس درہم تیتیس پیسے ہی وصیت کرسکتا ہے۔ اس لئے اب دیکھنا ہوگا کہ 33.33 میں سے پورے مال کی وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے اور تہائی مال وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے۔ اس حساب سے تقسیم کی جائیگی۔

حصص کا حساب : جس کو پورے مال یعنی 100 سو درہم کی وصیت کی وہ تہائی 33.33 کا تین گنا ہے۔ اس لئے تین گنا وہ اور ایک گنا تہائی وصیت والے کی مجموعہ چار گنا ہوا۔ اس لئے حساب ربع یعنی چوتھائی سے کیا جائے گا۔ جس کی وصیت تین گنی تھی اس کو تین ربع دیں اور جس کی وصیت ایک تہائی یعنی ایک گنی تھی اس کو ایک ربع دیں۔ اور پورے 100 درہم کی تہائی 33.33 تیتیس درہم اور تیتیس پیسے کو چار حصوں میں تقسیم کرے۔ اس طرح پر ہر حصہ 8.33 آٹھ درہم تیتیس پیسے کا ہوگا۔ اب جس کی وصیت تین گنی کی تھی یعنی پورے مال کی تھی اس کو تین ربع دیں جو 24.999 یعنی چوبیس درہم ننانوے پیسے ہوئے۔ اور جس کی وصیت پورے مال میں سے تہائی کی تھی یعنی ایک ربع کی تھی اس کو 8.33 آٹھ درہم تیتیس پیسے ملیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ تین ربع پورے مال والے کو اور ایک ربع تہائی مال والے کو ملے گا۔ اور مجموعہ 33.33 تیتیس درہم تیتیس پیسے ہوگا جو سو درہم کی تہائی ہے۔

فائدہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی مال سے زیادہ جس کے لئے وصیت کی وہ بیکار ہے۔ شریعت کے اعتبار سے اتنی کرنی ہی نہیں چاہئے۔ اس لئے اس کی وصیت بھی تہائی رہ گئی۔ گویا کہ جمیع مال والے کے لئے تہائی اور دوسرے کے لئے بھی تہائی کی وصیت رہ گئی۔ اور یہ دونوں برابر ہیں اس لئے کل مال کے تہائی حصے میں دونوں برابر یعنی آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔ اور ہر ایک کو 33.33 کا آدھا 16.66 سولہ درہم چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ تہائی سے زیادہ وصیت کرنا بیکار جائے گا۔ اور اس کے لئے تہائی ہی وصیت باقی رہے گی۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ الثلث والثلث کثیر (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۸۶۴)

[۳۱۵۷] (۲۰) اور امام ابوحنیفہ نہیں دلواتے موصی لہ کو تہائی سے زیادہ محابات اور سعایت میں اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ میت تہائی سے زیادہ آدھے کا یا پورے مال کی وصیت کرے تو وہ باطل ہے وہ لوٹ کر تہائی مال کی وصیت پر

المحاباة والسعایة والدراھم المرسلة.

آجائے گی۔لیکن آدھے یا پورے نہ بولے اور کچھ مقدار کی وصیت کردے بعد میں مال کے حساب کے بعد معلوم ہوا کہ جو مقدار اس نے وصیت کی ہے اس کا پورا مال اتنا ہی ہے یا اس کا آدھا ہے تو یہ وصیت باطل ہو کر تہائی پر نہیں آئے گی بلکہ صاحبینؒ کی طرح حصص پر تقسیم ہوگی۔اسی کی ایک شکل محابات، دوسری سعایہ اور تیسری دراہم مرسلہ ہے۔

وجہ چونکہ اپنی زبان سے آدھا یا پورا نہیں کہا جو تہائی سے زیادہ تھے اس لئے باطل نہیں ہوں گے۔چاہے حساب کرنے کے بعد وہ وصیت کا مال پورا یا آدھا ہی کیوں نہ ہو۔

المحابات : محبۃ سے مشتق ہے، محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا۔اس کی صورت یہ ہے۔مثلا ایک آدمی کا ایک غلام ہے جس کی قیمت تیس (۳۰) درہم ہے۔اس نے وصیت کی کہ اس کو زید کے ہاتھ میں دس درہم میں بیچ دو۔اب دس درہم میں بیچا تو گویا کہ وہ بیس درہم اس کو محبت میں وصیت کر دی یہ غلام کی قیمت سے آدھے سے زیادہ ہے۔اگر میت کی صرف یہی غلام مال ہو اور آدھے سے زیادہ کی وصیت کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت باطل ہوتی۔لیکن صاف لفظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کی ہے بلکہ حساب اور کھوج کے بعد معلوم ہوا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے۔اس لئے یہ وصیت باطل نہیں ہوگی بلکہ حصص پر تقسیم ہو جائے گی یعنی تیس میں سے ایک تہائی یعنی دس درہم وصیت ہوگی اور باقی بیس درہم قیمت مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

اس آدمی کے پاس دوسرا غلام تھا جس کی قیمت ساٹھ (۶۰) درہم تھی۔اس نے وصیت کی کہ عمر کے ہاتھ میں صرف بیس درہم میں بیچ دے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس درہم محبت میں وصیت کر دی جو اس کی قیمت سے آدھے سے بھی زیادہ ہے۔پس اگر صرف یہی مال ہوتا اور زبان سے کہتا کہ آدھے سے زیادہ کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو جاتی۔لیکن محابات کیا تو وصیت باطل نہیں ہوگی۔البتہ اس کے لئے تہائی میں وصیت ہوگی۔اس لئے اس غلام کو چالیس درہم میں خریدنا ہوگا۔اور بیس درہم وصیت میں شمار ہو کر کم ہو جائے گا جو ساٹھ (۶۰) درہم کی تہائی ہے۔اس صورت میں دونوں آدمیوں کے لئے وصیت درست رہی اور دونوں کو اس کی تہائی مل گئی۔یعنی تیس والے کو ایک تہائی دس کم ہوا اور ساٹھ والے کے لئے اس کی دو تہائی یعنی بیس کم ہوا تو گویا کہ ان کے حصوں پر تقسیم ہوئی۔

السعایۃ : یہ سعی سے مشتق ہے۔غلام اپنی قیمت کما کر آقا کو دے۔اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے دو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی۔ایک کی قیمت تیس تھی اور دوسرے کی قیمت ساٹھ درہم۔اور آقا کے پاس کل مال یہی دو غلام تھے۔پس اگر یوں کہتا کہ پورے مال کے آزاد ہونے کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو کر تہائی پر آجاتی اور دونوں غلاموں کو برابر ملتا۔لیکن پہلے آزاد کیا بعد میں حساب کرنے سے پتا چلا کہ آقا کا پورا مال وصیت میں صرف ہو رہا ہے اس لئے دونوں وصیتیں اپنی اپنی جگہ پر برقرار رہے گی اور جس کو زیادہ کی وصیت کی اس کو زیادہ ملے گی اور جس کو کم کی وصیت کی اس کو کم ملے گی۔مثلا جس غلام کی قیمت تیس درہم تھی اس کی ایک تہائی یعنی دس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی بیس درہم کما کر یعنی سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے۔اور جس غلام کی قیمت ساٹھ درہم ہے اس کی ایک تہائی یعنی بیس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی چالیس درہم سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے گا۔اور دونوں غلام کے مجموعی قیمت نوے درہم کی تہائی یعنی تیس درہم آزاد

[۳۱۵۸](۲۱) ومن اوصٰی وعلیه دین یحیط بماله لم تجز الوصیة الا ان یبرأ الغرماء من الدین.[۳۱۵۹](۲۲) ومن اوصٰی بنصیب ابنه فالوصیة باطلة فان اوصٰی بمثل نصیب

ہوئی۔

الدراهم المرسله : غیر متعین درہم کی وصیت۔اس میں میت یہ نہ کہے کہ میں پورے مال کی وصیت کرتا ہوں یا آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔بلکہ یوں کہے کہ میں زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کرتا ہوں اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کرتا ہوں۔بعد میں حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس کل نوے درہم ہی وراثت میں ہے۔اس لئے اس کی ایک تہائی کی وصیت درست ہوگی باقی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی دس درہم وصیت میں ملیں گے۔اور باقی بیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی بیس درہم وصیت میں ملیں گے۔اور باقی چالیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

اصول کھلے الفاظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ باطل ہو کر تہائی پر آجائے گی اور دوسرے کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔لیکن محابات یا سعایہ یا دراہم مرسلہ کے ذریعہ پورے مال کی وصیت کردے اور بعد میں حساب سے پتا چلے کہ پورے مال کی وصیت کی ہے تو دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصے کے مطابق ملے گا اور تہائی مال حصص پر تقسیم ہوگا۔

[۳۱۵۸](۲۱) کسی نے وصیت کی حال یہ کہ اس پر دین ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہوگی مگر یہ کہ قرض خواہ قرض سے بری کردیں۔

تشریح کسی کے پاس کل ایک ہزار درہم ہیں لیکن ایک ہزار قرض بھی ہے اور قرض اس کے سارے مال کو گھیرے ہوا ہے۔تو اس کی وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ہاں! خود قرض دینے والے قرض سے بری کردیں تو اب وصیت کرسکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ میت کے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔اس سے بچے گا تو اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی۔اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے۔عن علیؓ انه قال انکم تقرء ون هذه الآیة من بعد وصیة توصون بها او دین (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) وان رسول الله ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوۃ من الاب والام، ج ۲، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۴ رابن ماجہ شریف، باب الدین قبل الوصیۃ، ص ۳۹۱، نمبر ۲۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں اگرچہ وصیت کا تذکرہ پہلے ہے اور قرض ادا کرنے کا تذکرہ بعد میں ہے لیکن حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ قرض پہلے ادا کیا جائے گا اس کے بعد بچے گا تو وصیت نافذ کی جائے گی۔

لغت محیط : احاطۃ سے مشتق ہے گھیرا ہوا، یبرأ : بری کردے، غرماء : غریم کی جمع ہے قرض دینے والا۔

[۳۱۵۹](۲۲) کسی نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصے کی تو وصیت باطل ہے اور اگر وصیت کی بیٹے کے حصے کے مثل تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو من بعد وصیة توصون بها او دین حالانکہ حضورؐ نے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ وصیت سے پہلے کیا۔

ابنه جازت[۳۱۶۰](۲۳) فان کان له ابنان فللموصٰی له الثلث[۳۱۶۱](۲۴) ومن اعتق

تشریح یوں وصیت کی کہ میری وراثت میں سے جتنا حصہ میرے بیٹے کو ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے۔

وجہ اس لئے کہ وراثت ملنے کے بعد وہ مال بیٹے کا ہو گیا تو دوسرے کے مال کو وصیت کیسے کرے گا۔ اس لئے وصیت باطل ہے۔ اور اگر یوں وصیت کی جتنا مال بیٹے کو ملے گا اس کے مثل وصیت کرتا ہوں۔ مثلا اگر بیٹے کو میری وراثت میں سے ایک تہائی ملے گی تو ایک تہائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ملے گی مثلا آدھا ملے گا تو آدھے کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست ہے۔ البتہ موصی لہ کو ہر حال میں تہائی سے زیادہ نہیں ملے گی۔

وجہ مثل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیٹے ہی کے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ بلکہ اس کے مثل جو مقدار ہوگی اس کی وصیت کرتا ہوں اس لئے وہ وصیت جائز ہے (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سئل عامر عن رجل مات وترک ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدھم قال ھو رابع له الربع** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۸ رجل مات وترک ثلاثۃ بنین واوصی بمثل نصیب احدھم، ج سادس، ص ۲۱۶، نمبر ۳۰۷۸۰) اس اثر میں ہے کہ بیٹے کے مثل کی وصیت کرے تو جائز ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ تین بیٹے ہوں تو موصی لہ کو چوتھا بیٹا شمار کیا جائے گا۔ اور چاروں بیٹو کو ایک ایک چوتھائی مل جائے گی۔

لغت نصیب : حصہ۔

[۳۱۶۰] (۲۳) پس اگر اس کے لئے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے تہائی ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے نے وصیت کی کہ میرے بیٹے کو جتنی وراثت ملے اس کے مثل فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ اور وصیت کرنے والے کو دو بیٹے تھے تو موصی لہ کو تیسرا بیٹا شمار کیا جائے گا اور تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ دوسرا اثر یہ ہے۔ **عن ابراھیم قال اذا ترک الرجل ثلاثة بنین واوصی بمثل نصیب احدھم قال واحدا اجعلھما من اربعة** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۸ رجل مات وترک ثلاثۃ بنین واوصی بمثل نصیب احدھم، ج سادس، ص ۲۱۶، نمبر ۳۰۷۸۱) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ موصی لہ کو ایک بیٹے کا حصہ ملے گا۔ یوں تو دو بیٹیوں کو آدھا آدھا یعنی سو میں سے پچاس ملے گا۔ اور یوں کہا کہ میرے بیٹے کے مثل وصیت کرتا ہوں تو موصی لہ کو بھی سو میں سے پچاس ملنا چاہئے۔ لیکن تہائی سے زیادہ وصیت باطل ہے اس لئے موصی لہ کو 33.33 مل گیا اور باقی 66.66 رہا اس لئے دونوں بیٹوں کو اس کا آدھا آدھا 33.33 مل جائے گا جو موصی لہ کے برابر ہے۔ تو گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل گئی۔

[۳۱۶۱] (۲۴) کسی نے اپنے مرض موت میں غلام آزاد کیا یا بیچا، محابات کی یا ہبہ کیا تو یہ تمام جائز ہیں اور وہ معتبر ہیں تہائی سے۔ اور ان کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا ایک آدمی کا انتقال ہوا اور تین بچے چھوڑے اور ایک بچے کے مثل وصیت کی تو فرمایا کہ وہ گویا کہ چوتھا آدمی ہوا اور اس کے لئے چوتھائی ہوگی

عبدا فی مرضه او باع وحابی او وھب فذلک کله جائز وھو معتبر من الثلث ویضرب به

تشریح اپنے مرض الموت میں غلام آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن مرض الموت میں آزاد کیا ہے اس لئے تہائی مال سے آزاد ہوگا،اس سے زائد سے آزاد نہیں ہوگا۔مثلا اس کے پاس کل مال چھ ہزار ہے۔اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن اگر غلام کی قیمت چار ہزار ہے تو آدھا غلام آزاد ہوگا جو میت کے مال کی تہائی ہے یعنی دو ہزار کے مطابق اور باقی آدھا سعی کر کے ورثہ کو دے گا۔حاصل یہ ہے کہ مرض الموت میں آزاد کرنے سے ورثہ کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے تہائی مال میں سے آزاد ہوگا۔اس سے زیادہ سے نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن عمران بن حصین ان رجلا اعتق ستة اعبد عند موته ولم یکن له مال غیرھم فبلغ ذلک النبی ﷺ فقال له قولا شدیدا ثم دعا ھم فجزاھم ثلاث اجزاء فاقرع بینھم فاعتق اثنین وارق اربعة** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اعتق عبیدا لم یبلغھم الثلث ،ص ۱۹۵، نمبر ۳۹۵۸ رمسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد ،ص ،نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث میں مرض الموت میں چھ غلام آزاد کئے اور ان کے علاوہ مال نہیں تھا تو قرعہ ڈال کر ان میں سے دو کو آزاد قرار دیا جو پورے مال کی تہائی تھے۔ اور باقی چار کو غلام قرار دیا اور ان کو ورثہ میں تقسیم کروایا۔یہ آزادگی اگر چہ میت کی زندگی میں ہوئی لیکن آزاد ہونے کے اعتبار سے وصیت کی طرح ہو گیا۔

اس آزاد کرنے کے علاوہ اگر اور وصیتیں کی ہیں اور دونوں ملکر تہائی مال سے زیادہ ہو گئی ہیں تو تہائی مال کے اندر دونوں کو حصوں پر تقسیم کیا جائیگا۔مثلا ایک غلام کی قیمت دو ہزار تھی جس کو مرض الموت میں آزاد کیا اور ایک دوسرے آدمی کو دو ہزار دینے کی بھی وصیت کی۔اب غلام کی قیمت دو ہزار اور آدمی کو دو ہزار دینے کی وصیت ملکر چار ہزار ہو گئے۔اور میت کی کل مالیت چھ ہزار ہے۔اس لئے آزاد کرنا اور وصیت ایک تہائی سے زیادہ ہو گئے۔اس لئے اب دو ہزار میں دونوں کو حصے قرار دیں گے۔اور غلام کا ایک ہزار یعنی آدھا آزاد ہوگا اور آدھی قیمت کی سعی کرے گا۔اور وصیت والے کو ایک ہزار دیا جائے گا یعنی وصیت کی آدھی دی جائے گی۔عبارت میں **ویضرب به مع اصحاب الوصایا** کا یہی مطلب ہے۔

باع وحابی : کی صورت یہ ہے کہ مثلا غلام کی قیمت دو ہزار تھی اس کو محبت میں محبت والے سے ایک سو میں بیچ دیا یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہو جائے گی۔یعنی یہ دو ہزار کل ملکیت کی تہائی ہے تب تو ٹھیک ہے،اور تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی تک پیچھے لے جایا جائے گا۔اور دوسری وصیتیں ملکر تہائی سے زیادہ ہو جائے تو حصص پر تقسیم کی جائے گی۔مثلا میت کی ملکیت چھ ہزار تھی اور محابات دو ہزار کی ہے جو چھ ہزار کی تہائی ہے۔اس لئے یہ ٹھیک ہے۔اور اگر دو ہزار کی دوسری وصیت بھی کی ہے تو یہ ملکر چار ہزار ہو جائیں گے۔اور ملکیت کل چھ ہزار کی ہے۔تو محابات اور وصیت میں آدھا آدھا کم ہو جائے گا۔ایک ہزار وصیت والے کو دیا جائے گا اور ایک ہزار محابات والے کا معاف ہوگا،باقی ایک ہزار میں مشتری کو خریدنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) عمران بن حصین نے فرمایا کہ ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کیا۔اور اس کے پاس اس کے علاوہ مال نہیں تھا تو اس کی خبر حضور کو ہوئی۔تو آپؐ نے سخت جملے کہے۔پھر ان غلاموں کو بلایا اور تین حصے فرمایا اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا،پس دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام باقی رکھا۔

مع اصحاب الوصایا[۳۱۶۲](۲۵) فان حابی ثم اعتق فالمحاباة اولی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۳۱۶۳](۲۶)فان اعتق ثم حابی فهما سواء[۳۱۶۴](۲۷) وقالا العتق اولی فی المسئلتین.

او وھب : مرض الموت میں غلام ہبہ کردیا تو یہ جائز ہے۔لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہوجائے گی۔یعنی تہائی سے کم ہے تو ٹھیک ہے اور تہائی سے زیادہ ہبہ کیا تو تہائی تک پیچھے ہٹایا جائے گا۔اور اگر اس کے علاوہ بھی وصیتیں ہیں تو سب کو حصوں پر تقسیم کریں گے۔

لغت حابی : محبۃ سے مشتق ہے محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا، یضرب بہ مع اصحاب الوصایا : وصیت والوں کے ساتھ شامل کر کے تقسیم کی جائے گی۔

[۳۱۶۲] (۲۵) اگر محابات کی پھر آزاد کیا تو محابات اولی ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح محابات کا مطلب گزر چکا ہے کہ زیادہ قیمت کی چیز کو محبت میں کم قیمت میں بیچ دینا۔اگر مرنے والے نے مرض الموت میں پہلے محابات کی مثلا دو ہزار کے غلام کو ایک سو میں بیچ دیا اور دوسرے غلام کو آزاد کیا وہ بھی دو ہزار کا تھا اور کل مالیت چھ ہزار تھی۔اب دونوں ملکر چار ہزار ہوگئے تو تہائی سے زیادہ ہے اس لئے محابات کو ترجیح دی جائے گی اور غلام کی بیع ایک سو میں نافذ کردی جائے گی۔اور جس غلام کو آزاد کیا وہ چونکہ آزاد ہو چکا ہے اب واپس نہیں لوٹ سکتا اس لئے وہ اپنی پوری قیمت دو ہزار کی سعایت کرے گا۔

وجہ محابات پہلے کی ہے اور آزاد بعد میں کیا ہے۔نیز محابات کچھ نہ کچھ رقم کے بدلے میں بیع ہے اور آزاد کرنا مفت ہے اس لئے محابات افضل ہوگی اور اس کو ترجیح دی جائے گی۔

[۳۱۶۳](۲۶) پس اگر آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں برابر ہیں۔

تشریح پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں کے درجے برابر ہوں گے۔مثال مذکور میں میت کی ملکیت چھ ہزار ہے۔اور آزاد کردہ غلام دو ہزار کا اور محابات کردہ غلام دو ہزار کا ہے۔دونوں ملکر چار ہزار ہوئے جو تہائی سے زیادہ ہے۔اس لئے دونوں غلام کا آدھا آدھا ہوگا۔یعنی آزاد کردہ غلام کا آدھا آزاد ہوگا اور باقی آدھا یعنی ایک ہزار سعایت کر کے میت کے ورثہ کو دے گا۔اور محابات کردہ غلام کی قیمت ایک ہزار مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

وجہ محابات بعد میں ہونے کی وجہ سے دونوں کے درجے برابر ہوں گے۔

[۳۱۶۴] (۲۷) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہا آزادگی اولی ہے دونوں مسئلوں میں۔

تشریح محابات پہلے کی ہو یا آزاد پہلے کیا ہو ہر حال میں آزادگی کو ترجیح ہوگی۔اس لئے پہلے تہائی میں سے غلام آزاد ہوگا اس سے بچے گا تو محابات والے کو ملے گا۔مثال مذکور میں آزاد کردہ غلام دو ہزار کا تھا اور محابات کردہ غلام بھی دو ہزار کا تھا۔دونوں ملکر چار ہزار ہوئے جو تہائی سے زیادہ ہے۔کیونکہ پوری ملکیت صرف چھ ہزار ہے۔اس لئے صرف غلام آزاد ہوگا اور محابات والے کو غلام کی پوری قیمت دیکر خریدنا ہوگا۔

[۳۱۶۵] (۲۸) ومن اوصٰی بسهم من ماله فله اخسُّ سهام الورثة الا ان ینقص عن السدس فیتم له السدس [۳۱۶۶] (۲۹) وان اوصٰی بجزء من ماله قیل للورثة اعطوه ما

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ محابات کی بیع مشتری کی جانب سے فسخ ہو سکتی ہے جبکہ آزادگی فسخ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آزادگی محابات سے ہر حال میں افضل ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن عطاء قال یغیر الرجل من وصیته ماشاء الا العتاق (الف) مصنف ابن ابی شیبة، ۲۵ الرجل یوصی بالوصیة ثم یرید ان یغیرها، ج سادس، ص ۲۱۸، نمبر ۳۰۷۹۷) اس اثر میں ہے کہ آزاد کیا ہو تو اس کو نہیں بدل سکتا۔ اس لئے وہ ہر حال میں محابات سے افضل ہے۔

[۳۱۶۵] (۲۸) کسی نے وصیت کی اپنے مال کے ایک سہم کا تو اس کے لئے ورثہ کا کمتر حصہ ملے گا مگر یہ کہ چھٹے کم ہو جائے تو اس کے لئے چھٹا پورا کیا جائے گا۔

تشریح کسی نے اپنے مال کے ایک سہم کا کسی کے لئے وصیت کی۔ اور یہ متعین نہیں کیا وہ سہام چھٹا ہے یا تہائی ہے تو اس کے ورثہ میں سے جس کو سب سے کم حصہ ملے گا اتنا ہی موصی لہ کو مل جائے گا۔ البتہ دو رعایتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ حصہ چھٹے سے کم نہ ہو، اگر چھٹے سے کم ہو تو پورا کر کے چھٹا حصہ دیا جائے گا۔۔ کیونکہ اہل عرب جب مطلق سہم بولتے ہیں تو اس سے چھٹا حصہ مراد لیتے ہیں۔ اور دوسری رعایت یہ ہے کہ تہائی سے زیادہ نہ ہو کیونکہ تہائی سے زیادہ ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہیں۔

وجہ مطلق سہام سے چھٹا حصہ مراد ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان عدیا سأل ایاسا فقال السهم فی کلام العرب السدس، دوسری روایت میں ہے۔ عن شریح انه قضی فی رجل اوصی لرجل بسهم من ماله ولم یسم قال ترفع السهام فیکون للموصی له سهم (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۳ فی الرجل یوصی للرجل بسهم ماله، ج سادس، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۷۹۳/۳۰۷۸۸) پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ سہم کلام عرب میں چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سہم کی مقدار متعین نہیں کی تو وارثین میں سے کم حصہ جس کو ملے گا وہ حصہ دلوایا جائے گا۔

لغت اخس : کمتر۔

[۳۱۶۶] (۲۹) اگر اپنے مال کے کچھ حصے کی وصیت کی تو ورثہ کو کہا جائے گا کہ جتنا چاہو اس کو دے دو۔

تشریح اس مسئلے میں وصیت کرنے والے نے کچھ مقدار متعین نہیں کی ہے اور نہ کوئی حصہ متعین کیا ہے بلکہ اپنے مال کے جز کا لفظ بولا ہے۔ اور جز تھوڑے سے مال کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے ورثہ جو بھی دے دیں گے وہ جز ہو جائے گا۔ چونکہ اب ورثہ میت کے قائم مقام ہیں اس لئے ورثہ سے کہا جائے گا کہ آپ جو دیں وہ وصیت پوری ہونے کے لئے کافی ہے۔

لغت جز : کچھ حصہ، کچھ جز۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاءؒ نے فرمایا وصیت میں سے جو چاہے تبدیل کرے مگر آزاد کرنے کو (اس کو تبدیل نہیں کر سکتا) (ب) ایک آدمی نے ایک آدمی کے لئے وصیت کی ایک حصے کا اور وضاحت نہیں کی تو حضرت شریح نے فیصلہ فرمایا کہ سہام اٹھائے اور موصی لہ کے لئے ایک حصہ ہوگا۔

شئتم [۳۱۶۷] (۳۰) ومن اوصٰی بوصایا من حقوق اللہ تعالٰی قُدِّمت الفرائض منها علٰی غیرها قدّمها الموصی او اخّرها مثل الحج والزکوۃ والکفارات [۳۱۶۸] (۳۱) وما لیس بواجب قُدِّم منه ماقدّمه الموصی [۳۱۶۹] (۳۲) ومن اوصٰی بحجة الاسلام احجُّوا عنه

[۳۱۶۷] (۳۰) کسی نے چند وصیتیں کیں حقوق اللہ کی تو ان میں سے دوسروں پر فرائض کو مقدم کیا جائے گا، وصیت کرنے والے نے اس کی پہلی وصیت کی ہو یا بعد میں۔ جیسے حج، زکوۃ، کفارات،

تشریح اللہ کے حقوق کے لئے چند وصیتیں کیں۔ ان میں سے بعض میت پر واجب تھیں بعض مستحب تھیں تو قاعدہ یہ ہوگا کہ پہلے فرائض کو پورے کئے جائیں گے پھر مستحبات کو، چاہے وصیت کرنے میں مستحب کو پہلے بیان کیا ہو اور فرائض کی وصیت بعد میں کی ہو۔

وجہ فرائض ذمے میں ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور سنت اور مستحبات ذمے میں نہیں ہیں اس لئے فرائض کو پہلے ادا کیا جائے گا۔ اور سنت اور مستحبات کو بعد میں (۲) اس کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ پورے مال سے ادا کئے جائیں گے۔ اثر یہ ہے۔ **عن الزهری قال اذا کان علی الرجل شیء واجب فهو من جمیع المال** (الف) دوسری روایت میں ہے۔ **عن الحسن وطاؤس فی الرجل علیه حجة الاسلام وتکون علیه الزکوۃ فی ماله؟ قالا یکونان هذه بمنزلة الدین** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۹ الرجل یوصی بالحج والزکوۃ تکونقد وجبت علیہ قبل موتہ تکون من الثلث او من جمیع المال، ج سادس، ص ۲۲۰، نمبر ۳۰۸۱۹/۳۰۸۱۷) دوسرے اثر سے معلوم ہوا کہ فرائض کی ادائیگی دین کی طرح ہے۔ اور دین وصیت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لئے اس کا حق مستحبات سے پہلے ہوگا۔ البتہ بہت سے فرائض ہیں تو وصی کو اختیار ہے جس کو چاہے پہلے ادا کرے جس کو چاہے بعد میں ادا کرے۔ کیونکہ سبھی واجب ہونے کی وجہ سے سب کا درجہ برابر ہے۔

[۳۱۶۸] (۳۱) اور جو واجب نہیں ہے تو اس کو مقدم کرے جس کو موصی نے مقدم کیا ہے۔

تشریح کئی وصیتیں کیں ہیں لیکن سب وصیتیں مستحبات میں سے ہیں تو جس کو وصیت کرنے والے نے پہلے بیان کیا ہے اس کو پہلے ادا کرے اور جس کو بعد میں بیان کیا اس کو بعد میں ادا کرے۔

وجہ سبھی مستحب ہیں تو وصیت کرنے والا جس کی زیادہ اہمیت سمجھا اس کو پہلے بیان کیا اور جس کی کم اہمیت سمجھا اس کو بعد میں بیان کیا۔ اس لئے اس کی مرضی کی رعایت کی جائے گی۔

[۳۱۶۹] (۳۲) کسی نے وصیت کی حج کرنے کی تو اس کے شہر سے ایک آدمی کو حج کرائے جو اس کی جانب سے کرے سوار ہو کر۔ پس اگر نفقہ وصیت کو نہ پہنچ سکے تو اس کی جانب سے حج کرائے جہاں سے پہنچ سکے۔

تشریح کسی نے حج کروانے کی وصیت کی تو اصل یہ ہے کہ جس شہر میں موصی رہتا تھا اس شہر سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے بھیجے جو اس کی

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا اگر آدمی پر کوئی چیز واجب ہو تو وہ پورے مال سے ادا کیا جائے گا (ب) حضرت حسن اور طاؤس نے فرمایا کسی آدمی پر حج فرض ہو اور اس کے مال میں زکوۃ ہو تو کیا ہوگا؟ دونوں نے فرمایا یہ دونوں قرض کے درجے میں ہیں۔

رجلا من بلده یحج عنه راکبا فان لم تبلغ الوصیة النفقة احجوا عنه من حیث تبلغ[۳۱۷۰](۳۳) ومن خرج من بلده حاجًّا فمات فی الطریق واوصٰی ان یحجَّ عنه حج

جانب سے سوار ہوکر حج کرے۔اور اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ اس کے شہر سے حج کروا سکے تو جہاں سے اس کا مال نفقہ کے لئے کافی ہوتا ہو وہاں سے کسی آدمی کو حج کے لئے بھیجے اور وہاں سے کم از کم حج کروائے۔

وجہ حج تو گھر سے ہی کرتے ہیں۔اس لئے موصی کی مراد بھی یہی ہے کہ گھر سے حج کروائے۔اس لئے نفقے میں گنجائش ہو تو گھر سے حج کروائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پیدل چل کر کوئی جلدی حج نہیں کرے گا خصوصا جب شہر مکہ مکرمہ سے دور ہو۔اس لئے سوار کرکے حج کروانے کی ضرورت ہوگی۔لیکن اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ گھر سے سوار ہوکر حج کروا سکے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ جہاں سے نفقہ میں گنجائش ہو وہاں سے حج کروادے۔تاکہ موصی کی وصیت کم سے کم درجے میں پوری ہوجائے۔اس لئے کہ حج کروانے کی اہمیت اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عباسؓ ان امرأ ة من جھینة جاء ت الی النبی ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنھا؟ قال نعم حجی عنھا ارأیت لو کان علی امک دین اکنت قاضیة؟ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء** (الف)(بخاری شریف، باب الحج والنذر عن المیت والرجل یحج عن المرأة، ص ۲۴۹، نمبر ۱۸۵۲ رمسلم شریف، باب الحج عن العاجز لزمانة وھرم ونحوھما اوللموت، ص ۴۳۱، نمبر ۱۳۳۴)اس حدیث میں ہے کہ حج قرض کی طرح ہے۔جس طرح قرض حتی الامکان ادا کرتے ہیں اسی طرح حج فرض ہو یا حج کی نذر مانی ہو تو اس کو حتی الامکان ادا کرے۔اس لئے جس شہر سے نفقہ ہو وہاں سے حج کرائے۔

[۳۱۷۰](۳۳) کوئی اپنے شہر سے حج کیلئے نکلا۔پس راستے میں مرگیا اور وصیت کی کہ اس کی جانب سے حج کرائے تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حج کرائے جہاں سے مرا ہے۔

تشریح ایک آدمی حج کے ارادے سے گھر سے نکلا اور راستے میں مرگیا اور اپنی جانب سے حج کرانے کی وصیت کی۔تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ گھر سے حج کرائے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کرائے۔

وجہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انتقال کرنے کی وجہ سے جتنا راستہ طے کیا تھا وہ ساقط ہوگیا اور وصیت کرنے والے کی مراد گھر سے حج کروانا ہے اس لئے گھر سے حج کروائے۔لیکن اگر نفقے میں گنجائش نہ ہو تو وہیں سے حج کروائے گا جہاں مرا ہے(۲) مرنے سے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشیاء، من صدقة جاریة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له** (ب)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ص ۴۲،

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت حضورؐ کے پاس آئی اور کہا کہ میری ماں نے نذر مانی کہ حج کرے۔لیکن حج نہ کرسکی اور انتقال کر گئی تو کیا میں اس کی جانب سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس کی جانب سے حج کرو۔تمہاری کیا رائے ہے کہ تمہاری ماں پر قرض ہو تو کیا ادا کروگی؟ اللہ کا قرض ادا کرو۔اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے حق کو پورا کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں۔صدقہ جاریہ اور جس علم سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

عنه من بلده عند ابی حنیفۃؒ وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی یحجُّ عنه من حیث مات[۳۱۷۱] (۳۴) ولا تصح وصیة الصبی [۳۱۷۲] (۳۵) ولاتصح المکاتب

نمبر۲۸۸۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے سے عمل منقطع ہوجاتا ہے۔اس لئے حج نہیں کیا تو وہ بھی منقطع ہوگیا۔اوراس کے لئے جوسفر کیا تھاوہ بھی منقطع ہوگیااس لئے گھر سے دوبارہ حج کروائے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مراہے وہاں سے حج کروائے۔

وجہ وہاں تک سفر کر چکا ہےاوراس کا اجر بھی مل چکا ہےاس لئے آگے کا سفر کرواکر حج کروائے (۲) آیت میں ہے۔**ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفورا رحیما** (الف)(آیت۱۰۰،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ ہجرت کے لئے نکلا ہواور راستے میں انتقال کرگیاتو اس کواس کا اجر مل گیا۔اس لئے جہاں مراہے وہیں سے حج کروائے۔

[۳۱۷۱](۳۴) بچے کی وصیت صحیح نہیں۔

وجہ حدیث میں ہے کہ بچوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے اس لئے اس کی وصیت کا اعتبار نہیں۔حدیث یہ ہے۔ **عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا،ص ۲۵۶،نمبر۴۴۰۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا اعتبار نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال لایجوز عتق الصبی ولا وصیته ولا بیعه ولا شراءه ولا طلاقه** (ج)(مصنف ابن ابی شیبة ،۳۶ من قال لاتجوز وصیة الصبی حتی یحتلم ،ج سادس ،ص ۲۲۳،نمبر۳۰۸۵۱ رمصنف عبدالرزاق، وصیة الغلام، ج تاسع ،ص ۸۰،نمبر۱۶۴۲۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کی وصیت جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خیر میں ہوتو جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **ان عثمانؓ اجاز وصیة ابن احدی عشرة سنة** (د)(مصنف ابن ابی شیبة ،۳۵ من قال تجوز وصیة الصبی ،ج سادس،ص ۲۲۲،نمبر۳۰۸۴۰ رمصنف عبدالرزاق، باب وصیة الغلام، ج تاسع ،ص ۷۷،نمبر۱۶۴۰۹ رسنن للبیہقی ،باب ماجاء فی وصیة الصغیر،ج سادس،ص ۴۶۱،نمبر۱۲۶۵۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچہ وصیت کرسکتا ہے اگر خیر کا کام ہوتو۔

[۳۱۷۲](۳۵)مکاتب کی وصیت صحیح نہیں اگر چہ وہ اتنا مال چھوڑے جو کافی ہو۔

حاشیہ : (الف)جواپنے گھر سے اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کے لئے نکلتا ہو پھر اس کی موت ہوجائے تو اس کا اجر اللہ پر ہوگیا اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے(ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہوجائے،اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہوجائے اور مجنون سے یہاں تک کہ عقلمند ہوجائے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بچے کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے،اور نہ اس کی وصیت کرنا اور نہ اس کا بیچنا اور نہ اس کا خریدنا اور نہ اس کی طلاق دینا(د) حضرت عثمانؓ نے گیارہ سال کے لڑکے کی وصیت جائز قرار دی۔

وان ترک وفاء [۳۱۷۳] (۳۶) ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة.

تشریح مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مرا کہ مال کتابت ادا ہو سکتا تھا لیکن مال کتابت ادا کر کے ابھی آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ مکاتب کی حالت ہی میں مرا تو اس کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔

وجہ وہ ابھی تک غلام ہے اور غلام کی وصیت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مال حقیقت میں آقا کا مال ہے (۲) اثر میں ہے۔ **سال طهمان ابن عباسؓ ایوصی العبد؟ قال لا** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیة، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۳ رسنن للبیہقی، باب وصیة العبد، ج سادس، ص ۴۶۲، نمبر ۱۲۶۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام وصیت نہیں کر سکتا (۲) خود مکاتب وصیت نہیں کر سکتا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الحسن قال المکاتب لا یعتق ولا یھب الا باذن مولاہ** (ب) (سنن للبیہقی، باب لا تجوز ہبة المکاتب حتی یتدأھا باذن السید، ج عاشر، ص ۵۶۳، نمبر ۲۱۷۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب آقا کی اجازت کے بغیر وصیت نہیں کر سکتا (۳) مکاتب ایک ایک درہم ادا کرنے تک غلام ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عمرو بن زعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ایما عبد کوتب علی مائة اوقیة فاداھا الا عشرا اوقیات فھو رقیق** (ج) (ابن ماجہ شریف، باب المکاتب، ص ۳۶۱، نمبر ۲۵۱۹ ربخاری شریف، باب المکاتب اذا رضی، ص ۳۴۸، نمبر ۲۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک درہم رہنے تک مکاتب غلام ہے۔ اور اوپر پتا چلا کہ غلام کی وصیت جائز نہیں اس لئے مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے چاہے اتنا مال چھوڑا ہو کہ مال کتابت ادا ہو جائے۔

[۳۱۷۳] (۳۶) جائز ہے وصیت کرنے والے کے لئے وصیت سے رجوع کرنا۔

تشریح وصیت کرنے کے بعد وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہو یا وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اس کا حق ہے۔

وجہ وصیت مکمل ہوتی ہے موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد اگر موصی لہ موصی کے مرنے کا بعد قبول کر سکے گا۔ تو جس طرح بیع مکمل ہوتی ہے مشتری کے قبول کے بعد اس لئے مشتری کے قبول سے پہلے رجوع کر سکتا ہے یا بیع میں تبدیلی کر سکتا ہے اسی طرح وصیت کو قبول کرنے سے پہلے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے یا وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ مثلا تہائی کی وصیت کی تھی تو اس کو تبدیل کر کے چھٹے کی وصیت کرے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عائشةؓ قالت لیکتب الرجل فی وصیته ان حدث بی حدث موتی قبل ان اغیر وصیتی هذه** (د) (سنن للبیہقی، باب الرجوع فی الوصیة وتغییرھا، ج سادس، ص ۴۶۰، نمبر ۱۲۶۵۴ رمصنف ابن ابی شیبة، ۲۶ من کان یستحب ان یکتب فی وصیته ان حدج بی حدث قبل ان اغیر وصیتی، ج سادس، ص ۲۱۸، نمبر ۳۰۸۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ موت سے پہلے وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے (۳) **قال عمر ما اعتق الرجل فی مرضه من رقیقه فھی وصیة ان شاء رجع فیھا** (ہ) (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۲۵ الرجل

حاشیہ : (الف) حضرت طہمان نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا غلام وصیت کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں (ب) حضرت حسنؓ نے فرمایا مکاتب آقا کی اجازت کے بغیر نہ آزاد کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے (ج) آپ نے فرمایا کوئی بھی غلام سو اوقیہ پر مکاتب بنایا گیا ہو پھر وہ سب ادا کر چکا ہو مگر دس اوقیہ تو ابھی بھی وہ غلام ہی ہے (د) حضرت عائشہؓ نے فرمایا آدمی کو اپنی وصیت میں یہ لکھنا چاہئے میری موت سے پہلے کوئی حادثہ پیش آ گیا اس بات سے کہ اپنی وصیت کو بدلوں (ہ) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[۳۱۷۴](۳۷) واذا صرّح بالرجوع او فعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعا [۳۱۷۵] (۳۸) ومن جحد الوصیة لم یکن رجوعا[۳۱۷۶](۳۹) و من اوصٰی لجیرانه فهم

یوصی بالوصیة ثم یرید ان یغیرھا، ج سادس، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصیت منسوخ کر سکتا ہے۔

[۳۱۷۴] (۳۷) اگر صراحۃ رجوع کرے یا ایسا کام کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو تو رجوع ہو جائے گا۔

تشریح: صراحۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کو واپس لیتا ہوں۔ اور دلالۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ مثلا کہے کہ اس غلام کو فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کر دے تو دلالۃ پتا چلا کہ وہ وصیت سے رجوع کرنا چاہتا ہے ورنہ غلام کو بیچتا یا آزاد کیوں کرتا۔ اس لئے بیچنا اور آزاد کرنا اس بات پر دلالت ہے کہ وہ وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ اشارہ سے کہا تو صراحت کی طرح ہو گیا۔ **سمعت من سهل بن سعد الساعدی صاحب رسول الله ﷺ يقول قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة كهذه من هذه او كهاتين وقرن بين السبابة والوسطى** (الف) بخاری شریف، باب اللعان، ص ۷۹۸، نمبر ۵۳۰۱) اس حدیث میں شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ قیامت اس طرح قریب ہے تو اشارے سے بھی کبھی بات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اسی پر قیاس کر کے دلالت سے بھی کسی چیز کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔

[۳۱۷۵] (۳۸) کسی نے وصیت کا انکار کیا تو رجوع نہیں ہوگا۔

تشریح: یوں نہیں کہتا کہ میں نے وصیت کی ہے لیکن اس کو ختم کرتا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں ہے۔ تو اس سے رجوع نہیں ہوگا۔

وجہ: رجوع کا مطلب ہے کہ پہلے وصیت کی تھی اب اس کو ختم کر رہا ہوں۔ اور انکار میں یہ ہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں تو انکار میں رجوع کا معنی نہیں پایا جاتا ہے اس لئے اس سے رجوع نہیں ہوگا۔

فائدہ: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انکار میں بھی رجوع کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ رجوع کا معنی ہے کہ پہلے وصیت کی تھی اب واپس لیتا ہوں۔ اور انکار میں ہے کہ کبھی نہیں ہے۔ تو انکار میں رجوع کی بات کی شدت ہے اس لئے رجوع کا معنی پایا گیا۔ اس لئے رجوع ہو جائے گا۔

[۳۱۷۶] (۳۹) جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کے لئے تو وہ ملے ہوئے پڑوسی ہوں گے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں پڑوسی سے وہ پڑوسی حقدار ہوں گے جو موصی کے گھر سے ملے ہوئے ہوں۔

وجہ: حدیث میں ہے۔ **عن عائشةؓ قلت يا رسول الله ان لی جارين فالی ايهما اهدی؟ قال الی اقربهما منک بابا** (ب) (بخاری شریف، باب ای الجوار اقرب، ص ۳۰۰، نمبر ۲۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورے

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی نے اپنے مرض الموت میں غلام آزاد کیا تو وہ بھی وصیت ہے اگر چاہے تو اس میں رجوع کرے (الف) آپؐ نے فرمایا میں اور قیامت اس طرح قریب قریب زمانے میں بھیجا گیا ہوں جس طرح یہ اس کے ساتھ ہے، یا یہ دونوں ہیں اور سبابہ اور وسطی کی انگلی کو ملایا (ب) آپ نے فرمایا میرے پاس دو پڑوسی ہیں کس کو ہدیہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔

الملاصقون عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ[۱۷۷ ۳](۴۰) ومن اوصٰی لاصهاره فالوصیة

محلے کو پڑوسی نہیں کہا جائے گا بلکہ گھر کے دونوں طرف جن لوگوں کا گھر ملا ہوا ہے وہی پڑوسی ہیں اور انہیں لوگوں کو وصیت کی چیز ملے گی (۲) محاورے میں بھی انہیں لوگوں کو پڑوسی کہتے ہیں۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس محلے کی مسجد سے جتنے لوگ متعلق ہیں سب پڑوسی ہیں اور سب کے لئے وصیت کی چیز ہوگی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کی اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہو وہاں تک کے لوگ پڑوس میں داخل ہیں۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد** (الف) اور اس کی تفسیر میں یہ ہے۔ **عن علی قال من کان جار المسجد فسمع المنادی ینادی فلم یجبه من غیر عذر فلا صلوة له** (ب) (دار قطنی، باب الحث لجار المسجد علی الصلوۃ فیہ الا من عذر، ج اول، ص ۳۹۹، نمبر ۱۵۳۸/۱۵۳۹ رسنن للبیہقی، باب ماجاء من التشدید فی ترک الجماعۃ من غیر عذر، ج ثالث، ص ۸۱، نمبر ۴۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد والے سارے ہی پڑوس ہیں۔ اس لئے سب کو وصیت میں سے حصہ ملے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چالیس گھر تک پڑوسی شمار کئے جائیں گے، دس گھر دائیں، دس گھر بائیں، دس گھر آگے، دس گھر پیچھے کے لوگ۔

وجہ حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة ان النبی ﷺ قال اوصانی جبریل علیه السلام بالجار الی اربعین دارا عشرة من ههنا وعشرة من ههنا عشرة من ههنا وعشرة من ههنا، قال اسمعیل عن یمینه وعن یساره وقباله وخلفه** (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یقول ثلث مالی الی فلان الخ، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چالیس گھر تک پڑوسی ہے سب کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

لغت جیران : جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصق : ملا ہوا، متصل۔

[۱۷۷ ۳](۴۰) جس نے وصیت کی اپنے سسرال والوں کے لئے تو بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی۔

تشریح وصیت کرنے والے۔ نے وصیت کی کہ میرے سسرال والوں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو بیوی کے تمام ذی رحم محرم مثلا ماں، باپ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی وغیرہ شامل ہوں گے۔

وجہ حضرت جوریہؓ کی حدیث میں ان تمام کو اصهار کہا گیا ہے اور تقریبا ایک سو آدمی ان کے اصهار میں شامل ہو کر آزاد ہوئے، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشةؓ قالت وقعت جوریة بنت الحارث بن المصطلق فی سهم ثابت بن قیس بن شماس ... ان رسول الله ﷺ قد تزوج جویریة فارسلوا ما فی ایدیهم من السبی فاعتقوهم وقالوا اصهار رسول الله ﷺ، فما رأینا**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کے لئے نماز نہیں ہوگی مگر مسجد میں (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا جو مسجد کے پاس ہو اور مؤذن کی اذان سنتا ہو اور بغیر عذر کے مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی (ج) آپؐ نے فرمایا حضرت جبرئیل نے مجھ کو چالیس گھر تک پڑوسی کی نصیحت کی دس یہاں سے، دس یہاں سے، دس یہاں سے اور دس یہاں سے۔ اسمعیل فرماتے ہیں دس دائیں جانب، دس بائیں جانب، دس سامنے اور دس پیچھے سے۔

لکل ذی رحم محرم من امرأته[۳۱۷۸](۴۱) ومن اوصٰی لاختانه فالختن زوج کل ذات رحم محرم منه[۳۱۷۹](۴۲) ومن اوصٰی لاقاربه فالوصیة للاقرب فالاقرب من کل ذی

امرأة کانت اعظم برکة علی قومها منها اعتق فی سببها مائة اهل بیت من بنی المصطلق (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ، ص۱۹۲، نمبر۳۹۳۱) اس حدیث میں حضرت جوریہ کے تمام ذی رحم محرم کو اصہار یعنی سسرالی رشتہ قرار دیا گیا جو سو آدمی تھے۔ اس لئے ذی رحم محرم داخل ہوں گے۔

لغت اصھار : صھر کی جمع ہے اس کا معنی داماد یا بہنوئی ہے۔ لیکن آگے ختن کے مقابلے میں یہاں اس کا ترجمہ بیوی کے جو خاندان ہیں وہ مراد ہیں۔

[۳۱۷۸](۴۱) کسی نے وصیت کی دامادوں کے لئے تو ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ختن میں داخل ہے۔

تشریح ختن کا ترجمہ داماد ہے اس لئے تمام ذی رحم محرم عورت مثلا بیٹی کا شوہر، بہن کا شوہر، پھوپھی کا شوہر اور خالہ کا شوہر یہ سب ختن میں داخل ہوں گے۔ اور ہر ایک کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

وجہ کوفے کے محاورے میں ان تمام لوگوں کو ختن یعنی داماد کہتے ہیں (۲) اوپر حضرت جوریہؓ کی حدیث میں حضرت جویریہؓ کے تمام ذی رحم محرم شامل ہوئے۔ اسی پر قیاس کر کے ختن میں اپنی ذی رحم محرم کے تمام عورتوں کے شوہر داماد میں داخل ہوں گے۔

فائدہ لیکن صاحب ہدایہ کے شہر فرغانہ میں ختن صرف بیٹی کے شوہر کو کہتے ہیں اس لئے صرف بیٹیوں کے شوہروں کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

لغت اختان : ختن کی جمع ہے عورت کی طرف سے رشتے جیسے سسر، سالہ، داماد، یہاں بیٹی کا شوہر مراد ہے۔

[۳۱۷۹](۴۲) جس نے وصیت کی قربت داروں کے لئے تو وصیت اقرب فالاقرب کے لئے ہوگی ذی رحم محرم میں سے۔ اور ان میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔ اور دو یا اس سے زیادہ کے لئے ہوگی۔

تشریح اس مسئلے میں اقارب کا مفہوم متعین کیا ہے۔ اور تین باتیں کہی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اقارب کے لئے وصیت کی تو ذی رحم محرم رشتہ دار کے لئے وصیت ہوگی۔ دامادگی کے رشتے والے داخل نہیں ہوں گے۔ اور اس میں بھی جو قریب کے رشتہ دار ہوں گے ان کو ملے گا۔ وہ نہ ہوں تو ان کے بعد کے رشتہ داروں کو وصیت ملے گی۔ دوسری بات یہ کہی کہ اقارب میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہیں۔

وجہ کیونکہ محاورے میں اقارب اس کو کہتے ہین جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں۔ اور والدین اور بچے بالواسطہ رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ براہ راست رشتہ دار ہیں۔ اس لئے وہ اقارب کی وصیت میں داخل نہیں ہوں گے (۲) آیت میں بھی والدین کو الگ بیان کیا ہے اور اقربہ کو اس پر عطف کر کے الگ بیان کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربہ میں داخل نہیں۔ اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور اسی پر اولاد کو قیاس کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جوریہ بنت حارث ثابت بن قیس کے حصے میں گئی... حضورؐ نے جویریہ سے شادی کی تو لوگوں نے اپنی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ان کو آزاد کر دیا۔ صحابہ کہنے لگے حضورؐ کے سسرال کے لوگ ہیں۔ کسی عورت کو اپنی قوم کے لئے اتنی برکت والی نہیں دیکھی۔ اس کے سبب سے بنی مصطلق کے سو گھر والے آزاد ہوئے۔

رحم محرم منه ولا یدخل فیهم والوالدان والولد وتکون للاثنین فصاعدا[۳۱۸۰](۴۳) و اذا اوصٰی بذلک وله عمّان وخالان فالوصیة لعمّیه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ.

آیت یہ ہے۔ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (الف)** (آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ **یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی (ب)** (آیت ۲۱۵، سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں والدین کو خرچ کرنے کے لئے الگ ذکر کیا اور اقربین کو الگ ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربین میں داخل نہیں ہیں۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ اقارب جمع ہے اقرب کی اس لئے میراث کے قاعدے سے کم سے کم دو دو کے لئے وصیت ہوگی ایک کے لئے نہیں۔

وجہ قاعدہ تو یہی ہے کہ جمع کا صیغہ تین کے لئے آتا ہے لیکن میراث میں جمع کا صیغہ دو کے لئے آتا ہے۔ اور وصیت میراث کی بہن ہے۔ اس لئے کم از کم دو کو شامل ہوگی۔ اور جس طرح میراث میں اقرب کو دیا جاتا ہے وہ نہ ہو تب اس کے بعد والوں کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وصیت میں اقرب کو دی جائے گی۔ وہ نہ ہوں تب اس کے بعد والوں کو دی جائے گی۔ **عن ابن طاؤس عن ابیه قال کان لایری الوصیة الا لذوی الارحام اهل الفقر، فان اوصی بها لغیرهم نزعت منهم فردت الیهم (ج)** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۶ من قال یرد علی ذی القرابۃ، ج سادس، ص ۲۱۵، نمبر ۳۰۷۷۴) اس اثر میں ہے کہ دور والوں کے لئے وصیت کی ہو تب بھی اس کو ساقط کر کے قریب والوں کو دی جائے گی۔ اسی طرح قریب کے ہوتے ہوئے دور والوں کو نہیں دی جائے گی۔ اشارہ اس آیت میں بھی ہے۔ **یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی** (آیت ۲۱۵، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں والاقربین اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ زیادہ قریب والوں کو پہلے وصیت کا مال دے۔

لغت صاعد : اس کا لفظی ترجمہ ہے چڑھتے ہوئے، یہاں مراد ہے اس سے زیادہ، یعنی دو یا اس سے زیادہ تین، چار۔

[۳۱۸۰] (۴۳) اگر وصیت کی یہی اور اس کے لئے دو چچے اور دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے دو چچاؤں کے لئے ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح اوپر قاعدہ گزرا کہ وصیت پہلے اقرب کو دی جائے گی وہ نہ ہو تب اس کے بعد والے کو دی جائے گی۔ اب کسی نے اقارب کے لئے وصیت کی اور اس کے لئے دو چچے ہیں اور دو ماموں ہیں۔ تو وصیت چچاؤں کے لئے ہوگی۔

وجہ اقرب کے قاعدے کے اعتبار سے چچا اقرب ہیں اور عصبہ بھی ہیں۔ اور ماموں کا درجہ بعد کا ہے۔ اس لئے چچاؤں کو وصیت ملے گی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فلا ولی رجل ذکر**

حاشیہ : (الف) تم میں سے کسی کو موت آئے تو تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر مال چھوڑا ہو معروف کے ساتھ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنی ہے۔ متقین پر یہ حق ہے (ب) آپؐ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال خرچ کرو وہ والدین، رشتہ دار اور یتیموں کے لئے ہو (ج) حضرت طاؤسؒ وصیت مناسب نہیں سمجھتے ہیں مگر فقیر ذی رحم محرم کے لئے۔ پس اگر اس کے علاوہ کے لئے وصیت کی تو اس سے نکال کر ذی رحم محرم کی طرف واپس کر دی جائے۔

[۳۱۸۱](۴۴) وان کان له عمّ وخالان فللعمّ النصف وللخالین النصف [۳۱۸۲](۴۵) وقالا رحمهما الله تعالی الوصیة لکل من یُنسب الی اقصٰی اب له فی الاسلام [۳۱۸۳] (۴۶) ومن اوصٰی لرجل بثلث دراهمه او بثلث غنمه فھلک ثلثا ذلک وبقی ثلثه وھو

(الف)(بخاری شریف، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۵) اس حدیث میں ہے اہل حصہ کو میراث تقسیم کرنے کے بعد مذکر عصبہ کو دو۔ اور ماموں کے درمیان واسطہ ماں کا ہے۔ کیونکہ وہ ماں کا بھائی ہے اس لئے مؤنث کا واسطہ ہو گیا۔ اس لئے ان کا درجہ چچا کے بعد ہو گیا۔ اس لئے چچا کو پہلے ملے گا (۳) ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال الخال وارث من لا وارث له (ب) (دار قطنی، کتاب الفرائض والسیر، ج رابع ص ۴۹، نمبر ۴۰۷۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰ رجل مات ولم یترک الا خالا، ج سادس، ص ۲۵۱، نمبر ۳۱۱۱۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تب ماموں وارث بنیں گے۔ اور چچا عصبہ کے اعتبار سے وارث ہیں اس لئے ماموں کو وصیت نہیں ملے گی۔

[۳۱۸۱](۴۴) اور اگر اس کے لئے ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے آدھا اور دونوں ماموں کے لئے آدھا ہوگا۔

تشریح وصیت میں اقارب جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق میراث اور وصیت میں کم سے کم دو پر ہے۔ اور یہاں ایک ہی چچا موجود ہے اس لئے ایک چچا کو وصیت کا آدھا ملے گا باقی آدھا اس کے بعد والے کو ملے گا۔ اور بعد والے میں دو ماموں ہیں تو دو ماموں کو آدھا ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اسی اصول پر متفرع ہے کہ پہلے قریب والے کو اس کے بعد جو قریب ہو اس کو ملے گا۔

[۳۱۸۲](۴۵) صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وصیت ہر اس آدمی کے لئے ہوگی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف۔

تشریح صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے باپ، دادا، پردادا جب سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے جتنے قریبی رشتہ دار بنتے ہیں چاہے وہ ذی رحم محرم ہوں یا غیر ذی رحم محرم ہوں وہ سب اقارب میں شامل ہیں۔ اور وصیت میں سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملے گا۔

وجہ وہ اقارب جمع کے صیغے کا لفظی معنی لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقارب جمع کا صیغہ ہے اور قریب اور بعید کی قید سے خالی ہے۔ اس لئے مسلمان ہونے تک تمام رشتہ دار شامل ہوں گے۔ وہ اقارب کے مفہوم عام کا اعتبار کرتے ہیں۔ کیونکہ موصی نے قریب بعید کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ لفظ عام ہو تو مفہوم بھی عام رہنا چاہئے۔ اس کے اطلاق میں کوئی قید نہ ہو۔

لغت ینسب الی اقصی اب له فی الاسلام : باپ دادا میں سے جو پہلا مسلمان ہو وہاں تک کی رشتہ داری کا اعتبار ہوگا۔

[۳۱۸۳](۴۶) جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے درہم کے تہائی کی یا اپنی بکریوں کی تہائی کی پھر ان کی دو تہائی ہلاک ہو گئی اور ایک تہائی باقی رہی جو اس کے باقی مال کی تہائی سے نکل سکتی تھی تو موصی له کے لئے تمام ما بقی ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا فرائض کو اس کے اہل کو دو، جو باقی رہ گیا وہ مرد کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا ماموں وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے۔

یخرج من ثلث ما بقی من ماله فله جمیع مابقی[۳۱۸۴](۴۷) ومن اوصٰی بثلث ثیابه فهلک ثلثاما بقی ثلثها وهو یخرج من ثلث با بقی من ماله لم یستحق الا ثلث مابقی من

تشریح مثلاً کسی کے پاس نو ہزار درہم تھے یا نوے بکریاں تھیں۔اس نے کسی کے لئے اس کی تہائی کی وصیت کی۔وصیت کے بعد اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی مثلاً چھ ہزار درہم یا ساٹھ بکریاں ہلاک ہوگئیں۔اور تین ہزار یا تیس بکریاں باقی رہیں۔یہ مال پورے مال کی تہائی ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ باقی ماندہ مال جو پورے مال کی تہائی ہے موصی لہ کے لئے ہوگا۔اور ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ یہ مسئلہ تین اصولوں پر ہے۔پہلا اصول یہ ہے کہ وصیت نافذ کرنے کا درجہ ورثہ کے حق سے پہلے ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین (الف)(آیت ۱۲،سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کے بعد ورثہ کا حق ہے۔دوسرا اصول یہ ہے کہ جب وصیت کی تو موصی لہ کا حق ثابت ہوگیا۔اس کے بعد دو ثلث ہلاک ہوا ہے۔اور تیسرا اصول یہ ہے کہ تمام درہم یا تمام بکریاں ایک ہی جنس ہیں۔دو جنس نہیں ہیں۔چونکہ ایک ہی جنس ہے اس لئے تقسیم ہونے سے پہلے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ ایک تہائی تھا۔اور اس کی ادائیگی چونکہ پہلے سے ہے اس لئے اس میں سے ہلاک نہیں ہوا۔کیونکہ اس کو بہر حال ادا کرنا ہے۔اس لئے اس کے بعد جو ورثہ کا حق ہے اس میں سے دو تہائی ہلاک ہوئی۔اور چونکہ جنس ایک ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ تقسیم سے پہلے بھی ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ الگ ہوگیا۔اس لئے وہ ہلاک نہیں ہوا۔اس لئے موصی لہ کو باقی ماندہ ایک تہائی دے دی جائے گی۔

فائدہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا اس لئے جب ہلاک ہوا تو ورثہ اور موصی لہ دونوں کا حصہ ہلاک ہوا۔اور جو باقی رہا اس میں سے اپنے اپنے حصے کے اعتبار سے دونوں کا مال باقی رہا۔اب مثال مذکور میں تین ہزار درہم یا تیس بکریاں باقی ہیں،اور ورثہ کا حق دوگنا ہے یعنی دو تہائی اور موصی لہ کا حق ایک گنا ہے یعنی ایک تہائی اس اعتبار سے موصی لہ کو ایک ہزار درہم یا دس بکریاں ملیں گی۔اور ورثہ کو دو ہزار درہم اور بیس بکریاں ملیں گی۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ شرکت میں ہلاک ہوا تو سب کے حصے ہلاک ہونگے۔جیسے شرکت کے مال میں سب کا ہلاک ہوتا ہے۔

[۳۱۸۴](۴۷) کسی نے اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی،پس اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی اور ایک تہائی باقی رہی۔اور وہ اس کے مابقی مال کی تہائی سے نکل سکتی ہے پھر بھی موصی لہ مستحق نہیں ہوگا مگر ما بقی کپڑوں کی تہائی کا۔

تشریح مثلاً مختلف قسم کے نو گٹھر کپڑے تھے۔ان میں سے ایک تہائی کی وصیت کی۔بعد میں دو تہائی یعنی چھ گٹھر ہلاک ہوگئے اور تین گٹھر باقی رہے۔اس صورت میں موصی لہ باقی ماندہ تین گٹھر کی تہائی یعنی ایک گٹھر کا مستحق ہوگا۔اور دو گٹھر ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ اس مسئلے میں کپڑے مختلف قسم کے ہیں۔اس لئے ذہنی طور پر بھی تقسیم نہیں ہوسکتی بلکہ ہر اعتبار سے مشترک ہی رہیں گے۔اس لئے جب کپڑے مشترک رہے تو ہلاک دونوں کے ہوئے ورثہ کے بھی اور موصی لہ کے بھی۔اس لئے اب موصی لہ کو باقی ماندہ کپڑوں کی تہائی یعنی ایک

حاشیہ : (الف) پس اگر دو سے زیادہ ہوں تو وہ وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد تہائی میں شریک ہوں گے۔

الشیاب [۳۱۸۵](۴۸) ومن اوصٰی لرجل بالف درهم وله مال عین ودین فان خرج الالف من ثلث العین دُفعت الی الموصٰی له وان لم یخرج دُفع الیه ثلث العین وکل ما خرج

گھر ملے گا(۲) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن عطاء فی رجل اوصی بثلث ماله واشیاء سوی ذلک وترک دارا یکون ثلثها ایعطاها الموصی له بالثلث؟ قال لا! ولکن یعطی بالحصة من المال والدار (الف)(مصنف ابن ابی شیبة، ۹ فی رجل له دور فاوصی بثلثها اتجمع له فی موضع ام لا، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۴۷) اس اثر میں متروکہ شیء مال بھی ہے اور گھر بھی۔لیکن موصی لہ کو تہائی حصے میں صرف گھر نہیں دے دیا بلکہ مال میں سے بھی تہائی دی اور گھر میں سے بھی تہائی دی۔جس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو ہر ایک میں تہائی تہائی حصہ ہوگا۔اور ہر ایک کا دو تہائی حصہ ہوگا۔اور ہر ایک کا دو تہائی حصہ ورثہ کا ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ باضابطہ تقسیم سے پہلے جو جو چیز ہلاک ہوئی ہے اس میں ورثہ کا حصہ بھی تھا اور موصی لہ کا حصہ بھی تھا۔اور جو باقی رہا اس میں ورثہ کا بھی حصہ ہے اور موصی لہ کا بھی حصہ ہے۔اس اعتبار سے جو کچھ بچ گیا اس میں موصی لہ کو تہائی ملے گی۔اور باقی دو تہائی ورثہ کے ہونگی۔

اصول مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو باضابطہ تقسیم سے پہلے وہ مشترک ہی رہتی ہیں۔اس لئے ہلاک ہوں گی تو سب کی ہوں گی۔

[۳۱۸۵](۴۸) جس نے وصیت کی ایک آدمی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے۔پس اگر ایک ہزار نقد کی تہائی نکل جائے تو موصی لہ کو دے دیا جائے گا۔اور اگر نہیں نکلے تو نقد کی تہائی دے دی جائے گی۔اور جو کچھ وصول ہوتا رہے قرض سے لیگا اس کی تہائی یہاں تک کہ ہزار پورے کرے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک دوست کے لئے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس آدمی کے مال میں کچھ نقد مال اور کچھ رقم ہے۔اور رقم لوگوں پر قرض ہے۔پس اگر نقد مال مثلا تین ہزار موجود ہے تو اس کی تہائی ایک ہزار وصیت والے کو دے گا۔اور اگر تین ہزار نقد نہیں ہے بلکہ دو ہزار نقد ہے اور باقی قرض ہے تو دو ہزار کی تہائی یعنی 666.66 چھ سو چھیاسٹھ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ابھی وصول کرے گا اور باقی قرض وصول ہوتا جائے گا تو اس میں تہائی لیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا پورا ایک ہزار مکمل ہو جائے۔

وجہ مال میں قرض ہے اور نقد ہے۔تو گویا کہ مختلف جنس کے مال ہیں۔اس لئے ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ الگ نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ دونوں مال ورثہ اور موصی لہ کے درمیان مکمل طور پر مشترک رہیں گے۔اس لئے جتنا نقد ہے اس میں سے تہائی موصی لہ کو دی جائے گی۔اور جتنا قرض ہے اس کو وصول کرتے جائیں اور اس میں تہائی لیکر اپنا ہزار پورا کریں (۲) نقد کی ایک بڑی اہمیت ہے۔اگر یہ صرف موصی لہ کو دے دیا جائے تو ورثہ کو نقصان ہوگا۔اس لئے اس میں سے تہائی ہی موصی لہ کو دیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر متفرع ہے کہ مال دو جنس کے ہوں تو موصی لہ اور ورثہ نقد اور قرض دونوں میں شریک رہیں گے۔

لغت عین : نقد، دین : قرض، یستوفی : وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا کسی آدمی نے تہائی مال کی وصیت کی اور کچھ مال اس کے علاوہ ہے اور گھر چھوڑا جس کی تہائی ہو سکتی ہے۔کیا موصی لہ کو گھر کی تہائی دیدے؟ تو عطاء نے فرمایا نہیں، بلکہ مال اور گھر ہر ایک کی تہائی تہائی دے۔

١
شیء من الدین اُخذ ثلثه حتی یستوفی الالف[۳۱۸۶](۴۹) وتجوز الوصیة للحمل وبالحمل اذا وُضع لاقل من ستة اشهر من یوم الوصیة[۳۱۸۷](۵۰) واذا اوصٰی لرجل

[۳۱۸۶](۴۹) جائز ہے وصیت حمل کے لئے اور حمل کی جبکہ وضع حمل ہوا ہو وصیت کے دن سے چھ مہینے سے کم میں۔

تشریح حمل کے لئے وصیت کرنے کی شکل یہ ہے کہ مثلا زید عمر کے اس بیٹے کے لئے وصیت کرتا ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے تو وصیت جائز ہے۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو۔تا کہ یقین ہو جائے کہ وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا۔اور جس کے لئے وصیت کی تھی وہ ماں کے پیٹ میں موجود تھا۔

وجہ اگر وصیت کرنے کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو یقین نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں موجود ہے۔کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ وصیت جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ بچہ پیدا ہو تو اس کی ملکیت میں مال ہوتا کہ زندگی گزارنے میں آسانی ہو۔اس نظریہ کے تحت یہ صادر فرمایا کہ پیٹ میں وجود ہو چکا ہو۔اور کسی رشتہ دار کا انتقال ہو تو اس بچے کو میراث بھی ملے گی اور کوئی وصیت کرے تو وصیت بھی ملے گی (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد کے بارے میں تم کو اللہ وصیت کرتا ہے اور پیٹ میں حمل ٹھہر گیا تو اولاد کا وجود شروع ہو گیا اس کو بھی میراث ملے گی اور وصیت بھی ملے گی (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا استھل المولود ورث** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المولود یستھل ثم یموت، ص ۴۹، نمبر ۲۹۲۰ /ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل ،ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہو جس کی ایک علامت یہ ہے کہ روئے تو اس کو وراثت ملے گی۔اس پر قیاس کر کے بچے کا وجود ماں کے پیٹ میں ہو چکا ہو تو اس کو بھی وراثت ملے گی۔اور وصیت کا مال بھی ملے گا۔

اور حمل کو دوسرے کے لئے وصیت کرے اس کی شکل یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں اپنی باندی کے حمل کو فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔تو جب یہ حمل پیدا ہوگا اس وقت موصی لہ کو یہ بچہ مل جائے گا اور اس کی وصیت کرنا صحیح ہوگا۔

وجہ میراث اور وصیت میں حمل ماں سے الگ شمار کیا جاتا ہے۔جب وہ ماں سے الگ ہو گیا تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہوگا۔اور اس کو کسی اور کے لئے وصیت کی تو وہ بھی جائز ہے۔

لغت الوصیۃ للحمل : حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے، الوصیۃ بالحمل : حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

[۳۱۸۷](۵۰) اگر وصیت کی ایک آدمی کے لئے باندی کی مگر اس کے حمل کی تو وصیت صحیح ہے اور استثناء صحیح ہے۔

تشریح یوں کہا کہ اس باندی کو زید کے لئے وصیت کرتا ہوں مگر اس کا حمل زید کے لئے وصیت نہیں کرتا بلکہ وہ میرے لئے ہے۔تو یہ وصیت صحیح ہے۔جس کی وجہ سے باندی زید کو مل جائے گی اور حمل جب پیدا ہوگا وہ بچہ آقا کا ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اوپر کے اصول پر متفرع ہے یعنی میراث اور وصیت میں حمل باندی سے الگ شیء ہے۔اس لئے باندی کسی اور کے لئے ہوگی اور

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہے (ب) آپ نے فرمایا بچہ روئے تو وارث ہوگا۔

بجارية الا حملها صحت الوصية والاستثناء[۳۱۸۸](۵۱) ومن اوصٰی لرجل بجارية فولدت بعد موت الموصی قبل ان يقبل الموصٰی له ولدا ثم قبل الموصٰی له وهما يخرجان من الثلث فهما للموصٰی له وان لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث.

حمل کا استثناء کر کے آقا کے لئے ہوگا۔

نوٹ بیع اور ہبہ میں حمل باندی کا جز شمار کیا ہے اس لئے باندی بیچے یا ہبہ کرے اور حمل نہ بیچے یا ہبہ نہ کرے تو صحیح نہیں ہے۔ بلکہ باندی کے ساتھ حمل کی بھی بیع ہوگی یا باندی کے ساتھ حمل کا بھی ہبہ ہوگا۔

[۳۱۸۸](۵۱) جس نے وصیت کی کسی آدمی کے لئے باندی کی۔ پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے، پھر موصی لہ نے قبول کیا۔ اور وہ دونوں نکلتے ہوں تہائی سے تو دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے۔ اور اگر نہ نکلتے ہوں تہائی سے تو شامل کر لئے جائیں گے ثلث میں۔

تشریح مثلا زید نے اپنی باندی کی وصیت کی عمر کے لئے۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا۔ اس کے انتقال کے بعد باندی نے بچہ دیا۔ بچہ دینے کے بعد عمر نے وصیت قبول کی۔ اور دونوں کی قیمت زید کی پوری ملکیت کی تہائی تھی۔ مثلا زید کی پوری ملکیت نو ہزار درہم تھی اور باندی اور بچے کی قیمت تین ہزار تھی تو موصی لہ عمر کو باندی اور بچے دونوں مل جائیں گے۔

وجہ موصی زید نے باندی کی وصیت کر دی اور بچہ باندی کا جز ہے اور اس کا استثناء نہیں کیا تو گویا کہ باندی کو اس کے بچے کے ساتھ وصیت کی۔ اس لئے موصی لہ کے قبول کے بعد باندی اور بچہ موصی لہ کے لئے ہو جائیں گے۔ کیونکہ دونوں کی مجموعی قیمت موصی کی پوری ملکیت کی تہائی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باندی کے ساتھ اس کا جز اور اس کی بڑھوتری کی بھی وصیت شمار کی جائے گی۔

اور اگر دونوں کی قیمت تہائی سے زیادہ ہو جائے مثلا زید کی کل ملکیت نو ہزار تھی۔ اور باندی کی قیمت دو ہزار اور بچے کی قیمت دو ہزار مجموعہ چار ہزار ہوگئے۔ جو تہائی سے ایک ہزار زیادہ ہے تو موصی لہ کو پوری باندی یا پورا بچہ نہیں ملے گا بلکہ ان میں سے ایک ہزار کے مطابق ورثہ کو دیا جائے گا۔ اور باقی تین ہزار کے مطابق موصی لہ کو دیا جائے گا۔ وان لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث کا یہی مطلب ہے کہ ماں اور بچے کی قیمت تہائی سے نہ نکلتی ہو بلکہ ان دونوں کی مجموعی قیمت کل مالیت کی تہائی سے زیادہ ہو جاتی ہو تو ثلث میں حصص لگایا جائے گا۔ اور اس میں سے جتنا حصہ ورثہ کا ہوگا اتنا ورثہ کو دلوایا جائے گا۔ اور جتنا موصی لہ کا نکلتا ہے اتنا موصی لہ کو دلوایا جائے گا۔

نوٹ موصی نے وصیت کر دی ہے اس لئے موصی لہ کو قبول کرنے کا حق ہے۔ اور قبول کے وقت باندی اور اس کی نماء یعنی بچہ دونوں موجود ہیں اس لئے دونوں کو قبول کرنے کا حق ہے۔

[٣١٨٩](٥٢) واخذ ما يخصه منهما جميعا فى قول ابى يوسف و محمد وقال ابو حنيفة رحمه الله تعالى يأخذ ذلك من الام فان فضل شيء اخذه من الولد[٣١٩٠](٥٣) وتجوز الوصية بخدمة عبده وسكنى داره سنين معلومة وتجوز بذالك ابدا.

[٣١٨٩](٥٢)اور موصی لہ حصہ لے گا ان دونوں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول میں۔اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لے گا ماں سے ،پس اگر باقی بچ جائے تو لے گا بچے سے۔

تشریح صاحبینؒ فرماتے ہیں ماں اور بچہ دونوں کی مجموعی قیمت تہائی سے زیادہ ہو جائے تو موصی لہ کو دونوں سے تہائی سے نکال کر دیا جائیگا۔اور وارثین کا جو حصہ نکلے گا وہ بھی ماں اور بچہ دونوں سے لیں گے،صرف ایک سے نہیں لیں گے۔مثلا مثال مذکور میں موصی کی پوری ملکیت نو ہزار درہم تھی،جن میں سے دو ہزار ماں کی قیمت اور دو ہزار بچے کی قیمت ہے۔مجموعہ چار ہزار ہوئے اور نو ہزار کی تہائی تین ہزار بنتے ہے۔اس لئے اس میں سے ایک ہزار ورثہ کا ہوگا۔اب صاحبین کے قاعدے کے مطابق پانچ سو ماں کی قیمت سے اور پانچ سو بچے کی قیمت سے ورثہ کو دلوائی جائے گی۔اور باقی ڈیڑھ ہزار ماں کی قیمت سے اور ڈیڑھ ہزار بچے کی قیمت سے موصی لہ کو دلوایا جائے گا۔تا کہ دونوں کی قیمت سے ورثہ اور موصی لہ کو ملے۔ایسا نہیں ہوگا کہ صرف بچے کی قیمت سے ورثہ کو دلوائی جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وصیت میں ماں اور بچہ دونوں داخل ہیں اس لئے دونوں کی قیمت سے ورثہ اور موصی لہ کو دلوائی جائے۔

فائدہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی میں سے پہلے باندی موصی لہ کو دی جائے گی۔اگر اس سے پوری ہوگئی تو ٹھیک ہے۔اور اگر اس سے تہائی پوری نہیں ہوئی تو بچے کی قیمت سے پوری کی جائے گی۔اور بچے کی قیمت سے جو باقی بچی وہ ورثہ کو دی جائے گی۔مثلا ل مذکور میں دو ہزار کی باندی موصی لہ کو دی جائے گی اور تہائی پوری کرنے کے لئے بچے کی قیمت سے بھی ایک ہزار موصی لہ کو دیا جائے گا۔اور باقی ایک ہزار ورثہ کو دیا جائے گا۔ایسا نہیں کیا جائے گا کہ ماں اور بچے دونوں میں سے تھوڑا ورثہ کو اور تھوڑا موصی لہ کو دیا جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اصل وصیت باندی کی ہے بچہ تو تابع ہے اور بعد میں پیدا ہوا ہے۔اس لئے پہلے وصیت ماں سے پوری کی جائے گی۔ بعد میں بچے کو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کو وصیت میں دی ہے وہ اصل ہے۔پہلے وصیت اسی پر نافذ کی جائے گی بعد میں فرع پر۔

لغت یأ خذ ذلک من الام : موصی لہ پہلے ماں سے اپنی تہائی نکالے گا۔اگر اور کچھ لینے کا باقی رہا تو بچے کی قیمت سے وصول کرے گا۔

[٣١٩٠](٥٣)وصیت جائز ہے اپنے غلام کی خدمت کی اور مکان کی رہائش کی معین سالوں تک اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے۔

تشریح اوپر کے مسئلوں میں تھا کہ عین چیز کو ہبہ کرے یہاں یہ ہے کہ عین چیز کی وصیت نہ کرے بلکہ اس کے نفع کی وصیت کرے۔مثلا یوں وصیت کرے کہ میرے غلام کی خدمت فلاں کو تین سالوں کے لئے وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں۔یا میرے گھر میں جو رہائش ہے وہ فلاں کے لئے تین سالوں تک کی وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

[۳۱۹۱](۵۴) فان خرجت رقبة العبد من الثلث سُلِّمَ اليه للخدمة وان كان لا مال له غيره خَدَمَ الورثة يومين والموصٰى له يوما.

وجہ جس طرح عین شیء کی قیمت ہوتی ہے اسی طرح نفع کی بھی قیمت ہوتی ہے۔اس لئے اس کی بھی وصیت کر سکتا ہے(۲) وقف میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابن عمرؓ قال اصاب عمر بخيبر ارضا فاتی النبی ﷺ فقال اصبت ارضا لم اصب مالا قط انفس منه فكيف تامرنی به؟ قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها،فتصدق عمر انه لا يباع اصلها ولا يوهب ولا يورث فی الفقراء والقربى والرقاب وفی سبيل الله (الف) (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب، ص ۳۸۸، نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں اصل زمین وقف نہیں کی بلکہ اس کا نفع وقف کیا جس سے معلوم ہوا کہ نفع کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے(۲) اثر میں ہے۔وقال الزهری فيمن جعل الف دينار فی سبيل الله ودفعها الی غلام له تاجر يتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساكين والاقربين،هل للرجل ان ياكل من ربح تلك الالف شيئا؟وان لم يكن جعل ربحها صدقة فی المساكين،قال ليس له ان ياكل منها (الف) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والكراع والعروض والصامت، ص ۳۸۹، نمبر ۲۷۷۵) اس اثر میں بھی اصل دینار وقف نہیں کیا بلکہ اس کا نفع وقف کیا۔اسی پر قیاس کر کے نفع یعنی غلام کی خدمت یا مکان کی رہائش کی وصیت کچھ سالوں کے لئے بھی کر سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی کر سکتا ہے۔

اصول کسی چیز کا نفع وصیت میں اصل کی طرح ہے۔

لغت سکنی : رہائش، سنین : سنۃ کی جمع ہے سال۔

[۳۱۹۱] (۵۴) پس اگر غلام نکل سکے تہائی مال سے تو موصی لہ کے حوالہ کر دیا جائے گا خدمت کے لئے۔اور اگر اس کے علاوہ مال نہ ہو تو ورثہ کی خدمت کرے گا دو دن اور موصی لہ کی ایک دن۔

تشریح مثلا غلام کی قیمت تین ہزار ہے اور چھ ہزار مالیت ہے، کل ملا کر نو ہزار ہے۔اس صورت میں غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصٰی لہ کے لئے ہوگی۔اور پورا غلام وصیت کی مدت تک کے لئے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے گا تا کہ اس کی خدمت کرے۔

وجہ غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ کو خیبر میں زمین ملی تو حضورؐ کے پاس آئے اور کہا، مجھ کو اتنی اچھی زمین ملی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔آپؐ بتائے اس کو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اس کے نفع کو صدقہ کر لو۔پس حضرت عمرؓ نے صدقہ کیا اس طرح کہ اس کی اصل نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس کا کوئی وارث ہو۔فقراء، رشتہ دار، غلام اور اللہ کے راستے میں (ب) حضرت زہریؒ نے فرمایا کوئی آدمی سو دینار اللہ کے راستہ میں صدقہ کرے اور تاجر غلام کو دیدے تا کہ وہ اس سے تجارت کرے اور اس کا نفع مسکین اور رشتہ داروں کے لئے صدقہ کر دے، کیا اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ اس ہزار کے نفع سے کھائے؟ اور نہ کھائے تو اس کا نفع مساکین میں صدقہ کر دے؟ فرمایا اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے کھائے۔

[۳۱۹۲](۵۵) فان مات الموصیٰ له عاد الی الورثة[۳۱۹۳](۵۶) وان مات الموصیٰ له فی حیوة الموصی بطلت الوصیة [۳۱۹۴](۵۷)واذا اوصیٰ لولد فلان فالوصیة بینهم

اور اگر صرف یہی غلام موصی کی ملکیت ہے تب تو غلام کی دوتہائی خدمت ورثہ کے لئے ہے اور ایک تہائی خدمت موصی لہ کے لئے ہے۔اس لئے دو دن ورثہ کی خدمت کرے گا اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا۔

[۳۱۹۲] (۵۵) پس اگر موصی لہ مر گیا تو غلام لوٹ آئے گا ورثہ کی طرف۔

تشریح مثلا تین سال کی خدمت کے لئے وصیت کی تھی اور موصی لہ دو سال میں انتقال کر گیا تو غلام وصیت کرنے والے کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

وجہ (۱) موصی لہ کی خدمت کے لئے وصیت کی تھی اور وہی نہیں رہا تو کس کی خدمت کرے گا؟ اس لئے غلام موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا (۲) عین غلام کی وصیت نہیں ہے بلکہ اس کی خدمت کی وصیت ہے۔اور موصی لہ کے وارث خدمت لیں گے تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کی خدمت کی وراثت ہوئی۔پس جب غلام کی وراثت نہیں ہو سکتی ہے تو اس کی خدمت کی وراثت کیسے ہوگی؟ اس لئے غلام وصیت کرنے والے کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ عین کی وراثت نہیں تو اس کے نفع کی بھی وراثت نہیں ہوگی۔

[۳۱۹۳] (۵۶) اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی میں مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر ا ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ وصیت قبول کرے گا تب وصیت صحیح ہوگی۔یہاں وصیت کرنے والے سے پہلے ہی موصی لہ مر گیا تو وصیت قبول کون کرے گا؟ اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی (۲) جس کے لئے وصیت کی تھی وہی نہیں رہا تو وصیت کس کے لئے ہوگی؟ (۳) حدیث گزر چکی ہے۔ع... **الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ حین قدم المدینة سأل عن البراء بن معرور فقالوا توفی واوصی بثلثه لک قال قدرددت ثلثه علی ولده** (الف) (سنن للبیہقی، باب الوصیۃ للرجل وقبولہ وردہ، ج سادس، ص ۴۵۲، نمبر ۱۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔اور یہاں قبول کرنے والا ہی پہلے مر گیا تو کون قبول کرے گا۔اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

[۳۱۹۴] (۵۷) اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان مذکر اور مؤنث برابر ہوں گے۔

تشریح وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو اولاد میں مذکر بھی ہوتی ہے اور مؤنث بھی۔اس لئے دونوں کو برابر وصیت کا مال ملے گا۔

وجہ اولاد ہونے میں دونوں کے درجے برابر ہیں (۲) اثر میں ہے۔**عن الحسن فی الرجل یقول لبنی فلان کذا و کذا قال ھو لغنیھم وفقیرھم وذکرھم وانثاھم** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸ فی رجل قال لبنی فلان یعطی الاغنیاء، ج سادس، ص ۲۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ جب مدینہ آئے تو براء بن معرور کے بارے میں پوچھا۔تو لوگوں نے کہا اس کا انتقال ہو چکا ہے اور اس نے تہائی مال کا آپؐ کے لئے وصیت کی ہے۔آپؐ نے فرمایا اس کا تہائی مال اس کی اولاد پر واپس کرتا ہوں (ب) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کسی نے کہا فلاں کی اولاد کے لئے اتنا اتنا (باقی اگلے صفحہ پر)

للذکر والانثی سواء[٣١٩٥](٥٨) ومن اوصٰی لورثة فلان فالوصیة بینهم للذکر مثل حظ الاُنثیین[٣١٩٦](٥٩) ومن اوصٰی لزید وعمرو بثلث ماله فاذا عمرو میّتٌ فالثلث کله لزید.

٣٠٧٤٥) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مذکر ومؤنث دونوں کو برابر ملے گا۔

[٣١٩٥](٥٨) اگر وصیت کی فلاں کے ورثہ کے لے تو وصیت ان کے درمیان مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگی۔

تشریح اس میں اولاد کا لفظ نہیں بولا بلکہ ورثہ کا لفظ بولا ہے۔اور وراثت للذکر مثل حظ الانثیین ہے۔یعنی عورت کو ایک گنا اور مرد کو دو گنا، اس لئے اس وصیت کا مال مرد کو دو گنا ملے گا۔اور عورت کو اس کا آدھا یعنی ایک گنا ملے گا۔

وجہ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن الحسن فی رجل اوصی لبنی عمه رجال ونساء قالوا للذکر مثل حظ الانثیٰ الا ان یکون قال للذکر مثل حظ الانثیین ،آیت ١١ ،سورۃ النساء ۴ (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ،٧ فی رجل اوصی لبنی عمه وھم رجال ونساء، ج سادس،ص ٢١٢، نمبر ٣٠٧٤٣) اس اثر میں ہے کہ اگر للذکر مثل حظ الانثیین بولا ہو تو مذکر کے لئے مؤنث کا دو گنا ملے گا۔اور یہاں ورثہ کا لفظ بولا ہے اس لئے ورثہ کا قاعدہ جاری ہوگا۔اور ورثہ میں مرد کو عورت کا دو گنا ملتا ہے۔اس لئے یہاں بھی مرد کو عورت کا دو گنا دیا جائیگا۔

[٣١٩٦](٥٩) کسی نے وصیت کی زید اور عمر کے لئے تہائی مال کا۔اور عمر اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

تشریح مثلا خالد نے زید اور عمر دونوں کے لئے وصیت کی۔جس وقت وصیت کی تو خالد کو معلوم نہیں تھا کہ عمر مر چکا ہے۔لیکن حقیقت میں عمر مر چکا تھا تو یہ پوری تہائی زید کے لئے ہو جائے گی۔

وجہ موصی کی تمنا یہ ہے کہ یہ مال دونوں کو یا دونوں ہی میں سے ایک کی خدمت میں چلا جائے اس لئے زید کو پورا مال مل جائے گا (٢) وصیت کے بعد عمر تو قبول نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ مر چکا ہے اس لئے اس کے بدلے میں زید نے قبول کیا اس لئے وہ پوری تہائی کا مالک ہوگا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنے والے کو معلوم تھا کہ عمر مر چکا ہے پھر بھی زید اور عمر کو وصیت کی تب تو پوری تہائی زید کو ملے گی۔

وجہ کیونکہ موت کو جانتے ہوئے زید اور عمر کو وصیت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت مین صرف زید کے لئے وصیت کرنا ہے۔لیکن اگر عمر کی موت کا علم موصی کو نہیں تھا اور زید اور عمر دونوں کی لئے وصیت کی تو چونکہ دونوں کو دینا چاہتا ہے اس لئے زید کو تہائی کا آدھا ملے گا اور باقی آدھا موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) وصیت کرتا ہوں تو اس کے مالدار کے لئے اس کے فقیر کے لئے اس کے مذکر کے لئے اور اس کے مؤنث کے لئے ہوگی (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی اپنے چچا کی اولاد مذکر اور مؤنث کے لئے وصیت کی تو مذکر کے لئے مؤنث کے برابر ہوگا مگر یہ کہ جیسا آیت میں ہے یعنی مذکر کے لئے مؤنث کا دو گنا۔

[۳۱۹۷](۶۰) وان قال ثلث مالی بین زید وعمرو وزید میّتٌ کان لعمر ونصف الثلث[۳۱۹۸](۶۱) ومن اوصٰی بثلث ماله ولا مال له ثم اکتسب مالا استحق الموصٰی له ثلث مایملکه عند الموت.

[۳۱۹۷](۶۰) اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمر کے درمیان میں ہے اور زید مر چکا ہے تو عمر کے لئے تہائی کا آدھا ہوگا۔

وجہ لفظ 'بین' دلالت کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو۔ اس لئے زید مر گیا تو اس کا حصہ موصی کے ورثہ کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔ اور باقی یعنی تہائی کا آدھا عمر کو مل جائے گا۔

[۳۱۹۸](۶۱) کسی نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور اس کے پاس مال نہیں ہے۔ پھر کچھ مال کمایا تو موصی لہ اس کی تہائی کا مستحق ہوگا جو موصی مالک ہو موت کے وقت۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصیت کے وقت مال ہو یا نہ ہو، موت کے وقت کتنا مال ہے اس میں وصیت جاری ہوگی۔ اب صورت مسئلہ میں وصیت کے وقت مال نہیں ہے لیکن بعد میں مثلا تین ہزار درہم کمایا تو اس کی تہائی ایک ہزار موصی لہ کو ملے گی۔

وجہ وصیت موصی کے مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔ اس لئے موت کے وقت کتنا مال موجود ہے اس کی تہائی میں وصیت نافذ ہوگی (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بھا او دین (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ترکتم سے اشارہ ہے کہ موت کے وقت جو چھوڑے اس میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کتنا مال ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) بیویوں کے لئے آٹھواں ہے جو کچھ چھوڑا اس میں وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد۔
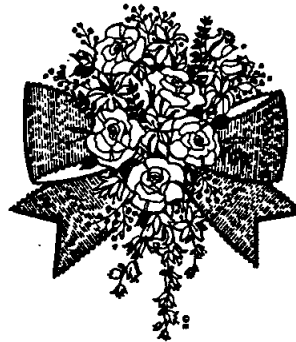
﴿کتاب الفرائض﴾

[۳۱۹۹](۱) المُجمع علی توریثهم من الذکور عشرة (۱) الابن و(۲) ابن الابن وان سفل و(۳) الاب و(۴) الجدابو الاب وان علا (۵) والاخ و(۶) ابن الاخ و(۷) العم و(۸) ابن العم

﴿کتاب الفرائض﴾

ضروری نوٹ فرائض فریضۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے متعین کرنا۔ چونکہ اس میں ورثہ کے حصے اللہ نے متعین فرمایا ہے اس لئے اس کو فرائض کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک وان کانت واحدة فلها النصف الخ (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت اور اس کے بعد کی آیت میں بہت سے وارثین کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ حصوں کی تفصیل کی لئے سورۃ النساء ۴ کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۶ ضرور ایک مرتبہ پڑھ لیں (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فانی مقبوض (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۱ ر ابن ماجہ شریف، باب الحث علی تعلیم الفرائض، ص ۳۹۱، نمبر ۲۷۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرائض سیکھے اور لوگوں کو سکھلائے تاکہ صحیح طور پر وراثت تقسیم کر سکے۔

نوٹ فرائض میں بعض بعض پر مقدم ہوں گے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله (ج) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں الاقرب فالاقرب کا اصول بیان کیا گیا ہے۔

[۳۱۹۹] (۱) مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس ہیں۔ (۱) بیٹا (۲) پوتا، اگر چہ نیچے کا ہو (۳) باپ (۴) دادا، یعنی باپ کا باپ اگر چہ اوپر تک ہو (۵) بھائی (۶) بھتیجا (۷) چچا (۸) چچازاد بھائی (۹) شوہر (۱۰) آزاد کرنے والا آقا۔

تشریح مردوں میں سے یہ دس قسم کے آدمی ہیں جو میت کے وارث ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لغت ابن الابن : بیٹے کا بیٹا، جس کو اردو میں پوتا کہتے ہیں، وان سفل : کا معنی یہ ہے کہ پوتا نہ ہو تو پر پوتا کو وراثت ملے گی۔ اور اگر پر پوتا نہ ہو تو سر پوتا کو وراثت ملے گی، الجد : عربی میں جد دادا کو بھی کہتے ہیں اور نانا کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے مصنفؒ نے ابوالاب کہہ کر بات صاف کی کہ یہاں دادا مراد ہے نانا مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ اس لئے اس کو وراثت نہیں ملتی۔ کوئی وارث نہ ہو تو اخیر میں نانا یا ماموں کو مال دے دیا جاتا ہے، مولی النعمة : مولی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مولی موالات، کوئی آدمی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو یا کسی کے ساتھ قسم کھا کر زندگی بھر ساتھ رہنے کا وعدہ کرے تو وہ مولی موالات کہلاتا ہے اس کو وراثت نہیں ملتے۔ ہاں کوئی وارث نہ ہو تو آخیر میں اس کو مال دے دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا وہ آقا ہے جس نے غلام کو آزاد کیا اس کو مولی عتاقہ یا مولی النعمة کہتے ہیں۔ وہ غلام کا

حاشیہ : (الف) اولاد کے بارے میں اللہ تم کو وصیت کرتے ہیں کہ مردوں کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ پس اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہیں اس کا جو کچھ چھوڑا۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا فرائض اور قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔ اس لئے کہ میری وفات ہونے والی ہے (ج) ارحام والے بعض اولی ہیں بعض سے کتاب اللہ میں۔

و(۹)الزوج و(۱۰)مولی النعمة[۳۲۰۰](۲) ومن الاناث سبع(۱) البنت و(۲)بنت الابن و(۳)الام و(۴)الجدة و(۵)الاخت و(۶)الزوجة و(۷)مولاة النعمة[۳۲۰۱](۳) ولا یرث

وارث ہوتا ہے۔ یہاں مولی النعمۃ سے آزاد کرنے والا آقا مراد ہے۔

[۳۲۰۰](۲)اور عورتوں میں سے وارث سات ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) ماں (۴) دادی (۵) بہن (۶) بیوی (۷) آزاد کرنے والی سیدہ۔

تشریح یہ سات قسم کی عورتیں وارث بنتی ہیں جس پر اجماع ہے،اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لغت بنت الابن : بیٹے کی بیٹی جس کو اردو میں پوتی کہتے ہیں، مولاۃ النعمۃ : وہ عورت جس نے اپنے غلام کو آزاد کیا ہو تو اس آزاد کردہ غلام کی وراثت آقا یعنی سیدہ کو ملے گی۔اس کو مولاۃ النعمۃ یا مولاۃ العتاقہ کہتے ہیں۔ ہر ایک کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۳۲۰۱](۳)اور چار آدمی وارث نہیں ہوتے (۱) غلام (۲) قاتل مقتول کا (۳) مرتد (۴) مختلف دین والے۔

تشریح یہ چار قسم کے آدمی وارث نہیں ہوتے ہیں۔ایک تو غلام کسی کا وارث نہیں ہوتا۔اور وہ خود مرجائے تو اس کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے اس لئے کسی اور کو کچھ نہیں ملتا۔

وجہ (۱) غلام کسی کا وارث بنے گا تو جیسے ہی اس کے ہاتھ میں مال آئے گا وہ آقا کا ہو جائے گا۔اس لئے وہ خود وارث بنا بھی نہیں بلکہ اس کا آقا وارث بن گیا جو میت کا کوئی نہیں ہے۔اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا (۲) حدیث میں ہے کہ غلام کا مال بائع کا ہوگا یا مشتری کا ہوگا۔عن **سالم بن عبد الله عن ابيه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ... ومن ابتاع عبدا وله مال فماله للذى باعه الا ان يشترط المبتاع** (الف) (بخاری شریف،باب الرجل یکون لہ ممر او شرب فی حائط او فی نخل، ص۳۲۰،نمبر ۲۳۷۹ر مسلم شریف، باب من باع نخلا علیہا تمر، ج ۲،ص ۱۰،نمبر ۱۵۴۳/۳۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کا مال یا بائع کا ہوگا یا مشتری کا۔اس لئے وہ وارث نہیں ہوگا (۳) اثر میں ہے۔ **ان عليا كان يقول فى المملوكين واهل الكتاب لا يحجبون و لا يورثون** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۳ فی المملوک واھل الکتاب من قال لا یحجبون ولا یورثون، ج سادس، ص ۲۵۳،نمبر ۳۱۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلام کسی کا وارث نہیں بنے گا۔اور جو مال ہے وہ سب آقا کا ہے۔اس لئے اس کا بھی کوئی وارث نہیں بنے گا۔ہاں وہ آزاد ہو جائے پھر مرے تو اس کے وارث ہوں گے۔

(۲) قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اس نے قتل کر کے مقتول کا مال جلدی حاصل کرنا چاہا تو شریعت نے اس کو وراثت سے ہی محروم کر دیا۔تا کہ وراثت کے لئے کوئی کسی کو قتل نہ کرے اور جرم زیادہ نہ ہو (۲) حدیث میں ہے کہ قاتل وارث نہیں بنے گا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن عمر بن شعيب عن ابيه عن**

حاشیہ : (الف) حضور کو کہتے سنا...کسی نے غلام بیچا اور اس کے پاس مال ہو تو اس کا مال بیچنے والے کے لئے ہوگا۔ہاں! مشتری نے شرط کی ہو تو اس کو ملے گا (ب) حضرت علی مملوک اور اہل کتاب کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ نہ کسی کو محجوب کرتے ہیں اور نہ وارث ہوتے ہیں۔

اربعة المملوک والقاتل من المقتول والمرتد واهل الملتین[۳۲۰۲](۴) والفروض

جده قال کان رسول الله ﷺ ... وقال رسول الله لیس للقاتل شیء وان لم یکن له وارث فوارثه اقرب الناس الیه ولا یرث القاتل شیئا (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء، ص ۶۷۸، نمبر ۴۵۶۴، کتاب الدیات/ترمذی شریف، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا۔

مرتد وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اس کو تو قتل کر دیا جائے گا تو وہ وارث کیسے ہوگا (۲) وارث نہ ہونے کا اشارہ اس آیت میں ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالکم فی الدنیا والآخرة (ب)(آیت ۲۱۷، سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں مرتد کے اعمال برباد ہوگئے۔ اس لئے دنیا کی بربادی یہ بھی ہوگی کہ وہ وراثت سے محروم ہو جائے گا (۳) پھر وہ کافر ہو گیا اور کافر مسلمان کا وارث کیسے ہوگا (۴) اثر میں ہے۔ عن علی انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی فقتله وجعل میراثه بین ورثته من المسلمین (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۸۰ فی المرتد عن الاسلام، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۳۱۳۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرد مرتد ہو تو قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور عورت ہو تو وہ توبہ کرنے تک قید کر دی جائے گی اس لئے وہ بھی وارث نہیں ہوگی۔

اور دو دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ عن اسامة بن زیدؓ ان النبی ﷺ قال لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (د)(بخاری شریف، باب لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۶۴/مسلم شریف، باب لایرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم، ج ۲، ص ۳۳، نمبر ۱۶۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال لا یتوارث اهل ملتین (ہ)(ترمذی شریف، باب لایتوارث اهل ملتین، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۱۰۸) اس حدیث میں ہے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۰۲](۴) وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں وہ چھ ہیں (۱) آدھا (۲) چوتھائی (۳) آٹھواں (۴) دو تہائی (۵) ایک تہائی (۶) چھٹا۔

تشریح پچھلے زمانے میں کلکیولیٹر نہیں تھا اس لئے لوگ کسر سے حساب نہیں کرتے تھے بلکہ اصل مسئلہ میں ضرب دے کر صحیح عدد نکالتے تھے۔ لیکن ابھی کلکیولیٹر کی سہولت ہے اس لئے اسی کا حساب لکھا جائے گا۔ چونکہ کلکیولیٹر ہمیشہ سو سے حساب بناتا ہے اس لئے ہمیشہ اصل مسئلہ سو سے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا قاتل کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر اس کا وارث نہ ہو تو لوگوں میں سے جو قریب ہو وہ اس کا وارث ہوگا۔ اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا (ب) کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور مر جائے کفر کی حالت میں تو دنیا اور آخرت میں اس کے اعمال باطل ہو جائیں گے (ج) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد العجلی لایا گیا۔ وہ مرتد ہو چکا تھا۔ پس اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا تو اس کو قتل کر دیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دی (د) آپؐ نے فرمایا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (ہ) آپؐ نے فرمایا دو مذہب والے وارث نہیں ہونگے۔

المحدودة فی کتاب اللہ تعالی ستة النصف والربع والثمن والثلثان والثلث والسدس.

ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔ نیز حساب میں عشارہ استعمال ہوگا جس کو انگریزی میں پوائنٹ کہتے ہیں۔ مثلا ڈھائی لکھنا ہوتو 2.5 دو پوائنٹ پانچ لکھا جائے گا۔ جس کو اردو میں دو عشاریہ پانچ کہتے ہیں۔

نوٹ پوائنٹ کے بعد جو عدد آتا ہے وہ ایک عدد کا دسواں حصہ ہوتا ہے۔ اب حصوں کا حساب اس طرح ہوگا۔

سو کا آدھا پچاس ہوگا، سو کا چوتھائی پچیس ہوگا، سو کا آٹھواں ساڑھے بارہ ہوگا 12.5، سو کی دو تہائی چھیاسٹھ پوائنٹ چھیاسٹھ ہوگا 66.66، سو کی ایک تہائی تینتیس پوائنٹ تینتیس ہوگا 33.33، اور سو کا چھٹا حصہ سولہ پوائنٹ چھیاسٹھ ہوگا 16.66۔ اس کی تفصیل ایک نظر دیکھیں۔

عربی حصے	اردو	سو	تقسیم	برابر	فی صد	بٹے کا حساب
نصف	آدھا	100	2 ÷	=	50	$1/2$
ربع	چوتھائی	100	4 ÷	=	25	$1/4$
ثمن	آٹھواں	100	8 ÷	=	12.5	$1/8$
ثلثان	دو تہائی	100	3x2 ÷	=	66.66	$2/3$
ثلث	ایک تہائی	100	3 ÷	=	33.33	$1/3$
سدس	چھٹا حصہ	100	6 ÷	=	16.66	$1/6$

(۵) آدھا پانچ آدمیوں کا حصہ ہے (۱) بیٹی (۲) پوتی جبکہ صلبی بیٹی نہ ہو (۳) حقیقی بہن (۴) باپ شریک بہن جبکہ حقیقی بہن نہ ہو (۵) شوہر جبکہ میت کی اولاد نہ ہوں اور نہ اولاد کی اولاد ہو چاہے نیچے کا ہو۔

تشریح ان پانچ آدمیوں کو آدھا ملتا ہے۔ کس حالت میں آدھا ملے گا اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اگر صرف ایک بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔

وجہ آیت میں ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلاثا ماترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹا نہ ہو اور ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **قال اتانا معاذ بن جبلؓ بالیمن معلما وامیرا فسألناہ عن رجل توفی وترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنة**

حاشیہ : (الف) تم کو اولاد کے بارے میں اللہ وصیت کرتے ہیں کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ پس اگر دو عورتوں سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

النصف والاخت النصف (الف) (بخاری شریف، باب میراث البنات، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۴ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الصلب، ص ۴۴، نمبر ۲۸۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔

(۲) اگر صلبی بیٹی موجود نہ ہو اور ایک پوتی ہو تو صلبی بیٹی کی طرح ایک پوتی کو آدھا ملے گا۔

وجہ صلبی بیٹی نہ ہونے کی شکل میں پوتی بیٹی کی جگہ پر ہوتی ہے۔ اور جس طرح ایک بیٹی کو آدھا ملتا ہے اسی طرح پوتی کو بھی آدھا ملے گا (۱) اثر میں ہے کہ صلبی بیٹا نہ ہو تو پوتا اس کی جگہ پر اتنا ہی کا حصہ دار ہوتا ہے اسی طرح صلبی بیٹی نہ ہو تو پوتی اس کی جگہ اتنے ہی کا حصہ دار بنتی ہے۔ اس لئے ایک پوتی ہو تو ایک بیٹی کی طرح اس کو آدھا ملے گا۔ اثر یہ ہے۔ **قال ابن ثابت ولد الابناء بمنزلة الولد اذا لم یکن دونهم ولد ذکر، ذکرهم کذکرهم، وانثاهم کانثاهم، یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون، ولا یرث ولد الابن مع الابن** (ب) (بخاری شریف، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صلبی اولاد نہ ہو تو ایک پوتی ایک بیٹی کی جگہ پر ہو کر آدھا ملے گا (۲) پوتی کی اتنی اہمیت ہے کہ ایک بیٹی ہو اور ایک پوتی ہو تو دو تہائی مکمل کرنے کے لئے بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تا کہ دو بیٹی کی طرح دو تہائی مکمل ہو جائے۔ حدیث یہ ہے۔ **سئل ابو موسی عن ابنة وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابنة النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین ومابقی فللاخت** (ج) (بخاری شریف، باب میراث ابنة ابن مع ابنة، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث بنت الابن مع بنت الصلب، ج ۲، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۳) اس حدیث میں پوتی کی اتنی اہمیت ہے کہ دوسری بیٹی نہ ہونے پر دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔ اس لئے بیٹی نہ ہونے پر پوتی کو ملے گا۔

(۳) ماں باپ شریک بہن یعنی بیٹی بھی نہیں ہے اور بیٹا بھی نہیں ہے اور پوتی بھی نہیں ہے اور ایک ماں باپ شریک بہن ہے جس کو حقیقی بہن کہتے ہیں تو اس کو آدھا ملے گا۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **قال اتانا معاذ بن جبلؓ بالیمن معلما وامیرا فسألناه عن رجل توفی وترک ابنته واخته فاعطی الابنة النصف والاخت النصف** (د) (بخاری شریف، باب میراث البنات، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایک بہن کے لئے آدھا ہے (۲) آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ **یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد، فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مماترک وان**

حاشیہ : (الف) ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل معلم اور امیر بن کر آئے۔ ہم نے ان کو پوچھا کہ کوئی آدمی وفات پا جائے اور اپنی بیٹی اور بہن چھوڑے؟ تو بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دیا (ب) حضرت ابن ثابتؓ نے فرمایا پوتا بیٹے کے درجے میں ہے اگر اس کے پہلے کوئی مذکر اولاد نہ ہو۔ پوتے کا مذکر بیٹے کے مذکر کی طرح اور پوتی بیٹی کی طرح ہے۔ جیسے وہ وارث ہوتے ہیں یہ وارث ہوں گے۔ اور جیسے وہ محجوب ہوتے ہیں یہ محجوب ہوں گے۔ اور پوتا پوتی بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے (ج) حضرت ابو موسی کو پوچھا بیٹی ہو اور پوتی ہو اور بہن ہو تو کتنا ملے گا؟ فرمایا ان میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو حضورؐ نے فرمایا، بیٹی کے لئے آدھا، پوتی کے لئے چھٹا دو ثلث پورا کرنے کے لئے باقی ایک تہائی بہن کے لئے (د) ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل معلم اور امیر بن کر آئے۔ ہم نے ان کو پوچھا کہ کوئی آدمی وفات پا جائے اور اپنی بیٹی اور بہن چھوڑے؟ تو بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دے۔

[٣٢٠٣] (۵) والنصف فرض خمسة(ا) البنت و(٢)بنت الابن اذا لم تکن بنت الصلب و

کانوا اخوة رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (الف)(آیت ۱۷۶، سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ کوئی نہ ہو ایک بہن ہو تو آدھا ملے گا۔ اور دو بہنیں ہوں تو دو تہائی، اور بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا (۳) ماں ماں باپ شریک بہن مقدم ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علیؓ ... الرجل یرث اخاہ لابیه وامه دون اخیه لابیه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوۃ من الاب والام، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۴)اس حدیث میں ماں باپ شریک بہن مقدم ہیں صرف باپ شریک بہن سے۔

[٣٢٠٢] (۴) باپ شریک بہن، اگر ماں باپ شریک بہن نہ ہو اور صرف باپ شریک بہن ایک ہو تو اس کو حقیقی بہن کی طرح آدھا ملے گا۔

وجہ حقیقی بہن نہ ہو تو باپ شریک بہن حقیقی بہن کی طرح ہوگی۔ کیونکہ آیت میں اخت کا لفظ حقیقی بہن اور باپ شریک بہن دونوں کو شامل ہے۔ البتہ ماں باپ شریک بہن اصل ہے اس لئے وہ مقدم ہوگی۔ اور وہ نہ ہو تب صرف باپ شریک بہن کا حق ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان عبد الله یقول فی ابنة، وابنة ابن وبنی ابن، وبنی اخت لاب وام، واخت واخوۃ لاب، ابن مسعود کان یعطی ھذہ النصف ثم ینظر (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹ فی ابنۃ وابنۃ ابن، وبنی ابن، وبنی اخت لاب وام، واخ واخوار لاب، ج سادس، ص ۳۱۰۷۶)اس اثر میں اخ واخوات لاب کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے آدھا دیا۔ قال زید بن ثابت ومیراث الاخوۃ من الاب اذا لم یکن معھم احد من بنی الام والاب کمیراث الاخوۃ للاب والام سواء ذکرھم کذکرھم وانثاھم کانثاھم (ج)(سنن للبیھقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۶)

[٣٢٠٣] (۵) میت کو اولاد نہ ہو تو شوہر کے لئے آدھا ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیة یوصین بھا او دین (د)(آیت ۱۲، سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور اولاد ہو تو چوتھائی ملے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال ... وجعل للمرأۃ الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (ہ) (بخاری شریف، باب میراث الزوج مع الولد وغیرہ، ص ۹۹۸، نمبر ۶۷۳۹)اس حدیث میں ہے کہ شوہر کو آدھا ملے گا یعنی اولاد نہیں ہوگی تو۔ اور چوتھائی ملے گی اگر اولاد ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ سے لوگ پوچھتے ہیں اللہ آپ کو فتوی دیتے ہیں کلالہ کے بارے میں اگر کوئی ہلاک ہو جائے اور اس کے لئے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے لئے بہن ہو تو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ وہ وارث ہوگا اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو۔ اور اگر دو ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی۔ اور اگر بھائی بہن ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا (ب) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں بیٹی ہو اور پوتی ہو اور پوتا ہو اور حقیقی بہن کی اولاد ہو اور باپ شریک بہن اور بھائی ہو تو ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بھائی بہن کو پہلے دو پھر دیکھو کہ کون لوگ لینے والے ہیں (ج) حضرت زید بن ثابت نے فرمایا اگر حقیقی بھائی نہ ہو تو باپ شریک بھائی اس کی طرح ہے۔ ان کا مذکر ان کے مذکر کی طرح ان کی مؤنث ان کی مؤنث کی طرح ہے (د) جو کچھ بیوی نے چھوڑا اس کا آدھا تمہارے لئے ہے اگر بیوی کو اولاد نہ ہو۔ اور اگر اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد (ہ) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا... بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی کیا اور شوہر کے لئے آدھا اور چوتھائی کیا۔

(۳)الاخت لاب وام و(۴)الاخت لاب اذا لم تکن اخت لاب وام و(۵)الزوج اذا لم یکن للمیت ولد وولد ابن وان سفل[۳۲۰۴](۶) والربع للزوج مع الولد وولد الابن وان سفل وللزوجات اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولد ابن[۳۲۰۵] (۷)والثمن للزوجات مع الولد او ولد الابن.

لغت بنت الابن : بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی، بنت الصلب : صلبی بیٹی، اپنی بیٹی، الاخت من الاب والام : باپ بھی ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو جس کو ماں باپ شریک بہن اور حقیقی بہن کہتے ہیں، ولد ابن : بیٹے کی اولاد، مراد پوتا پوتی اور ان سفل سے مراد پر پوتا، پر پوتی، سر پوتا، سر پوتی۔

[۳۲۰۴](۶) شوہر کے لئے چوتھائی ہے اولاد کے ساتھ یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ اگر چہ نیچے کا ہو۔ اور بیوی کے لئے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔

تشریح چوتھائی حصہ دو آدمیوں کو ملتا ہے۔ ایک شوہر کو اگر بیوی کی صلبی اولاد ہو یا بیٹے کی اولاد ہو مثلا پوتا یا پوتی یا پر پوتا یا پر پوتی یا سر پوتا یا سر پوتی ہو تو شوہر کو بیوی کی میراث میں چوتھائی ملے گی چاہے اس شوہر سے اولاد ہو چاہے دوسرے شوہر سے۔

وجہ آیت گزر چکی ہے۔ فان کان لهن ولد فلكم الربع مما ترکن... ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں دونوں باتوں کا تذکرہ ہے کہ اگر بیوی کو اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی ملے گی۔ اور اگر شوہر کو اولاد نہ ہو تو بیوی کو بھی چوتھائی ملے گی۔ اور اگر شوہر کو اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا (۲) حدیث میں گزرا۔ وعن ابن عباسؓ قال ... وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (ب) (بخاری شریف، باب میراث الزوج مع الولد وغیرہ، ص ۹۹۸، نمبر ۶۷۳۹) اس حدیث میں فرمایا کہ عورت کے لئے آٹھواں ہے یعنی شوہر کو اولاد کے وقت، اور چوتھائی ہے اگر شوہر کو اولاد نہ ہو۔ اور شوہر کے لئے آدھا ہے اگر بیوی کو اولاد نہ ہو، اور چوتھائی ہے اگر بیوی کو اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو۔

[۳۲۰۵](۷) اور آٹھواں ہے بیوی کے لئے اولاد کے ساتھ یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ۔

تشریح اگر شوہر کی اولاد یعنی بیٹا یا بیٹی ہے چاہے اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتا یا پوتی ہے تو بیوی کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

وجہ اوپر آیت گزری۔ فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم (ج) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اور حدیث بخاری (نمبر ۶۷۳۹)

حاشیہ : (الف) اگر بیوی کے لئے اولاد ہے تو تمہارے لئے ترکہ کی چوتھائی ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور بیویوں کے لئے ترکہ کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد ہے، اور اگر تمہاری اولاد نہیں ہے تو ان کے لئے ترکے کا آٹھواں حصہ ہے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی کیا اور شوہر کے لئے آدھا اور چوتھائی (ج) اگر تمہارے لئے اولاد ہوں تو بیویوں کے لئے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔

[۳۲۰۶] (۸) والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف الا الزوج.

گزر چکی ہے۔

[۳۲۰۶] (۸) دوثلث ہر دو کے لئے یا زیادہ کے لئے جن کا حصہ آدھا ہے سوائے شوہر کے۔

تشریح چار قسم کی عورتوں کا حصہ آدھا ہے۔ یہ عورتیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہو جائے گا۔ ایک ہے بیٹی، دوسری پوتی جب بیٹی نہ ہو، تیسری حقیقی بہن، چوتھی باپ شریک بہن۔

(۱) بیٹی ایک ہو تو اس کو آدھا ملتا ہے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہو تو دو تہائی ملے گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اسی میں سب بیٹی شریک ہوں گی۔ باقی ایک تہائی عصبہ میں تقسیم ہوگی۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک وان کانت واحدة فلها النصف الخ (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹی دو سے زیادہ ہو تو دو تہائی دی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ سئل ابو موسی عن ابنة وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابن النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین (ب) (بخاری شریف، باب میراث ابنۃ ابن مع ابن، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶) اس حدیث میں ہے کہ پوتی کو چھٹا دیا جائے گا بیٹی کی دو تہائی پوری کرنے کے لئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دو بیٹیاں ہوں تو ان کو دو تہائی دی جائے گی (۳) اثر میں ہے۔ وقال زید بن ثابت اذا ترک رجل او امرأة بنتا فلها النصف وان کانتا اثنتین او اکثر فلهن ثلثان (ج) (بخاری شریف، باب میراث الوالد من ابیہ امہ، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۲) اس اثر میں ہے کہ دو لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہے۔

(۲) بیٹی نہ ہو تو پوتی اس کے درجے میں ہوتی ہے اس لئے دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو دو تہائی دی جائے گی۔

وجہ اس کے لئے اوپر کی آیت فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان کانت واحدة فلها النصف (د) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) ہے۔ اس آیت میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ ہو تو ان کے لئے دو تہائی ہے۔

(۳) ماں باپ شریک بہن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہے۔ بشرطیکہ بیٹی، بیٹا، پوتی، پوتا نہ ہو۔

وجہ آیت میں ہے۔ یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک (ہ) (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ

حاشیہ : (الف) اللہ اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتے ہیں کہ مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہے۔ پس اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہے۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (ب) حضرت ابو موسیٰؓ سے پوچھا بیٹی ہو، پوتی ہو اور بہن ہو تو کیا ملے گا؟... فرمایا میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضورؐ نے فیصلہ فرمایا، بیٹی کے لئے آدھا اور پوتی کے لئے دو تہائی پوری کرنے کے لئے چھٹا حصہ ہے (ج) حضرت زید نے فرمایا اگر آدمی یا عورت اپنی ایک بیٹی چھوڑے تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور اگر دو یا زیادہ چھوڑے تو ان کے لئے دو تہائی ہیں (د) اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہیں۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے (ہ) آپؐ سے فتوی پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر آدمی فوت ہو جائے اور اس کے پاس اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہے۔ اور بھائی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر بہن دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہوگی ترکے کی۔

[۳۲۰۷](۹) والثلث للام اذا لم یکن للمیت ولد ولا ولدابن ولا اثنان من الاخوۃ و

بہنیں دو ہو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہیں۔

(۴) ماں باپ شریک بہنیں نہ ہو تو صرف باپ شریک بہنوں کا وہی درجہ ہوگا جو ماں باپ شریک بہنوں کا درجہ ہے۔اس لئے باپ شریک بہنیں دو ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔

وجہ دلیل اوپر کی آیت ہے۔

نوٹ شوہر کو بھی آدھا ملتا ہے لیکن چونکہ بیک وقت دو شوہر نہیں ہو سکتے اس لئے ان کو دو تہائی دینے کا سوال نہیں ہوتا۔

[۳۲۰۷](۹) ماں کے لئے تہائی ہے اگر میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا ہو اور نہ دو بھائی ہوں اور نہ دو بہنیں ہوں یا اس سے زائد۔

تشریح چار قسم کے آدمیوں کو تہائی ملے گی (۱) میت کی ماں ہو اور بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گی۔اور اگر میت کو ماں ہو اور بیٹا ہو یا پوتا ہو یا دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

وجہ دونوں باتوں کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین** (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کے لئے تہائی ہے۔اور اگر یہ لوگ ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔اس آیت میں ولد سے بیٹا اور وہ نہ ہو تو پوتا مراد ہے۔اسی طرح اخوۃ جمع کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ دو بھائی اور اسی میں دو بہنیں بھی داخل ہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان معانی ھذہ الفرائض واصولھا عن زید بن ثابت واما التفسیر فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید قال ومیراث الام من ولدھا اذا توفی ابنھا وابنتھا فترک ولدا او ولد ابن ذکرا او انثی او ترک الاثنین من الاخوۃ فصاعدا ذکورا او اناثا من اب وام او من اب او من ام السدس،فان لم یترک المتوفی ولدا ولا ولد ابن ولا اثنین من الاخوۃ فصاعدا فان للام الثلث کاملا الا فی فریضتین فقط وھما ان یتوفی رجل ویترک امرأتہ وابویہ فیکون لامرأتہ الربع ولامہ الثلث مما بقی وھو الربع من رأس المال،وان تتوفی امرأۃ وتترک زوجھا وابویھا فیکون لزوجھا النصف ولامھا الثلث مما بقی وھو السدس من رأس المال** (ب) (سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سادس،

حاشیہ : (الف) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ترکے میں سے چھٹا ہے اگر میت کی اولاد ہو۔اور اگر اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوں گے تو ماں کے لئے تہائی ہے۔اور اگر میت کو بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد (ب) ان فرائض کے معانی اور اس کے اصول زید بن ثابت سے منقول ہے۔اور تفسیر ابی الزناد کی ہے۔حضرت زید نے فرمایا بچے سے ماں کی میراث جب اس کا بیٹا یا بیٹی انتقال کر جائے اور اولاد چھوڑی یا بیٹے کی اولاد چھوڑی مذکر ہو یا مؤنث یا دو بھائی چھوڑے یا حقیقی بہن چھوڑی یا باپ شریک یا ماں شریک بہن تو ماں کے لئے چھٹا ہے۔اور اگر متوفی نے نہ اولاد چھوڑی نہ بیٹے کی اولاد چھوڑی نہ دو بھائی بہن تو ماں کے لئے پوری کی تہائی ہے مگر دو موقع پر صرف۔وہ کہ آدمی انتقال کرے اور بیوی اور والدین چھوڑے تو بیوی کے لئے چوتھائی اور ماں کے لئے باقی کی تہائی اور وہ پورے مال کی چوتھائی ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت مرے اور شوہر اور والدین چوڑے تو شوہر کے لئے آدھا اور ماں کے لئے باقی کی تہائی اور وہ پورے مال کا چھٹا ہے۔

الاخوات فصاعدا[۳۲۰۸](۱۰)ویفرض لها فی مسئلتین ثلث مابقی وهما زوج و ابوان او امرأۃ وابوان فلها ثلث مابقی بعد فرض الزوج او الزوجۃ.

ص۳۷۲،نمبر۱۲۲۹۴)اس اثر میں ہے کہ میت کو بیٹا یا پوتا یو دو بھائی یا دو بہنیں ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔اور ان میں سے کوئی نہ ہوں تو تہائی ملے گا۔پس اگر میت کی بیوی یا شوہر نہ ہو تو پورے مال کی تہائی ملے گی۔اور اگر ماں کے ساتھ میت کی بیوی ہو میت عورت ہو تو اس کا شوہر ہو تو بیوی یا شوہر اپنا حصہ لے لے اس کے بعد جو بچے اس میں ماں کو تہائی ملے گی جس کو ثلث ماقی کہتے ہیں۔

میت 100

ماں	چچا
33.33	66.66

اس مسئلے میں اصل مسئلہ سو سے بنایا جس میں سے ماں کو پوری مال کی تہائی دی اور باقی دو تہائی عصبہ کے طور پر چچا کو دے دیا۔

[۳۲۰۸](۱۰)اور مقرر کیا جاتا ہے ماں کے لئے دو مسئلوں میں ماقی کی تہائی وہ دو مسئلے یہ ہیں (۱) شوہر ہوں اور ماں باپ ہوں (۲) بیوی ہو اور ماں باپ ہو تو ماں کے لئے شوہر یا بیوی کے حصے کے بعد ماقی کی تہائی ہے۔

تشریح دو صورتوں میں مان کے لئے پورے مال کی تہائی نہیں ہے بلکہ شوہر یا بیوی اپنا حصہ لے لے اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی ملے گی۔ایک صورت تو یہ ہے کہ میت کا شوہر ہو تو شوہر کے لینے کے بعد ماں کو تہائی ملے گی۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	باپ	شوہر
16.66	33.33	50

اس مسئلے میں سو میں سے آدھا یعنی پچاس شوہر کو دے دیا۔باقی پچاس کی تہائی کی تو 16.66 یعنی پورے مال کا چھٹا ماں کو ملا اور اس کا دو گنا یعنی پورے مال کی تہائی باپ کو ملی۔آپ کو یاد ہے کہ اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا ملتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی بیوی ہو اور ماں باپ ہو تو بیوی کے لینے کے بعد جو بچے ماں کو اس کی تہائی ملے گی۔اور باپ کو اس کا دو گنا ملے گا۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	باپ	بیوی
25	50	25

میت کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی ملتی ہے اس لئے بیوی کو سو میں سے چوتھائی 25 دے دیا۔باقی 75 بچے اس میں سے تہائی یعنی 25 جو

[۳۲۰۹](۱۱) وهو لكل اثنين فصاعدا من ولد الام ذكورهم واناثهم فيه سواء.

پورے مال کی چوتھائی ہے ماں کو دیا۔اور اس کا دوگنا یعنی پچاس 50 باپ کو دیا جو پورے مال کا آدھا ہے۔

وجہ بیوی یا شوہر کے لینے کے بعد ماقبی کی تہائی ماں کو ملتی ہے اس کی دلیل اوپر کا اثر (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔عن عبد الله قال اتی عمرؓ فی امرأة وابوین فجعل للمرأة الربع وللام ثلث مابقی وللاب مابقی (الف) (مستدرک للحاکم، کتاب الفرائض، ج رابع، ص ۳۷۳، نمبر ۷۹۶۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی موجود ہو تو اس کے لینے کے بعد جو بچے گا ماں کو اس کی تہائی ملے گی۔

[۳۲۰۹](۱۱) اور تہائی ہر دو یا زیادہ کے لئے ہے اخیافی بہن بھائیوں سے ان کے مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہیں۔

تشریح ایک ماں شریک بھائی ہو یا ایک ماں شریک بہن ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے۔لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ ماں شریک بھائی یا دو یا دو سے زیادہ ماں شریک بہن ہوں تو ان کے لئے میت کے مال میں سے تہائی ملے گی۔اور بھائی بہن سب کو برابر ملے گا۔مرد کے لئے دو ثلث اور عورت کے لئے ایک ثلث نہیں ہوگا بلکہ دونوں کو برابر برابر حصہ ملے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت

چچا	ماں شریک بہن		ماں شریک بھائی
66.66	↩	33.33	↩
	16.16	↩ ↪	16.16

نوٹ دیکھئے اس مسئلے میں بہن کو بھی بھائی کے برابر ہی 16.16 دیا گیا اور تہائی کے علاوہ جو بچا وہ چچا کو 66.66 بطور عصبہ دیا گیا۔

اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔وان كان رجل يورث كلالة او أمرأة وله اخ او اخت فلكل واحد منهما السدس فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصى بها او دين (ب) (آیت ۱۲، سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی بہن ہوں تو ان سب کے لئے ایک تہائی ہوگی (۲) اثر میں ہے۔فتفسير ابي الزناد على معاني زيد بن ثابت قال وميراث الاخوة للام انهم لا يرثون مع الولد ولا مع ولد الابن ذكرا كان او انثى شيئا ولا مع الاب ولا مع الجد ابى الاب شيئا،وهم في كل ماسوى ذلك يفرض للواحد منهم السدس ذكرا كان او انثى،فان كانوا اثنين فصاعدا ذكورا او اناثا فرض لهم الثلث يقتسمونه بالسواء (ج) (سنن للبیہقی، باب فرض الاخوة والاخوات للام، ج

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ پوچھا گیا بیوی اور والدین کے بارے میں تو آپؐ نے بیوی کے لئے چوتھائی، ماں کے لئے ماقبی کی تہائی اور باپ کے لئے ماقبی مقرر کیا (ب) اگر کوئی آدمی کلالہ ہو یا عورت کلالہ ہو اور اس کا بھائی ہو یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا ملے گا۔اور اس سے بھائی بہن زیادہ ہوں تو تہائی میں سب شریک ہوں گے وصیت اور قرض کے بعد (ج) زید بن ثابت نے فرمایا ماں شریک بھائی کی میراث یہ ہے کہ وہ اولاد اور بیٹے کی اولاد کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔اولاد مذکر ہو یا مؤنث نہ باپ کے ساتھ اور نہ دادا کے ساتھ۔اس کے علاوہ کی صورت میں ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا مذکر ہو یا مؤنث۔اور اگر دو سے زیادہ ہو مذکر یا مؤنث تو اس کے لئے تہائی متعین کی جائے گی وہ اس میں برابر تقسیم کریں گے۔

[۳۲۱۰](۱۲) والسدس فرض سبعة لكل واحد من الابوين مع الولد او ولد الابن وهو

سادس،ص ۳۷۹،نمبر۱۲۳۲۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی بہن ہوں تو ان کو تہائی ملے گی۔اور بھائی بہن سب کو برابر برابر دیا جائے گا۔

لغت ولدالام : ماں شریک بھائی بہن۔

[۳۲۱۰](۱۲) چھٹا حصہ سات لوگوں کا حصہ ہے(۱) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ (۲) اور ماں کے لئے بھائیوں کے ساتھ (۳) اور چھٹا ہے دادی کے لئے (۴) اور دادا کے لئے اولاد کے ساتھ اور پوتے کے ساتھ (۵) اور پوتیوں کے لئے ایک بیٹی کے ساتھ (۶) اور علاتی بہنوں کے لئے ایک حقیقی بہن کے ساتھ (۷) اور ایک اخیافی بہن کے لئے،

تشریح ان سات قسم کے لوگوں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ماں کے ساتھ میت کا بیٹا ہو یا پوتا ہو اسی طرح باپ کے ساتھ میت کا بیٹا ہو تو ماں، باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔اور بیٹا یا پوتا نہ ہو تو اوپر گزر چکا ہے کہ ماں کے لئے تہائی ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ولابویه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد ،فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس من بعد وصية (الف)(آیت ۱۱،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ بیٹا ہو اور وہ نہ ہو(تو پوتا بھی بیٹے کے درجے میں ہے) تو ماں باپ کے لئے چھٹا ہے(۲) اثر گزر چکا ہے۔عن زيد بن ثابت واما التفسير فتفسير ابى الزناد على معانى زيد قال وميراث الام من ولدها اذ اتوفى ابنها وابنتها فترك ولدا او ولد ابن ذكرا او انثى ،او ترك الاثنين من الاخوة فصاعدا ذكورا اواناثا من اب وام ،او من اب او من ام السدس (ب)(سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سادس، ص ۳۷۲،نمبر۱۲۲۹۴)اس اثر میں ہے کہ بیٹا یا پوتا یا دو بھائی، بہن ہوں تو ماں کو اور والدین کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) دوسری عورت یہ ہے کہ کئی بھائی ہو تو ماں کو چھٹا ملے گا۔

وجہ (۱) اوپر آیت گزری۔ فان كان له اخوة فلامه السدس (ج)(آیت ۱۱،سورۃ النساء۴)(۲) اور اثر بھی گزرا۔او ترك الاثنين من الاخوة فصاعدا ذكورا او اناثا من اب وام او من اب او من ام السدس (د)(سنن للبیہقی، باب فرض الام، ج سدس، ص ۳۷۲،نمبر۱۲۲۹۴)اس اثر میں بھی ہے کہ کئی بھائی یا بہن ہوں تو ماں کو چھٹا ملے گا۔

(۳) ماں نہ ہو تو دادی کو چھٹا ملے گا۔

حاشیہ : (الف) ماں باپ ہر ایک کے لئے ترکہ میں سے چھٹا ہے اگر اس کی اولاد ہو۔اور اگر اولاد نہ ہوں اور ماں باپ وارث ہوں تو اسکی ماں کے لئے تہائی ہے۔اور بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے وصیت کے بعد (ب) حضرت زیدؓ نے فرمایا ماں کی میراث اس کی اولاد سے اگر اس کا بیٹا یا بیٹی انتقال کر جائے اور وہ لڑکا یا پوتا پوتی چھوڑے یا دو بھائی یا اس سے زیادہ چھوڑے یا دو بہن چھوڑے حقیقی، یا باپ شریک، یا ماں شریک تو ماں کے لئے چھٹا ہے (ج) اگر بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے (د) اگر دو یا زیادہ بھائی بہن چھوڑے حقیقی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

لـلام مع الاخوة وهـو لـلـجـدات والـجـد مـع الـولـد او ولـد الابـن ولـبـنـات الابـن مـع الـبـنـت

وجہ حدیث میں ہے۔ عن ابی بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونها ام (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں نہ ہو تو دادی کو چھٹا حصہ ملے گا۔

کئی دادیاں ہو تو سب کو چھٹے حصے ہی میں شریک ہونا ہوگا۔

وجہ ثم جاء ت الجدة الاخری الی عمر بن الخطاب تسأله میراثها فقال مالک فی کتاب الله شیء وما کان القضاء الذی قضی به الا لغیرک وما انا بزائد فی الفرائض ولکن هو ذلک السدس فان اجتمعتما فیه فهو بینکما وایتکما ما خلت به فهو لها (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی دادیاں ہوں تو سب کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔ اسی میں تقسیم کرے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

دادی	بیٹا
16.66	83.34

اس میں دادی کو چھٹا حصہ دیا اور باقی بیٹے کو دیا۔ اور اگر بیٹا اور پوتا نہ ہو تب بھی چھٹا ہی ملے گا۔ عورت ہونے کی وجہ سے مزید عصبہ کے طور پر کچھ نہیں ملے گا کیونکہ دادی عصبہ نہیں ہے۔

(۴) باپ نہ ہو تو دادا کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ چھٹا حصہ ملے گا۔ اور کوئی نہ ہو تو چھٹا حصہ ملنے کے علاوہ عصبہ کے طور پر مزید چھٹا حصہ مل جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصین ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال ان ابن ابنی مات فمالی من میراثه ؟ قال لک السدس ،فلما ادبر دعاه فقال لک سدس آخر فلما ادبر دعاه فقال ان السدس الآخر طعمة (ج)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الجد، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجد، ص ۳۰، نمبر ۲۰۹۹) اس حدیث میں ہے کہ دادا کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو تو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی نہ ہو تو اس چھٹے کے علاوہ عصبہ کے طور پر مزید مل جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ متعین کیا جب کہ اس سے نیچے ماں نہ ہو (ب) پھر دوسری دادی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اپنی میراث مانگنے لگی تو فرمایا کتاب اللہ میں تمہارا کچھ نہیں ہے۔ جو فیصلہ تمہارے علاوہ کے لئے ہوا اس سے زیادہ کرنے والا نہیں ہوں۔ اور وہ چھٹا حصہ ہے۔ اگر تم دونوں اس میں شریک ہو جاؤ تو تم دونوں کے درمیان ہوگا اور جو لے اڑی وہ لے اڑی (ج) ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا میرا پوتا انتقال کر گیا ہے مجھے اس کے ترکے سے کیا ملے گا۔ فرمایا تجھ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر جب واپس لوٹا تو حضورؐ نے فرمایا تمہارے لئے دوسرا چھٹا بھی ہے۔ پھر جب واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور فرمایا یہ دوسرا چھٹا عصبہ کے طور پر ہے۔

وللاخوات للاب مع الاخت للاب والامو للواحد من ولد الام .

(۵) پوتیوں کے لئے ایک بیٹی کے ساتھ یعنی ایک بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ کیونکہ ایک بیٹی کو آدھا ملے گا۔ اور پوتیوں کا چھٹا حصہ ملا تو دونوں ملا کر دو تہائی ہو جائے گی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **سئل ابو موسی عن ابنه وابنة ابن واخت ... اقضی فیها بما قضی النبی ﷺ للابنة النصف ولابنة الابن السدس تکملة الثلثین وما بقی فللاخت** (الف) (بخاری شریف، باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۶ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث الصلب، ص ۴۴، نمبر ۲۸۹۰) اس حدیث میں ہے کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔ اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔ کیونکہ دو بیٹیوں کو ثلث ملتا ہے۔ مسئلہ اس طرح ہے۔

میت 100

ایک بیٹی	ایک پوتی	بہن
50	16.66	33.33

اس میں بیٹی کو آدھا یعنی سو میں سے پچاس دیا، پوتی کو چھٹا یعنی 16.66 دیا اور باقی ایک تہائی 33.33 بہن کے لئے بچا وہ بہن کو دیا۔

(۶) باپ شریک بہن کو ماں باپ شریک بہن کے ساتھ چھٹا ملے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی بہن موجود ہو تو باپ شریک کا درجہ بعد میں ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک بہن حقیقی ہے یعنی ماں باپ شریک ہے اس لئے اس کو آدھا مل جائے گا اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے باپ شریک بہن جس کو علاتی بہن کہتے ہیں اس کو چھٹا حصہ مل جائے گا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **وفی قول عبد الله بن زید للاخت من الاب والام النصف وللاخوات من الاب السدس تکملة الثلثین ومابقی للاخ من الاب** (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باپ شریک بہن کو ایک حقیقی بہن کے ساتھ چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

ایک حقیقی بہن	ایک علاتی بہن	ایک علاتی بھائی
50	16.66	33.33

ایک حقیقی بہن کو سو کا آدھا پچاس دیا۔ علاتی بہن کو چھٹا حصہ 16.66 دیا اور باقی ایک تہائی سو میں سے 33.33 علاتی بھائی کو مل گئی۔

(۷) ایک اخیافی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یعنی اگر بیٹا، بیٹی، پوتا نہ ہوں اور ماں شریک بہن ہو جس کو اخیافی بہن کہتے ہیں یا اخیافی بھائی ہو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو موسی سے پوچھا بیٹی، پوتی اور بہن ہو تو کتنا ملے گا؟ ... فرمایا اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضور نے کیا۔ بیٹی کے لئے آدھا اور پوتی کے لئے چھٹا دو تہائی پوری کرنے کے لئے اور ایک تہائی بہن کے لئے (ب) عبد اللہ بن زید نے فرمایا ایک حقیقی بہن کے لئے آدھا اور باپ شریک بہن کے لئے چھٹا دو تہائی پوری کرنے کے لئے اور باقی باپ شریک بھائی کے لئے۔

[۳۲۱۱](۱۳) وتسقط الجداتُ بالام[۳۲۱۲](۱۴) والجد والاخوۃُ والاخواتُ بالاب

تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور بھائی ہو تو اس کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس** (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اخیافی بہن اور اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ ہے (۲) اثر گزر چکا ہے۔ **فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت قال و میراث الاخوۃ للام انھم لایرثون مع الولد ولا مع ولد الابن ذکرا کان او انثی شیئا ولا مع الاب ولا مع الجد ابی الاب شیئا وھم فی کل ماسوی ذلک یفرض للواحد منھم السدس ذکرا کان او انثی ،فان کانوا اثنین فصاعدا ذکورا او اناثا فرض لھم الثلث یقتسمونہ بالسواء** (ب) (سنن للبیہقی، باب فرض الاخوۃ والاخوات لام، ج سادس، ص ۳۷۹، نمبر ۱۲۳۲۴) اس اثر میں ہے کہ اخیافی بھائی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیوی	ماں شریک بھائی	ماں شریک بہن
25	16.66	16.66

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی یعنی سو کا 25 دیا گیا۔ اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ 16.66 اور ماں شریک بہن کو چھٹا حصہ دیا گیا یعنی سو میں سے 16.66 اور باقی 41.68 عصبہ کو دی دیا جائے گا۔

[۳۲۱۱] (۱۳) دادی، ماں کی وجہ سے ساقط ہوگی۔

تشریح ماں موجود ہو تو دادی کو حصہ نہیں ملے گا۔ وہ نہیں ہوگی تو دادی کو حصہ ملے گا۔

وجہ حصوں میں مقدم اور مؤخر کا اعتبار ہوتا ہے جو پہلے ہوتا ہے اس کو حصہ ملتا ہے۔ وہ نہ ہو تو بعد والے کو ملتا ہے۔ یہاں ماں موجود ہے اس لئے دادی کو نہیں ملے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ جعل للجدۃ السدس اذا لم تکن دونھا ام** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الجدۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ دادی کے لئے چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ ماں نہ ہو۔ اس لئے ماں سے دادی محجوب ہو جائے گی۔

[۳۲۱۲] (۱۴) دادا اور بھائی اور بہنیں باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

تشریح باپ موجود ہو تو دادا کو بھی حصہ نہیں ملے گا۔ اور نہ بھائیوں کو ملے گا اور نہ بہنوں کو ملے گا۔ یہ سب باپ کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گے۔

وجہ آیت میں ہے کہ کلالہ ہو تو بھائی اور بہنوں کو حصہ ملتا ہے۔ اور کلالہ کا مطلب یہ ہے کہ اولاد بھی نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) اگر آدمی کلالہ ہو یا عورت کلالہ ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے (ب) حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ ماں شریک بھائی وارث نہیں ہوگا اولاد کے ساتھ نہ پوتے اور پوتی کے ساتھ اور نہ دادا کے ساتھ۔ وہ ان کے علاوہ میں ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا مذکر ہو یا مؤنث۔ اور دو یا دو سے زیادہ ہوں مذکر یا مؤنث تو ان کے لئے تہائی ہوگی، برابر برابر سب تقسیم کریں گے (ج) حضورؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ کیا اگر اس سے پہلے ماں نہ ہو۔

[۳۲۱۳](۱۵) ویسقط ولد الام باحد اربعة بالولد وولد الابن والاب والجد.

کہ باپ ہوتو بھائی اور بہن کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔اثر میں کلالہ کی تفسیر اس طرح ہے۔انہ سمع ابن عباس یقول الکلالۃ الذی لایدع ولدا ولا والدا (الف)(سنن للبیہقی، باب حجب الاخوۃ والاخوات من کانوا بالاب والابن وابن الابن، ج سادس،ص ۳۶۹،نمبر ۱۲۲۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ باپ ہوتو بھائی بہنوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

باپ کی وجہ سے دادا ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابی بکر قال الجد بمنزلۃ الاب مالم یکن اب دونہ وابن الابن بمنزلۃ الابن ما لم یکن ابن دونہ (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۲،فی الجد من جعلہ ابا،ج سادس،ص ۲۶۱،نمبر ۳۱۲۰۲)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے دادا کو باپ کے درجے میں رکھا جبکہ باپ نہ ہو۔اس لئے دادا باپ سے ساقط ہو جائیں گے۔

[۳۲۱۳](۱۵)اخیافی بھائی بہن ساقط ہو جاتے ہیں چار کی وجہ سے،اولاد سے،پوتے سے،باپ سے اور دادا سے۔

تشریح ماں کی اولاد جن کو ماں شریک بھائی بہن،جن کو اخیافی بھائی بہن کہتے ہیں وہ چار قسم کے لوگوں سے ساقط ہو جاتے ہیں (۱) بیٹوں سے (۲) پوتوں سے (۳) باپ سے اور دادا سے۔یعنی ان چاروں میں سے کوئی ایک موجود ہو تو ماں شریک بھائی بہن کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ بیٹے اور پوتے سے ساقط ہوتا ہے اس کی دلیل خود آیت ہے۔وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس (ج)(آیت ۱۲،سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ کلالہ ہو تو اخیافی بہن بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔اور کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کی اولاد یا پوتا نہ ہو اور نہ والد ہو۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اولاد ہو یا پوتا ہو یا باپ ہو تو اخیافی بہن بھائی ساقط ہو جائیں گے۔اور باپ نہ ہو تو دادا بھی باپ کے درجے میں ہے۔اس لئے دادا ہوتے وقت بھی اخیافی بھائی بہن ساقط ہوں گے۔کلالہ کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔انہ سمع ابن عباس یقول الکلالۃ الذی لا یدع ولدا ولا والدا (د)(سنن للبیہقی،باب حجب الاخوۃ والاخوات من کانوا بالاب والابن وابن الابن، ج سادس،ص ۳۶۹،نمبر ۱۲۲۷۵)(۳) بلکہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ شریک بھائی بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔تو اخیافی بھائی بہن بدرجۂ اولی ساقط ہوں گے۔آیت یہ ہے۔یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ہلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ماترک وھو یرثہا ان لم یکن لہا ولد (ہ)(آیت ۱۷۶،سورۃ النساء)اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو (اور اسی میں پوتا بھی داخل ہے) تو بھائی بہن وارث ہوں گے۔اور اگر یہ ہوں تو وہ ساقط ہو جائیں گے۔

لغت ولد الام : ماں کی اولاد،اس سے مراد ماں شریک بھائی اور ماں شریک بہن ہیں جن کو اخیافی بھائی،اخیافی بہن کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ اولاد بھی نہ ہو اور والد بھی نہ ہو (ب) حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں وراثت میں دادا باپ کے درجے میں ہے اگر باپ نہ ہو۔اور پوتا بیٹے کے درجے میں ہے اگر بیٹا نہ ہو (ج) اگر مرد یا عورت کلالہ ہو اور اسکو بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے (د) حضرت ابن عباس نے فرمایا کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ اس کو نہ اولاد ہو اور نہ والد ہو۔(ہ) آپؐ سے فتوی پوچھتے ہیں،آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ہلاک ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکے کا آدھا ہے۔اور بھائی بھی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔

[۳۲۱۴](۱۶) واذا استکملت البنات الثلثین سقطت بنات الابن الا ان یکون بازائھن او

[۳۲۱۴](۱۶) اگر بیٹیاں دوتہائی لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں مگر یہ کہ اس کے برابر میں یا ان سے نیچے پوتا ہو تو ان کو عصبہ بنادے گا۔

تشریح مسئلے میں گزر چکا ہے کہ دو بیٹی ہو یا اس سے زیادہ ہو تو سب کو دو تہائی ہی ملے گی اس سے زیادہ نہیں۔ اسی میں تمام بیٹیوں کو شرکت کرنی ہوگی۔ اب پوتیاں ہوں تو ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ دو تہائی بیٹیاں لے چکی ہیں۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ اس لئے پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ آیت میں ہے کہ دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تب بھی دو تہائی ہی ملے گی۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک (الف) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴)

البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا ہو یا اس کے نیچے پر پوتا ہو اور بیٹیوں کے دو تہائی لینے کے بعد جو ایک تہائی بچ گئی ہو وہ پوتوں کو بطور عصبہ مل رہی ہو تو پوتیوں کو بھی اس میں سے مل جائے گا۔ اس صورت میں پوتوں کو دوگنا اور پوتی کو ایک گنا ملے گا۔ اور پوتیاں بھی پوتوں کے ساتھ عصبہ بن جائے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن خارجة بن زید عن ابیه زید بن ثابت ... وان لم یکن الولد ذکرا و کانتا اثنتین فاکثر من البنات فانه لا میراث لبنات الابن معھن الاان یکون مع بنات الابن ذکر ھو من المتوفی بمنزلتھن او ھو اطرف منھن فیرد علی من بمنزلته ومن فوقه من بنات الابناء فضلا ان فضل فیقسمونه للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لھم (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳) اس اثر میں ہے کہ بیٹیوں کے دو تہائی لینے کے بعد پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ اس کے ساتھ یا اس سے نیچے پوتا ہو وہ بطور عصبہ لے گا۔ اور پوتیوں کو بھی للذکر مثل حظ الانثیین دے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	پوتی	پوتا
66.66	11.11	22.22

یہاں سو میں سے دو تہائی یعنی 66.66 دو بیٹیوں کو دیا۔ باقی ایک تہائی یعنی 33.33 جو باقی بچی وہ پوتی اور پوتے کے درمیاں بطور عصبہ تقسیم ہوئی۔ اس لئے اس میں پوتے کو دوگنا 22.22 دیا اور پوتی کو ایک گنا یعنی 11.11 دیا گیا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو اس صورت میں پوتی کو کچھ نہیں ملتا۔

حاشیہ : (الف) تم کو اللہ اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہے، پس اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو اس کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی (ب) زید بن ثابت نے فرمایا اگر مذکر اولاد نہ ہوں اور دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے ساتھ پوتیوں کو میراث نہیں ہے۔ مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ اسی درجے کا پوتا ہو یا ان سے نیچے کے پوتے ہوں تو لوٹائی جائے گی۔ جو اس درجے میں ہو یا اس سے اوپر کی پوتیاں ہوں تو مال زیادہ ہوا ہو پھر اس کو مرد کے لئے عورتوں کے دوگنا کے طور پر تقسیم کریں گے۔ اور اگر کچھ نہ بچے تو ان پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔

اسفل منھن ابنُ ابن فیُعصّبھن[۳۲۱۵](۱۷) واذا استکمل الاخوات لاب وام الثلثین سقطت الاخوات لاب الا ان یکون معھن اخ لھن فیعصّبھن.

[۳۲۱۵](۱۷)اگر ماں باپ شریک بہنیں دوتہائی وصول کرلیں تو باپ شریک بہنیں ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو جو ان کو عصبہ بنادے۔

تشریح اوپر مسئلہ گزر چکا ہے کہ دو حقیقی بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔اس سے زیادہ نہیں اب دو یا اس سے زیادہ بہنیں تھیں ان کو دو تہائی دے دی گئی۔اس لئے باپ شریک بہنیں جن کو علاتی بہن کہتے ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ کچھ باقی نہیں رہا۔

وجہ آیت میں ہے۔**فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین** (الف) (آیت ۱۷۶،سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ دو یا اس سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی۔اس لئے اب باپ شریک بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

ہاں ان بہنوں کے ساتھ بھائی ہو تو حقیقی بہنوں کے حصے لینے کے بعد تہائی حصہ جو بچے گا وہ بھائی کو بطور عصبہ ملے گا۔پھر اس میں سے علاتی بہنوں کو للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا۔یعنی بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا۔

وجہ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**فان کان بنو الام والاب امرأتین فاکثر من ذلک من الاناث فیفرض لھن الثلثان ولا میراث معھن لبنات الاب الا ان یکون معھن ذکر من اب فان کان معھن ذکر بدئ بفرائض من کانت لہ فریضۃ فاعطوھا، فان فضل بعد ذلک فضل کان بین بنی الاب للذکر مثل حظ الانثیین فان لم یفضل شیء فلا شیء لھم** (ب) (سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حقیقی بہنیں دو تہائی لے لے اس کے بعد جو بچے وہ بھائی کو بطور عصبہ ملے گا۔اس میں سے باپ شریک بہنیں لے گی۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

دو حقیقی بہنیں	باپ شریک بہن	باپ شریک بھائی
66.66	11.11	22.22

اس مسئلے میں سو سے اصل مسئلہ بنایا۔اس میں سے دو تہائی یعنی 66.66 حقیقی بہنوں کو دیا۔باقی ایک تہائی یعنی 33.33 باپ شریک بھائی اور باپ شریک بہن کو بطور عصبہ دی گئی۔جس میں سے دوگنا یعنی 22.22 بھائی کو اور ایک گنا 11.11 بہن کو دیا گیا۔

حاشیہ : (الف) اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہے۔اور اگر بھائی بہن مذکر اور مؤنث ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا (ب) پس اگر حقیقی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہوگی۔اور ان کے ہوتے ہوئے باپ شریک بہنوں کی میراث نہیں ہے۔مگر یہ کہ بہنوں کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو۔پس اگر باپ شریک بھائی ہو تو تقسیم شروع کی جائے گی جس کے لئے حصے ہوں۔پس ان کو دو، پس اگر اس سے بچ جائے تو باپ شریک بھائی بہن میں تقسیم ہوگی۔اس اصول پر کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا۔پس اگر کچھ نہ بچے تو ان کے لئے کچھ نہیں ہوگی۔

﴿احوال وارثین ایک نظر میں﴾

حصہ لینے والے بارہ آدمی ہیں۔ان میں سے چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں ہیں۔

	حصہ لینے والے مرد		حصہ لینے والی عورتیں
(۱)	باپ	(۱)	بیوی
(۲)	دادا	(۲)	صلبی بیٹی
(۳)	ماں شریک بھائی	(۳)	پوتی
(۴)	شوہر	(۴)	ماں باپ شریک بہن
		(۵)	باپ شریک بہن
		(۶)	ماں شریک بہن
		(۷)	ماں
		(۸)	دادی

﴿ مردوں کے حصے ﴾

(۱) باپ کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	صرف چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جب بیٹا ہو یا پوتا ہو یا پر پوتا ہو۔
(۲)	چھٹا حصہ اور عصبہ کے طور پر	16.66	33.33	جب بیٹی ہو یا پوتی ہو یا پر پوتی ہو۔
(۳)	صرف عصبہ کے طور پر	×	100	جب نہ بیٹا ہو نہ پوتا ہو نہ بیٹی ہو نہ پوتی ہو۔

(۲) دادا کی حالتیں : چار ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	صرف چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جب بیٹا یا پوتا یا پر پوتا ہو
(۲)	چھٹا حصہ بھی اور عصبہ کے طور پر	16.66	33.33	جب بیٹی ہو یا پوتی ہو یا پر پوتی ہو
(۳)	صرف عصبہ کے طور پر سب	×	100	جب نہ بیٹا ہو نہ پوتا ہو نہ بیٹی ہو نہ پوتی ہو
(۴)	دادا ساقط ہو جائے گا	×	×	جب باپ موجود ہو

حصوں کی یہ ترتیب سراجی سے ماخوذ ہے، حصوں سے مراد سہام ہیں جو قرآن اور احادیث میں کسی حصے دار کو دیئے گئے ہیں۔

(۳) ماں شریک بھائی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ	16.66	×	ایک بھائی ہو یا ایک بہن ہو
(۲)	تہائی حصہ	33.33	×	بھائی بہن دونوں ہوں یا دو بھائی یا دو بہن ہوں
(۳)	ساقط ہو جائیں گے	×	×	بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا ہو

(۴) شوہر کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نہ ہوں
(۲)	چوتھائی ملے گی	25	×	بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی میں سے کوئی موجود ہو

﴿ عورتوں کے حصے ﴾

(۱) بیوی کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چوتھائی ملے گی	25	×	جب بیٹا یا بیٹی یا پوتا، پوتی یا پر پوتا نہ ہوں
(۲)	آٹھواں ملے گا	12.5	×	جب بیٹا یا بیٹی یا پوتا یا پوتی ہوں۔

(۲) صلبی بیٹی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	صرف ایک بیٹی ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں
(۳)	للذکر مثل حظ الانثیین	×	33.33	جب بیٹے کے ساتھ ہو

نوٹ ایک بیوی کو جتنا حصہ ملے گا چار ہو تب بھی اتنا ہی ملے گا۔ اور اسی میں چاروں کو تقسیم کر کے لینا ہوگا۔

(۳) پوتی کی حالتیں : چھ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	جب ایک پوتی ہو اور بیٹی نہ ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیاں ہوں اور بیٹی نہ ہو
(۳)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	صرف ایک بیٹی ہو اور پوتی ہو
(۴)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں
(۵)	باقی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	دو بیٹیاں ہوں اور پوتی کے ساتھ پوتا ہو
(۶)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جب بیٹا موجود ہو

(۴) ماں باپ شریک بہنوں کی حالتیں : سات ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کونسا حصہ ملے گا
(۱)	آدھا ملے گا	50	×	اگر ایک بہن ہو
(۲)	دو تہائی ملے گی	66.66	×	اگر دو یا اس سے زیادہ بہنیں ہوں
(۳)	للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا	×	33.33	جب بہن کے ساتھ بھائی ہو
(۴)	باقی تہائی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	جب دو بیٹیاں ہوں
(۵)	باقی تہائی بطور عصبہ ملے گا	×	33.33	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیاں ہوں
(۶)	ساقط، کچھ بھی نہیں ملے گا	×	×	جب بیٹا یا پوتا ہو
(۷)	ساقط، کچھ بھی نہیں ملے گا	×	×	جب باپ یا دادا موجود ہو

(۵) ماں شریک بہنوں کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	اگر ایک بہن ہو
(۲)	کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر باپ شریک بہن یا حقیقی بہن ہو
(۳)	تہائی میں شرکت	33.33	×	اگر ایک بھائی یا ایک بہن سے زیادہ ہوں

(٦) باپ شریک بہنوں کی حالتیں : گیارہ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(١)	آدھا ملے گا	50	×	اگر صرف ایک بہن ہو
(٢)	دو تہائی ملے گا	66.66	×	دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں اور حقیقی بہنیں نہ ہوں
(٣)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	اگر ایک حقیقی بہن ہو
(۴)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر دو حقیقی بہنیں ہوں
(۵)	ما بقی للذکر مثل حظ الانثیین	×	33.33	دو حقیقی بہنوں کے علاوہ باپ شریک بھائی ہو
(٦)	بطور عصبہ باقی	×	33.33	دو بیٹیاں یا اس سے زیادہ ہوں
(٧)	بطور عصبہ باقی	×	33.33	جب دو یا اس سے زیادہ پوتیاں ہوں
(٨)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	بیٹا یا پوتا موجود ہو
(٩)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جب باپ یا دادا موجود ہو
(١٠)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	حقیقی بھائی موجود ہو
(١١)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	اگر حقیقی بہن، بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ بنی ہو

(٧) ماں کی حالتیں : آٹھ ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(١)	چھٹا حصہ	16.66	×	بیٹا یا بیٹی ہو
(٢)	چھٹا حصہ	16.66	×	پوتا یا پوتی، پرپوتا یا پرپوتی ہو
(٣)	چھٹا حصہ	16.66	×	حقیقی دو بھائی یا دو بہنیں ہوں
(۴)	چھٹا حصہ	16.66	×	علاتی یا اخیافی دو بھائی یا دو بہنیں ہوں
(۵)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں
(٦)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر بیوی ہو تو اس کے لینے کے بعد اور باپ ہو
(٧)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر شوہر ہو تو اس کے لینے کے بعد اور باپ ہو
(٨)	کل مال کی تہائی	33.33	×	اگر شوہر یا بیوی ہو اور دادا ہو

(۸) دادی کی حالتیں : تین ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	ایک دادی ہو یا بہت اور ماں نہ ہو
(۲)	ساقط، کچھ نہیں ملے گا	×	×	جبکہ ماں ہو
(۳)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	جبکہ دادا ہو

(۹) نانی کی حالتیں : دو ہیں۔

	حصے	حصے	بطور عصبہ	کس حالت میں کون سا حصہ ملے گا
(۱)	چھٹا حصہ ملے گا	16.66	×	ایک نانی ہو یا بہت اور ماں نہ ہو
(۲)	ساقط کچھ نہیں ملے گا	×	×	جبکہ ماں ہو

نوٹ قاعدہ : جب کبھی بھائی بہن دونوں حصے لینے والے ہوں تو للذ کر مثل حظ الانثیین ہو جاتا ہے۔ یعنی بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا۔ چاہے وہ دونوں میت کے لئے بیٹا اور بیٹی ہو یا پوتا اور پوتی ہو یا بھائی اور بہن ہو۔ البتہ یہ دونوں آپس میں بھائی اور بہن ہوں گے۔

﴿ باب العصبات ﴾

[۳۲۱۶](۱) واقرب العصبات البنون ثم بنوهم ثم الاب ثم الجد ثم بنو الاب وهم

﴿ باب العصبات ﴾

ضروری نوٹ عصبات عصبة کی جمع ہے۔اس کا ترجمہ ہے والد کے رشتہ دار، چونکہ یہ حصے لینے والے سب باپ کے رشتہ دار ہیں اس لئے ان کوعصبات کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن ابن عباسؓ قال الحقوا الفرائض باھلھا،فما ترکت الفرائض فلا ولی رجل ذکر (الف) (بخاری شریف، باب ابنی عم احدھما اخ للام والآخر زوج ،ص ،نمبر ۶۷۴۶/ابوداؤد شریف، باب فی میراث العصبة ،ص ۴۵،نمبر ۲۸۹۸) اس حدیث میں ہے حصے داروں کو حصے دیدو پھر جو باقی بچے وہ مذکر عصبہ کو دیدو (۲) آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (ب) (آیت ۱۱،سورۃ النساء۴) س آیت میں بیٹے کے لئے دوگنا اور بیٹی کے لئے ایک گنا بطور عصبہ ہے۔اس لئے اس آیت میں عصبہ کو دینے کا اشارہ ہے۔

﴿ اقسام عصبات ﴾

عصبات کی چار قسمیں ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ (۴) عصبہ بالسبب۔

(۱) عصبہ بنفسہ : جو لوگ خود بخود عصبہ ہوں، کسی دوسرے کے بنانے کی وجہ سے نہ ہوں اس کو 'عصبہ بنفسہ' کہتے ہیں،ان میں بیٹا، پوتا، باپ۔دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی عصبہ ہیں۔

(۲) عصبہ بغیرہ : خود تو عصبہ نہیں تھا لیکن بھائیوں نے اس کو عصبہ بنا دیا اس لئے غیر کی وجہ سے عصبہ بن گئے۔اس لئے ان کو 'عصبہ بغیرہ' کہتے ہیں۔ان میں بیٹی بیٹے کے ساتھ، پوتی پوتے کے ساتھ، حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ، علاتی بہن علاتی بھائی کے ساتھ عصبہ ہیں۔ان لوگوں کو للذکر مثل حظ الانثیین ملے گا۔یعنی مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا۔

(۳) مع غیرہ : یہ عورتیں خود تو عصبہ نہیں تھیں اور نہ کسی نے اس کو عصبہ بنایا۔البتہ بیٹی نے یا پوتی نے اپنا اپنا حصہ لیا اور عصبہ مرد کوئی نہیں تھا تو حقیقی بہن نے یا علاتی بہن نے باقی مال آدھا یا ایک تہائی لیا۔تو چونکہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بنی ہے اس لئے ان کو 'عصبہ مع غیرہ' کہتے ہیں۔ مثلا ایک بیٹی تھی اور ایک پوتی تھی۔بیٹی نے آدھا لیا اور دو ثلث پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا دیا۔باقی ایک تہائی بچی وہ بہن کو بطور عصبہ دیا۔اس لئے بہن عصبہ مع غیرہ ہوئی۔

(۴) عصبہ بالسبب : آزاد کرنے کے سبب سے آقا یا سیدہ غلام کے مال کا بطور عصبہ وارث بنے اس کو 'عصبہ بالسبب' کہتے ہیں۔کیونکہ یہ نسب کی وجہ سے عصبہ نہیں بنے بلکہ آزادگی کے سبب سے عصبہ بنے۔یہ دو قسم کے لوگ ہیں (۱) آزاد کرنے والا آقا (۲) آزاد کرنے والی سیدہ۔اس تفصیل کے بعد ترجمہ اور شرح دیکھیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا حصے اس کے لینے والے کو دو اور حصے والے چھوڑ دیں تو مذکر عصبات کے لئے ہوگا (ب) تم کو اللہ اولاد کے بارے میں وصیت کرتے ہیں کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔

الاخوۃ ثم بنو الجد وھم الاعمام ثم بنو اب الجد[۳۲۱۷] (۲) واذا استوی بنو اب فی

[۳۲۱۶] (۱) عصبوں میں سے قریب (۱) بیٹے ہیں (۲) پھر پوتے ہیں (۳) پھر باپ (۴) پھر دادا (۵) پھر باپ کے بیٹے وہ بھائی ہیں (۶) پھر دادا کے بیٹے وہ چچا ہیں (۷) پھر دادا کے باپ کے بیٹے جس کو دادا کے بھائی کہتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں سات قسم کے عصبات کو ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قریب والا عصبہ موجود ہو تو اس سے بعد والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلا بیٹا موجود ہو تو پوتا کو نہیں ملے گا۔ اور پوتا موجود ہو تو باپ کو نہیں ملے گا۔ اور باپ موجود ہو تو دادا کو نہیں ملے گا۔ اور دادا ہو تو بھائی کو نہیں ملے گا۔ اور بھائی ہو تو چچا کو نہیں ملے گا۔ اور چچا ہو تو دادا کے بھائی کو نہیں ملے گا۔

وجہ: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد** (الف) (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو تب بہن کو ملے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اولاد جو قریب کا عصبہ ہو تو اس سے دور کے عصبہ کو نہیں ملے گا (۲) اور مذکر عصبہ کو دینے دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباسؓ عن النبی قال الحقوا الفرائض باھلھا، فما ترکت الفرائض فلاولی رجل ذکر** (ب) (بخاری شریف، باب ابنی عم احدھما اخ للام والآخر زوج، ص، نمبر ۶۷۴۵ / ابو داؤد شریف، باب فی میراث العصبۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحاب فرائض کے دینے کے بعد جو بچے وہ مذکر عصبات کو دیئے جائیں گے۔

ان عصبات میں (۱) بیٹا جزو میت ہے اور فروع ہے (۲) پوتا جزو کا جزو ہے (۳) باپ اصل میت ہے (۴) دادا اصل کا اصل ہے (۵) بھائی اصل یعنی باپ کا جز ہے (۶) چچا اصل کے اصل کا جزو ہے یعنی باپ کے باپ کا بیٹا ہے (۷) اور دادا کا بھائی اصل کے اصل کے اصل کا جزو ہے۔

وجہ: **فتفسیر ابی الزناد علی معانی زید بن ثابت قال الاخ للام والاب اولی بالمیراث من الاخ للاب، والاخ للاب اولی بالمیراث من ابن الاخ للاب والام، و ابن الاخ للام والاب اولی من ابن الاخ للاب، وابن الاخ للاب اولی من ابن ابن الاخ للاب والام** الخ (سنن للبیہقی باب ترتیب العصبات، ج سادس، ص ۳۹۱، نمبر ۱۲۳۷۳) اس اثر میں عصبہ کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

[۳۲۱۷] (۲) جب باپ کے بیٹے درجے میں برابر ہوں تو زیادہ مستحق وہ ہے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہو۔

تشریح: بھائی بہنوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) بھائی اور بہن ماں میں بھی شریک ہوں اور باپ میں بھی شریک ہوں ان کو اعیان بنی الام کہتے ہیں۔ اردو میں حقیقی بھائی، حقیقی بہن کہتے ہیں۔ یہ دوسرے بھائی بہنوں سے زیادہ حقدار ہیں (۲) صرف باپ دونوں کے ایک ہو۔ اور ماں الگ الگ ہو جس کو علاتی بھائی یا علاتی بہن کہتے ہیں۔ اردو میں سوتیلا بھائی یا سوتیلی بہن کہتے ہیں (۳) صرف ماں دونوں کی ایک ہو جس کو

حاشیہ: (الف) لوگ آپؐ سے فتوی پوچھتے ہیں۔ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ اگر آدمی ہلاک ہو جائے۔ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ اور بھائی بھی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو (ب) آپؐ نے فرمایا حصے والوں کو حصے دو اور جو چھوڑ دے تو مذکر کے لئے ہے۔

درجة فاولٰھم من کان من اب وام[۳۲۱۸](۳) والابنُ وابن الابن والاخوة یقاسمون

اخیافی بھائی یا اخیافی بہن کہتے ہیں۔ یاماں شریک بھائی بہن کہتے ہیں۔

ماں باپ شریک بھائی، یاماں باپ شریک بہن سوتیلے بھائی بہن سے زیادہ مستحق ہیں۔یعنی اگر ماں باپ شریک بھائی یا بہن ہوتو سوتیلے بھائی یا سوتیلی بہن کونہیں ملے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن علی انه قال ... وان رسول الله ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة وان اعیان بنی الام یرثون دون بنی العلات،الرجل یرث اخاه لابیه وامه دون اخیه لابیه (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوة من الاب والام،ص ۲۹،نمبر ۲۰۹۴)اس حدیث میں ہے کہ حقیقی بہن بھائی سوتیلے بہن بھائی سے مقدم ہوں گے۔یہ قاعدہ بھتیجا، چچا اور چچا کے بیٹے میں بھی چلے گا۔یعنی حقیقی بھتیجا مقدم ہوگا سوتیلے بھتیجا سے۔اسی طرح حقیقی چچا مقدم ہوگا سوتیلے چچا سے۔اور حقیقی چچا کے بیٹے مقدم ہوں گے سوتیلے چچا کے بیٹے سے۔اسی طرح سوتیلے بھائی یا بہن مقدم ہونگے صرف ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہن سے۔اور سوتیلے چچا مقدم ہونگے صرف ماں شریک چچا سے۔

لغت استوی : برابر درجے کے ہوں، اولی : مقدم ہوگا۔

[۳۲۱۸](۳) بیٹا اور پوتا اور بھائی تقسیم کر کے دیں گے اپنی بہنوں کو مذکر کے لئے مؤنث کے دو حصے کے برابر۔

تشریح یہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ مرد کے ساتھ عورت بطور عصبہ وارث بنیں تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا (۱) میت کا بیٹا اور بیٹی میت کے وارث بنیں تو اور اصحاب فرائض کے حصہ لینے کے بعد بیٹا کو دونا اور بیٹی کو اس کا ایک گنا ملے گا۔اور یہ دونوں بیٹا بیٹی آپس میں بھائی اور بہن ہیں (۲) میت کا پوتا اور پوتی میت کے وارث بنے تو اور اصحاب فرائض کے حصہ لینے کے بعد جو بچے اس میں سے پوتا کو دوگنا اور پوتی کو ایک گنا ملے گا۔اور یہ دونوں آپس میں بھائی اور بہن ہیں۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (آیت ۱۱،سورۃ النساء ۴) اس آیت میں اولاد سے مراد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پرپوتا، پرپوتی ہے۔اس لئے یہ لوگ جب بھی مرد عورت وارث بنیں گے تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیوی	بیٹا		بیٹی
12.5	←	87.50	→
	58.33	← →	29.16

اس مسئلے میں سو میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دیا جو 12.5 بنے گا۔باقی 87.5 رہا اس میں سے ایک تہائی بیٹی کو 29.16 انتیس پوائنٹ سولہ

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا...آپؐ نے قرض کا فیصلہ وصیت سے پہلے کیا۔اور یہ کہ حقیقی بھائی بہن سوتیلے بھائی بہن سے پہلے وارث ہوں گے۔آدمی حقیقی بھائی کا وارث ہوگا سوتیلے بھائی سے پہلے۔

اخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین [۳۲۱۹](۴)ومن عداھم من العصبات ینفرد بالمیراث

دیا۔اوراس کی دوتہائی یعنی 58.33 اٹھاون پوائنٹ تینتیس بیٹے کودیا۔اور پوتے اور پوتی کا حساب بھی اسی طرح بنے گا۔

[۳] میت کے حقیقی بھائی اور بہن وارث بنے تو حصے داروں کے حصے لینے کے بعد جو بچے اس میں سے بھائی کودوگنا اور بہن کوایک گنا ملے گا۔ یہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہوئے۔

[۴] میت کے سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہن وارث بنے تو بھائی کودوگنا اور بہن کوایک گنا ملے گا۔اور یہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہیں۔

وجہ ان دونوں مسئلوں کی دلیل اس آیت میں ہے۔وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین (ب)(آیت ۱۷۶، سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کودوگنا اور بہن کوایک گنا ملے گا۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی		حقیقی بھائی		حقیقی بہن
25		سوتیلا بھائی		سوتیلی بہن
		←	75	→
		50	← →	25

اس مسئلے میں اولاد نہیں ہے اس لئے بیوی کوسو میں سے چوتھائی یعنی 25 دیا باقی 75 بچا۔ان میں سے بھائی کودوگنا یعنی 50 دیا اور بہن کوایک گنا یعنی 25 دیا۔

اصول حصے لینے والے آپس میں بھائی بہن ہوں تو للذکر مثل حظ الانثیین ہوجاتا ہے۔یعنی بھائی کودوگنا اور بہن کوایک گنا ملے گا(۲) یہ عورتیں عصبہ بغیرہ ہوئے۔

[۳۲۱۹](۴)ان کے علاوہ عصبات میں سے مرد تنہا ہوتے ہیں میراث لینے میں نہ کہ ان کی عورتیں۔

تشریح بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور سوتیلے بھائی کے علاوہ جتنے عصبات ہیں ان کے مرد کوبطور عصبہ ملتا ہے۔ان کے ساتھ جو عورتیں ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔مثلا باپ کو بیٹے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن ماں کوبطور عصبہ نہیں ملے گا۔اور نہ باپ کی بہن پھوپھی کوبطور عصبہ ملیگا۔ (۲) دادا کو پوتے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن دادی کو یا دادا کی بہن کوبطور عصبہ نہیں ملے گا(۳) بھتیجے کو چچا کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا لیکن اس کی بہن یعنی بھتیجی کو چچا کے مال میں سے بطور عصبہ نہیں ملے گا(۴) چچا کو بھتیجے کے مال میں سے بطور عصبہ ملے گا۔لیکن اس کی بیوی یا اس کی بہن میت کی پھوپھی کوبطور عصبہ نہیں ملے گا(۵) دادا کے بھائی کوبطور عصبہ ملے گا لیکن اس کی بہن گویا کہ دادی کوبطور عصبہ نہیں ملیگا۔حاصل یہ کہ باپ، دادا، بھتیجا، چچا اور دادا کے بھائی جب بطور عصبہ لیں گے تو اس کے ساتھ عورتیں یعنی ان ہر ایک کی بہنوں کوبطور

(ب)اگر بھائی بہن مذکر اور مؤنث ہوں تو مذکر کو مؤنث کا دوگنا ہوگا۔

ذکورهم دون اناثهم [۳۲۲۰](۵) واذا لم یکن عصبة من النسب فالعصبة هو المولی المُعتِقُ [۳۲۲۱](۶) ثم الاقرب فالاقرب من عصبة المولی.

عصبہ نہیں ملے گا۔

لغت عداهم : ان کے علاوہ۔

[۳۲۲۰](۵) اگر میت کا نسبی عصبہ نہ ہو تو آزاد کرنے والا آقا عصبہ ہوتا ہے۔

تشریح اس عبارت میں عصبہ بالسبب کا تذکرہ ہے۔یعنی اگر نسبی عصبہ موجود نہ ہو۔اور میت آزاد کردہ غلام تھا تو اس کا آقا جس نے آزاد کیا تھا وہ آزاد کرنے کے سبب سے عصبہ بنے گا۔اور سارا مال وہ والد کے طور پر لے جائے گا۔چاہے آزاد کرنے والا مرد یعنی آقا ہو یا آزاد کرنے والے عورت یعنی سیدہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عائشة قالت اشتریت بریرة فقال النبی علیہ السلام اشتریها فان الولاء لمن اعتق** (الف) (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط ،ص ۹۹۹، نمبر ۶۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جس نے آزاد کیا اس کو غلام کا مال بطور عصبہ ملیگا۔

[۳۲۲۱](۶) پھر آقا کے عصبات میں سے سب سے زیادہ جو قریب ہو۔

تشریح آزاد کردہ غلام کے عصبات میں عورت کو حصہ نہیں ملتا ہے۔ہاں! عورت نے آزاد کیا تو وہ ولاء عورت کو ملے گا۔لیکن مثلا باپ نے غلام آزاد کیا تو غلام کا ولاء آقا کے بیٹے کو ملے گا عورت کو نہیں ملے گا۔اور یہ بھی ہے کہ جو مرد میت کے قریب کے عصبات ہیں اس کو سب سے پہلے ملے گا۔وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا۔البتہ اگر ولاء وراثت میں آ گیا تو وراثت کے اعتبار سے عورت کو مل سکتا ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن علی وعبد اللہ وزید بن ثابت انهم کانوا یجعلون الولاء للکبر من العصبة ولا یرثون النساء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن** (ب) دوسری روایت میں ہے۔**کان عمر وعلی وزید بن ثابت لا یورثون النساء من الولاء الا ما اعتقن** (ج) (سنن للبیہقی، باب لا ترث النساء الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن، ج عاشر، ص ۵۱۵، نمبر ۲۱۵۱۱/۲۱۵۱۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۹۷ فیمن ترث النساء من الولاء وما ھو؟ ج سادس، ص ۲۹۲، نمبر ۳۱۴۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت دوسرے کے آزاد کردہ غلام کی وارث بطور عصبہ نہیں ہوگی۔اور اوپر کے اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عصبہ بھی ترتیب کے ساتھ ہوں گے۔کیونکہ اثر میں **یجعلون الولاء للکبر من العصبة** کا لفظ ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مقدم ہو اس کو پہلے ملے گا۔وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا (۲) خود آقا بطور فرض کے وارث نہیں ہوا ہے بلکہ سبب کے طور پر عصبہ ہو کر وارث ہوا ہے اس لئے بعد کے مرد بھی بطور عصبہ ہی وارث ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا باندی کو خرید لو ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوگا (ب) حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ اور زید بن ثابت ولاء عصبہ میں سے بڑے کے لئے کرتے تھے۔اور عورتیں ولاء کا وارث نہیں ہوگی مگر جس غلام کو خود آزاد کی ہو یا اس کے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو اس ولاء کا وارث ہوگی (ج) حضرت عمرؓ ،حضرت علیؓ، اور زید بن ثابت عورتوں کو ولاء کا وارث نہیں بناتے تھے مگر خود آزاد کی ہو تو اس ولاء کی وارث ہوگی۔

﴿ عصبات کی تعداد ایک نظر میں ﴾

	عصبہ بنفسہ	حصے		عصبہ بنفسہ	حصے
(۱)	بیٹا	×	(۱۰)	پھر ماں باپ شریک چچا	×
(۲)	پھر پوتا	×	(۱۱)	پھر باپ شریک چچا	×
(۳)	پھر پرپوتا	×	(۱۲)	پھر ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۴)	پھر باپ	×	(۱۳)	پھر باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۵)	پھر دادا	×	(۱۴)	پھر باپ کا ماں باپ شریک چچا	×
(۶)	پھر ماں باپ شریک بھائی	×	(۱۵)	پھر باپ کا باپ شریک چچا	×
(۷)	پھر باپ شریک بھائی	×	(۱۶)	پھر باپ کے ماں باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۸)	پھر ماں باپ شریک بھتیجا	×	(۱۷)	پھر باپ کے باپ شریک چچا کا بیٹا	×
(۹)	پھر باپ شریک بھتیجا	×	(۱۸)	پھر دادا کا چچا	×

نوٹ اس نقشے میں عصبات کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

	عصبہ بغیرہ	حصے		عصبہ بغیرہ	حصے
(۱)	بیٹی جبکہ بیٹا ساتھ ہو	33.33	(۶)	سوتیلی بھتیجی	×
(۲)	پوتی جبکہ پوتا ساتھ ہو	33.33	(۷)	پھوپھی	×
(۳)	بہن جبکہ بھائی ساتھ ہو	33.33	(۸)	سوتیلی پھوپھی	×
(۴)	سوتیلی بہن جبکہ بھائی ساتھ ہو	33.33	(۹)	چچازاد بہن	×
(۵)	بھتیجی	×	(۱۰)	سوتیلی چچازاد بہن	×

	عصبہ مع غیرہ (یہ بہنیں ہیں)		عصبہ مع غیرہ (یہ بہنیں ہیں)
(۱)	بیٹی کے لینے کے بعد، ماں باپ شریک بہن کو ملے گا	(۳)	پوتی کے لینے کے بعد، ماں شریک بہن کو ملے گا
(۲)	بیٹی کے لینے کے، باپ شریک بہن کو ملے گا	(۴)	پوتی کے لینے کے بعد، باپ شریک بہن کو ملے گا

	آزاد کے سبب سے عصبہ		آزاد کے سبب سے عصبہ
(۱)	آزاد کرنے والا آقا	(۲)	آزاد کرنے والی سیدہ

﴿باب الحجب﴾

[۳۲۲۲](۱)وتحجب الام من الثلث الی السدس بالولد او ولد الابن او اخوین.

﴿باب الحجب﴾

ضروری نوٹ حجب کے معنی روکنا، اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ مثلا ماں کو اولاد نہ ہونے پر تہائی ملتی تھی لیکن اولاد نے ماں کو تہائی سے روک دیا اور چھٹا دلوایا۔ تو گویا کہ اولاد کی وجہ سے ماں مجوب ہوگئی۔ یہ حجب نقصان ہوا۔ کیونکہ اولاد کی وجہ سے تہائی سے چھٹا ملا۔ اور اگر ایک بیٹی ہوتی تو پوتی کو چھٹا ملتا۔ لیکن دو بیٹیاں ہوں تو پوتی کو کچھ نہیں ملے گا تو دو بیٹیوں کی وجہ سے پوتی محروم اور مجوب ہوگئی تو یہ حجب حرمان ہے۔

وجہ حجب نقصان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن** (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا دیا گیا۔ اور اولاد ہو تو انہوں نے شوہر کو نقصان دے کر آدھا سے چوتھائی پر لے آیا۔ تو اس میں حجب نقصان ہوا (۲) اور حجب حرمان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ جعل للجدۃ السدس اذالم تکن دونھا ام** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الجدۃ، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ ماں نہیں ہوگی تو دادی کو چھٹا ملے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ماں ہو تو دادی محروم اور مجوب ہو جائے گی۔ اس میں حجب حرمان ہے۔

[۳۲۲۲](۱) ماں مجوب ہوتی ہے تہائی سے چھٹے کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے کی وجہ سے۔

تشریح اگر بیٹا، پوتا اور دو بھائی نہ ہوں تو ماں کو تہائی ملے گی۔ اور ان میں سے کوئی موجود ہو تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ حجب نقصان ہوا۔

وجہ اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد و ورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس** (ج) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد نہ ہو اور اسی میں پوتا بھی شامل ہے تو تہائی ملے گی۔ اور اولاد ہو تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا ملے گا۔ اسی طرح دو بھائی نہ ہوں تو تہائی ملے گی۔ اور دو بھائی ہوں تو تہائی سے کم ہو کر چھٹا ملے گا۔ اخوۃ : اخ کی جمع ہے دو بھائی۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	دو بھائی
16.66	83.33

حاشیہ : جو کچھ تمہاری بیویوں نے چھوڑا اس کا آدھا ہوگا اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ترکے کی چوتھائی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا دادی کے لئے چھٹا ہے اگر ماں نہ ہو (ج) ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا ہے ترکے میں اگر اس کی اولاد ہو۔ پس اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے ماں باپ وارث ہوں گے۔ پس اس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔ اور اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا ہے۔

[۳۲۲۳(۲) والفاضل عن فرض البنات لبنی الابن واخواتھم للذکر مثل حظ الانثیینؤ۳۲۲۴](۳) والفاضل عن فرض الاختین من الاب والام للاخوۃ والاخوات من

اس مسئلے میں ماں کو چھٹا حصہ یعنی سو میں سے 16.66 ملے گا اور باقی 83.33 دو بھائیوں کو ملے گا۔

[۳۲۲۳] (۲) اور جو باقی بچ جائے بیٹیوں کے لینے سے وہ پوتے اور ان کی بہنوں کے لئے ہے مرد کو عورت سے دوگنا۔

تشریح دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گی، باقی ایک تہائی پوتے اور پوتیوں کو بطور عصبہ ملے گی۔ اس ایک تہائی میں مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا۔ اگر بیٹیاں نہ ہوتی تو سب مال پوتے اور پوتیون کو ملتا، لیکن بیٹیوں کی وجہ سے پوتے اور پوتیوں کو حجب نقصان ہوا کہ صرف ایک تہائی میں ان کو تقسیم کرنا پڑا۔

وجہ اثر میں گزرا۔ عن خارجة بن زيد عن عن ابيه زيد بن ثابت ... وان لم يكن الولد ذكرا و كانتا اثنتين فاكثر من البنات فانه لا ميراث لبنات الابن معهن الا ان يكون مع بنات الابن ذكر هو من المتوفى بمنزلتهن اوهو اطرف منهن فيرد على من بمنزلته و من فوقه من بنات الابناء فضلا ان فضل فيقسمونه للذكر مثل حظ الانثيين فان لم يفضل شيء فلا شيء لهم (الف) (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳) اس اثر میں ہے کہ دو بیٹیوں سے جو بچے گا وہ پوتے اور پوتی کو مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	پوتا		پوتی
66.66	←	33.33	→
	22.22	← →	11.11

اس مسئلے میں بیٹیوں کو دو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 دیا۔ اور باقی ایک تہائی 33.33 پوتا اور پوتی میں تقسیم ہوئی جس کی بنا پر پوتا کو دوگنا 22.22 اور پوتی کو ایک گنا 11.11 ملا۔

[۳۲۲۴] (۳) اور جو باقی رہے حقیقی بہنوں کے حصے سے وہ سوتیلے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہے۔

تشریح ماں باپ شریک دو حقیقی بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی مل جائے گی۔ اور ایک تہائی باقی رہی وہ باپ شریک بھائی اور بہن کے لئے ہوگی۔ اس میں بھائی کے لئے دوگنا اور بہن کے لئے ایک گنا ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ فتفسير ابى الزناد على معانى زيد بن ثابت ... فان كان بنو الام والاب امرأتين فاكثر من ذلك من

حاشیہ : (الف) حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا اگر اولاد مذکر نہ ہوں اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کا اس کے ساتھ میراث نہیں ہے۔ مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ اسی درجے میں متوفی کا پوتا ہو۔ یا اس سے نیچے درجے کا پوتا ہو تو اس درجے کی پوتیوں پر یا اس سے اوپر کی پوتیوں پر تقسیم کی جائے گی اگر فاضل رہے تو اس کو تقسیم کریں گے مرد کو عورتوں کا دوگنا ہوگا۔ اور اگر کچھ باقی نہیں رہا تو ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

الاب لـلـذكـر مثل حظ الانثيين[۳۲۲۵] (۴) واذا ترک بنتا وبنات ابن وبنی ابن فللبنت

الاِنـاث فيفرض لهن الثلثان ولا ميراث معهن لبنات الاب الا ان يكون معهن ذكر من اب ،فان كان معهن ذكر بدئ بـفرائض من كانت له فريضة فاعطوها فان فضل بعد ذلک فضل كان بين بنی الاب للذكر مثل حظ الانثيين فان لم يـفـضـل شیء فلا شیء لهم (الف) (سنن للبیہقی ۔ باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص ۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۶)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو حقیقی بہنوں کے لینے کے بعد جو بچے گا وہ سوتیلے بھائی اور بہن میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح کہ مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **فان كـانـتـا اثـنـتيـن فلهما الثلثان مموترک وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حـــظ الانثيـيـن** (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بھائی اور بہن دونوں ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو حقیقی بہنیں	ایک سوتیلا بھائی		ایک سوتیلی بہن
66.66	←	33.33	→
	22.22	← →	11.11

اس مسئلے میں دو حقیقی بہنوں کے لئے سو میں سے دو تہائی 66.66 ملا۔ باقی ایک تہائی 33.33 سوتیلے بھائی اور بہن میں تقسیم ہوئی۔ جس میں سے بھائی کو دوگنا 22.22، ملا اور بہن کو ایک گنا 11.11 ملا۔

[۳۲۲۵] (۴) اگر چھوڑی ایک بیٹی اور چند پوتیاں اور چند پوتے تو بیٹی کے لئے آدھا ہوگا۔ اور باقی پوتے اور ان کی بہنوں کے لئے ہے۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ ایک بیٹی ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔ اور باقی آدھا پوتے اور پوتی کے لئے بطور عصبہ ہوگا۔ اس میں پوتے کے لئے پوتی کا دوگنا ہوگا اور پوتی کو ایک گنا ہوگا۔

اگر بیٹی نہ ہوتی تو سب مال پوتے اور پوتی کا ہوتا لیکن بیٹی کی وجہ سے ان کو آدھا ہی ملا جو حجب نقصان ہے۔

وجہ آیت میں ہے کہ ایک بیٹی کے لئے آدھا ہے اس لئے جو آدھا باقی رہے گا وہ پوتا اور پوتی کو بطور عصبہ ملے گا۔ آیت یہ ہے۔ **فـــان كـن نسـاء فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترک وان كانت واحدة فلها النصف** (ب) (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ ایک

حاشیہ : (الف) حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا اگر حقیقی بہنیں دو یا ان سے زیادہ ہوں تو ان کے دو تہائی متعین ہوگی۔ اور ان کے ساتھ سوتیلی بہن کو میراث نہیں ملے گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ سوتیلا بھائی ہو تو حصے والوں کو پہلے حصے دیئے جائیں گے۔ پس اگر ان سے کچھ بچ گیا تو یہ بچا ہوا سوتیلے بھائی بہنوں میں ہوگا۔ مرد کو عورت کے دوگنے کے اصول پر۔ اور اگر نہیں بچا تو ان کو کچھ نہیں ملے گا (ب) اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کی دو تہائی ہوگی اور ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہوگا۔

النصف والباقی لبنی الابن واخواتهم للذکر مثل حظ الانثیین[۳۲۲۶](۵) وکذلک الفاضل عن فرض الاخت للاب والام لبنی الاب وبنات الاب للذکر مثل حظ الانثیین.

بیٹی ہوتو اس کو آدھا ملے گا۔اور چونکہ پوتی کے ساتھ پوتا بھی ہے اس لئے باقی آدھا عصبہ کے طور پر دونوں لے لیں گے۔

وجہ اثر ہے۔ **فان کان مع بنات الابن ذکر هو بمنزلتهن فلا سدس لهن ولا فریضة ولکن ان فضل فضل بعد فریضة اهل الفرائض کان ذلک الفضل لذلک الذکر ولمن بمنزلته من الاناث للذکر مثل حظ الانثیین** (الف) (سنن للبیہقی، باب میراث اولاد الابن، ج سادس، ص ۳۷۷، نمبر ۱۲۳۱۳/مصنف ابن ابی شیبة، ۸ فی رجل ترک ابنتیه وابنة ابنه وابن ابن اسفل منها، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۳۱۰۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیٹی کے آدھے لینے کے بعد باقی آدھا پوتے اور پوتی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

ایک بیٹی	پوتا		پوتی
50	۲	50	۱
	33.33	۲ ۱	16.66

اس مسئلے میں بیٹی کو آدھا یعنی سو میں سے 50 دیا۔ اور باقی آدھا یعنی 50 میں سے ایک تہائی یعنی 16.66 پوتی کو دیا۔ اور اس کا دوگنا 33.33 پوتے کو دیا۔

[۳۲۲۶](۵) ایسے ہی جو باقی بچے ایک حقیقی بہن کے حصے سے وہ سوتیلے بہن بھائی کے لئے ہے، مرد کے لئے عورت کا دوگنا۔

تشریح ایک ماں باپ شریک بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا اور باقی جو آدھا رہا وہ باپ شریک یعنی سوتیلے بھائی اور بہن کو ملے گا۔ مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا۔

وجہ ایک حقیقی بہن ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اس کی دلیل کے لئے آیت گزر چکی ہے۔ **یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک** (ب) (آیت ۱۷۶، سورۃ النساء۴) اس میں ہے کہ ایک حقیقی بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا۔ اور باقی آدھا سوتیلے بھائی بہن کو ملے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **فان کان مع بنات الاب اخ ذکر فلا فریضة لهم ویبدأ باهل الفرائض فیعطون فرائضهم فان فضل بعد ذلک فضل کان بین بنی الاب للذکر مثل حظ الانثیین**

حاشیہ : (الف) پس اگر پوتی کے ساتھ پوتا ہو اسی درجے میں تو پوتی کو چھٹا نہیں ملے گا اور نہ اس کا کوئی باضابطہ حصہ ہوگا۔ لیکن اگر حصے داروں کے لینے بعد کچھ باقی رہ گیا تو یہ بقیہ پوتے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے درجے میں جو پوتی ہے اس کے لئے بھی ہوگا۔ مرد کے لئے عورت کے دوگنا کے اصول پر (ب) آپ سے فتوی مانگتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں کہ آدمی مرجائے اور اس کی بہن ہو تو اس کے لئے ترکے کا آدھا ہوگا۔

[۳۲۲۷](۶) ومن ترک ابنی عم احدھما اخ لام فللاخ السدس والباقی بینھما نصفان.

(ج)(سنن للبیہقی، باب میراث الاخوۃ والاخوات لاب وام اولاب، ج سادس، ص۳۸۱، نمبر ۱۲۳۲۶)اس اثر میں ہے کہ علاتی بہن بھائیوں کو باقی ملے گا۔اس طرح کہ مرد کے لئے عورت کا دوگنا ہوگا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

علاتی بہن		علاتی بھائی	حقیقی بہن
↩	50	↩	50
16.16	↩ ↪	33.33	

اس مسئلے میں حقیقی ایک بہن کو سو کا آدھا 50 دیا۔باقی آدھے میں سے ایک تہائی 16.66 باپ شریک بہن کو دیا۔اور اس کا دوگنا 33.33 باپ شریک بھائی کو دیا۔

[۳۲۲۷](۶) کسی نے چھوڑے دو چچازاد بھائی،ان میں سے ایک ماں شریک بھائی ہے تو ان کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔اور باقی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک آدمی کی دو قرابتیں ہوں تو دونوں قرابتوں کے الگ الگ حصے ملیں گے۔

ایک آدمی نے دو چچازاد بھائی چھوڑے۔ایک چچازاد بھائی اس کا ماں شریک بھائی بھی ہوتا تھا،کیونکہ اس کی ماں نے چچا سے شادی کی تھی تو ماں شریک بھائی کو اخیافی بھائی کا چھٹا 16.66 حصہ پہلے ملے گا۔پھر جو 83.33 باقی رہے گا اس کو دونوں بھائی بطور عصبہ کے آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔

وجہ ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملنے کی دلیل یہ آیت ہے۔**وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس** (الف)(آیت ۱۲، سورۃ النساء۴)اس آیت میں ایک ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا گیا ہے(۲)اور چچازاد بھائیوں کے درمیان باقی مال طور عصبہ آدھا آدھا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔**کان علی وزید یقولان فی بنی عم احدھم اخ لام یعطیانہ السدس وما بقی بینہ وبین بنی عمہ وکان عبد اللہ یعطیہ المال کلہ** (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰ فی بنی عم احدھم اخ الام، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۳۱۰۷۷)اس اثر میں ہے کہ پہلے ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔اس کے بعد دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔کیونکہ دونوں برابر درجے کے عصبہ ہیں۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

حاشیہ : (الف)اگر سوتیلی بہن کے ساتھ بھائی ہو تو ان کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے۔البتہ پہلے حصے والوں کو حصے دیئے جائیں۔اگر اس سے بچ جائے تو بھائی بہن کے لئے ہوگا،مرد کو عورت کے دوگنے کے اصول پر(ب)اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا ہوگا(ج)حضرت علیؓ اور زیدؓ فرماتے ہیں کہ چچازاد بھائی ماں شریک بھائی بھی ہے تو اس کو چھٹا دیا جائے گا۔اور جو باقی رہا تو اس کو اور دوسرے چچازاد بھائی کے درمیان ہوگا۔اور حضرت عبد اللہ تو اس ماں شریک بھائی کو پورا ہی مال دیتے تھے۔

[۳۲۲۸](۷) والمشترکة ان تترک المرأ ۃ زوجا واُمًّا او جدۃً واخو ۃًمن ام واخًا من اب

میت 100

ماں شریک بھائی-چچازاد بھائی		چچازاد بھائی
16.66	83.33	
+		
41.66		41.66
58.32		

اس مسئلے میں سو میں سے پہلے اخیافی بھائی کو چھٹا یعنی 16.66 دیا۔اور باقی 83.33 دونوں بھائیوں میں آدھا آدھا تقسیم کیا تو دونوں کو 41.66 ملا۔اس لئے ماں شریک بھائی کو دونوں کا مجموعہ 58.33 ہوا۔

[۳۲۲۸](۷) مشترکہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت، شوہر، ماں یا دادی اور کئی ماں شریک بھائی اور حقیقی بھائی چھوڑے تو شوہر کے لئے آدھا ہوگا اور ماں کے لئے چھٹا اور ماں شریک اولاد کے لئے تہائی اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ مشترکہ ہے۔کیونکہ اس میں کئی قسم کے بھائی ہیں۔اور ماں اور دادی کا مسئلہ بھی ہے۔اس لئے اس مسئلے کو مشترکہ کہتے ہیں۔مسئلے کی تشریح اس طرح ہے۔عورت نے (۱) شوہر، (۲) ماں (۳) ماں شریک کئی بھائی (۴) اور ماں باپ شریک بھائی چھوڑے۔ایسی صورت میں آیت قرآن کے مطابق شوہر کو آدھا ملے گا۔کیونکہ میت کی اولاد نہیں ہے۔**ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد** (الف) (آیت ۱۲، سورۃ النساء۴) اور ماں کے لئے چھٹا ہوگا۔آیت میں ہے۔**فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس** (ب) (آیت ۱۱، سورۃ النساء۴) یہاں کئی بھائی ہیں اس لئے ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔اور ماں شریک کئی بھائیوں کو تہائی ملے گی۔کیونکہ آیت میں ہے۔**وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث** (ج) (آیت ۱۲، سورۃ النساء۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی یا بہن ہوں تو ان کو پورے مال کی تہائی ملے گی۔اس اعتبار سے سب حصے پورے ہو گئے اور حقیقی بھائیوں کو بطور عصبہ دینے کے لئے کچھ نہیں رہا اس لئے وہ محروم ہوں گے۔کیونکہ شوہر کو آدھا 50 ملا۔ماں کو چھٹا 16.66 ملا۔اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی 33.33 ملا۔سب مل کر سو 100 ہو گیا۔

حاشیہ : (الف) تمہارے لئے آدھا ہے اس میں سے جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا۔اگر ان کی اولاد نہ ہو (ب) اگر لڑکے کو اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔اور اگر میت کو بھائی ہو تو ماں کے لئے چھٹا ہے (ج) اگر مرد اور عورت کلالہ ہو اور ان کے بھائی بہن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا ملے گا۔اور ان سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے۔

وام فللزوج النصف وللام السدس ولاولاد الام الثلث ولا شیء للاخوة للاب والام.

ترجمہ یہاں ماں باپ شریک بھائی اگر چہ میت کے بہت قریب ہیں۔لیکن وہ عصبہ ہیں اس لئے حصے داروں کے حصے کے بعد بچے گا تب لیں گے۔اور یہاں کچھ بچا نہیں اس لئے ان کو کچھ نہیں ملے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراھیم قال کان عبد اللہ وعمر یشرکان قال وکان علیؓ لا یشرک قال ابوبکرؓ وھذہ من ستۃ اسھم للزوج النصف ثلاثۃ اسھم وللام السدس وللاخوۃ من الام الثلث وھو سھمان (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷،فی زوج وام واخوۃ واخوات لاب وابن واخوۃ لام من شرک بینھم ،ج سادس، ص ۲۴۹، نمبر ۳۱۰۹۶) اس اثر میں ہے کہ مسئلہ چھ سے بنائیں۔اس میں سے آدھا تین حصے شوہر کو دیں۔اور چھٹا حصہ یعنی چھ میں سے ایک حصہ ماں کو دیں۔اور ایک تہائی یعنی چھ میں سے دو حصے ماں شریک بھائیوں کو دیں۔اس سے چھ حصے پورے ہو گئے۔اس لئے ماں باپ شریک بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	ماں	کئی اخیافی بھائی	کئی حقیقی بھائی
50	16.66	33.33	×

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماں باپ شریک بھائی ماں شریک بھائی سے زیادہ قریب ہیں اس لئے جب ماں شریک بھائی کو حصہ ملا تو ان کو بھی اس کی تہائی میں شریک کرنا چاہئے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن شریح ومسروق انھما شرکا الا خوۃ من الاب والام مع الاخوۃ من الام. اوردوسری روایت میں ہے۔ان عثمانؓ شرک بینھم (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ۔۱۷فی زوج وام واخوۃ واخوات لاب وابن واخوۃ لام من شرک بینھم ،ج سادس، ص ۲۴۹، نمبر ۳۱۰۹۲/۳۱۰۹۱ / سنن الدارمی ، باب فی مشرکۃ ،ج ثانی، ص ۴۴۶، نمبر ۲۸۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حقیقی بھائی ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک ہوں گے۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

شوہر	دادی	کئی اخیافی بھائی	کئی حقیقی بھائی
50	16.66	33.33 (مشترک)	
		16.66	16.66

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ عبد اللہ اور حضرت عمرؓ حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک کرتے تھے۔اور حضرت علیؓ شریک نہیں کرتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ مسئلہ چھ حصوں سے ہوگا۔شوہر کے لئے آدھا جو تین حصے ہوئے۔اور ماں کے لئے چھٹا اور ماں شریک بھائیوں کے لئے تہائی جو چھ میں سے دو حصے ہوں گے (اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا) (ب) حضرت شریح اور مسروق حقیقی بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس مسئلے میں اخیافی بھائیوں کو جو تہائی 33.33 ملی تھی اس میں سے آدھا حقیقی بھائی کو دیا۔ جس کی وجہ سے دونوں کو 16.66 اور اخیافی بھائیوں کو 16.66 مل گیا۔

لغت المشترکۃ : اس مسئلے کو مشترکہ مسئلہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حقیقی بھائی انکار کر دیئے جاتے ہیں اور کبھی شریک کئے جاتے ہیں۔ ایک عبارت میں المشترکہ ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض حضرات نے حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک فرمایا اور بعض حضرات نے شریک نہیں فرمایا۔

(حجب نقصان ایک نظر میں اور حجب حرمان ایک نظر میں اگلے صفحات پر دیکھئے)

حاشیہ : شریک کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ نے حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک کیا۔
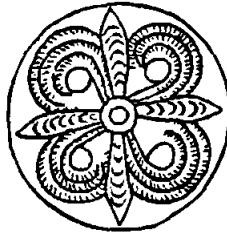
﴿ حجب نقصان ایک نظر میں ﴾

نمبر شمار	حصہ لینے والا	کس حالت میں کتنا ملے گا	حصہ	حالات
		☆شوہر☆		
(۱)	شوہر کو	اولاد نہ ہو تو ..... آدھا ملے گا	50	
(۲)	شوہر کو	اولاد ہو تو ..... چوتھائی ملے گا	50	
		☆بیوی☆		
(۳)	بیوی کو	اولاد نہ ہو تو ..... چوتھائی ملے گی	25	
(۴)	بیوی کو	اولاد ہو تو ..... آٹھواں ملے گا	12.5	
		☆ماں☆		
(۵)	ماں کو	اولاد، پوتا اور دو بھائی نہ ہوں تو ..... تہائی	33.33	
(۶)	ماں کو	اولاد ہو تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
(۷)	ماں کو	پوتا، پوتی ہوں تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
(۸)	ماں کو	بھائی، بہن ہوں تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	
		☆پوتی☆		
(۹)	پوتی کو	صلبی بیٹی نہ ہو تو ..... آدھا ملے گا	50	
(۱۰)	پوتی کو	ایک صلبی بیٹی ہو تو ..... چھٹا ملے گا	16.66	دو تہائی پوری کرنے کے لئے
(۱۱)	پوتی کو	دو بیٹیاں ہوں تو ..... کچھ نہیں ملے گا	×××	
(۱۲)	پوتی کو	پوتا ساتھ ہو تو ..... عصبہ بنے گی	33.33	باقی کی تہائی
		☆باپ شریک بہن☆		
(۱۳)	ایک باپ شریک بہن کو.....	ماں باپ شریک بہن نہ ہو تو .....آدھا ملے گا	50	
(۱۴)	باپ شریک بہن کو	ماں باپ شریک ایک بہن ہو تو .....چھٹا ملے گا	16.66	دو تہائی پوری کرنے کے لئے
(۱۵)	باپ شریک بہن کو	ماں باپ شریک دو بہن ہوں تو.....کچھ نہیں ملے گا	×××	
(۱۶)	باپ شریک بہن کو	باپ شریک بہن کے ساتھ بھائی ہو تو..عصبہ ہو گی	33.33	باقی کی تہائی

﴿ حجب حرمان ایک نظر میں ﴾

حجب حرمان کی دوقسمیں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ دوسروں کو محروم کرتے ہیں لیکن خود وراثت سے محروم نہیں ہوتے۔ بلکہ حصے کے طور پر یا عصبہ کے طور پر مل ہی جاتی ہے۔ یہ چھ قسم کے لوگ ہیں (۱) بیٹا (۲) باپ (۳) شوہر (۴) بیٹی (۵) ماں (۶) بیوی۔ یہ دوسروں کو محروم کرتے ہیں لیکن خود عصبہ یا حصے کے طور پر وراثت لے لیتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ لوگ جو ہمیشہ کے لئے وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ پانچ قسم کے لوگ ہیں (۱) کافر (۲) قاتل (۳) غلام (۴) مرتد (۵) اختلاف دارین۔ یہ میت کے مال کے ورث نہیں ہوتے۔

(کسی حال میں محروم نہیں ہوتے)

نمبر شمار	حصے دار	کس طرح ملتا ہے
(۱)	بیٹا	ہمیشہ عصبہ کے طور پر لیتا ہے
(۲)	باپ	حصے کے طور پر، اور کبھی عصبہ کے طور پر
(۳)	شوہر	ہمیشہ حصے کے طور پر، عصبہ کے طور پر نہیں
(۴)	بیٹی	حصے کے طور پر، اور اس کے ساتھ بیٹا ہو تو عصبہ کے طور پر
(۵)	ماں	ہمیشہ حصے کے طور پر
(۶)	بیوی	ہمیشہ حصے کے طور پر

(ہمیشہ محروم ہوتے ہیں)

نمبر شمار	حصے دار	کس طرح ملتا ہے
(۱)	کافر	مسلمان کا وارث نہیں ہوتا
(۲)	قاتل	مقتول کا وارث نہیں ہوتا
(۳)	غلام یا باندی	کسی کے وارث نہیں ہوتے
(۴)	مرتد	کسی کا وارث نہیں ہوتا
(۵)	اختلاف دارین	دار الاسلام والا دار الحرب والے کا وارث نہیں ہوگا

﴿باب الرد﴾

[۳۲۲۹](۱) والفاضل عن فرض ذوی السھام اذا لم تکن عصبة مردود علیھم بقدر

﴿باب الرد﴾

ضروری نوٹ اس باب میں رد کے علاوہ بھی بہت سے مسائل کا تذکرہ ہے۔اس لئے 'باب الرد' ایک جزوی نام ہے۔

رد کا معنی ہے واپس لوٹانا۔حصے والے حصے لے لیں پھر بھی کچھ حصے باقی رہ جائیں اور لینے والے عصبہ نہ ہوں نہ ذوی الارحام ہوں تو باقی حصوں کو نسبی اور خاندانی حصہ داروں پر ان کے حصے کے مطابق دوبارہ تقسیم کردیں اس کو رد کرنا کہتے ہیں۔چونکہ شوہر اور بیوی نسبی رشتہ دار اور حصے دار نہیں ہیں اس لئے ان دونوں کو حصہ لینے کے بعد دوبارہ کچھ نہیں ملے گا۔جو ان کے سہام ہیں اس پر ہی اکتفاء کریں گے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراھیم ان علیا کان یرد علی کل ذی سھم الا الزوج والمرأة (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ،۲۶ فی الرد واختلافھم فیہ، ج سادس، ص ۲۵۵، نمبر ۳۱۱۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیوی اور شوہر کے علاوہ جو نسبی حصے دار ہیں ان کو ان کے حصے کے مطابق مال تقسیم کردیا جائے گا۔

[۳۲۲۹](۱) جو مال بچا ہو حصے والوں کے حصے سے جبکہ عصبہ نہ ہو تو واپس لوٹایا جائے گا حصے والوں پر ان کے حصے کے مطابق سوائے بیوی اور شوہر کے۔

تشریح عصبہ نہ ہو تو جتنے حصے والے ہیں ان پر باقی مال ان کے حصے کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا سوائے بیوی اور شوہر کے۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

شوہر	دو بیٹیاں	بچا ہوا
25	66.66	8.34
بچا ہوا بطور رد ⇄	+ 8.34	
مجموعہ ←	75	

اس مسئلے میں عورت نے شوہر اور دو بیٹیاں چھوڑی۔شوہر کو اولاد ہونے کی وجہ سے چوتھائی یعنی سو میں سے 25 ملی۔اور بیٹیوں کو دو تہائی یعنی 66.66 ملی۔باقی 8.34 حصے باقی بچ گئے وہ دو بیٹیوں کو دے دیا۔اور شوہر کو نہیں دیا کیونکہ اثر میں اس کو دینے سے ممانعت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو بچ جائے وہ بیت المال کو دیں۔واپس حصے والوں پر نہ لوٹائیں۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔قال ابراھیم لم یکن احد من اصحاب النبی ﷺ یرد علی المرأة والزوج شیئا قال وکان زید یعطی کل ذی فرض فریضته ومابقی جعله فی بیت المال (الف)(مصنف ابن ابی شیبة ،۲۶ فی الرد واختلافھم فیہ، ج سادس، ص ۲۵۶،

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ ہر حصے دار کو دوبارہ بقیہ مال دیتے تھے سوائے شوہر اور بیوی کے (ب) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے اصحاب (باقی اگلے صفحہ پر)

سهامهم الا على الزوجين.

نمبر۷ ۳۱۱۶)اس اثر میں ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ باقی مال کو بیت المال میں داخل کرواتے تھے۔ حصے والوں پر واپس نہیں لوٹاتے تھے۔

لغت سہام : سہم کی جمع ہے حصے

﴿ ردکا نیا طریقہ ﴾

کلکیولیٹر سے رد کا طریقہ یہ ہے کہ حصہ لینے والوں نے جتنا حصہ لیا ہے تمام حصوں کے مجموعے کو ملحوظ رکھیں اور اس کے ذریعہ ان حصوں میں تقسیم دیں جو بچ گئے ہیں۔ تقسیم کے بعد جو حاصل تقسیم ہوگا وہ تمام حصہ لینے والوں کا ایک حصہ ہوگا۔ بعد میں اس کے ذریعہ ہر ایک حصوں سے ضرب دے دیں تو سب حصے داروں کو پورا پورا حصہ مل جائے گا۔

نوٹ یاد رہے کہ کلکیولیٹر ایک پینس کا حساب ہمیشہ چھوڑ دیتا ہے اس لئے اس کو بعد میں پینس بڑھا کر سیٹ کر لیا کریں۔

(مثالیں)

جو حصے بچ گئے ہیں ان کو دوبارہ حصے داروں کو کس طرح دیں گے اس کو مثالوں سے سمجھیں۔

[پہلی مثال] مثلا میت نے ماں شریک دو بھائی چھوڑے اور ماں چھوڑی تو ماں شریک دونوں بھائیوں کو ایک تہائی یعنی سو میں سے 33.33 ملے گا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی 16.66 ملے گا۔ اور 50 باقی رہ جائے گا۔

بھائیوں نے 33.33 لیا ہے اور ماں نے 16.66 لیا ہے جن کا مجموعہ 50 ہوا۔ اب اس 50 سے بچے ہوئے 50 میں تقسیم دیں تو حاصل تقسیم '1' ہوگا۔

پھر '1' سے 16.66 میں ضرب دیں تو ماں کو رد کے طور پر دوبارہ 16.66 مل جائے گا اور مجموعہ 33.33 ہو جائے گا۔

اور '1' سے بھائیوں کے حصے 33.33 میں ضرب دیں تو ان کو بھی دوبارہ رد کے طور پر 33.33 مل جائے گا۔ اور ان کو 100 میں سے مجموعہ 66.66 مل جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100 — (ایک حصہ) 1=50÷50

حصوں کا مجموعہ	ماں شریک دو بھائی		ماں	بچا ہوا
50	33.33		16.66	50
بچا ہوا بطور رد ⇄	+33.33	⇄	+16.66	
مجموعہ حصہ ←	66.66	←	33.33	

ردکا طریقہ

ماں کو رد کا ملا 16.66 = 16.66×1

ماں شریک بھائیوں کو رد کا ملا 33.33 = 33.33×1

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بیوی اور شوہر کو دوبارہ کچھ نہیں دیتے تھے۔ اور حضرت زید ہر حصے دار کو حصہ دے دیتے اور جو باقی بچا اس کو بیت المال میں جمع کر دیتے۔

[دوسری مثال] میت نے ایک بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی اس لئے بیٹی کو 100 میں سے آدھا 50 ملے گا۔ اور دو تہائی پوری کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا یعنی 100 میں سے 16.66 ملے گا۔ اور تمام حصوں کا مجموعہ 66.66 ہو جائے گا۔

اب 66.66 سے 33.33 میں تقسیم دیں تو ایک حصہ 0.5 نکل آئے گا۔ پھر 0.5 سے پوتی کے حصے 16.66 میں ضرب دیں تو پوتی کو رد میں سے 8.33 مل جائے گا اور مجموعہ 25 ہو جائے گا۔

اسی طرح 0.5 سے بیٹی کے حصے 50 میں ضرب دیں تو 25 ہو جائے گا۔ اور یہ بیٹی کو بطور رد مل جائے گا۔ اور حصہ اور رد ملا کر مجموعہ 75 مل جائے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100		(ایک حصہ) 33.33÷66.66=0.5	
حصوں کا مجموعہ	ایک بیٹی	پوتی	بچا ہوا
66.66	50	16.66	33.33
بچا ہوا بطور رد ⇄	+25 ⇄	+8.33	
مجموعہ ←	75 ←	25	

رد کا طریقہ

پوتی کو رد کا ملا	8.33 = 16.66×0.5
ایک بیٹی کو رد کا ملا	25 = 50.00×0.5

[تیسری مثال] میت نے دو بیٹیاں چھوڑی اور ماں چھوڑی۔ اس لئے بیٹیوں کو 100 میں سے دو تہائی 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ دونوں حصوں کو ملا کر 83.32 حصے ہوئے۔ اور باقی 16.68 بچا۔

اب 83.32 سے ماں کے 16.66 میں تقسیم دیں تو حاصل تقسیم 0.200 نکلے گا۔

پھر 0.200 کو ماں کے 16.66 میں ضرب دیں تو 3.33 آئے گا جو ماں کو بطور رد ملے گا۔ اور مجموعہ 19.99 یعنی 20 ہو جائے گا۔ اور 0.200 کو بیٹیوں کے حصے 66.66 سے ضرب دیں تو 13.33 آئے گا جو دونوں بیٹیوں کو بطور رد مل جائے گا۔ اور مجموعی حصے 77.99 یعنی 80 ہوں گے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100		(ایک حصہ) 16.68÷83.32=0.200	
حصوں کا مجموعہ	دو بیٹیاں	ماں	بچا ہوا
83.32	66.66	16.66	16.68
بچا ہوا بطور رد ⇄	+13.33 ⇄	+3.33	
مجموعہ ←	79.99 ←	19.99	

[۳۲۳۰](۲) ولایرث القاتل من المقتول[۳۲۳۱](۳) والکفر ملة واحدة یتوارث به اھله.

(ردکا طریقہ)

ماں کورد کا ملا	3.33 =	16.66×0.200
دو بیٹیوں کورد کا ملا	13.33 =	66.66×0.200

نوٹ حساب کلکیولیٹر سے سیٹ کرلیں۔

﴿ محروم کا بیان ﴾

[۳۲۳۰](۲) قاتل مقتول کا وارث نہیں بنے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال کان رسول الله ﷺ ... وقال رسول الله ﷺ لیس للقاتل شیء وان لم یکن له وارث فوارثه اقرب الناس الیه ولایرث القاتل شیئا** (الف)(ابوداؤد شریف، باب دیات الاعضاء، ج ۲، ص ۲۷۸، نمبر ۴۵۶۴، کتاب الدیات/ترمذی شریف، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، ج ۲، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا۔

[۳۲۳۱](۳) ہر قسم کا کفر ایک ملت ہے اس لئے کافر دوسرے کافر کا وارث ہوگا۔

تشریح یہودی کے رشتہ دار یہودی ہو تو وارث ہوگا ہی۔لیکن یہودی کا رشتہ دار نصرانی یا مجوسی ہو تو وارث ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں اختلاف ہے۔مصنف کی رائے ہے کہ نصرانی یا مجوسی یہودی کا وارث ہوگا۔

وجہ کافر چاہے یہودی ہو یا نصرانی ایک مذہب ہے یعنی کافر ہے۔اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**حدثنا سفیان الاسلام ملة والشرک ملة** (ب)(مصنف ابن ابی شیبة، ۸۸ فی النصرانی یرث الیھودی والیھودی یرث النصرانی، ج سادس، ص ۲۸۸، نمبر ۳۱۴۴۴) اس اثر میں ہے کہ تمام کفر گویا کہ ایک مذہب ہے۔اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ یہودی نصرانی کے اور نصرانی یہودی کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن الحسن قال لایرث الیھودی النصرانی ولا یرث النصرانی الیھودی** (ج)(مصنف ابن ابی شیبة، ۸۸ فی النصرانی یرث الیھودی والیھودی یرث النصرانی، ج سادس، ص ۲۸۷، نمبر ۳۱۴۴۳) اس اثر میں ہے کہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے(۲) حدیث میں ہے۔**عن جابر عن النبی ﷺ قال لایتوارث اھل ملتین** (د)(ترمذی شریف، باب لا یتوارث اھل ملتین، ص ۳۱، نمبر ۲۱۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے فرمایا قاتل کے لئے کوئی وراثت نہیں ہے۔اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو قریب کے لوگ اس کے وارث ہوں گے۔اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا(ب) حضرت سفیان نے فرمایا اسلام الگ دین ہے اور شرک الگ دین ہے(ج) حضرت حسن نے فرمایا یہودی نصرانی کا وارث نہیں ہوگا۔اور نصرانی یہودی کا وارث نہیں ہوگا(د) حضورؐ نے فرمایا دو دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۳۲] (۴)ولا یرث المسلمُ الکافرَ ولا الکافرُ المسلمَ [۳۲۳۳](۵) ومال المرتد لورثته المسلمین وما اکتسبه فی حال رِدَّتِه فیءٌ [۳۲۳۴] (٦) واذا غرق جماعة او سقطت علیھم حائط فلم یُعلم من مات منھم اوَّلا فمال کل واحد منھم للاحیاء من ورثته

[۳۲۳۲] (۴) مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے۔ یہاں تو کفر اور اسلام بالکل الگ الگ مذہب ہے اس لئے کسی حال میں وارث نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن اسامة بن زیدؓ ان النبی ﷺ قال لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (الف) (بخاری شریف، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم ص ۱۰۰۱، نمبر ۶۷۶۴ر ابو داؤد شریف، باب ہل یرث المسلم الکافر، ج ۲، ص ۴۷، نمبر ۲۹۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

[۳۲۳۳] (۵) مرتد کا مال اس کے مسلمان ورثہ کا ہوگا۔ اور جو کچھ کمایا مرتد کی حالت میں وہ غنیمت ہے۔

تشریح مرتد چونکہ کافر ہو چکا ہے اس لئے حالت ارتداد میں جو کچھ کمایا اس کا وارث مسلمان نہیں ہوسکتا کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔ البتہ اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا اس کا وارث مسلمان ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا مذہب ایک ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی فقتله وجعل میراثة بین ورثته من المسلمین (ب) (مصنف ابن ابی شیبة، ۸۰ فی المرتد عن الاسلام، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۳۱۳۷۵ر مصنف عبد الرزاق، باب میراث المرتد، ج عاشر، ص ۳۳۹۔ نمبر ۱۹۲۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد کا اسلام کے زمانے میں کمایا ہوا مال مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور کفر کے زمانے کا مال گویا کہ حربی کا مال ہوا اس لئے وہ فیٔ شمار کیا جائے گا۔

[۳۲۳۴] (٦) اگر ایک جماعت ڈوب گئی یا ان پر دیوار گر گئی اور معلوم نہیں ہوا کہ ان میں سے کون پہلے مرا تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح ایک جماعت کے لوگ آپس میں رشتہ دار تھے اور ایک دوسرے کے وارث تھے۔ سبھی کشتی میں ڈوب کر مر گئے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں۔ تو ایسی صورت میں وہ لوگ آپس میں وارث نہیں ہوں گے۔ بلکہ جو لوگ زندہ ہیں وہ لوگ وارث ہوں گے۔

وجہ عن عمر بن عبد العزیز انه کان یورث الاحیاء من الاموات ولا یورث الغرقی بعضھم من بعض (ج) مصنف ابن ابی شیبة، ۴۷ من قال یرث کل واحد منھم ورثته من الناس ولا یورث بعضھم من بعض، ج سادس، ص ۲۷۸، نمبر ۳۱۳۴۰ر الدارمی، باب میراث الغرقی، ج ثانی، ص ۴۷۳، نمبر ۳۰۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غرق ہونے والے ایک دوسرے کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ ان کے بعد جو

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا (ب) حضرت علیؓ کے سامنے مستورد عجلی لایا گیا وہ مرتد ہو گیا تھا۔ پس اس پر اسلام پیش کیا گیا، اس نے انکار کر دیا تو اسکو قتل کر دیا اور اس کی میراث مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی (ج) عبد العزیز فرماتے ہیں زندہ آدمی مردوں کا وارث ہوگا۔ لیکن ڈوبے ہوئے آدمی بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے۔

[۳۲۳۵](۷) واذا اجتمع فی المجوسی قرابتان لوتفرقت فی شخصین ورث احدھما مع الأخر وُرِّث بھما[۳۲۳۶](۸) ولایرث المجوسی بالانکحۃ الفاسدۃ التی یستحلونھا فی

زندہ ہیں وہ وارث ہوں گے (۲) پتہ بھی نہیں ہے کہ کون پہلے مرا ہے تو کس کوکس کا وارث بنائیں؟

لغت حائط : دیوار

[۳۲۳۵](۷) اگر جمع ہوں مجوسی میں ایسی دو قرابتیں کہ اگر وہ متفرق ہوں دو شخصوں میں تو ایک دوسرے کا وارث ہو، تو وارث ہوگا مجوسی ان میں سے ایک کے ذریعہ سے۔

تشریح اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لیں کہ مجوسی اپنی ماں اور بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز سمجھتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں۔ اب مثلا ماں سے نکاح کرلیا تو وہ ماں بھی بنی اور بیوی بھی بن گئی۔ اب یہ مجوسی مرگیا تو اس عورت کو ماں کی وراثت دیں یا بیوی ہونے کی وراثت دیں یا دونوں طرح کی وراثتیں دیں۔ تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جو حلال طریقہ کی رشتہ داری ہے وہ وراثت ملے گی۔ اس لئے اس عورت کو ماں ہونے کی وراثت ملے گی۔ بیوی ہونے کی وراثت نہیں ملے گی۔ دوسری مثال لے لیں۔ اسی عورت سے مجوسی کی بیٹی پیدا ہوگئی تو یہ بیٹی بھی ہے اور ماں شریک بہن بھی ہے۔ کیونکہ مجوسی کی ماں کی بیٹی ہے۔ اس لئے بیٹی کو کون سی وراثت دیں۔ بیٹی ہونے کی یا ماں شریک بہن ہونے کی یا دونوں کی؟ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بیٹی بننا بھی نکاح فاسد کی وجہ سے ہے اور ماں شریک بہن بننا بھی نکاح فاسد کی وجہ سے ہے اس لئے اس لڑکی کو ایک قرابت کی وراثت دے دو۔ دونوں قرابتوں کی ورثاثت مت دو۔

وجہ کیونکہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے اس قسم کی دو قرابتیں نہیں ہوسکتیں۔ ایک قرابت ہوسکتی ہے۔ اس لئے ایک قرابت کی وراثت دو (۲) اثر میں ہے۔ **عن الزھری قال یرث بادنی النسبین** (الف) (دوسری روایت میں ہے۔ **سألت حمادا عن میراث المجوسی قال یرثون من الوجہ الذی یحل** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳، فی المجوس کیف یرثون مجوسیا مات وترک ابنتہ، ج سادس، ص ۲۸۴، نمبر ۳۱۴۱۲/۳۱۴۱۶) اس اثر میں ہے کہ دو قرابتوں میں سے جو قریب تر ہو اس قرابت سے وارث بنے گی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو قرابت حلال طریقے پر ہو اس قرابت کی وجہ سے وارث بنے گی۔

[۳۲۳۶](۸) مجوسی نہیں وارث ہوگا نکاح فاسد سے جس کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتا ہو۔

تشریح اپنی ماں سے، بیٹی سے، بہن سے نکاح کرنا وہ لوگ حلال سمجھتے ہیں۔ لیکن شریعت میں ماں، بیٹی بہن وغیرہ ذی رحم محرم سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے ساتھ نکاح کرنے سے وارث نہیں ہوں گے۔ بلکہ حلال عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے وارث ہوں گے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے۔ **سألت حمادا عن میراث المجوسی قال یرثون من الوجہ الذی یحل** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۳، فی

حاشیہ : (الف) حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ مجوسی دو نسب میں سے جو قریب کا نسب ہے اس سے وارث ہوگا (ب) میں نے حضرت حماد سے مجوسی کی میراث کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا جس طریقے سے حلال ہے اس نسب سے وارث ہوگا (حرام سے نہیں)

دينهم [۳۲۳۷] (۹) وعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة مولى امهما [۳۲۳۸] (۱۰) ومن مات وترک حملا وُقف ماله حتى تضع امرأتُه حملها في قول ابي حنيفة رحمه الله

المجوس كيف يرثون مجوسيا مات وترک ابنته، ج سادس، ص ۲۸۴، نمبر ۳۱۴۱۲ / ۳۱۴۱۶) اس اثر میں ہے کہ حلال طریقے سے نکاح کیا ہو تو اسی سے وارث ہوں گے ورنہ نہیں۔

[۳۲۳۷] (۹) ولد الزنا اور ولد ملاعنہ کا عصبہ ان دونوں کی ماں کے رشتہ دار ہیں۔

تشریح زنا سے جو بچہ پیدا ہوا ہے شرعی اعتبار سے اس کا باپ نہیں ہے۔ یا جس عورت سے باپ نے لعان کر لیا تو اس بچے کا رشتہ باپ سے ختم ہو گیا۔ اب وہ باپ ہی نہیں رہا۔ اس لئے نہ باپ وارث ہوگا اور نہ باپ کے رشتہ دار وارث ہوں گے۔ بلکہ اس کا تعلق ماں کے ساتھ ہو گیا۔ اس لئے ماں وارث ہوگی اور ماں کے رشتہ دار وارث ہوں گے۔ اور یہ لڑکا ماں کا وارث ہوگا اور ماں کی جانب سے جو رشتہ دار ہیں ان کا وارث ہوگا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **حدثنا مكحول قال جعل رسول الله ﷺ ميراث ابن الملاعنة لامه ولورثتها من بعدها** (الف) (ابوداؤد شریف، باب میراث ابن الملاعنۃ، ص ۴۷، نمبر ۲۹۰۷) (۲) بخاری میں اس طرح ہے۔ **عن ابن عمرؓ ان رجلا لاعن امرأته في زمن النبي ﷺ وانتفى من ولدها ففرق النبي ﷺ بينهما والحق الولد بالمرأة** (ب) (بخاری شریف، باب میراث الملاعنۃ، ص ۹۹۹، نمبر ۶۷۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت سے لعان کیا اس عورت کا وہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔ اور نہ باپ اس کا وارث ہوگا۔ بلکہ عورت بچے کا وارث ہوگی اور بچہ ماں کا وارث ہوگا۔

اور زنا سے پیدا شدہ بچے کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال ايما رجل عاهر بحرة او امة فالولد ولد زنا لا يرث ولا يورث** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ابطال میراث ولد الزنا، ص ۳۱، نمبر ۲۱۱۳) اس حدیث میں ہے کہ باپ کو نہ لڑکے کی وراثت ملے گی اور نہ لڑکا باپ کا وارث ہوگا۔

لغت ملاعنۃ : وہ عورت جس نے زنا کی تہمت کی وجہ سے شوہر سے لعان کیا، مولی : آقا، یہاں ماں کے رشتہ دار مراد ہیں۔

[۳۲۳۸] (۱۰) کسی کا انتقال ہوا اور حمل چھوڑا تو اس کا مال موقوف رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی حمل جن دے امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔

تشریح ایک آدمی کا انتقال ہوا اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی۔ تو اس حمل کو بھی باپ کی وراثت ملے گی۔ اس لئے اگر یہی ایک بچہ ہے تو ابھی وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی۔ بلکہ وضع حمل کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ اور اگر دوسری اولاد بھی موجود ہے تو اس حمل کو لڑکا مان کر اس کا حصہ الگ رکھ لیا جائے گا۔ کیونکہ لڑکے کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور لڑکی کا کم۔ پس اگر لڑکی کا حصہ مان کر باقی مال تقسیم کر دیا جائے اور لڑکا پیدا ہو جائے تو

(الف) حضورؐ نے لعان والی عورت کے بیٹے کی میراث اس کی ماں کے لئے کیا اور جو اس کے بعد ورثہ ہیں ان کے لئے کیا (ب) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضورؐ کے زمانے میں ایک عورت سے لعان کیا اور اس کے بچے کو اپنے سے نفی کی تو حضورؐ نے دونوں کے درمیان تفریق کی اور بچے کو عورت کے ساتھ ملا دیا۔ (ج) آپؐ نے فرمایا کسی مرد نے آزاد یا باندی کے ساتھ زنا کیا تو بچہ زنا کا ہوگا۔ باپ نہ اس کا وارث ہوگا اور نہ وہ باپ کا وارث ہوگا۔

تعالی[۳۲۳۹](۱۱) والجد اولی بالمیراث من الاخوۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی

دوبارہ وارثین سے مال واپس کرنا مشکل ہے۔ اس لئے پہلے ہی احتیاط کر کے لڑکے کا حصہ رکھا جائے۔ تا کہ وارثین سے مال واپس نہ لینا پڑے۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ باقی وارثین کو بعد میں دے دیا جائے گا۔ حمل وارث ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ قال اذا استھل المولود ورث (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی المولود یستھل ثم یموت، ص ۴۹، نمبر ۲۹۲۰ / ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ زندہ پیدا ہو تو وہ وارث ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حمل ٹھہرنے کے بعد کوئی مر جائے تو اس کی وراثت حمل کو ملے گی اور اس کے لئے الگ کر کے مال رکھا جائیگا۔

[۳۲۳۹] (۱۱) دادا زیادہ حقدار ہے میراث کا بھائیوں سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ بھائیوں کے برابر پائے گا۔ مگر یہ کہ اس کو تقسیم کرنے میں تہائی سے کم پہنچے۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دادا بھائیوں سے مقدم ہے اس لئے پہلے ان کو دیا جائے گا۔ اس سے بچے گا تب بھائیوں کو دیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سہام کے بعد جو مال بچا اس میں دونوں کو آدھا آدھا دیا جائے۔ البتہ اگر آدھا آدھا دینے میں دادا کو تہائی سے کم ملے تو دادا کو پہلے تہائی دی جائے گی پھر جو بچے گا وہ بھائی کو دیا جائے گا۔

وجہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ اثر ہے۔ وقال ابو بکر وابن عباس وابن الزبیر الجد اب وقرأ ابن عباس یا بنی آدم (آیت ۲۶، سورۃ الاعراف ۷) واتبعت ملۃ آباء ی ابراھیم واسحاق ویعقوب (ب) (آیت ۳۸، سورۃ یوسف ۱۲) (بخاری شریف، باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ، ص ۹۹۷، نمبر ۶۷۳۷) اس اثر میں ہے کہ دادا کو باپ قرار دیا کیونکہ آیت میں بھی حضرت یعقوبؑ کو باپ کہا حالانکہ وہ دادا ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دادا باپ کے درجے میں ہیں۔ اور باپ سے بھائی ساقط ہوتا ہے۔ اس لئے دادا سے بھی بھائی ساقط ہوگا (۲) حدیث میں دادا کی اہمیت ہے۔ عن عمران بن حصین ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال ان ابن ابنی مات فمالی من میراثہ؟ قال لک السدس فلما ادبر دعاہ فقال لک سدس آخر فلما ادبر دعاہ فقال ان السدس الآخر طعمۃ (ج) (ابو داؤد شریف، باب ما جاء فی میراث الجد، ص ۴۵، نمبر ۲۸۹۶) اس حدیث میں دادا کو حصہ بھی دیا اور عصبہ کے طور پر بھی چھٹا حصہ دیا اس لئے بھائی کے مقابلے میں دادا کی اہمیت ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الزھری قال کان عمر بن الخطابؓ یشرک بین الجد والاخ اذا لم یکن غیرھما ویجعل

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا اگر بچہ روئے تو وہ وارث ہوگا (ب) حضرت ابو بکرؓ اور ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ دادا باپ کی جگہ پر ہے۔ پھر دلیل کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے آیت یابنی آدم اور آیت واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم واسحاق ویعقوب پڑھی (ج) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پوتے کا انتقال ہوا تو مجھے اس کی میراث سے کیا ملے گی؟ فرمایا تمہارے لئے چھٹا ہے۔ واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور کہا تمہارے لئے دوسرا چھٹا بھی ہے۔ پھر واپس لوٹا تو اس کو بلایا اور کہا یہ دوسرا چھٹا عصبہ کے طور پر کھانے کے لئے ہے۔

وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالی یقاسمهم الا ان تنقصه المقاسمةمن الثلث[۳۲۴۰](۱۲) واذا اجتمع الجدات فالسدس لاقربهن.

له الثلث مع الاخوین وما کانت المقاسمة خیر له قاسم ولا ینقص من السدس فی جمیع المال (الف) دوسری روایت میں ہے۔**وحضرت الخلیفتین قبلک ،یرید عمر و عثمان یقضیان للجد مع الاخ الواحد النصف ومع الاثنین الثلث فاذا کانوا اکثر من ذلک لم ینقص من الثلث شیئا** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب فرض الجد، ج عاشر ص ۲۶۶، نمبر ۱۹۰۶۱ / ۱۹۰۶۲) / مصنف ابن ابی شیبة، ۴۴ اذا ترک اخوة وجدا واختلافهم فیہ، ج سادس، ص ۲۶۲، نمبر ۳۱۲۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دادا کو بھائی کا آدھا تقسیم کر کے دیا جائے گا۔البتہ تقسیم کرنے میں تہائی سے کم ہو تو دادا کو تہائی دی جائے گی۔کیونکہ دوسرے اثر میں ہے **لم ینقص من الثلث شیئا** کہ تہائی سے کم نہ کیا جائے۔

لغت یقاسم : باب مفاعلت سے ہے آپس میں تقسیم کرنا۔

[۳۲۴۰] (۱۲) اگر کئی دادیاں جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ ان کے قریب والی کے لئے ہوگی۔

تشریح مثلا دادی بھی ہے اور پردادی بھی ہے نانی بھی ہے اور پرنانی بھی ہے ایسی صورت میں جو دادی یا نانی قریبی ہے اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور جو دور کی ہے اس کو نہیں ملے گا۔مثلا دادی ہے اور پرنانی ہے تو دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور پرنانی کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ وہ دور کی نانی ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن الحسن انه کان یورث ثلاث جدات ویقول ایتهن کانت اقرب فهو لها دون الاخری فاذا استوتا فهو بینهما** (ج) (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۲ فی الجدات لم ترث منهن، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۳۱۲۷۵ / مصنف عبدالرزاق، باب فرض الجدات، ج عاشر ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۰۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو دادی یا نانی قریب ہو اس کو ملے گا۔اور اگر دونوں برابر درجے کے ہوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔**ثم جاء ت الجدة الاخری الی عمر بن الخطابؓ تسأله میراثها ... وما انا بزائد فی الفرائض ولکن هو ذلک السدس فان اجتمعتما فیه فهو بینکما وایتکما ماخلت به فهو لها** (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الجدة، ص ۴۵،

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ دادا اور بھائی کو شریک کرتے اگر دونوں کے علاوہ نہ ہوتا۔اور دادا کے لئے دو بھائیوں کے ساتھ تہائی ہوتی۔اور اگر تقسیم کرنا بہتر ہوتا تو تقسیم کرتے پھر بھی تمام مال میں چھٹے سے کم نہ کرتے (ب) آپ سے پہلے دو خلیفہ گزرے یعنی حضرت عمرؓ اور عثمانؓ۔دونوں دادا کے لئے ایک بھائی کے ساتھ آدھے کا فیصلہ کرتے تھے اور دو بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی کا۔اور اگر اس سے زیادہ بھائی ہوتے تب بھی تہائی سے کم نہیں کرتے (ج) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ تین دادیاں وارث ہو سکتی ہیں۔اور جو بھی میت کے قریب ہو وراثت اس کے لئے ہوگی دوسرے کے لئے نہیں۔اور دونوں دادیاں برابر درجے کی ہوں تو دونوں کے درمیان ہوگی (د) پھر دوسری دادی حضرت عمرؓ کے پاس آ کر وراثت مانگنے لگی...فرمایا میں فرائض میں زیادہ کرنے والا نہیں ہوں لیکن یہ چھٹا ہے اگر تم دونوں جمع ہو جاؤ۔

[۳۲۴۱] (۱۳) ویحجب الجدُّ اُمَّہ[۳۲۴۲](۱۴) ولاترث ام اب الام بسهم [۳۲۴۳] (۱۵) وکل جدة تحجب امّها.

نمبر۲۸۹۴رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الجدة ،ص۳۰،نمبر ۲۱۰۰)اس اثر میں ہے کہ کئی دادیاں یا کئی نانیاں جمع ہو جائیں تو چھٹا حصہ سب کو تقسیم کردیا جائے گا۔

اصول تمام دادیوں اور نانیوں کے لئے صرف چھٹا حصہ ہی ہے۔

[۳۲۴۱](۱۳)دادا اپنی ماں کو مجوب کریدے گا۔

تشریح دادا موجود ہو تو اس کی ماں کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ دادا خود عصبہ ہے جس کی وجہ سے وہ تمام مال جمع کر لیتا ہے۔اس لئے اس کے بعد والے کو کیا ملے گا۔

[۳۲۴۲](۱۴)نہیں وارث ہوگی ماں کے باپ کی ماں کچھ بھی۔

تشریح ماں کے باپ کی ماں، ماں کی دادی ہوئی اور میت کی پرنانی ہوئی۔اس میں نانا ذوی الارحام ہے اور وہ نانا کی ماں ہے۔جب ذوی الارحام عصبہ نہیں ہوتا تو اس کی ماں عصبہ کیسے بنے گی اور نہ اس کو کچھ حصہ ملے گا۔

[۳۲۴۳](۱۵)ہر دادی اپنی ماں کو مجوب کر دیتی ہے۔

وجہ دادی ماں کے درجے میں ہے۔اور ماں ہو تو دادی کو یا نانی کو کچھ نہیں ملتا وہ مجوب کر دیتی ہے۔اسی طرح دادی اپنی ماں کو مجوب کر دیتی ہے۔

وجہ حدیث میں ہے۔عن ابن بریدة عن ابیه ان النبی ﷺ جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونها ام (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الجدة ،ص ۴۵،نمبر ۲۸۹۵)اس حدیث میں ماں ہو تو دادی کو کچھ نہیں ملتا۔کیونکہ ماں دادی کو مجوب کر دیتی ہے۔اسی طرح دادی ہو تو وہ اپنی ماں کو مجوب کر دیتی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دادی کے لئے چھٹا حصہ کیا اگر ماں نہ ہو تو۔

﴿باب ذوی الارحام﴾

[۳۲۴۴](۱) واذا لم یکن للمیت عصبةٌ ولا ذوسهمٍ ورثه ذوو الارحام وهم عشرة ولد

﴿باب ذوی الارحام﴾

ضروری نوٹ وہ قریبی رشتہ دار جو نہ حصے والے ہوں اور نہ عصبہ ہو کہ حصہ لینے کے بعد یہ تمام مال جمع کر لے ان کو ذوی الارحام کہتے ہیں۔ اگر سہام والے بھی ہوں اور عصبہ بھی نہ ہوں تو مال ذوی الارحام کو دیا جائے گا۔ اسکا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله ان الله بکل شیء علیم** (الف) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ ذوی الارحام وراثت کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے عصبہ نہ ہو تو بیت المال میں داخل کرنے کے بجائے ذوی الارحام کو دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن المقدام قال قال رسول الله ﷺ ... والخال وارث من لا وارث له یعقل عنه ویرثه** (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی میراث ذوی الارحام، ص ۳۰، نمبر ۲۸۹۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الخال، ص ۳۰، نمبر ۲۱۰۳) اس حدیث میں ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تو ماموں وارث ہے۔ اور ماموں ذوی الارحام میں سے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام وارث ہوں گے۔

فائدہ عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے کہ عصبہ نہ ہو تو ذوی الارحام کو نہ دیا جائے بلکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ ان کا اثر یہ ہے۔ **عن مسروق قال اتیت عبد الله یعنی ابن مسعود فقلت ان رجلا کان فینا نازلا فخرج الی الجبل فمات وترث ثلث مائة درهم فقال عبد الله هل ترک وارثا او لاحد منکم علیه عقد ولاء ؟ قلت لا قال له ههنا ورثة کثیر فجعل ماله فی بیت المال** (ج) (سنن للبیہقی، باب من جعل میراث من لم یدع وارثا ولا مولی فی بیت المال، ج سادس، ص ۳۹۹، نمبر ۱۲۴۰۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۸ من قال للملاعنة الثلث وما بقی فی بیت المال، ج سادس، ص ۲۷۶، نمبر ۳۱۳۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عصبہ نہ ہو تو مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے تا کہ عام مسلمانوں کو مل جائے۔

[۳۲۴۴] (۱) اگر میت کا عصبہ نہ ہو اور نہ ذوی الفروض ہو تو اس کے وارث ہوں گے ذوی الارحام اور وہ دس ہیں۔ (۱) بیٹی کی اولاد (۲) بہن کی اولاد (۳) بھائی کی بیٹی (۴) چچا کی بیٹی (۵) ماموں (۶) خالہ (۷) نانا (۸) اخیافی چچا (۹) پھوپھی (۱۰) اخیافی بھائی کی اولاد۔

تشریح یہ دس قسم کے آدمی ذوی الارحام ہیں جن کو حصے دار اور عصبہ نہ ہونے پر میت کا مال بالترتیب ملتا ہے۔ اس میں پہلا بیٹی کی اولاد ہے جس کو نواسا یا نواسی کہتے ہیں۔ یہ لوگ میت کی اولاد ہے جن کو پہلے دیا جائے گا۔ وہ نہ ہو تو اس کے بعد والے کو ملے گا (۲) اس کے بعد بہن کی

حاشیہ : (الف) ذی رحم بعض بعض سے بہتر ہے اللہ کی کتاب میں یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس کا وارث نہیں ہے ماموں اس کا وارث ہے۔ ماموں بھانجے کی دیت بھی دے گا اور وارث بھی ہوگا (ج) حضرت مسروق فرماتے ہیں میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ ایک آدمی ہمارے پاس مہمان آیا وہ پہاڑ کی طرف گیا اور مر گیا اور تین سو درہم چھوڑے۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا کوئی وارث چھوڑا ؟ یا تمہارا اس پر کوئی عقد ولاء تھا ؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہاں اس کے وارث بہت ہیں۔ اس کے مال کو بیت المال میں رکھ دو۔

البنت وولد الاخت وبنت الاخ وبنت العم والخال والخالة وابو الام والعم لام والعمة وولد الاخ من الام[۳۲۴۵](۲) ومن ادلی بهم فاولٰهم من کان من ولد المیت ثم ولد الابوین او احدِهما وهم بنات الاخوة واولاد الاخوات ثم ولد ابوی ابویه اواحدهما وهم الاخوال والخالات والعمات[۳۲۴۶](۳) واذا استوی ولد اب فی درجة فاولٰهم من

اولاد ہے جن کو بھانجا یا بھانجی کہتے ہیں۔ یہ باپ ماں کی اولاد ہوئی (۳) تیسرے درجے میں بھائی کی بیٹی ہے جن کو بھتیجی کہتے ہیں۔ یہ بھی ماں باپ کی اولاد ہوئی (۴) چوتھے درجے میں چچا کی بیٹی ہے۔ جس کو چچازاد بہن کہتے ہیں۔ یہ دادا کی اولاد ہوئی (۵) پانچویں درجے میں ماموں ہے۔ یہ ماں کی جانب سے ہوئی جو نانا کی اولاد ہوئی (۶) چھٹے درجے میں خالہ ہے۔ یہ بھی ماں کی جانب سے ہوئی اور نانا کی اولاد ہوئی (۷) ساتویں درجے میں نانا ہے جو ماں کا باپ ہے (۸) آٹھویں درجے میں اخیافی چچا ہے جو باپ کا ماں شریک بھائی ہے (۹) نویں درجے میں پھوپھی ہے جو باپ کی بہن ہے (۱۰) دسویں درجے میں اخیافی بھائی کی اولاد ہے۔ جس کو ماں شریک بھائی کی اولاد یعنی بھتیجا بھتیجی کہتے ہیں۔

وجہ یہ درجے اس لئے متعین کئے گئے ہیں تاکہ قریب والے کو پہلے ملے اور دور والے کو بعد میں ملے (۲) اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن علی وزید قالا فی الجدات السهم لذوی القربی منهن** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۳، من کان یقول اذا اجتمع الجدات فهو للقربی منهن، ج سادس، ص ۲۷۳، نمبر ۳۱۲۸۷) اس اثر میں ہے کہ جو زیادہ قریب ہو اس کو پہلے دو۔

[۳۲۴۵] (۲) اور جو ان سے متعلق ہوں تو ان میں سے زیادہ بہتر وہ ہے جو میت کی اولاد ہو، پھر وہ جو ماں باپ کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہو۔ اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہیں، پھر والدین کے والدین کی اولاد یا ان میں سے ایک کی اولاد اور وہ ماموں اور خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

تشریح اس مسئلے میں ذوی الارحام کی ترتیب بتائی جا رہی ہے کہ ذوی الارحام میں سب سے مقدم وہ ہیں جو میت کی اولاد ہو جیسے نواسا اور نواسی، پھر ماں باپ کی اولاد کی اولاد جیسے بھانجا، بھانجی، یا بھتیجی۔ پھر ماں باپ کے باپ کی اولاد جیسے چچازاد بہن، ماموں، خالہ، پھوپھی۔ ان لوگوں کو اسی ترتیب سے حصے ملیں گے۔

اصول میت کی اولاد کی اولاد (۲) پھر باپ کی اولاد کی اولاد (۳) پھر دادا دادی یا نانا نانی کی اولاد (۴) یا ان کی اولاد کی اولاد ذی رحم کے اعتبار سے مستحق ہوگی۔ اس اصول کی دلیل یہ آیت ہے۔ **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله** (ب) (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں بعض ذوی الارحام کو بعض سے اولی بتلایا گیا ہے۔

[۳۲۴۶] (۳) اگر باپ کی اولاد درجے میں برابر ہوں تو ان میں سے اولی وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو کسی وارث کے ذریعہ۔ اور قریب

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ اور زیدؓ نے دادیوں کے بارے میں فرمایا ان کا حصہ ان کے قریب کے رشتہ داروں کو ملے گا (ب) ذی رحم بعض بعض سے اولی ہے کتاب اللہ میں۔

ادلی بوارث واقربھم اولی من ابعدھم[۳۲۴۷](۴) وابو الام اولی من ولد الاخ والاخت.

والا مقدم ہوگا بعیدی رشتہ والے سے۔

تشریح باپ کی اولاد میں سے دو ذوی الارحام برابر درجے کے ہیں۔لیکن ایک ذی رحم کسی وارث کی اولاد ہے اور دوسرا ذی رحم وارث کی اولاد نہیں ہے بلکہ اس کے والدین بھی صرف ذی رحم ہیں تو جو وارث کی اولاد ہے وہ مقدم ہوگی۔مثلا ایک چچازاد بہن ہے اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی ہے تو میت کے لئے دونوں درجے میں اور رشتے میں برابر ہیں۔لیکن چچا وارث ہے اس لئے اس کی لڑکی چچازاد بہن کو دیا جائے گا اور پھوپھی وارث نہیں ہے اس لئے اس کے لڑکے کو یعنی پھوپھی زاد بھائی کو نہیں ملے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

چچازاد بہن	پھوپھی زاد بھائی
100	×

دوسری مثال یہ ہے : ایک بیٹی کی نواسی ہے اور دوسرے بیٹے کی نواسی ہے۔میت کے لئے دونوں کی رشتہ داری برابر درجے کی ہے۔لیکن بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی وارث ہے اس لئے اس کی بیٹی یعنی بیٹے کی نواسی کو دیا جائے گا۔اور بیٹی کی بیٹی وارث نہیں ہے اس لئے اس کی نواسی کو نہیں دیا جائے گا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

بیٹی کی نواسی	بیٹے کی نواسی
×	100

اس مسئلے میں بیٹی کی نواسی کو کچھ نہیں ملا۔البتہ بیٹے کی نواسی کو بقیہ مال ذوی الارحام کے طور پر دے دیا گیا۔کیونکہ وہ وراثت کی وجہ سے مقدم ہے۔

اصول وراثت والے کی اولاد مقدم ہوگی۔

وجہ اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن زیادہ قال انی لاعلم بما صنع عمر جعل العمة بمنزلة الاب والخالة بمنزلة الام (الف) (مصنف،۱۹فی الخالۃ والعمہ من کان یورثھا، ج سادس، ص ۲۵۰، نمبر ۳۱۱۰۵) اس اثر میں پھوپھی کو باپ کے درجے میں اور خالہ کو ماں کے درجے میں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ جو وارث ہے اس کی اولاد مقدم ہوگی۔کیونکہ پھوپھی باپ کے رشتہ میں ہے۔اور خالہ ماں کے رشتے میں ہے۔

[۳۲۴۷](۴) نانا مقدم ہے بھائی کی اولاد سے اور بہن کی اولاد سے۔

تشریح میت کی بھتیجی ہو یا بھانجا اور بھانجی ہو اور نانا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نانا مقدم ہوگا بھتیجی اور بھانجا، بھانجی سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت زیاد نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے کیا کیا؟ انہوں نے پھوپھی کو باپ کے درجے میں اور خالہ کو ماں کے درجے میں کیا۔

[۳۲۴۸](۵) والمعتَق احقُّ بالفاضل عن سهم ذوی السهام اذا لم تکن عصبة سواه

[۳۲۴۹](۶) ومولی الموالاة یرثُ.

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ماں کا باپ ہے جو قریب ہوا۔اور بھتیجی یا بھانجا اور بھانجی بھائی اور بہن کی اولاد ہے تو یہ کچھ دور ہوئے۔اس لئے نانا کے مقابلے میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بھتیجی اور بھانجا اور بھانجی نانا سے مقدم ہے۔

وجہ یہ لوگ صلبی اولاد میں ہیں۔اور نانا صلبی نہیں ہے بلکہ ماں کا باپ ہے اس لئے صلبی اولاد نانا سے بہتر ہوگی۔

اصول صلبی اولاد ذوی الارحام سے بہتر ہے۔

[۳۲۴۸](۵) آزاد کرنے والا زیادہ حقدار ہے بچے ہوئے مال کا ذوی الفروض سے جبکہ اس کے علاوہ کوئی عصبہ نہ ہو۔

تشریح آزاد شدہ غلام مرا۔اس نے حصے والوں کو چھوڑا اور عصبہ کے طور پر آزاد کرنے والے آقا کو چھوڑا۔آقا کے علاوہ کوئی قریب کا عصبہ نہیں تھا۔ایسی صورت میں حصے والوں کے لینے کے بعد جو مال بچا وہ آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا۔یہ مال دوبارہ حصے والوں پر واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے کہ ولاء یعنی آزاد شدہ غلام کی وراثت آقا کو ملے گی۔ عن عائشةؓ قالت اشتریت بریرة فقال النبی ﷺ اشتریھا فان الولاء لمن اعتق (الف) (بخاری شریف، باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط ،ص ۹۹۹، نمبر ۶۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ آزاد کرنے والے کو ولاء ملے گی۔اس لئے حصہ لینے والوں کے بعد کوئی عصبہ نہیں ہے تو آزاد کرنے والے آقا کو بقیہ مال بطور عصبہ ملیگا۔

لغت سہم ذوی السہام : حصے والے کا حصہ۔

[۳۲۴۹](۶) مولی موالات وارث ہوتا ہے۔

تشریح ایک آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یوں کہے کہ آج سے آپ میرے وارث ہیں۔اگر میں مرگیا تو آپ میری وراثت لیں گے۔اور اگر میں نے کوئی جنایت کی یا قتل کیا تو آپ میری دیت ادا کریں گے۔اس کو مولی موالات کہتے ہیں۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی اور وارث نہ ہو تو مولی موالات کو وراثت ملے گی۔مال بیت المال میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

وجہ اگر حصے دار موجود ہو یا عصبہ ہو یا مولی عتاقہ موجود ہو تب تو مولی موالات کو نہیں ملے گا۔اور یہ لوگ نہ ہوں تب مولی موالات کو ملے گا۔ آیت میں ہے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (آیت ۷۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے ذوی الارحام بعض بعض سے بہتر ہے کا حکم ہے۔اس لئے ذوی الارحام بھی موجود ہو تو مولی موالات کو نہیں ملے گا۔کیونکہ یہ لوگ نسبی طور پر وارث ہیں۔اور مولی موالات عقد کرنے کی وجہ سے وارث ہیں (۲) ذوی الارحام نہ ہوں تو مولی موالات کو وراثت ملے گی اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ولکل

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے بریرہ کو خریدا تو حضورؐ نے فرمایا اس کو خریدلو، ولاء اس کو ملے گا جس نے آزاد کیا۔

[۳۲۵۰](۷) واذا ترک المعتَقُ اب مولاہ وابن مولاہ فمالُہ للابن عندھما وقال

جعلنا موالی مماترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فأتوھم نصیبھم (الف) آیت ۳۳،سورۃ النساء۴)اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس سے عہد و پیمان کیا اس کو اس کا حصہ دو یعنی وارث نہ ہونے پر وہ وارث ہوگا (۳) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔عن تمیم الداری انہ قال یا رسول اللہ ! ماالسنۃ فی الرجل یسلم علی یدی الرجل من المسلمین ؟ قال ھو اولی الناس بمحیاہ ومماتہ (ب)(ابوداؤد شریف، باب الرجل یسلم علی یدی الرجل، ص ۴۸، نمبر ۲۹۱۸رترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الرجل الذی یسلم علی یدی الرجل، ص ۳۱، نمبر ۲۱۱۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مولی موالات زندگی اور موت میں زیادہ بہتر ہے یعنی آخیر میں اس کو وراثت ملے گی (۴) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان عمر بن الخطابؓ قال اذا والی رجل رجلا فلہ میراثہ وعلیہ عقلہ (ج) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹فی الرجل یسلم علی یدی رجل ثم یموت من قال یرثہ، ج سادس، ص ۲۹۹، نمبر ۳۱۵۶۹)اس اثر میں ہے کہ کسی سے موالات کیا تو وہ اس کا وارث ہوگا اور دیت بھی دے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ مولی موالات کو وراثت نہیں دیتے ہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ اوپر کی آیت۔ اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض (د) آیت ۷۵،سورۃ الانفال ۸) کی وجہ سے آیت۔ والذین عقدت ایمانکم فأتوھم نصیبھم (ہ)(آیت ۳۳،سورۃ النساء۴)منسوخ ہے۔اس لئے حصے دار ذوی الارحام اور مولی عتاقہ نہ بھی ہو تب بھی مولی موالات کو نہیں ملے گا۔ بلکہ مال بیت المال میں داخل کردیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال میراثہ للمسلمین وعقلہ علیھم (و)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۰من قال اذا اسلم علی یدیہ فلیس لہ من میراثہ شیء، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۳۱۵۷۶)اس اثر میں ہے کہ اس کی وراثت عام مسلمانوں کو ملے گی یعنی بیت المال میں داخل ہوگی۔

[۳۲۵۰](۷) اگر چھوڑا آزاد شدہ غلام نے اپنے آقا کے باپ کو اور اس کے بیٹے کو تو اس کا مال بیٹے کا ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا چھٹا حصہ باپ کے لئے اور باقی بیٹے کے لئے۔

تشریح آزاد شدہ غلام مرا۔اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا، آقا بھی زندہ نہیں تھا بلکہ آقا کا باپ اور بیٹا تھا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ باپ کو نہیں ملے گا۔سب مال بیٹے کو مل جائے گا۔

وجہ آزاد شدہ غلام کا مال عصبہ کے طور پر ملتا ہے اور وارثین میں بھی عصبہ کے طور پر تقسیم ہوتا ہے۔اور بیٹا پہلا عصبہ ہے اس کے بعد باپ کا نمبر ہے۔اس لئے بیٹے کی موجودگی میں باپ کو کچھ نہیں ملے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔وقال زید بن ثابت المال للابن ولیس

حاشیہ : (الف) ہر ایک کے لئے ہم نے مولی بنایا، جو کچھ چھوڑا والدین اور رشتہ داروں نے اور جن لوگوں سے قسم کا عقد باندھا ان کو ان کا حصہ دو (ب) حضرت تمیم داری نے کہا کوئی آدمی کسی مسلمان آدمی کے ہاتھ پر مسلمان ہو تو اسمیں سنت کیا ہے؟ تو فرمایا زندگی اور موت میں وہ لوگوں سے زیادہ بہتر ہے (ج) حضرت عمر نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی سے موالات کرے تو اس کے لئے اس کی میراث بھی ہے اور اس پر دیت بھی لازم ہے (د) ذی رحم بعض بعض سے زیادہ بہتر ہے (ہ) جن لوگوں نے قسم کا عقد باندھا ان کو ان کا حصہ دو (و) حضرت حسن فرماتے ہیں اسکی میراث مسلمانوں کے لئے ہے اور انہیں مسلمانوں پر اس کی دیت ہے۔

ابویوسف رحمه الله تعالی للاب السدس والباقی للابن[۳۲۵۱](۸) فان ترک جد مولاه واخا مولاه فالمالُ للجد عند ابی حنیفة رحمه الله وقال ابو یوسف و محمد

للاب شیء (الف) دوسری روایت میں ہے۔عن الحسن قال هو للابن (ب)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰ا رجل مات وترک ابنه واباه ومولاه، ثم مات المولی وترک مالا، ج سادس، ص۲۹۴، نمبر۳۱۵۱۱/۳۱۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ وراثت بیٹے کو دی جائے گی۔

فائدہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ چھٹا حصہ باپ کو دیا جائے گا اور باقی 83.33 بیٹے کو دیا جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ عصبہ تو بیٹا بھی ہے اور باپ بھی ہے۔البتہ باپ بیٹے کے بعد ہے۔اس لئے جب دونوں جمع ہوئے تو عام وراثت کی طرح بیٹے کی موجودگی میں باپ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی بیٹے کو ملے گا۔(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن قتادة عن شريح و زيد بن ثابت فی رجل مات وترک ابنه واباه ومولاه ثم مات المولی وترک مالا فقال شريح لابيه السدس وما بقی فللابن (ج)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰ا رجل مات وترک ابنه واباه ومولاه ثم مات المولی وترک مالا، ج سادس، ص۲۹۴، نمبر۳۱۵۱۱) اس اثر میں ہے کہ باپ کو چھٹا حصہ ملے گا باقی بیٹے کے لئے ہوگا۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 100

باپ	بیٹا
16.66	83.33

اس مسئلے میں چھٹا حصہ یعنی 16.66 باپ کو دیا۔باقی پانچ سدس یعنی 83.33 بیٹے کو دیا۔

[۳۲۵۱](۸) اگر آزاد شدہ غلام نے آزاد کرنے والے کا دادا اور بھائی چھوڑا تو کل مال دادا کے لئے ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا وہ دونوں کے درمیان ہوگا۔

تشریح آزاد شدہ غلام نے آقا کے دادا کو اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سارا مال دادا کے لئے ہوگا اور آقا کا بھائی محروم ہوگا۔

وجہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اثر میں یہ ہے۔عن الزهری فی رجل ترث جده واخاه قال الولاء للجد لانه ينسب الى الجد ولا ينسب الى الاخ (د)(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۱ فی رجل مات وترک مولی له وجده واخاه لمن الولاء، ج سادس، ص۲۹۵، نمبر۳۱۵۲۵) اس اثر میں ہے کہ مال دادا کو ملے گا۔کیونکہ آقا دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے بھائی کی طرف منسوب نہیں ہوتا (۲) یوں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

حاشیہ : (الف) زید بن ثابتؓ نے فرمایا مال بیٹے کا ہوگا، باپ کے لئے کچھ نہیں ہے (ب) حضرت حسن نے فرمایا مال بیٹے کے لئے ہوگا (ج) حضرت شریح نے فرمایا کوئی آدمی مر جائے اور بیٹا اور باپ اور آزاد شدہ غلام چھوڑے پھر یہ آزاد شدہ غلام مر جائے اور مال چھوڑے؟ تو حضرت شریح نے فرمایا باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی پانچ حصے بیٹے کے لئے ہے (د) حضرت زہری نے فرمایا کوئی آدمی دادا چھوڑے اور بھائی چھوڑے تو فرمایا ولاء دادا کے لئے ہے۔اس لئے کہ آدمی دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے بھائی کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

رحمهما الله تعالى هو بينهما[۳۲۵۲](۹) ولا يباع الولاء ولايوهب.

دادا کی موجودگی میں بھائی کو وراثت نہیں ملتی ہے۔

فائدہ امام صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن عطاء فی رجل مات وترک مولی له وجده واخاه لمن ولاء مولاه ؟قال عطاء الولاء بينهما نصفين** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۱ فی رجل مات وترک مولی لہ وجدہ واخاہ لمن الولاء، ج سادس، ص ۲۹۵، نمبر ۳۱۵۲۳) اس اثر میں ہے کہ ولاء دادا اور بھائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا (۲) صاحبینؒ کا قاعدہ یہ تھا کہ دادا اور بھائی دونوں شریک ہوں گے اس لئے یہاں بھی دونوں شریک ہوں گے۔

[۳۲۵۲] (۹) ولاء نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع الولاء و عن هبته** (ب) ابوداؤد شریف، باب فی بیع الولاء، ص ۴۸، نمبر ۲۹۱۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ذوی الارحام ایک نظر میں اگلے صفحہ پر دیکھئے)
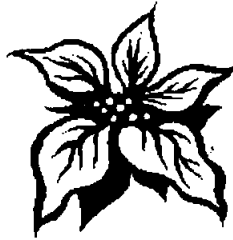
حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا ایک آدمی مرا اور اپنا آزاد شدہ غلام اور دادا اور بھائی چھوڑا تو ولاء کس کے لئے ہوگا؟ فرمایا ولاء دادا اور بھائی کے درمیان آدھا آدھا ہوگا (ب) آپؐ نے ولاء کے بیچنے اور اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔

﴿ ذوی الارحام ایک نظر میں ﴾

(ان لوگوں کو نمبر کی ترتیب سے وراثت ملے گی)

نمبر شمار	عربی کا ترجمہ	اردو	میت کی نسبت
(۱)	بیٹی کی اولاد	نواسا، نواسی	میت کی اولاد
(۲)	بہن کی اولاد	بھانجا، بھانجی	باپ کی اولاد کی اولاد
(۳)	بھائی کی بیٹی	بھتیجی	باپ کی اولاد کی اولاد
(۴)	چچا کی بیٹی	چچازاد بہن	باپ کے باپ کی اولاد
(۵)	ماموں	ماموں	ماں کے باپ کی اولاد
(۶)	خالہ	خالہ	ماں کے باپ کی اولاد
(۷)	نانا	نانا	ماں کا باپ
(۸)	اخیافی چچا	ماں شریک چچا	باپ کی ماں کی اولاد
(۹)	پھوپھی	پھوپھی	باپ کی اولاد
(۱۰)	اخیافی بھائی کی اولاد	ماں شریک بھتیجا، بھتیجی	ماں کی اولاد

﴿باب حساب الفرائض﴾

[۳۲۵۳](۱)اذا كان فى المسئلة نصف ونصف او نصف ومابقى فاصلها من اثنين.

﴿باب حساب الفرائض﴾

ضروری نوٹ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پرانے حساب میں پوائنٹ نہیں ناپ سکتے تھے اس لئے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر عدد صحیح نکالتے تھے۔ پھر ورثہ پر تقسیم کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کلکیو لیٹر ہمیشہ کسر کا حساب کرتا ہے جس کو انگریزی میں پوائنٹ کہتے ہیں اور اردو میں عشاریہ کہتے ہیں۔ اس لئے حساب الفرائض میں کلکیو لیٹر کا حساب دیا جائے گا۔ اور پرانا حساب بھی دیا جاتا ہے تاکہ دونوں حساب سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیا حساب ہمیشہ 100 سے کیا جاتا ہے۔

(حصوں کی تعداد ایک نظر میں)

نمبر شمار	عربی حصے	اردو	سو	تقسیم	برابر	فیصد	بٹے کا حساب
(۱)	نصف	آدھا	100	÷ 2	=	50	1/2
(۲)	ربع	چوتھائی	100	÷ 4	=	25	1/4
(۳)	ثمن	آٹھواں	100	÷ 8	=	12.5	1/8
(۴)	ثلثان	دو تہائی	100	÷ 3 × 2	=	66.66	2/3
(۵)	ثلث	ایک تہائی	100	÷ 3	=	33.33	1/3
(۶)	سدس	چھٹا	100	÷ 6	=	16.66	1/6

[۳۲۵۳](۱) جب مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور ماقی ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا۔

تشریح دو آدمیوں کو آدھا آدھا ملتا ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا۔ مثلا عورت نے شوہر اور اپنی بہن چھوڑی تو شوہر کو آدھا ملے گا اور بہن کے لئے بھی آدھا ہوگا۔ اور مسئلہ دو سے چلے گا۔ اور دونوں کو آدھا آدھا یعنی ایک ایک دے دیا جائے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 2

شوہر	بہن
1	1

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

[۳۲۵۴](۲) وان کان فیھا ثلث ومابقی او ثلثان ومابقی فاصلھا من ثلثة

میت 100

شوہر	بہن
50	50

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا یعنی 50 اور بہن کو بھی حصے کے اعتبار سے 100 کا آدھا یعنی 50 دے دیا گیا۔

نصف وما بقی کی صورت یہ ہے۔ مثلا عورت نے شوہر چھوڑا تو اس کو بطور حصے کے آدھا دے دیا جائے اور جو باقی رہے اس کو بطور عصبہ کے چچا کو دے دیا جائے۔

مسئلہ اس طرح بنے گا،

میت 2

شوہر	چچا
1	1

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	چچا
50	50

[۳۲۵۴] (۲) اور اگر مسئلے میں تہائی اور ما بقی ہو یا دو تہائی اور ما بقی ہو تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔

تشریح مثلا عورت نے ماں اور چچا چھوڑا تو ماں کو ایک تہائی بطور حصہ ملے گی اور باقی دو تہائی چچا کو بطور عصبہ ملے گی۔ اس صورت میں مسئلہ تین سے چلے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 3

ماں	چچا
1	2

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

ماں	چچا
33.33	66.66

اس مسئلے میں ماں کو ایک تہائی بطور حصے کے دی جو سو میں سے 33.33 ہوتا ہے۔ اور باقی دو تہائی یعنی 66.66 بطور عصبہ چچا کو دی گئی۔

دو تہائی و ما بقی کی صورت یہ ہے۔ مثلا میت نے دو بیٹی چھوڑی تو اس کو دو تہائی ملے گی۔ اور ایک تہائی جو بچی وہ چچا کو بطور عصبہ ملے گی۔

[۳۲۵۵](۳) وان كان فيها ربع ومابقى او ربع ونصف فاصلها من اربعة

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 3

دو بیٹیاں	چچا
2	1

کلکولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

دو بیٹیاں	چچا
66.66	33.33

اس مسئلے میں دو بیٹیوں کو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 بطور سہام دیا گیا۔ اور باقی ایک تہائی یعنی سو میں سے 33.33 بطور عصبہ چچا کو دیا گیا۔

[۳۲۵۵] (۳) اور اگر اس میں چوتھائی اور مابقی ہو یا چوتھائی اور نصف ہو تو اس صورت میں مسئلہ چار سے ہوگا۔

تشریح مثلا بیوی اور دادا چھوڑا تو بیوی کو چوتھائی ملے گی اور دادا کو مابقی تین چوتھائی بطور عصبہ ملے گی۔ اس لئے مسئلہ چار سے ہوگا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4

بیوی	دادا
1	3

کلکولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	دادا
25	75

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی یعنی سو میں سے 25 دیا۔ اور باقی تین چوتھائی یعنی سو میں سے 75 دادا کو بطور عصبہ دیا۔

چوتھائی اور نصف کی صورت یہ ہے۔ عورت نے شوہر اور ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ چونکہ ایک بیٹی ہے اس لئے اس کو آدھا ملے گا۔ اور اولاد ہونے کی وجہ سے شوہر کو ایک چوتھائی ملے گی۔ اور باقی ایک چوتھائی عصبہ کے طور پر چچا کو ملے گی۔ اور مسئلہ چار سے چلے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4

شوہر	ایک بیٹی	چچا
1	2	1

[۳۲۵۶](۴) وان كان فيها ثمن ومابقى او ثمن ونصف فاصلها من ثمانية.

کلکیو لیٹر کا مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 100

شوہر	ایک بیٹی	چچا
25	50	25

اس مسئلے میں سو میں سے چوتھائی یعنی 25 شوہر کو دیا۔ اور آدھا یعنی 50 بیٹی کو دیا۔ اور باقی ایک چوتھائی یعنی 25 چچا کو دے دیا۔

[۳۲۵۶] (۴) اگر مسئلے میں آٹھواں اور ما بقی ہو یا آٹھواں اور آدھا ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔

تشریح مثلا بیوی اور بیٹا چھوڑا تو بیوی کو آٹھواں ملے گا۔ اور باقی سات حصے بیٹے کو بطور عصبہ ملے گا۔ اور اصل مسئلہ آٹھ سے چلے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 8

بیوی	بیٹا
1	7

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	بیٹا
12.5	87.5

اس مسئلے میں بیوی کو آٹھواں یعنی سو میں سے 12.5 ساڑھے بارہ دیا۔ اور باقی سات حصے یعنی سو میں سے 87.5 بیٹا کو بطور عصبہ دیا۔

آٹھواں اور نصف کی صورت یہ ہوگی۔ بیوی اور ایک بیٹی اور چچا چھوڑا تو بیٹی کی وجہ سے بیوی کو آٹھواں ملے گا۔ اور ایک بیٹی ہے اس لئے اس کو آدھا ملے گا اور باقی تین سہام چچا کو بطور عصبہ ملے گا۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 8

بیوی	ایک بیٹی	چچا
1	4	3

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	ایک بیٹی	چچا
12.5	50	37.5

[۳۲۵۷] (۵) وان كان فيها سدس وما بقي او نصف وثلث او نصف وسدس فاصلها من

اس مسئلے میں آٹھواں حصہ یعنی سو میں سے 12.5 بیوی کو دیا۔ اور آدھا یعنی سو میں سے 50 ایک بیٹی کو دیا۔ اور باقی 37.5 چچا کو بطور عصبہ دیا۔

[۳۲۵۷] (۵) (۱) اور اگر اس میں چھٹا اور ما بقی ہو (۲) یا آدھا اور تہائی ہو (۳) یا آدھا اور چھٹا ہو تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔ جو عول کرے گا سات سے اور آٹھ سے اور نو سے اور دس سے۔

تشریح اگر لینے والے چھٹا حصہ ہو اور ما بقی ہو تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ بعض مرتبہ لینے والے چھ حصوں کے اندر ہوں گے۔ لیکن بعض مرتبہ لینے والے اتنے ہوں گے کہ ان کے حصوں کو جوڑا جائے تو چھ سے زیادہ ہو جائیں گے۔ اب مسئلہ بنایا چھ سے اور حصے ہو گئے سات تو اصل مسئلہ سے حصے زیادہ ہونے کو عول کہتے ہیں۔ عول کے لغوی معنی ہے مائل ہونا اور ظلم کرنا۔ چونکہ باقی حصہ داروں کو اب نقصان ہوگا اس لئے ایسے مسئلے کا نام عول ہے۔ مصنفؒ اس عبارت میں چھ سے مسئلہ بنا رہے ہیں۔ اور ایک صورت میں سات تک عول ہوتا ہے، دوسری صورت میں آٹھ تک اور تیسری صورت میں نو تک اور چوتھی صورت میں دس تک عول ہوتا ہے۔ سب کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تین صورتوں میں مسئلہ چھ سے چلے گا : (۱) لینے والے چھٹا ہو اور ما بقی ہو (۲) لینے والے آدھا ہو اور تہائی ہو (۳) لینے والے آدھا ہو اور چھٹا ہو تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔

﴿ عول کی شکلیں ﴾

اصل مسئلہ چھ سے چلے اور حصے سات ہو جائیں اس کی صورت یہ ہے۔ میت نے شوہر چھوڑا اور دو حقیقی بہن چھوڑی۔ اس میں شوہر کو آدھا ملے گا کیونکہ اولاد نہیں ہے۔ اور دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا۔ مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 6 عول 7

شوہر	دو ماں باپ شریک بہنیں
3	4

اس میں شوہر کو آدھا تین دے دیا اور دو بہنوں کو دو تہائی چھ میں سے چار دے دیا۔ دونوں کا مجموعہ سات ہو گیا تو گویا کہ عول سات سے ہوا۔

کلکولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 116.66 — عول کے بعد ایک حصہ 0.8571 = 116.66 ÷ 100

شوہر	دو ماں باپ شریک بہنیں
50	66.66
42.85	57.13

عول کا طریقہ

دو ماں باپ شریک بہنوں کو عول کے بعد ملا	57.13 =	0.8571	×	66.66
شوہر کو عول کے بعد ملا	42.85 =	0.8571	×	50
مجموعہ........	99.98			

ستة وتعول الی سبعة وثمانية وتسعة وعشرة.

اس مسئلے میں شوہر کوسو کا آدھا 50 دے دیا۔ اور دو حقیقی بہنوں کو سو کی دو تہائی 66.66 دیا۔ دونوں کو جوڑیں تو 116.66 ایک سو سولہ پوائنٹ چھیاسٹھ ہو گیا جو سو سے زیادہ ہے۔ اس کو عول کہتے ہیں۔

البتہ ہمیں سو کے اندر ہی حصہ رکھنا ہے اس لئے 116.66 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.8571 ہوا۔ یعنی ایک حصے والے کو اتنا ملے گا۔ اس کو 50 سے ضرب دیا 50 × 0.8571 = 42.85 ہوا۔ یہ اب شوہر کا حصہ ہوا۔ اور 66.66 کو 0.8571 سے ضرب دیا 66.66× 0.8571=57.13 ہوا یہ دو بہنوں کو دیا۔ اور دونوں کا مجموعہ 99.98 ہوا جو سو کے قریب ہے۔ یہ اصل میں سو ہی ہے۔ لیکن کلکیو لیٹر کے حساب میں ایک نئے پیسے کی کمی رہتی ہے۔

نوٹ اب شوہر کو سو درہم میں سے 42.85 درہم، اور بہن کو سو درہم میں سے 57.13 درہم ملے گا۔

وجہ عول ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم عن علی وعبد الله وزيد انهم اعالوا الفريضه (الف) (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۲ فی الفرایض من قال لا تعول ومن اعالها، ج سادس، ص ۲۵۸، نمبر ۳۱۱۸۱ / سنن للبیھقی، باب العول فی الفرائض، ج سادس، ص ۴۱۴، نمبر ۱۲۴۵۴) اس اثر میں ہے کہ یہ حضرات عول فرماتے تھے۔

سات تک عول کی دوسری مثال : میت نے شوہر، ایک حقیقی بہن اور ایک باپ شریک بہن چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں چھوڑی اس لئے شوہر کو آدھا ملیگا۔ ایک حقیقی بہن کو آدھا ملے گا۔ اور ایک باپ شریک بہن کو دو تہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ سات ہو جائے گا۔ جس کو عول کہتے ہیں۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 7

شوہر	ایک حقیقی بہن	ایک باپ شریک بہن
3	3	1

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 116.66 — عول کے بعد ایک حصہ 0.8571 = 166.66 ÷ 100

شوہر	ایک حقیقی بہن	ایک باپ شریک بہن
50	50	16.66
42.85	42.85	14.27

عول کا طریقہ

باپ شریک بہن کو عول کے بعد ملا	14.27	=	0.8571	×	16.66
حقیقی بہن کو عول کے بعد ملا	42.85	=	0.8571	×	50
شوہر کو عول کے بعد ملا	42.85	=	0.8571	×	50
مجموعہ........................	99.97				

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ اور حضرت زیدؓ فریضہ کو عول کرتے تھے۔

اس مسئلے میں شوہر کو سو میں سے آدھا 50 دیا۔ بہن کو سو میں سے آدھا 50 دیا۔ اور باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ ان سب کا مجموعہ 116.66 ہوا۔ جس کو عول کہتے ہیں۔ چونکہ سو سے ہی حساب رکھنا ہے۔ اس لئے 116.66 کو 100 میں تقسیم دیں تو 0.8571 نکلے گا جو ایک حصہ والے کا حصہ ہے۔ اس کو 50 میں ضرب دیں 50×0.8571=42.85 ہوگا جو شوہر کا بھی حصہ ہے اور حقیقی بہن کا بھی حصہ ہے۔ یہ دونوں کو دے دیں۔ اور 16.66 کو 0.8571 میں ضرب دیں تو 14.27 نکلے گا۔ یہ باپ شریک بہن کو دے دیں جس کا چھٹا حصہ تھا۔ اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوگا جو سو کے قریب ہے۔

نوٹ اب شوہر کو سو درہم میں سے 42.85 درہم، حقیقی بہن کو سو درہم میں سے 42.85 درہم ملے گا۔ اور باپ شریک بہن کو سو درہم میں سے 14.27 درہم ملے گا۔

آٹھ تک عول ہونے کی مثال : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہن اور ماں چھوڑی، چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور باپ شریک دو بہنیں ہیں اس لئے ان کو دو تہائی ملے گی۔ اور ماں کو چھٹا ملے گا۔ اس لئے مسئلہ چھ سے چلے گا۔ سب حصوں کا مجموعہ آٹھ ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 8

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں
3	4	1

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 133.32   عول کے بعد ایک حصہ 0.7500 = 133.33 ÷ 100

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں
50	66.66	16.66
37.50	49.99	12.49

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	12.49	=	0.7500	×	16.66
عول کے بعد دو بہنوں کو ملا	49.99	=	0.7500	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	37.50	=	0.7500	×	50
مجموعہ............	99.98				

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا 50 دیا، باپ شریک بہن کو سو کی دو تہائی 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ سب کا مجموعہ 133.32 ہو گیا۔ جو سو سے زیادہ ہے اور عول ہے۔ چونکہ سو ہی سے حساب رکھنا ہے اس لئے 133.32 سے 100 کو تقسیم کر دیا تو 0.7500 آیا جو ایک حصے والے کو ملے گا۔ اب اس کو 50 میں ضرب دیں 50×0.7500=37.50 ہوگا جو شوہر کا حصہ ہوگا۔ اور 66.66 کو 0.7500 میں ضرب دیا تو 49.99 ہوا جو بہن کو دیا۔ اور 16.49 کو 0.7500 سے ضرب دیا تو 12.49 ہوا جو ماں کو دے

دیا۔اور سب کا مجموعہ 99.98 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

نو تک عول ہونے کی مثال : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملا۔ دو باپ شریک بہنیں ہیں اس لئے ان کو دو تہائی ملے گی۔ اور دو ماں شریک بہنیں ہیں اس لئے ایک تہائی ان کو ملے گی۔ مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ نو ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 9

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں شریک دو بہنیں
3	4	2

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 149.99 عول کے بعد ایک حصہ 0.6667 = 149.99 × 100

شوہر	باپ شریک دو بہنیں	ماں شریک دو بہنیں
50	66.66	33.33
33.33	44.44	22.22

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	22.22	=	0.6667 ×	33.33
عول کے بعد باپ شریک بہنوں کو ملا	44.44	=	0.6667 ×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	33.33		0.6667	50
مجموعہ............	99.99			

اس مسئلے میں شوہر کو سو کا آدھا 50 دیا، باپ شریک بہنون کو دو تہائی یعنی 66.66 دیا۔ اور ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی یعنی 33.33 دیا جن کا مجموعہ 149.99 ہو گیا۔ چونکہ حساب سو پر ہی رکھنا ہے اس لئے 149.99 سے 100 میں تقسیم دی تو 0.6667 آیا جو ایک حصے والے کو ملے گا۔ اب 50 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 33.33 ہوگا جو شوہر کا حصہ عول ہو کر ہوگا۔ اور 66.66 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 44.44 ہوگا جو باپ شریک دو بہنوں کا حصہ ہوگا۔ اور 33.33 کو 0.6667 میں ضرب دیں تو 22.22 ہوگا جو ماں شریک دو بہنون کا حصہ ہوگا۔ اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوگا۔

دس تک عول کی صورت یہ ہے : میت نے شوہر، دو باپ شریک بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور مان چھوڑی۔ چونکہ اولاد نہیں ہے اس لئے شوہر کو آدھا ملے گا۔ دو باپ شریک بہنون کو دو تہائی ملے گی۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی ملے گی۔ اور مان کو چھٹا حصہ ملے گا۔ مسئلہ چھ سے چلے گا اور مجموعہ دس ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 10

شوہر	دو باپ شریک بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	4	2	1

[۳۲۵۸](٦) وان كان مع الربع ثلث او سدس فاصلها من اثنٰى عشر وتعول الى ثلثة عشر وخمسة عشر وسبعة عشر.

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 166.65 عول کے بعد ایک حصہ 0.60006 = 166.65 ÷ 100

شوہر	دو باپ شریک بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
50	66.66	33.33	16.66
30.00	39.99	19.99	9.99

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	9.99	=	0.60006	×	16.66
عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	19.99	=	0.60006	×	33.33
عول کے بعد باپ شریک بہنوں کو ملا	39.99	=	0.60006	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	30.00	=	0.60006	×	50
مجموعہ............................	99.97				

اس مسئلے میں شوہر کو سو میں سے 50 ملا، دو باپ شریک بہنوں کو دو تہائی یعنی 66.66 ملا۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو سو میں سے ایک تہائی یعنی 33.33 ملا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ سو میں سے 16.66 ملا۔ اور سب کا مجموعہ 166.65 ہوا۔ چونکہ حساب سو سے ہی رکھنا ہے اس لئے 166.65 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.60006 نکلا۔ اس کو شوہر کے حصے 50 میں ضرب دیا تو 30.00 ہوا جو شوہر کو دیا جائے گا۔ اور دو باپ شریک بہنوں کا حصہ 66.66 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 39.99 ہوا یہ بہن کا حصہ ہوگا۔ اور ماں شریک بہن کا حصہ 33.33 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 19.99 آیا یہ ماں شریک بہن کا حصہ ہوگا۔ اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.60006 میں ضرب دیا تو 9.99 ہوا یہ ماں کو دیا جائے گا۔ ان سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو سے قریب ہے۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوگا کہ سو درہم ترکہ ہو تو اس میں سے شوہر کو 30.00 دو، باپ شریک بہنوں کو 39.99 دو، ماں شریک بہنوں کو 19.99 دو۔ اور ماں کو 9.99 درہم ملے گا۔

[۳۲۵۸](٦) اگر چوتھائی کے ساتھ تہائی ہو یا چھٹا ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور عول کرے گا تیرہ، پندرہ اور سترہ کی طرف۔

تشریح اگر چوتھائی کے ساتھ تہائی لینے والا ہو، یا چھٹا لینے والا ہو تو مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن کبھی ایسے بھی لینے والے ہوں گے کہ ان کا حصہ زیادہ ہو کر بارہ کے بجائے تیرہ ہو جائے گا، کبھی پندرہ ہو جائے گا اور کبھی سترہ ہو جائے گا۔ تفصیل نیچے دیکھیں۔

تیرہ کی طرف عول کی صورت یہ ہے : میت نے بیوی اور دو حقیقی بہنیں اور ماں چھوڑی تو بیوی کو چوتھائی، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا ملے گا، مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن تمام حصے مل کر تیرہ حصے ہو جائیں گے جس کو عول کہتے ہیں۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 12 عول 13

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ماں
3	8	2

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 108.32 عول کے بعد ایک حصہ 0.9231 = 108.32 ÷ 100

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ماں
25	66.66	16.66
23.07	61.53	15.37

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	15.37	=	0.9231 ×	16.66
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	61.53	=	0.9231 ×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	23.07	=	0.9231 ×	25
مجموعہ...........	99.97			

اس مسئلے میں بیوی کو چوتھائی میں سے 25 دیا۔ اور دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی یعنی سو میں سے 66.66 دیا۔ اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی 16.66 دیا۔ سب کا مجموعہ 108.32 ہوا جو سو سے زیادہ ہے اور عول ہے۔ اب چونکہ حساب سو سے ہی رکھنا ہے اس لئے 108.32 کو 100 میں تقسیم دیا تو 0.9231 آیا۔ جو ایک حصہ ہے اس کو بیوی کے 25 میں ضرب دیا تو 23.07 ہوا جو بیوی کا حصہ عول کے بعد ہوا۔ اور 66.66 کو 0.9231 میں ضرب دیا تو 61.53 ہوا جو دونوں بہنوں کا حصہ ہوا، اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.9231 میں ضرب دیا تو 15.37 ہوا۔ اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو کے قریب ہے۔ دو پیسے کا حساب کلکیو لیٹر نے نہیں دیا ہے۔

پندرہ تک عول کی صورت یہ ہے : میت نے بیوی، دو حقیقی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑی۔ اس لئے بیوی کو چوتھائی، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی دی جائے گی۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا اور حصے پندرہ ہو جائیں گے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 عول 15

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں
3	8	4

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 124.99 عول کے بعد ایک حصہ 0.80006 = 124.99 × 100

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں
25	66.66	33.33
20.00	53.33	26.66

(عول کا طریقہ)

عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	26.66 =	0.80006	×	33.33
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	53.33 =	0.80006	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	20.00 =	0.80006	×	25
مجموعہ.........	99.99			

اس مسئلے میں بیوی کو سو کی چوتھائی 25 دیا، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی 66.66 دیا۔ اور دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی 33.33 دیا۔ سب کا مجموعہ 124.99 ہوا۔ اس سے سو کو تقسیم کیا تو 0.80006 آیا۔ پھر 25 کو 0.80006 میں ضرب دیا تو 20.00 آیا جو بیوی کا حصہ ہے۔ اور 66.66 کو 0.80006 سے ضرب دیا تو 53.33 ہوا جو دو حقیقی بہنوں کا حصہ ہوا۔ اور 33.33 کو 0.80006 سے ضرب دیا تو 26.66 ہو جو دو ماں شریک بہنوں کا حصہ ہوگا۔ اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوا کہ میت نے سو درہم چھوڑے تو اس میں سے بیوی کو 20.00، حقیقی بہنوں کو 53.33 اور ماں شریک بہنوں کو 26.66 درہم ملیں گے۔ اور ایک بہن کو اس کا آدھا 13.33 ملیں گے۔

سترہ تک عول کی صورت یہ ہوگی : میت نے بیوی، دو حقیقی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور ماں چھوڑی، بیوی کو چوتھائی ملے گی کیونکہ اولاد نہیں ہیں، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی ملے گی، دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا اور حصوں کا مجموعہ سترہ ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 عول 17

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	8	4	2

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 141.65 عول کے بعد ایک حصہ 0.70596) = 141.65 × 100

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں .
25	66.66	33.33	16.66
17.64	47.05	23.52	11.76

(عول کا طریقہ)

عول کے بعد ماں کو ملا	11.77 =	0.70596	×	16.66
عول کے بعد ماں شریک بہنوں کو ملا	23.52 =	0.70596	×	33.33
عول کے بعد حقیقی بہنوں کو ملا	47.05 =	0.70596	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	17.65 =	0.70596	×	25
مجموعہ.........	99.97			

اس مسئلے میں بیوی کو سو کی چوتھائی 25 دیا، دو حقیقی بہنوں کو سو میں سے دو تہائی 66.66 دیا، دو ماں شریک بہنوں کو ایک تہائی 33.33 دیا۔ اور

[۳۲۵۹](۷) واذا كان مع الثمن سدسان او ثلثان فاصلها من اربعة وعشرين وتعول الى

ماں کوسو کا چھٹا حصہ 16.66 دیا۔ان سب کا مجموعہ 141.65 ہوا۔اس سے سو کو تقسیم کیا تو ایک حصے میں 0.70596 آیا۔اس کو 25 میں ضرب دیا تو 17.64 ہوا جو بیوی کا حصہ ہوا۔اور 66.66 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 47.05 ہوا جو دو حقیقی بہنوں کا حصہ ہوا۔اور 33.33 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 23.52 ہوا جو دو ماں شریک بہنوں کا حصہ ہوا۔اور 16.66 کو 0.70596 میں ضرب دیا تو 11.76 ہوا جو ماں کا حصہ ہوا۔اور سب کا مجموعہ 99.97 ہوا جو سو کے قریب ہے۔

[۳۲۵۹](۷) اگر آٹھویں کے ساتھ دو چھٹے حصے ہوں یا دو تہائی ہوں تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور ستائیس کی طرف عول کرے گا۔

تشریح جب مسئلے میں آٹھواں حصہ لینے والا ہو اور دو آدمی چھٹا چھٹا لینے والے ہوں تو مسئلہ چوبیس سے چلے گا اور ستائیس کی طرف عول کریگا۔ ستائیس کی طرف عول کرنے کی صورت یہ ہوگی : میت نے بیوی، دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے۔تو اولاد ہے اس لئے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔اور دو بیٹیوں دو تہائی اور باپ کو چھٹا حصہ اور ماں کو چھٹا حصہ۔اس لئے مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔اور تمام کے حصے ملا کر ستائیس ہو جائیں گے جس کو عول کہتے ہیں۔مسئلہ اس طرح چلے گا۔

میت 24 عول 27

ماں	باپ	دو بیٹیاں	بیوی
4	4	16	3

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 112.48 عول کے بعد ایک حصہ 0.8890 = 100 ÷ 112.48

ماں	باپ	دو بیٹیاں	بیوی
16.66	16.66	66.66	12.5
14.81	14.81	59.26	11.11

عول کا طریقہ

عول کے بعد ماں کو ملا	41.81	=	0.8890	×	16.66
عول کے بعد باپ کو ملا	41.81	=	0.8890	×	16.66
عول کے بعد بیٹیوں کو ملا	59.26	=	0.8890	×	66.66
عول کے بعد بیوی کو ملا	11.11	=	0.8890	×	12.50
مجموعہ...............	99.99				

اس مسئلے میں بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی سو میں سے 12.5 دیا گیا۔اور لڑکیوں کو دو تہائی سو میں سے 66.66 دیا گیا۔اور باپ کو سو میں سے چھٹا 16.66 دیا گیا۔اور ماں کو بھی سو میں سے چھٹا حصہ 16.66 دیا گیا۔اور سب کا مجموعہ 112.48 ہوا۔اس سے سو کو تقسیم کریں تو 0.8890 نکلے گا جو ایک حصہ ہوگا۔بیوی کا حصہ 12.5 کو 0.8890 میں ضرب دیا تو 11.11 ہوا جو بیوی کا حصہ ہوگا۔اور 66.66 کو

سبعة وعشرین[۳۲۶۰](۸) واذا انقسمت المسئلة علی الورثة فقد صحت وان لم تنقسم سهام فریق منهم علیهم فاضرب عددهم فی اصل المسئلة وعولها ان کانت عائلة

0.8890 میں ضرب دیا تو 59.26 ہوا جو دو بیٹیوں کا حصہ ہوگا۔ اور 16.66 کو 0.8890 سے ضرب دیا تو 14.81 ہوا جو باپ کا حصہ ہوا۔ اور ماں کا حصہ 16.66 کو 0.8890 میں ضرب دیا تو 14.81 ہوا جو ماں کا حصہ ہوگا۔ اور سب کا مجموعہ 99.99 ہوا جو سو کے قریب ہے۔ اصل میں کلکیو لیٹر تو ایک نئے پیسے کا ہزارواں حصہ کرتا ہے لیکن سہولت کے لئے باقی کو چھوڑ دیا۔

اس حساب کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میت 100 درہم چھوڑے تو بیوی کو 11.11، دو بیٹیوں کو 59.26، باپ کو 14.81 اور ماں کو 14.81 دراہم ملیں گے۔

﴿ ورثہ کو عدد پر تقسیم کرنے کا طریقہ ﴾

[۳۲۶۰] (۸) جب مسئلہ تقسیم ہو جائے ورثہ پر تو صحیح ہے۔ اور اگر تقسیم نہ ہو ان میں سے کسی فریق کا حصہ لینے والے پر تو اس کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔ اور اس کے عول کو اگر عول والا ہو۔ پس جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ صحیح ہوگا۔ جیسے بیوی اور دو بھائی۔ پس بیوی کے لئے چوتھائی ہے ایک حصہ اور دو بھائیوں کے لئے بقیہ تین حصے ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے۔ پس دو کو ضرب دیں اصل مسئلہ میں تو یہ آٹھ ہو جائیں گے۔ اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

تشریح جتنا حصہ فریق کو ملا وہ اس کے عدد پر تقسیم ہو جاتا ہو تب تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلا دو سہام ملے تھے اور لینے والے دو بھائی تھے تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تین سہام ملے اور لینے والے دو بھائی ہیں تو دو کو تین سہام ڈیڑھ ڈیڑھ ہوگا جو کسر ہے۔ اس لئے دو بھائی کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر اصل مسئلہ کو بڑھائیں تا کہ دو بھائیوں پر تقسیم ہو سکے۔ مثلا میت نے بیوی اور دو بھائی چھوڑے اس لئے مسئلہ چار سے بنے گا۔ جس میں سے ایک چوتھائی بیوی کو دی جائے گی۔ اور تین چوتھائی بھائی کو بطور عصبہ دی جائے گی۔ چونکہ بھائی دو ہیں اس لئے تین اس پر تقسیم نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے دو کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دو۔ جس سے اصل مسئلہ آٹھ ہو جائے گا۔ اور دونوں بھائیوں کو اس میں چھ ملیں گے اور ہر ایک بھائی کو تین تین مل جائیں گے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 8 4×2=8

بیوی	دو بھائی	
1	3	
2	6	ایک بھائی کو 3 ملیں گے۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد بیوی کو ملا ...... 2 = 1×2

تصحیح کے بعد بھائیوں کو ملا ...... 6 = 3×2

ہر ایک بھائی کو ملا ...... 3 = 6÷2

فماخرج صحت منه المسئلة كامرأة واخوين للمرأة الربع سهم وللاخوين مابقى ثلثة اسهم لاتنقسم عليهما فاضرب اثنينَ فى اصل المسئلة فتكون ثمانية ومنها تصح المسئلة.

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

کلکیولیٹر چونکہ کسر کا حساب کرتا ہے اور ایک عدد کا ہزارواں حصہ پوائنٹ کر کے نکالتا ہے اس لئے کلکیولیٹر کے حساب میں تصحیح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میت 100

بیوی	دو بھائی	
25	75	ایک بھائی کو 37.5 ملے گا۔

اس حساب میں دو بھائیوں کو 75 ملا تھا اس لئے اس کو 2 سے تقسیم دیا تو ایک بھائی کو 37.5 یعنی ساڑھے سینتیس ملیں گے۔

عول کی صورت یہ ہوگی : میت نے شوہر اور تین حقیقی بہنیں چھوڑی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو آدھا ملے گا۔ اور تین حقیقی بہنیں ہونے کی وجہ سے دو تہائی ملے گی۔ اصل مسئلہ چھ سے چلے گا۔ لیکن سب کے حصے مل کر سات ہوں گے جو عول ہے۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 6 عول 7 تصحیح 21 $7\times3=21$

شوہر	3 حقیقی بہنیں	
3	4	
9	12	ایک بہن کو 4 ملیں گے۔

(تصحیح کا طریقہ)

تصحیح کے بعد شوہر کو ملا ...... $9 = 3\times3$

تصحیح کے بعد تین بہنوں کو ملا .... $12 = 4\times4$

ہر ایک بہن کو ملا .... $4 = 12\div3$

اس مسئلے میں بہن تین ہیں اور حصے چار ہیں جو تقسیم نہیں ہوں گے۔ اس لئے تین بہنوں کو عول کے سات میں ضرب دیا جس سے تصحیح 21 ہوگیا۔ اور 4 کو تین سے ضرب دیا تو 12 ہوگیا۔ اور ہر بہن کو 4 مل جائیں گے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100 عول 116.66 عول کے بعد ایک حصہ $100\div116.66=0.8571$

شوہر	3 حقیقی بہنیں	
50	66.66	
42.85	57.13	ایک بہن کو 19.04 ملیں گے۔

[۳۲۶۱](۹) فان وافق سهامهم عددهم فاضرب وفق عددهم فی اصل المسئلة کامرأة

(عول کا طریقہ)

عول کے بعد بہنوں کو ملا	57.13	=	0.8571	×	66.66
عول کے بعد شوہر کو ملا	52.85	=	0.8571	×	50
ہر بہن کو ملا	19.04	=	3	÷	57.13

اس مسئلے میں 57.13 کو لینے والی تین بہنیں تھیں اس لئے 57.13 میں 3 سے تقسیم دیا جس کی وجہ سے 19.04 نکلا جو ایک بہن کا حصہ ہوا۔ یعنی میت نے 100 دراہم وراثت چھوڑی تو شوہر کو 42.85 دراہم اور ہر ایک کو بہن کو 19.04 دراہم ملیں گے۔

[۳۲۶۱](۹) پس اگر توافق ہو سہام اور عدد رؤس میں تو ضرب دے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں۔ جیسے ایک بیوی اور چھ بھائی۔ بیوی کے لئے چوتھائی ہے اور بھائیوں کے لئے تین سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے تو ان کے ثلث عدد یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اسی سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔

تشریح توافق کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کو برابر سے تقسیم کر دے۔ جیسے تین چھ کو دو برابر میں تقسیم کرتا ہے۔ اس لئے دو سے چھ اور تین میں توافق ہے۔ اس کو مصنف ؒ نے فرمایا کہ حصہ لینے والوں کی تعداد میں اور اس کے حصوں میں توافق ہو تو جس عدد سے توافق ہے اس سے اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 8　　2×4=8

بیوی	6 بھائی	
1	3	
2	6	ایک بھائی کو 1 دیا جائے گا۔

(تصحیح کا طریقہ)

تصحیح کے بعد ۶ بھائیوں کو ملا	......	6	=	3×2
تصحیح کے بعد بیوی کو ملا	.....	2	=	1×2

اس مسئلے میں لینے والے چھ بھائی تھے اور سہام کل تین تھے۔ البتہ تین اور چھ میں توافق تھا کیونکہ تین دو مرتبہ میں چھ کو فنا کر دیتا ہے۔ اس لئے دو کے عدد سے توافق ہوا۔ اس لئے دو سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا جس سے آٹھ ہوا۔ اس میں سے چھ بھائیوں کو ملا، اور ہر ایک بھائی کو ایک ملا۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	6 بھائی	
25	75	ایک بھائی کو 12.5 دیا جائے گا۔

کلکیو لیٹر کے حساب میں یہ ہوگا کہ 75 چھ بھائیوں کو ملا تو چھ سے 75 کو تقسیم کریں۔ ہر ایک بھائی کو 12.5 مل جائے گا۔

وستة اخوة للمرأة الربع وللاخوة ثلثه اسهم لاتنقسم عليهم فاضرب ثلث عددهم فی اصل المسألة ومنها تصح [۳۲۶۲](۱۰) فان لم تنقسم سهام فريقين او اكثر فاضرب

وجہ: تماثل (۲) تداخل (۳) توافق (۴) تباین کیا ہیں؟ اوپر کے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ان چار محاورات کو سمجھنا ضروری ہے۔ تماثل، تداخل، توافق اور تباین۔

(۱) تماثل : دو عدد ایک جیسے ہوں ان کو تماثل کہتے ہیں۔ جیسے چار اور چار کہ دونوں عدد ایک جیسے ہیں، دس، دس کہ دونوں عدد ایک جیسے ہیں۔ اس صورت میں کسی ایک عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دینا کافی ہوگا۔

(۲) تداخل : چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہو جائے ایک مرتبہ کے ساتھ، چاہے دو مرتبہ کے ساتھ، چاہے تین مرتبہ کے ساتھ، جیسے بیس اور چار۔ کیونکہ چار بیس میں پانچ مرتبہ داخل ہوتا ہے۔ یا چار اور بارہ کہ چار بارہ میں تین مرتبہ داخل ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں تداخل کی نسبت ہوئی۔ اس کے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہو جائے گی۔ مثال مذکور میں بیس سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہو جائے گی۔

(۳) توافق : دو عدد کسی تیسرے عدد سے موافق ہو اس کو توافق کہتے ہیں۔ مثلا آٹھ اور دس ہے۔ اس میں آٹھ دس میں داخل نہیں ہے لیکن دو کا عدد چار مرتبہ میں آٹھ کو فنا کرتا ہے اور پانچ مرتبہ میں دس کو فنا کرتا ہے۔ تو چونکہ دو نے دس اور آٹھ دونوں کو فنا کیا اس لئے دو کا عدد توافق کے لئے ہوا۔ اور آٹھ اور دس میں توافق کی نسبت ہوئی۔ اس میں جو توافق کا عدد ہے جیسے مثال مذکور میں دو، اس سے فنا شدہ عدد کو ضرب دے کر جو ما حصل ہو اس سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہوگی۔

(۴) تباین : دو عددوں کے درمیان نہ توافق کی نسبت ہو اور نہ تداخل کی نسبت ہو اس کو تباین کہتے ہیں۔ مثلا نو اور دس، ان دونوں عددوں کو کوئی تیسرا عدد بھی نہیں کاٹتا۔ اس لئے ان دونوں عددوں کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔ ان دونوں عددوں کو تباین کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں عددوں کو ایک دوسرے سے ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں اس سے تصحیح ہوگی۔ مثال مذکور میں نو کو دس سے ضرب دیں تو نوے ہوئے۔ اب نوے سے اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو تصحیح ہوگی۔

[۳۲۶۲] (۱۰) اگر تقسیم نہ ہوں دو فریق یا اس سے زیادہ کے سہام میں تو ضرب دے ایک فریق کے عدد کو دوسرے میں۔ پھر حاصل ضرب کو ضرب دے تیسرے فریق کے عدد میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔

تشریح: حصہ لینے والے کئی فریق ہوں۔ اور ہر ایک فریق کی تعداد کچھ ایسی ہو کہ حصہ لینے والوں کی تعداد میں اور ان کے حصوں کے درمیان تباین ہو۔ نہ چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہوتا ہو اور نہ توافق کے طور پر کوئی تیسرا عدد دونوں کو کاٹتا یا فنا کرتا ہو۔ ایسی صورت میں تمام عددوں کو ایک دوسرے سے ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا۔ جس سے تصحیح ہوگی۔ مثلا میت نے دو بیویاں، تین دادیاں اور پانچ بھائی چھوڑے اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا۔

احد الفريقين فى الأخر ثم ما اجتمع فى الفريق الثالث ثم ما اجتمع فى اصل المسئلة.

صورت مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 12 تصحیح 360   360 = 5×3×2=30×12

2بیویاں	3دادیاں	5بھائی
3	2	7
90	60	210
ہرایک کو45	ہرایک کو20	ہرایک کو42

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد ۵ بھائیوں کو ملا .... 210 = 7×30

تصحیح کے بعد ۳ دادیوں کو ملا .... 60 = 7×30

تصحیح کے بعد دو بیویوں کو ملا .... 90 = 3×30

مجموعہ....................... 360

تقسیم کا طریقہ

ہرایک بھائی کو ملا 42 = 210÷5

ہرایک دادی کو ملا 20 = 60÷3

ہرایک بیوی کو ملا 45 = 90÷2

یہ مسئلہ بارہ سے چلایا۔اس لئے دو بیویوں کو بارہ کی چوتھائی تین دیا۔تین دادیوں کو بارہ کا چھٹا حصہ دو دیا۔اور باقی سات حصے پانچ بھائیوں کو بطور عصبہ دیا۔دو بیویوں میں تین حصے تقسیم نہیں ہو سکے کیونکہ اس صورت میں کسر لازم آئے گا یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ ہوگا۔پھر دو اور تین میں توافق یا تداخل نہیں ہے۔بلکہ تباین کی نسبت ہے۔

تین دادیوں کو دو حصے ملے جوان پر تقسیم نہیں ہو سکتے، پھر تین اور دو کے درمیان تباین ہے۔

پانچ بھائیوں کو سات حصے ملے جوان پر تقسیم نہیں ہو سکتے کیونکہ کسر لازم آئے گا۔پھر پانچ اور سات میں تباین کی نسبت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عدد روس دو، تین اور پانچ کے درمیان بھی تباین ہے۔اس لئے پانچ کو تین میں ضرب دیں پندرہ ہوگا، پھر پندرہ کو دو میں ضرب دیں تو تیس ہوگا۔اور تیس کو اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیں تو تین سو ساٹھ ہوگا۔اس لئے تصحیح تین سو ساٹھ سے ہوگی۔

ہرایک حصے داروں کو حصہ کس طرح دیا جائے :

چونکہ تیس سے اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیا تھا اس لئے تیس سے دو بیویوں کے حصے تین میں ضرب دیں تو نوے ہوں گے۔یہ نوے دو بیویوں کو دیں اور ہرایک بیوی کو پینتالیس ملیں گے۔اسی تیس سے تین دادیوں کے حصے دو ہیں ضرب دیں تو ساٹھ ہوں گے۔اس کو تین دادیوں پر تقسیم کریں تو ہرایک دادی کو بیس بیس ملیں گے۔اسی تیس سے پانچ بھائیوں کے حصے سات میں ضرب دیں تو دو سو دس ہوں گے۔اس کو پانچ

[۳۲٦۳](۱۱) فان تساوت الاعداد اجزأ احدهما عن الأخر كامرأتين واخوين فاضرب

بھائیوں پر تقسیم کریں تو ہر ایک بھائی کو بیالیس بیالیس ملیں گے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

2بیویاں	3دادیاں	5بھائی
25	16.66	58.34
ہرایک کو12.5	ہرایک کو5.55	ہرایک کو11.66

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا 11.66 = 58.34÷5

تقسیم کے بعد دادی کو ملا 5.55 = 16.66÷3

تقسیم کے بعد بیوی کو ملا 12.50 = 25÷2

اس حساب میں کسی فریق کے حصے داروں کو ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ کلکیولیٹر پوائنٹ ناپتا ہے اس لئے کسر اور پوائنٹ سے تقسیم کر دیں۔ ہر ایک حصے دار کو پوائنٹ کے حساب سے حصہ مل جائے گا۔ مثلا ہر بیوی کو ساڑھے بارہ ملا تو 12.5 لکھ دیا۔ یعنی سو روپیہ میت کی میراث ہے تو اس میں سے ایک بیوی کو 12.5 یعنی ساڑھے بارہ روپئے ملیں گے۔ اسی پر آگے قیاس کرلیں۔

نوٹ یہ تباین کی مثال ہے۔

[۳۲٦۳](۱۱) اگر اعداد برابر ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے کے لئے کافی ہے۔ جیسے دو بیویاں اور دو بھائی۔ پس ضرب دیں دو کو اصل مسئلہ میں۔

تشریح اس مسئلے میں دو بیویاں اور دو بھائی ہیں۔ دونوں میں تماثل ہے یعنی دونوں عدد ایک ہی قسم کے ہیں۔ اس لئے دونوں سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے تصحیح ہو جائے گی۔

مسئلہ اس طرح ہوگا۔

میت 4 تصحیح 8 2×4=8

2بیویاں	2بھائی
1	3
2	6
ہرایک کو1	ہرایک کو3

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد دو بیویوں کو ملا 2 = 1×2

تصحیح کے بعد دو بھائیوں کو ملا 6 = 3×2

اثنین فی أصل المسئلة[۳۲۶۴](۱۲) وان کان احد العددین جزءً من الأخر اغنی الاکثر

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ایک بیوی کو ملا	1	= 2÷2
تقسیم کے بعد ایک بھائی کو ملا	3	= 6÷2

اس مسئلے میں دو بیویوں کو ایک حصہ ملا جو دو پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دو بھائیوں کو تین حصے ملے جو دو بھائیوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لیکن دونوں میں دو دو ہیں اس لئے ایک عدد یعنی دو سے اصل مسئلہ چار ہیں ضرب دیا اور تصحیح آٹھ ہوا۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

2 بیویاں	2 بھائی
25	75
ہر ایک کو 12.5	ہر ایک کو 37.5

چونکہ کلکیو لیٹر پوائنٹ ناپتا ہے اس لئے دو بیویوں کو 25 ملا تو اس کو آدھا آدھا کر دیا۔ اس لئے ہر بیوی کو 12.5 مل گیا۔ اسی طرح دو بھائیوں کو 75 ملے تو اس کو آدھا آدھا کر دیا تو ہر ایک بھائی کو 37.5 ملے۔

نوٹ یہ تماثل کی مثال ہے۔

[۳۲۶۴] (۱۲) اگر دو عددوں میں سے ایک جز ہو دوسرے کا تو بڑا عدد بے نیاز کر دے گا چھوٹے عدد کو جیسے چار بیویاں اور دو بھائی۔ جب آپ ضرب دیں چار سے تو کافی ہو جائے گا دو سے۔

تشریح یہ تداخل کی مثال ہے۔ اس مسئلے میں چار بڑا عدد ہے۔ اور دو چھوٹا عدد ہے۔ اور دو چار میں دو مرتبہ کے ساتھ داخل ہے۔ اس لئے بڑے عدد سے اصل مسئلے میں ضرب دینا چھوٹ عدد کے لئے بھی کافی ہے۔ اسی سے تصحیح ہوگی۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 16 — 4×4=16

4 بیویاں	2 بھائی
1	3
4	12
ہر ایک کو 1	ہر ایک کو 6

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد دو بھائیوں کو ملا	12	= 3×4
تصحیح کے بعد چار بیویوں کو ملا	4	= 1×4

عن الاقل كاربع نسوة واخوين اذا ضربتَ الاربعة اجزأك عن الأخوين[۳۲۶۵](۱۳) فـان وافق احد العددين الأخر ضربتَ وفق احدهما فى جميع الأخر ثم ما اجتمع فى اصل المسئلة كاربع نسوة واخت وستة اعمام فالستة توافق الاربعة بالنصف فاضرب نصف احدهما فى جميع الأخر ثم ما اجتمع فى اصل المسئلة تكون ثمانية واربعين ومنها تصح

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک بھائی کوملا	6 = 12÷2
تقسیم کے بعد ہرایک بیوی کوملا	1 = 4÷4

اس صورت میں اولادنہیں ہیں اس لئے چاروں بیویوں کو پورے مال کی چوتھائی دی گئی اور باقی تین چوتھائی دو بھائیوں کوبطور عصبہ دے دیا گیا اورمسئلہ چار سے بنایا گیا۔

اس مسئلے میں چار بڑا عدد تھا اور دو چھوٹا عدد تھا۔اور دو چار میں تداخل تھا۔اس لئے چار سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا۔جس سے سولہ ہوگیا۔اور سولہ سے تصحیح ہوئی۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

4 بیویاں	2 بھائی
25	75
ہرایک کو 6.25	ہرایک کو 37.5

چار بیویوں کو پچیس ملے تھے چاروں پر تقسیم کردیا۔ ہرایک بیوی کو 6.25 ملے۔دو بھائیوں کو 75 ملے تھے اس کو 2 سے تقسیم کردیا تو ہرایک بھائی کو 37.5 مل گیا۔

نوٹ یہ مثال تداخل کی ہے۔

[۳۲۶۵](۱۳) اگر توافق ہو دو فریقوں کے عدد میں تو ضرب دے دو میں سے ایک کے وفق سے دوسرے کے کل میں۔پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔جیسے چار بیویاں اور ایک بہن اور چھ چچا ہوں۔کہ چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے۔پھر اصل مسئلہ میں ضرب دے تو یہ اڑتالیس ہوں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔جب مسئلہ صحیح ہو جائے تو ہر وارث کے سہام ضرب دیے ترکہ میں پھر تقسیم کرے حاصل ضرب کو اس پر جس سے مسئلہ ہوا۔تو ہر وارث کا حق نکل جائے گا۔

نوٹ یہ توافق کی مثال ہے۔کیونکہ چار بیوی اور چھ چچا میں توافق ہے۔دو کا عدد دونوں کو فنا کرتا ہے۔اس لئے توافق بالنصف ہوا۔اس لئے پہلے چھ کو چار کے بجائے دو سے ضرب دیں تو بارہ نکلے گا، پھر بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیں تو اڑتالیس ہوگا۔اور اسی سے تصحیح ہوگی۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

المسئلة فاذا صحت المسئلة فاضرب سهام کل وارث فی الترکة ثم اقسم ما اجتمع علی ما صحت منه الفریضة یخرج حق ذلک الوارث.

میت 4 بالتصحیح 48 — 6×2=12×4 = 48

4 بیویاں	1 بہن	6 چچا
1	2	1
12	24	12
ہرایک کو 3	ہرایک کو 24	ہرایک کو 2

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد 6 چچا کو ملا	12 =	1×12
تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا	24 =	2×12
تصحیح کے بعد 4 بیویوں کو ملا	12 =	1×12

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہرایک چچا کو ملا	2 =	12÷6
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا	24 =	24÷1
تقسیم کے بعد ہرایک بیوی کو ملا	3 =	12÷4

اس مسئلے میں چھ اور چار میں توافق تھا۔ دو کی عدد دونوں کو فنا کر رہا تھا۔ اس لئے چھ کو دو سے ضرب دینا کافی تھا۔ چار سے دینے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ چھ کو دو سے ضرب دیا تو بارہ ہوا۔ پھر بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تو اڑتالیس ہوا۔ بارہ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تھا اس لئے بارہ سے بیویوں کا حصہ ایک میں ضرب دیں تو بارہ آئے گا جو چار بیویوں کا حصہ ہوگا۔ پھر بارہ کو چار سے تقسیم کریں تو ہرایک بیوی کو تین تین حصے مل جائیں گے۔ اسی طرح بارہ سے بہن کے حصے دو سے ضرب دیں تو چوبیس ہوں گے جو ایک بہن کا حصہ ہوگا۔ اور بارہ سے چھ چچا کا حصہ جو ایک ہے ضرب دیں گے تو بارہ ہوگا جو چھ چچا کا حصہ ہوگا۔ پھر بارہ کو چھ سے تقسیم دیں تو ہرایک چچا کے حصے میں دو دو آئے گا جو ہر ایک کا حصہ ہوگا۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

4 بیویاں	1 بہن	6 چچا
25	50	25
ہرایک کو 6.25	ہرایک کو 50	ہرایک کو 4.16

[۳۲۶۶](۱۴) واذا لم تقسم الترکة حتی مات احد الورثة فان کان مایصیبه من المیت

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہر ایک چچا کو ملا	4.16 =	25÷6
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا	50 =	50÷1
تقسیم کے بعد ہر ایک بیوی کو ملا	6.25 =	25÷4

یعنی سو روپیئے ترکہ چھوڑا تو ایک بیوی کو 6.25 ملیں گے۔ اور بہن کو 50 روپیئے ملیں گے۔ اور ہر ایک چچا کو 4.16 روپے ملیں گے۔

لغت فاذا صحت المسئلة الخ : یہاں سے مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تصحیح کے بعد ہر ایک وارث کا حصہ کیسے نکالا جائے گا۔ مثلا چار بیویاں ہیں تو تصحیح کے بعد ہر بیوی کو اڑتالیس میں سے کتنا کتنا ملے گا؟ اور اس کا حساب کیسے کریں گے؟ اس کے لئے مصنفؒ نے تھوڑا سا لمبا راستہ اختیار کیا ہے۔ لیکن آسان ترکیب یہ ہے کہ جس عدد سے اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے اسی عدد سے فریق کے سہام میں ضرب دیں تو فریق کا حصہ نکل آئے گا۔ مثال مذکور میں بارہ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تھا۔ جس سے اڑتالیس سے تصحیح ہوئی تھی۔ تو اسی بارہ سے بیویوں کا حصہ ایک میں ضرب دیں تو بارہ ہوگا۔ یہ چار بیویوں کا حصہ ہو گیا۔ اب اس کو چار سے تقسیم کریں تو ہر ایک بیوی کو تین تین مل جائیں گے۔ یہ ہر بیوی کا حصہ نکل گیا۔

یا مثلا چھ چچا کا حصہ ایک تھا۔ تو بارہ کو ایک سے ضرب دے تو بارہ آئے گا۔ یہ چھ چچا کا حصہ ہو گیا۔ اب چھ سے بارہ میں تقسیم دیں تو ہر ایک چچا کو دو دو مل جائیں گے۔ یہ ہر چچا کا حصہ اڑتالیس میں نکل آیا۔ تصحیح کے طریقہ میں حساب کی تفصیل دیکھ لیں۔

نوٹ کلکیولیٹر کے حساب میں اتنا لمبا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کسر اور پوائنٹ سے تقسیم کر دیں۔

[۳۲۶۶](۱۴) ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ کوئی وارث مر گیا۔ پس جتنا پہلی میت کو ملا تھا وہ تقسیم ہو جاتا ہو دوسرے میت کے ورثہ کی تعداد پر تو دونوں مسئلے اسی سے صحیح ہو جائیں گے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا تھا۔

تشریح ایک میت کا انتقال ہوا۔ ابھی اس کی وراثت تقسیم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے ورثہ میں سے کسی کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے اب دونوں کی وراثت تقسیم ہوگی۔ ایسے حساب کو مناسخہ کہتے ہیں۔

اگر پہلی میت سے ورثہ کو جو ملا تھا دوسری میت کے ورثہ کی تعداد ایسی تھی کہ بغیر کچھ حساب کئے اس پر تقسیم ہو جاتی ہے تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری میت کے ورثہ کو بھی اسی سے دے دیا جائے گا۔ مثلا ایک بیوی، ایک باپ شریک بہن اور پانچ چچا چھوڑا تو مسئلہ چار سے بنے گا۔ اور چونکہ پانچ چچا ہیں اس لئے تصحیح بیس سے ہوگی۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 20 — 5×4=20

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5

چونکہ ایک حصہ پانچ چچا پر تقسیم نہیں ہو سکتا تھا اس لئے پانچ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا جس سے بیس ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ اب بیوی

الاول ینقسم علی عدد ورثته فقد صحت المسئلتان مما صحت الاولی[۳۲۶۷](۱۵) وان لم ینقسم صحت فریضة المیت الثانی بالطریقة التی ذکرنا ها ثم ضربت احدی

کے ایک حصے کو پانچ سے ضرب دیا تو اس کو پانچ مل گئے۔

بعد میں بیوی کا انتقال ہو گیا اور اس نے پانچ باپ شریک بھائی چھوڑے تو چونکہ ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لئے بطور عصبہ سارا مال انہیں کو ملے گا۔ اب میت کی بیوی کے ہاتھ میں پانچ ہے۔ اور اس نے بھائی بھی پانچ ہی چھوڑے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو ایک ایک مل جائے گا۔ اس لئے بیس ہی سے مسئلہ صحیح ہے۔ دوبارہ حساب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میت 5 میت (بیوی) کے ہاتھ میں 5 ہے

5 باپ شریک بھائی
5
1 ہر ایک کو ملا

تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا 1 = 5÷5 (تقسیم کا طریقہ)

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
25	50	25
		ہر ایک کو 5

بیوی مری / میت ہاتھ میں 25 تھا

5 بھائی
25
ہر ایک کو 5

تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا 5 = 25÷5 (تقسیم کا طریقہ)

[۳۲۶۷] (۱۵) اور اگر تقسیم نہ ہو تو صحیح ہوگا میت ثانی کا فریضہ اس طریقے سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر ضرب دو ایک مسئلے کو دوسرے میں اگر میت ثانی کے سہام میں اور جس سے صحیح ہوا ہے فریضہ موافقت نہ ہو۔

تشریح پہلی میت کی وراثت تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کا انتقال ہو گیا اور وارث کو جو حصے ملے ہیں ان میں اور ان کے ورثہ کی تعداد میں

المسئلتين فی الاخری ان لم یکن بین سهام المیت الثانی وما صحت منه فریضة موافقة.

موافقت نہیں ہے بلکہ تبائن ہے تو وارث ثانی کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں۔اور حصے جو حصے ملیں گے اس کو وارث ثانی کی تعداد پر تقسیم کریں تو مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔مثلاً میت نے بیوی، حقیقی بہن اور تین چچا چھوڑے۔اس لئے مسئلہ چار سے چلے گا۔اور تصحیح بارہ سے ہوگی۔مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 12 / تصحیح 60   3×4=12×5=60

بیوی	ایک حقیقی بہن	3 چچا
1	2	3
3	6	3
15	30	15

بیوی مری / میت 5×12=60 / ہاتھ میں 3 ہے

5 بھائی
3
15

ہر ایک کو 3 ملے گا۔

تصحیح کا طریقہ

تصحیح کے بعد 3 چچا کو ملا	15 =	3×5
تصحیح کے بعد بہن کو ملا	30 =	6×5
تصحیح کے بعد بیوی کو ملا	15 =	3×5
مجموعہ........................	60	

تقسیم کا طریقہ

تقسیم کے بعد ہر ایک چچا کو ملا	5 =	15÷3
تقسیم کے بعد ایک بہن کو ملا	30 =	30÷1
تقسیم کے بعد ایک بیوی کو ملا	15 =	15÷1
تقسیم کے بعد ہر ایک بھائی کو ملا	3 =	15÷5

اس مسئلے میں تین چچا تھے اور ان کو ایک ملا تھا۔اس لئے تین سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تو بارہ سے تصحیح ہوئی۔پھر بیوی کو ایک ملا تھا تو اس کو تین میں ضرب دیا تو تین نکلا جو بیوی کا حصہ ہوا۔اور بہن کو دو ملا تھا اس کو تین سے ضرب دیا تو اس کو چھ ملا۔اور چچا کو ایک ملا اب اس کو تین سے ضرب دیا تو تین ملا۔اور ہر ایک چچا کو ایک ایک ہو جائے گا۔

[۳۲۶۸] (۱۶) فان کانت سهامهم موافقة فاضرب وفق المسئلة الثانية فی الاولی فما اجتمع صحت منه المسئلتان

ورثہ تقسیم ہونے سے پہلے بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اور اس نے پانچ بھائی چھوڑے۔ اب بیوی کے ہاتھ میں صرف تین حصے ہیں اور بھائی پانچ ہیں جن پر تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور تین اور پانچ میں تباین بھی ہے۔ اس لئے پانچ سے اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیا تو ساٹھ ہوگیا۔ اب دونوں میت کے وارثین کو ساٹھ سے حصے ملیں گے۔ اور جن کو پہلے ملا ہے ان کے حصوں کو پانچ سے ضرب دیں گے۔

چنانچہ بیوی کو پہلے بارہ سے تین ملے تھے اس کو پانچ سے ضرب دیں تو پندرہ ہوجائیں گے۔ تو گویا کہ بیوی کے ہاتھ میں اب پندرہ حصے ہو گئے۔ اور عصبہ کے طور پر مال لینے والے پانچ بھائی ہیں تو ہر ایک بھائی کو تین تین ملیں گے۔ اوپر کے حساب کو غور سے دیکھیں۔

نوٹ یہ مثال دونوں میت کے وارثین میں تباین کی ہے۔

کلکیولیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	ایک حقیقی بہن	3 چچا
25	50	25

بیوی مری / میت 25 ہاتھ میں ہے

5 بھائی
25

ہر ایک کو 5 ملے گا - 25÷5=5

کلکیولیٹر کے حساب میں تبائن، تماثل، تداخل اور توافق کا اعتبار نہیں ہے۔ کسر کے ذریعہ سے سب پر تقسیم کردیا جائے گا۔

[۳۲۶۸] (۱۶) اور اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو ضرب دے دوسرے مسئلے کے وفق کو پہلے مسئلے میں۔ پس جو حاصل ضرب ہو اس سے صحیح ہوں گے دونوں مسئلے۔

تشریح یہ وفق کی مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو وارث مرا ہے اس کو جو حصہ ملا اس میں اور جس سے مسئلہ چلے گا اس میں توافق کی نسبت ہے تو توافق سے پہلے میت کے اصل میں ضرب دیں۔ جو حاصل ضرب ہوگا اس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو جائے گی۔ مثلا میت نے ایک بیوی، ایک باپ شریک بہن اور پانچ چچا چھوڑے۔ اس لئے مسئلہ چار سے چلے گا۔ لیکن پانچ چچا کو ایک حصہ ملے گا جو ان پر تقسیم نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے پانچ کو چار اصل مسئلہ سے ضرب دیا جائے گا تو بیس ہوگا۔ اور اسی بیس سے میت اول کی تصحیح ہوگی۔

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 4 تصحیح 20 / تصحیح 120 — 5×4=20×6=120

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5
30	60	30

(تصحیح کا طریقہ)

تصحیح کے بعد 5 چچا ملا 5 = 5×1

تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا 10 = 5×2

تصحیح کے بعد ایک بیوی کو ملا 5 = 5×1

(تصحیح کا طریقہ)

دوبارہ تصحیح کے بعد 5 چچا کو ملا 30 = 6×5

دوبارہ تصحیح کے بعد ایک بہن کو ملا 60 = 6×10

دوبارہ تصحیح کے بعد ایک بیوی کو ملا 30 = 6×5

ابھی تقسیم ہوئی بھی نہیں تھی کہ باپ شریک بہن مرگئی اور شوہر، ماں، ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ اس لئے مسئلہ بارہ سے چلے گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بہن کے ہاتھ میں دس حصے ہیں اور مسئلہ بارہ سے چل رہا ہے جو زیادہ ہے۔ البتہ دس اور بارہ میں توافق ہے۔ دونوں دو سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بارہ کا آدھا چھ سے میت اول کے اصل مسئلہ بیس میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ایک سو بیس ہو جائے گا۔ اور بہن کے ہاتھ میں دس کو چھ سے ضرب دیں گے تو ساٹھ ہو جائے گا۔ اب ساٹھ بہن کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ مسئلہ اس طرح بنے گا۔

میت 12 تصحیح 60 — 10×6=60 ہاتھ میں ہے

شوہر	ماں	ایک بیٹی	چچا
3	2	6	1
15	10	30	5

اس مسئلے میں چونکہ دو سے توافق تھا اس لئے دس کا آدھا پانچ ہوگا۔ اور تمام وارثوں کے حصوں کو پانچ سے ضرب دینے سے سب وارثوں کے حصے نکل جائیں گے۔ جیسا کہ اوپر حساب میں دیکھ رہے ہیں کہ شوہر کے تین حصوں کو پانچ سے ضرب دیا تو تصحیح پندرہ سے ہوا۔ اور ماں کے دو حصوں کو پانچ سے ضرب دیا تو دس ہوگیا۔ اور چچا کے ایک حصے کو پانچ سے ضرب دیا تو پانچ ہوگیا۔ اور مجموعہ ساٹھ حصے ہوگئے جو باپ شریک بہن کے ہاتھ میں پہلی میت سے ملے تھے۔

کلکیو لیٹر کا حساب اس طرح ہوگا۔

میت 100

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
25	50	25

بہن مرگئی / میت 100 ایک حصہ 0.5=100÷50 ہاتھ میں ہے

شوہر	ماں	ایک بیٹی	چچا
25	16.66	50	8.34
12.5	8.33	25	4.17

﴿ مناسخہ کا نیا طریقہ ﴾

کلکیو لیٹر سے مناسخہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو پہلے مرا ہے اس کے وارثین کو 100 سے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ دیدیں۔ اوپر کی مثال میں 100 سے مسئلہ بنایا اور بیوی کو 25، بہن کو 50 اور چچا کو 25 دیا۔

اس دوران باپ شریک بہن زاہدہ مرگئی اور اس کے ہاتھ میں 50 تھا۔ اور وارثین میں شوہر، ماں، ایک بیٹی اور چچا چھوڑا۔ تو پہلے ان وارثین کو 100 سے ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کریں۔ اس طرح شوہر کو چوتھائی 25 ملے گا، ماں کو چھٹا 16.66 ملے گا، بیٹی کو آدھا 50 ملے گا اور جو 8.34 بچا وہ چچا کو بطور عصبہ ملے گا۔

اب ہاتھ میں ہے 50 اور حصہ تقسیم کیا ہے 100 سے۔ اس لئے طریقہ یہ ہے کہ 50 کو 100 سے تقسیم دیں اور جو کچھ تقسیم کے بعد نکلے گا وہ ایک حصہ ہوگا۔ پھر اس سے تمام وارثین کے حصوں سے ضرب دیں تو ہر ایک وارث کو ہاتھ میں جو رقم ہے اس سے حصہ مل جائے گا۔

تقسیم اس طرح ہوگا 0.5=100÷50 یہ حصہ ہوا۔

اب..... 0.5 سے چچا کے حصے 8.34 سے ضرب دیا تو 4.17 نکلا جو چچا کو ملے گا

اب..... 0.5 سے بیٹی حصے 50.00 سے ضرب دیا تو 25.00 نکلا جو بیٹی کو ملے گا

اب..... 0.5 سے ماں کے حصے 16.66 سے ضرب دیا تو 8.33 نکلا جو ماں کو ملے گا

اب..... 0.5 سے شوہر کے حصے 25.00 سے ضرب دیا تو 12.5 نکلا جو شوہر کو ملے گا

سب کا مجموعہ ہوا 50

اب مثلاً بیٹی راشدہ مرگئی اور شوہر، ایک بیٹا اور ایک بیٹی زینب چھوڑی۔ تو مسئلہ 100 سے بنا کر شوہر کو چوتھائی 25 دیا۔ اور باقی 75 بیٹا اور بیٹی للذکر مثل حظ الانثیین دیا یعنی بیٹا کو دوگنا 50 دیا اور بیٹی کو ایک گنا 25 دیا۔ لیکن بیٹی راشدہ کے ہاتھ میں وراثت سے صرف 25 ملا ہے اس لئے 25 کو 100 سے تقسیم دیں تو 0.25 نکلے گا جو ایک حصہ ہوگا۔

[۳۲۶۹](۱۷) وکل من له شیء من المسئلة الاولی مضروب فیما صحت منه المسئلة الثانیة[۳۲۷۰](۱۸) ومن کان له شیء من المسئلة الثانیة مضروب فی وفق ترکة المیت

اب..... 0.25 سے بیٹی کے حصے 25 سے ضرب دیا تو 6.25 نکلا جو بیٹی کو دیا

اب..... 0.25 سے بیٹے کے حصے 50 سے ضرب دیا تو 12.50 نکلا جو بیٹا کو دیا

اب..... 0.25 سے شوہر کے حصے 25 سے ضرب دیا تو 6.25 نکلا جو شوہر کو دیا

سب کا مجموعہ ہو 25

مسئلہ اس طرح بنے گا۔

بیٹی راشدہ مرگئی 100 ایک حصہ ہوا 0.25=100÷25 25 ہاتھ میں ہے

شوہر	بیٹا	بیٹی زینب
25		
6.25		
	75	
	50	25
	12.5	6.25

ایک حصہ ہوا 0.25=100÷25 مناسخہ کا طریقہ

مناسخہ کے بعد بیٹی زینب کو ملا	6.25	=	25 ×	0.25
مناسخہ کے بعد بیٹا کو ملا	12.50	=	50 ×	0.25
مناسخہ کے بعد شوہر کو ملا	6.25	=	25 ×	0.25

مجموعہ........ 25 جو بیٹی راشدہ کے ہاتھ میں ہے

[۳۲۶۹](۱۷) جس کو کچھ ملا ہے پہلے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا اس سے جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔

تشریح مثلا مسئلہ نمبر ۱۶ میں دوسرا مسئلہ بارہ سے صحیح ہوا تھا تو پہلے مسئلے کے تمام حصوں کو بھی بارہ سے ضرب دیں گے۔ یا اس کے وفق سے ضرب دیں گے۔ تاکہ پہلے مسئلہ کے وارثین کا حصہ بھی صحیح ہو۔ اور دوسرے مسئلہ کے وارثین کا حصہ بھی صحیح ہو۔ بارہ کا وفق چھ ہوا تھا تو چھ سے اصل مسئلہ کو ضرب دیا تھا اور پہلے مسئلے کے وارثین کے جتنے حصے تھے سب کو چھ سے ضرب دیا تھا۔ چنانچہ باپ شریک بہن کا حصہ پہلے مسئلے میں صرف دس تھا۔ تو دوسرے مسئلے کے چھ سے ضرب دینے کی وجہ سے ساٹھ ہو گیا۔

[۳۲۷۰](۱۸) اور جس کو کچھ ملا ہے دوسرے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا میت ثانی کے ترکہ کے وفق میں۔

تشریح مسئلہ ثانیہ کے ورثہ کے جو حصے ہیں ان کو میت کے ترکہ کا جو وفق ہے اس سے ضرب دیا جائے گا۔ مسئلہ نمبر ۱۶ کی مثال میں باپ شریک بہن کے ہاتھ میں دس تھا اس کا وفق پانچ ہوتا تھا۔ اس لئے میت ثانی کے ورثہ کے حصوں کو پانچ ہی سے ضرب دیا گیا ہے۔ چنانچہ شوہر کو اصل

الثانی[۳۲۷۱](۱۹) واذا صحت مسئلة المناسخة واردت معرفة ما یصیب کل واحد من حساب الدراهم قسمت ماصحت منه المسئلة علی ثمانیة واربعین فما خرج اخذت له من سهام کل وارث حبةً. والله اعلم بالصواب.

مسئلہ بارہ سے تین ملاتھا تو اس کو پانچ سے ضرب دیا تو پندرہ ہو گیا۔ اور ماں کو دو ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو دس ہو گیا۔ اور بیٹی کو چھ ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو تیس ہو گیا۔ اور چچا کو ایک ملا تھا اس کو پانچ سے ضرب دیا تو پانچ ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ میت ثانی کے ہاتھ میں جو کچھ ترکہ ہے اس کے وفق سے میت ثانی کے ورثہ کے حصوں کو ضرب دیا جائے گا۔

[۳۲۷۱](۱۹) جب مناسخہ صحیح ہو جائے اور اس حصہ کو معلوم کرنا چاہیں جو درہم کے حساب سے ہر ایک کو پہنچتا ہے۔ تو جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو تقسیم کریں اڑتالیس سے۔ پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لے لے۔

تشریح یہ اس زمانے کا حساب تھا۔ اب اس دور میں ساری دنیا میں روپیہ، پونڈ، درہم وریال سونئے پیسے سے بنتا ہے۔ اس لئے اڑتالیس سے نہیں بلکہ سو سے حساب ہوگا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جو اصل مسئلہ کا عدد ہے اس کو سو سے تقسیم کریں۔ پھر تقسیم کے بعد جو کچھ آئے اس سے ہر وارث کے حصے کو تقسیم کریں تو یہ نکل جائے گا کہ ایک پونڈ یا ایک روپئے میں ہر وارث کا کتنا کتنا پیسہ یا کتنا کتنا پنس ہوگا۔

مثلا مسئلہ نمبر ۱۶ میں اصل مسئلہ 120 سے چلا تھا اس لئے 120 کو سو سے تقسیم دو تو خارج قسمت 1.2 آئے گا۔ پھر اس سے بیوی کا حصہ 30 میں تقسیم دیں تو 25 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میت نے ایک روپیہ چھوڑا ہو تو بیوی کو 25 پیسہ ملے گا (۲) باپ شریک بہن کو 60 ملا ہے اس کو 1.2 سے تقسیم دیں تو 50 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک روپیہ میں پچاس پیسہ ملے گا۔ چچا کو 30 ملا تھا۔ اس کو 1.2 سے تقسیم دیں تو 25 آئے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک روپیہ میں چچا کو 25 پیسہ ملے گا۔ اسی پر ہزاروں اور لاکھوں کا حساب کرلیں۔

اس وقت رات کا ڈھائی بج رہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی میری اہلیہ قلم روکنے کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے اور دل سے دعاء کر رہی ہے کہ شرح اختتام تک پہنچے اور عند اللہ وعند الناس مقبول ہو اور دونوں کے لئے اجر آخرت کا ذریعہ بنے۔

محترمہ نے اس ناچیز کو گھر کی بہت سی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے شرح لکھنے کے لئے فارغ کر دیا ہے۔ رب کریم کی بارگاہ میں دلی دعاء ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں دونوں کو جگہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو دونوں کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔

آمین یارب العالمین!

﴿ تمت بالخیر ﴾

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ ولوالدیہ

سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچسٹر

و چیئرمین مون ریسرچ سینٹر، یو، کے

۵، رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

۳۱، اکتوبر ۲۰۰۳ء
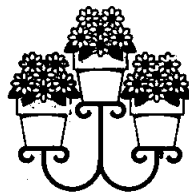
ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

مختصر تعارف

قصرِ نبوت پر نقب لگانے والے راہزن دورِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک مختلف انداز کے ساتھ وجود میں آئے ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت ﷺ کا تاج صرف اور صرف آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر پر سجایا اور دیگر مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ قادیان تک سب کو ذلیل و رسوا کیا۔ امت کے ہر طبقہ میں ایسے اشخاص منتخب کئے جنہوں نے ختم نبوت ﷺ کے دفاع میں اپنی جانوں تک کے نذرانے دیئے اور شب و روز اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کو بفضل اللہ تعالیٰ ناموس رسالت و ختم نبوت ﷺ کے مقدس رشتے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے قیام کا مقصد بھی من جملہ انہی اغراض و مقاصد پر محیط ہے، چنانچہ عالمی مبلغ ختم نبوت ''حضرت عبدالرحمٰن یعقوب باوا'' نے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگی کو اس کارِ خیر کے لئے وقف کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ، انہی کی انتھک محنت و کاوشوں سے اکیڈمی کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

الحمدللہ اس ادارہ نے عالمی سطح پر ختم نبوت کے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ تقاریر، لٹریچر، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مسلمانوں کو قادیانیت اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر کیا اور پوری دنیا میں ختم نبوت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں۔

انتظامیہ: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

KHATME NUBUWWAT ACADEMY

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.